اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی ایک اور علمی پیشکش

آثار الحدیث

جلد اوّل

عنوانات :

لغتِ حدیث	تاریخِ حدیث	موضوعِ حدیث	ضرورتِ حدیث
مقامِ حدیث	حفظِ حدیث	قرآن اور حدیث	حجیتِ حدیث
فضائلِ حدیث	تدوینِ حدیث	رجالِ حدیث	شیوخِ علمِ حدیث
اسلوبِ حدیث	اشاعتِ حدیث	تعریفِ حدیث	

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف
الفضل مارکیٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جان مسلّم داشتن

اشاعت اول	۱۹۸۵ء
تعداد	۵۰۰
کتابت	[illegible] صدیقی
ناشر	دارالمعارف لاہور
قیمت	۸۵/- روپے

19 CHARLTON TERRACE OFF UPPER BROOK STREET
MANCHESTER - U.K.

محمد زاہد
ناظم دار المعارف
الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

موضوع حدیث

ضرورت حدیث

مقامِ حدیث

اخبار الحدیث

قرآن اور حدیث

حفاظت حدیث

تدوینِ حدیث

رجال الحدیث

شیعہ اور علم حدیث

اسلوب حدیث

امثال الحدیث

غریب الحدیث

عنوانات جلد دوم

عنوانات

بلادِ اسلامیہ کے اضافہ میں دو دوسرے بادشاہوں کے نام جو خطوط ہیں ان میں بھی داعیۃ الاسلام ہی مذکور ہے۔ پھر داعیہ اور دعایۃ کا مفہوم بھی ایک ہے۔ محدثین نے روایت بالمعنی میں ایک دوسرے کی جگہ دعایہ سے ذکر کر دیا تو اس میں کوئی فرق نہیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں داعیۃ الاسلام ہی صحیح طور پر مذکور ہے۔

جب اس دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل خط کا دریافت ہونا اور دورِ اول کی لکھی ہوئی کتبِ حدیث میں اسی خط کا بالکل اسی طرح ملنا حدیث کی صداقت کا ایک کھلا نشان ہے۔

قدیم کتب خانوں کے پرانے مخطوطات جب منظر عام پر آتے ہیں اور ان کے مضامین اور الفاظ کو جب ہم تاریخ وار قدیم کتبِ حدیث میں دیکھتے ہیں تو اس یقین سے چارہ نہیں رہتا کہ علم حدیث ان مسلمانوں کی واقعی ایک ایسی ملی کاوش ہے جس پر مسلمانوں کی تاریخ ہمیشہ ناز کر سکتی ہے کیونکہ وہ سرمایہ علم ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی دوسری قوم کے پاس موجود نہیں۔ مستشرقین اگر اس باب میں شک و تردد کے کانٹے بکھیرتے ہیں تو وہ فکری طور پر مجبور ہیں اس کے بغیر ان کے ہاں انکارِ اسلام کی کوئی راہ ہی نہیں ہے —— ہم اپنی پچھلی تحقیقات کو جیسے جیسے دور کی کھوج کی گئی حدیث کی مزید شہادتیں ملتی ہیں ان سے صداقتِ حدیث کا چہرہ اور کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

طلبہ علوم اسلامی کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے اس سرمایہ علم پر پوری پوری محنت کریں اور اس کے ایک ایک موضوع کا فکری، نظری اور تاریخی جائزہ لیں۔ دیگر فنون سے دورۂ تحصیل میں مناسبت رہے تو وہ ساری عمر کام دیتی ہے۔ مگر فنِ حدیث اپنے کمال میں پوری عمر مانگتا ہے۔ جو طلبہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے انہیں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم اس منزل کو طے کر چکے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اب ہم اس راہ پر چلنے کے لائق ہوئے ہیں اور اب اس راہ میں ہمیں ساری عمر چلنا ہے۔ علماء کی زندگی کا یہ سب سے اشرف موضوع ہے۔ جس طرح دورۂ حدیث طلبہ علوم اسلامی کی سب سے بڑی کلاس ہے۔

آثار الحدیث ان شاء اللہ العزیز آپ کی زندگی کے اس پورے سفر میں آپ کا ساتھ دے گی آپ جس موڑ پر سے اس کا مطالعہ کریں اسے پڑھیں اور پڑھائیں، حدیث کے خلاف چھیڑے گئے فتنوں کی جڑ خود بخود کٹتی جائے گی اور آپ کو اس میں حدیث کی صداقت پر ایک کھلا نور، سکون اور اطمینان ملے گا۔ —— ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

گیا۔ قارئین ہماری قواعد حدیث کی بحث میں ان کا تفصیلی مطالعہ کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے
ہیں کہ ہمارے قارئین اور طلبہ اہل مغرب کے ان بیہودہ بیانات کے کسی فریب میں نہ آئیں۔ یہ سب افترات
ہر اس شخص کی حماقت ثابت کرتے ہیں جو سچائی کی طلب میں نکلے۔ اسے تو سچی سلامتی کی دولت حاصل ہو اور
وہ کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

یہ بات اپنی جگہ قطعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے کوئی حدیث وضع نہیں
کی۔ ان کے درمیان کتنے ہی بڑے بڑے اختلافات ہو گئے۔ بعض جماعات میں خونریزی تک نوبت پہنچی لیکن
اپنی تائید یا کسی کی تردید میں کسی نے کوئی ایسی بات حضور کی طرف منسوب نہیں کی جو آپ نے نہ کہی ہو
—— پھر یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرام محض وہ ریگستان کے خانہ نشین نہ تھے جو دنیا
کے بدلتے ہوئے تہذیب و تمدن کے تقاضوں سے ناآشنا ہوں، وہ عملی زندگیوں کے عملی انسان تھے۔ روحانی
مشکل راہوں میں بھی اور تجربہ پر پورے اترے۔ پھر ان کے جانشین ان کی راہوں پر چلے اور دنیا میں جہانبانی کی
—— سائنس و طبیعیات میں وہ کارنامے کیے کہ آج تک ان علوم کا کوئی طالب علم علمائے اسلام کی ان کاوشوں
سے مستغنی ہو کر آگے نہیں چل سکتا —— کیا یہی وہ لوگ ہیں جو رحیم سیور یا اسپینگر کی رائے کے مطابق
درایت سے ناآشنا تھے؟ اور کیا درایت سے ناآشنا کوئی قوم ترقی کی اتنی راہوں کو عبور کر سکتی ہے؟

درایت اس کتاب کا موضوع نہیں۔ اس کی بحث آپ کو انشاء اللہ العزیز ثانیاً التشریع میں ملے
گی۔ یہاں طلبہ کو صرف اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ مسلمان ان علوم کے بانی ہیں اور دنیا کو انہوں نے
ہی فن تاریخ اور نقل وقائع کے صحیح نظری اصولوں سے آشنا کیا ہے۔ اسلامیات میں صحیح بات جاننے
کے لیے آپ ہمیشہ اصل ماخذوں کی طرف رجوع کریں۔ جنہیں سے ہم نے لیا ہے ان سے کوئی
بات تائید میں ملے تو بے شک لے لیں۔ لیکن اگر ان کی کوئی بات ہمارے اصل ماخذوں سے ٹکرائے
تو آپ اس کی مزید تحقیق کریں۔ مسلم کی کوئی بات تنقید اور درایت کے نظری اصول کے خلاف نہ پائیں
گے —— ہاں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھیں کہ کسی بات کا ہماری عقل میں نہ آنا اور بات ہے اور خلاف
عقل ہونا اور بات ہے۔ نادان دانشوروں نے عقل و ذہن کو بھی بسا اوقات خلاف عقل سمجھ لیا ہے۔

اب مستشرقین کا عمل تشکیک ملاحظہ کیجئے۔

گولڈزیہر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل کرتا ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتے، شکاری کتے اور

اب آپ ہی غور فرمائیں۔ بات کیا تھی اور مستشرقین نے اسے اپنی ضرورت کے تحت
کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اب جو طلبہ اس لٹریچر سے اسلام سیکھیں گے وہ کس ساحل پر اتریں گے۔
یہ بات آپ کے سوچنے کی ہے۔ اور اس کا فیصلہ آپ خود کریں۔

راقم الحروف نے ایک دفعہ اپنے قیام انگلستان کے دوران وہاں کے مشہور مستشرق
مسٹر جیمز رابسن سے مستشرقین کی اس غلطی کا ذکر کیا تو اس نے مسٹر گولڈزیہر اور مسٹر
شاخت کے قصور مطالعہ پر محمول کیا اور کہا کہ اگر ان کی نظر میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی یہ روایت
بھی کہ آپ بھی آئندہ بھی استشہاد نہیں ذکر فرماتے تھے کہ مسٹر شاخت نے اسی طرح بیان نہ کرتے
اس کی نظر میں یہ دوسری روایت نہ ہوگی۔ میں نے کہا آپ اسے ان مستشرقین کی بھول یا قصور مطالعہ
پر محمول کرنا بہتر سمجھتے ہیں بجائے اس کے کہ اسے مسٹر گولڈزیہر یا مسٹر شاخت کی بدنیتی پر محمول کریں
کہ وہ غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے حدیث میں تشکیک پیدا کرنا اپنے لئے مفید سمجھتے تھے اور اسی لئے
وہ اس قسم کے ابہام پیدا کرتے رہتے ہیں۔ تو انہوں نے یہی انداز فکر حضرت ابن عمرو کے بارے میں
کیوں اختیار نہ کر لیا کہ وہ تیسرے کے کہ استشہاد بوجہ عدم ضرورت کے بھول گئے ہوں گے اور
حضرت ابوہریرہ کی روایت سنتے وقت انہیں وہ پوری حدیث یاد آگئی ہوگی۔ علمی دنیا میں سہو و
نسیان کوئی بڑا عیب نہیں لیکن بدنیتی اتنی بڑی شے ہے کہ اس کے بعد کوئی عزت علمی باقی نہیں رہتی
پھر جب یہ الزام کسی دینی جہت پر لگے تو اور بھی لائق افسوس ہو جاتا ہے۔

ہمارے جو طلبہ مستشرقین کے لٹریچر سے اسلام سیکھنا چاہتے ہیں وہ اس ایک مثال پر
غور کریں وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مشکلات حدیث میں حدیث کے ماہرین علماء کی طرف رجوع
کئے بغیر وہ کسی حدیث کے بارے میں کوئی حتمی رائے اختیار نہ کریں۔

ترجمان الحدیث کے ان مضامین میں ہر مضمون اپنی جگہ ایک مستقل کتاب ہے۔ آپ پوری
کتاب نہ بھی پڑھیں تو جس موضوع کی آپ کو ضرورت ہو اسے اس کے متعلقہ عنوان میں آپ آسانی سے
معلوم کر سکیں گے۔ ہر عنوان اپنی جگہ ایک پورا مضمون ہے۔ اسے پڑھئے آپ کے ذہن میں اس
موضوع سے متعلق کوئی تشنگی باقی نہ رہے گی۔

بعض عنوان ایسے ہیں کہ ان میں کچھ قدر مشترک ہے۔ یہ قدر مشترک آپ کو مختلف عنوانوں میں موضوع
کی مناسبت سے ملے گی۔ اسے تکرار نہ سمجھا جائے۔ ہر عنوان کو جامع بنانے کے لئے اس کا
وہاں دیا جانا ضروری تھا۔ حضرت امام بخاری نے الصحیح کے باب باندھے تو آپ کو بھی بعض احادیث

لفظِ حدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

حدیث کے بارے میں کسی خاص موضوع پر بحث discussion کرنے سے
پہلے یہ جاننا چاہیے کہ حدیث کسے کہتے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے لغوی معنی
کیا ہیں؟ دورِ اوّل میں اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ دورِ آخر میں اس کے اصطلاحی معنی کیا ہو گئے ہیں۔
اور علوم اسلامی میں حدیث کو ہر دور میں کیا اہمیت حاصل رہی ہے؟ علوم اسلامی کے طلبہ کے لیے
ان امور کا جاننا بہت ضروری ہے۔ آج لفظ حدیث کے عنوان سے حدیث کی کچھ تفصیل کی جاتی
ہے۔ سو آج کا موضوع حدیث کا تعارف ہے کہ حدیث کسے کہتے ہیں۔

حدیث کی اہمیت

قانونِ اسلامی کے ماخذ کی حیثیت سے لفظ حدیث علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں،
اسلام میں اسے ہمیشہ اساسی حیثیت حاصل رہی ہے اور اس موضوع پر دورِ قدیم اور دورِ جدید
میں خاصا کام ہوا ہے۔ کام کی وسعت اور تالیفات کی کثرت پتہ دیتی ہے کہ علوم اسلامی میں حدیث
کو بہت ہی اہمیت حاصل رہی ہے۔ قرآن کریم کی تفہیم و تفصیل میں بھی حدیث کی طرف ہی رجوع
کیا جاتا ہے اور فقہ کی اساس بھی حدیث سے ہی لی جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ اسے جانے بغیر
اسلام کا کوئی موضوع مکمل نہیں ہوتا۔ ان موضوعات پر بھی ان شاء اللہ آئندہ موقع پر بحث ہو
گی۔ آج کا موضوع لفظ حدیث کی تحقیق اور علم حدیث کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا ہے۔ یہ
حدیث کا تعارف ہے۔ معرفتِ لفظ حدیث سے ہماری یہی مراد ہے۔

حدیث کے معنی

حدیث کے لفظی معنی بات statement اور گفتگو talk کے ہیں۔ علامہ جوہری صحاح میں لکھتے ہیں۔

الحدیث الکلام قلیلہ وکثیرہ۔

ترجمہ۔ حدیث بات کو کہتے ہیں وہ مختصر ہو یا مفصل۔

حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بیان کے پہلو سے ذکر کی جائیں تو حدیث کہلاتی ہیں اور ان روایات کی تحدیث کو (آگے بیان کرنا) transmission کہتے ہیں۔ عمل کے پہلو سے حضور کی تعلیمات کو سنت کہا جاتا ہے۔ سنت عربی میں طریقے conduct اور راہ Path کو کہتے ہیں۔

حدیث سے مراد

حضور کی تعلیمات (قولی، فعلی اور تقریری[1]) معرض بیان میں ہوں تو حدیث ہیں۔ اور معرض عمل میں ہوں تو سنت کہلاتی ہیں۔ حدیث میں بیان کی نسبت غالب ہے۔ اور سنت میں عمل کی نسبت غالب ہے۔ صحابہ کرامؓ جب اس طریق کی نشاندہی کرتے تھے جس پر حضور اکرمؐ نے انہیں قائم کیا، تو کہتے تھے۔

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضورؐ نے اس امر کو ہمارے لیے دستور عمل بنایا ہے۔

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے کچھ کیا یا کہا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا نکیر نہ کی اور اس سے یہی سمجھا گیا کہ اس عمل یا قول کی حضورؐ نے تصدیق فرما دی ہے تو اسی تصدیق کو تقریر confirmation کہتے ہیں اور آپ کی یہ خاموش تقریری حدیث کہلاتی ہے۔ یہ تقریری حدیث ہے

[2] عن علی قال الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبۃ ولکن سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . . . . سنۃ سنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جامع ترمذی جلد اول ص) عن عبدالرحمن مرفوعاً سننت لکم قیامہ سنن ابن ماجہ ص میں ہے قیام رمضان تمہارے لیے سنت بنایا ہے۔

اور جب وہ حضورؐ کی بات کو نقل کرتے تو کہتے تھے:

حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1] حضورؐ نے ہم سے حدیث بیان کیا۔

پس حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا بیان ہوا۔ سنت اپنی نسبت عمل اور حدیث اپنی نسبت بیان ممتاز رہی۔[2]

حدیث و قدیم کا فرق

عربی میں لفظ حدیث قدیم کے مقابلے میں بھی ہے۔ قدیم پرانے کو کہتے ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن پاک کلام الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ کلام قدیم ہے۔ یہ مخلوق (created) نہیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حدیث ہے قدیم نہیں۔ آپ بھی خدا کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ آپ کی ذات حادث ہے قدیم نہیں۔ ذات قدیم کا کلام قدیم ہوگا اور ذات حادث کے کلام کو حدیث کہیں گے۔ قرآن پاک کا غیر مخلوق ہونا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ سو ضروری تھا کہ علم اسلامی کا دوسرا سرچشمہ حدیث کہلائے تاکہ کلام خالق اور کلام مخلوق میں معنوی فرق عنوان میں بھی باقی رہے۔

---

[1] عن زید بن وهب حدثنا حذیفة قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثین (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ [illegible]) ؛ حدیث عن رسول اللہ (بخاری جلد ۱ صفحہ [illegible]) لا حدثنکم حدیثا (بخاری جلد ۱ صفحہ [illegible]) یا رسول اللہ صدق اللہ حدیثک (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ [illegible]) اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا به (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ [illegible]) حدثوا عنی ولا حرج (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ [illegible]) من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو احد الکاذبین (صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ [illegible]) اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم رواه الترمذی کما فی المشکوٰة صفحہ [illegible] من حفظ علی امتی اربعین حدیثا (مشکوٰة صفحہ ۳۶)

[2] وهذا الفرق کان ذائعا فی السلف قال عبد الرحمن بن مهدی سفیان الثوری امام فی الحدیث ولیس بامام فی السنة والاوزاعی امام فی السنة ولیس بامام فی الحدیث ومالک بن انس امام فیهما جمیعا۔

یتیمی اور احسانِ ایواء

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی چل بسیں۔ آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا کی کفالت میں رہے پھر آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی۔ جب کہ وہ اسے وطن ہو گئے تو اہلِ مدینہ نے آپ کو جگہ دی۔ ایواء کے معنی جگہ دینا اور ٹھکانا بہم پہنچانا کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیمی کی حالت میں پایا اور پھر ٹھکانا دیا۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔

ترجمہ: کیا تجھے یتیم نہیں پایا۔ پھر جگہ دی۔

ناداری کے بعد غنا

آپ ابتداء میں نادار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔ تجارت میں کامیابی دی۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان غنی جیسے مالدار حضرات کو آپ کے خادم بنا دیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ ایک سلطنت کے فرمانروا اور ایک بڑی امت کے تمام دینی اور دنیوی امور میں پیشوا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ناداری کو غنا سے بدل دیا تھا۔ آپ کو ناداری کے بعد غنی کر دیا تھا۔ آپ تو مکہ میں ہی تھے کہ ارشاد فرمایا۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی۔

اور پایا آپ کو نادار ——— پھر غنی کر دیا۔

تلاش و اضطراب اور راہبری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے مشرکانہ اطوار اور بے ہودہ رسم و رواج و راہ سے شروع سے بیزار تھے۔ قلب مبارک میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی تڑپ پورے جوش سے دل میں موجود تھی۔ اس جوش قلب اور عشق خداوندی

میں آپ ایک کھلے رستے اور مفصل دستورِ زندگی کی تلاش میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کی ساری راہیں کھول دیں۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔

ترجمہ: اور پایا آپ کو راہ ڈھونڈتا ـــــ پھر راہ بتا دی۔

ارشاد ہوا کہ (۱) جب آپ خود یتیم تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ تو اب آپ کسی یتیم پر کوئی زیادتی نہ کریں۔ (۲) جب آپ خود نادار تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا تو اب آپ کسی سائل کو نہ جھڑکیں اور (۳) جب آپ خود ایک مفصل راہ کی تلاش میں مضطرب تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کی راہیں کھول دیں تو اب آپ کو جو راہ مل گئی اسے دوسروں سے بھی بیان کریں تاکہ ان کو بھی راہ مل جائے۔

قرآن کریم نے اس ہدایت ربانی اور نعمت یزدانی کے آگے پہنچانے کو فَحَدِّثْ کے لفظ سے بیان کیا ہے جس کے معنی ہیں TRANSMIT IT TO OTHERS آپ اسے دوسروں سے بیان کریں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت اور تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث بیان کرنے کا بھی حکم ہوا تھا۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت آپ پر کھولی ہے اسے آپ آگے روایت فرما دیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی بیان کرتے ہیں۔

شاید آپ کے ارشاد وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے وہ اسی فَحَدِّثْ سے لیا گیا ہو۔[1]

اب آپ پھر ان آیات پر نظر کریں۔ بات اور وضاحت سے کھلے گی۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوٰى ○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ○ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ○ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ○

ترجمہ: کیا نہ پایا تجھ کو یتیم سو جگہ دی ـــــ اور پایا تجھ کو راہ کا متلاشی۔ سو

[1] فوائد القرآن صفحہ ۷۹۹ ح ۳۰ سورۃ والضحیٰ۔

راہ سجھائی ـــــ اور پایا تجھ کو نادار پھر غنی کر دیا ـــــ سو جو یتیم ہو اُسے
مت دبائیں ـــــ اور جو مانگنے والا ہو اسے نہ جھڑکیں ـــــ اور جو نعمت
ہے تیرے رب کی اُسے آگے بیان کرتے رہیں۔

مشکوٰۃ نبوت سے نعمت کا ظہور تلاش و اضطراب میں راہ ہدیٰ true guidance ہے اور آپ کی ذات اتفاق و تفریق میں وحدت کی دستگاہ CENTRE OF UNITY ہے۔ یہ وحدت یتیم کا ٹھکانہ اور امت کا آشیانہ ہے۔ اس آیت میں وحدت کے نعمت ہونے کا بیان ہے۔ تو دوسری آیت میں تفرقے کے بعد اُلفت پیدا ہونے کو بھی نعمت کہا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیمی کے بعد ٹھکانہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت سے قوم کو تفریق کے بعد اُلفت ملی۔ سوچیے تو سہی کہ صحابہؓ کے دل آپس میں جُڑے ہوئے نہ تھے اور ان میں جاہلیت کے کچھ اثرات باقی رہ گئے تھے جن کی چنگاریاں پھر بعد میں اُٹھتی رہیں اور خون امت جلتا رہا۔ یہ سب باتیں قرآن کے خلاف ہیں۔ قرآن کریم صاف کہتا ہے:

تفرقے کے بعد تالیف

واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم
فاصبحتم بنعمته اخوانا۔[١]

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر اُلفت
دی اللہ نے تمہارے دلوں میں، سو تم ہو گئے اس کی نعمت سے بھائی بھائی۔

اب آپ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ تو جاہلیت کی چنگاریوں کو بجھا چلا تھا، صحابہؓ کے دلوں کو جوڑ کر بھائی بھائی بنائیں۔ تو جاہلیت کی آگ اگر پھر بھی دبی باقی رہے اور چند سال بعد پھر بھڑک اُٹھے تو کیا یہی نعمت خداوندی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی وہی کتاب ہے جو اب بھی اسی شان سے پڑھی جا رہی ہے۔ جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے تھی اور ہر شخص خود سوچ لے کیا اس میں وہ تاثیر رہے گی جو آج بھی تلاوت کرنے والا ان الفاظ کریمہ میں محسوس کرتا ہے۔

١؎ پ ٤ آل عمران ع ١١۔ انما المومنون اخوۃ پ ٢٦ الحجرات یہ ان کے ایمان کی شہادت بھی ہے۔

قوم کو تفرقے کے بعد الفت کی نعمت ملی۔ یہ نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت اور حدیث کا فیضان تھا۔ آپ کے ارشاد و تعلیم اور تزکیہ و تربیت سے صدیوں کی عداوتیں اور پشتوں کے کینے دور ہو گئے تھے۔ یہ حدیث کا فیضان تھا کہ اس نے قوم کو تفرقے کے بعد الفت سے مالا مال کر دیا۔ حدیث کے اس فیضان کو یہاں قرآن میں نعمت کہا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نعمت کے پورا ہونے کے بغیر دین کے کامل ہونے کا تصور کسی طرح نہ مل سکتا تھا۔ جب دین کے مکمل ہونے کا اعلان ہوا تو اتمام نعمت کی بشارت بھی ساتھ ہی دے دی گئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم
الاسلام دینا۔[1]

ترجمہ: آج میں نے پورا کر دیا تمہارے لئے دین تمہارا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین۔

مشکوٰۃ نبوت کی ضیا باریاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ والضحیٰ کی تین صورتوں (۱) تلاش کے بعد ہدایت (۲) تفرقے کے بعد الفت اور (۳) نادار ہونے کے بعد غنا کو اپنی ذات اقدس کا فیضان بتایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں ان دولتوں سے مالا مال کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم (م ۶۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے دن فرمایا۔

یا معشر الانصار الم اجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین
فالفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی۔[2]

ترجمہ: اے گروہ انصار کیا تم بے راہ نہ تھے پس اللہ نے تمہیں میرے ذریعے ہدایت بخشی، اور تم تفرقے میں پڑے تھے۔ اللہ نے تمہیں میرے ذریعے سے جوڑ دیا اور تم نادار تھے اللہ نے تمہیں میرے سبب سے مالدار کیا۔

اس روایت میں ناداری کے بعد غنا سے کو تفرقے کے بعد الفت کے ۔ جمع اور [illegible]

---

[1] پ ۶ المائدہ ع ۱ [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص [illegible]

میں ذکر کیا ہے۔ پہلی صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ذات سے متعلق تھی لیکن دوسری صورت میں پوری امت کے حال کا بیان ہے۔ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حالتوں کا بیان اور ان پر تین انعامات الٰہی کا ذکر تھا۔ اس حدیث میں امت کی تین حالتیں بیان کیں۔ اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب تین انعامات الٰہیہ کا تذکرہ ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے ملتے جلتے الفاظ و مضمون مطابقت کا پتہ دے رہے ہیں اور ان انعامات کا دائرہ آگے گزر کر امت کو شامل ہوا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدایت کی جو راہیں کھولیں۔ آپ نے ہدایت کی ان راہوں سے پوری امت کو سرفراز فرما دیا اور ارشاد فرمایا:-

فھداکم اللہ بی

پس اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت سے سرفراز کر دیا۔

امت کی یہ سرفرازی اما بنعمۃ ربک فحدث (اور جو نعمت تیرے رب کی ہے اسے دوسروں سے بیان کر) کا مصداق اور حدیث کا فیضان تھی سو حدیث کے لفظ میں حدیث کی قرآنی اصل موجود ہے۔ صحیح بخاری کی بس حدیث کے پیش نظر آیت قرآنی اما بنعمۃ ربک فحدث سے استدلال کا نکتہ بعد الوقوع کے درجہ میں سمجھیں گے

لفظ حدیث قبل از اسلام

حدیث کے معنی بات کے ہیں اور ان معنی میں یہ لفظ قبل از اسلام عام استعمال ہوتا تھا بلکہ اب تک یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں بھی شائع اور رائج ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ یہ لفظ اہمی باتوں کے مناسب رہا ہے۔ جن کی یاد باقی رہنے کے لائق سمجھی جائے۔ آئی اور گئی بات اس لفظ کا مورد نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں کی باتوں کو اس لفظ سے خاص مناسبت رہی ہے۔ ان کی باتیں باقیات اور آئندہ یاد رکھنے کے لائق ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے پہلے پیغمبروں کی باتوں کو بھی اسی نام سے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے مہمانوں کی صورت میں آئے اور قوم لوط پر عذاب لانے کی خبر دی۔ قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی اس بات کو ان الفاظ

یوں نقل کرتا ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ۔ [1]

ترجمہ: کیا پہنچی تجھ کو حدیث (بات) ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے۔

قرآن کریم کے الفاظ ھل اتاک (کیا تیرے پاس پہنچی ہے بات) میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ حدیث پچھلوں سے پہلوں کو پہنچتی پائی ہے اور جو دنیا میں لائق ہوں کہ پچھلوں سے پہلوں کو پہنچیں لفظ حدیث ان کے لیے مناسب طور پر رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن کریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات بھی یوں نقل کرتا ہے:۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ۔ [2]

ترجمہ: کیا پہنچی تجھ کو حدیث (بات) موسیٰ کی؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا کہ آپ اپنے پروردگار کے احسانات کو حدیث میں بیان کرتے رہیں۔

مابنعمة ربك فحدث۔ [3]

ترجمہ: اور آپ اپنے رب کا احسان آگے منتقل بیان کرتے رہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں بداوت غالب تھی۔ ذہنوں کی کثرت تھی۔ پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا۔ خاندانوں اور قبائل کے تذکرے ما بہ الامتیاز تھے۔ انساب کو یاد رکھنا اور حلیف و حریف کے سامنے اپنے امتیازات کا تحفظ ان کی تمدنی ضرورت تھی۔ پچھلوں کی باتوں کو یاد رکھ کر آگے نقل کرنا ان کا موضوع طبع تھا۔ شعر و سخن کی دلدادگی نے اس تحفظ روایت کو اور ضروری بنا دیا تھا۔ شعراء عرب کو یاد رکھنے والے اور انساب و قبائل کے ماہرین الراویہ کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ یہ صورت حال بتلاتی ہے کہ اسلام سے بہت پہلے تحدیث transmission اور روایت عرب کے مزاج میں داخل کی جا چکی تھی۔ جب دنیا میں یہ بات طے ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے آخری پیغمبر انہی بستیوں میں بھیجے جائیں گے تو یہ بھی ضروری تھا کہ اس پیغمبر خدا کی تمام تعلیمات محفوظ رہیں۔ تاکہ سب آنے والوں کو روشنی بخشیں۔ ہو اللہ تعالیٰ

۱؎ پ ۲۶ الذاریات ع ۲ ۔ ۲؎ پ ۳۰ النازعات ع ۱ ۔ ۳؎ پ ۳۰ والضحیٰ

نے آپ کی بعثت سے صدیوں پہلے عربوں کا قومی مزاج اس طرح کا بنا دیا کہ وہ روایات کے تحفظ اور انہیں آگے روایت کرنے میں اپنی تاریخی سطح قائم رکھیں بلکہ اس میں احتیاط و تثبیت اور ضبط و تیقظ کے اور دواعی بھی شامل کریں۔

لفظ حدیث بعد از اسلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کو بنی امیین میں بھیجا۔ انہوں نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد اپنے آقا و مولیٰ کی ہدایات اور ادا کو اسی قومی مزاج کے ساتھ یاد رکھا۔ جو صدیوں کی تاریخ میں ان میں راسخ ہو چکا تھا۔ نئے حالات اور نئے تقاضوں سے ایک نیا باب شروع ہوا جسے علم حدیث کہتے ہیں۔ جس میں قرآنی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربوں کے اس قومی مزاج کو بھی کافی دخل ہے جو عرب میں قبل از اسلام موجود تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں آپ کی تعلیمات اور شریعت عملی کی باقاعدہ تدوین سے پہلے پورے اہتمام اور فکر سے زبانی نقل و روایت میں محفوظ رکھی جا سکیں۔ اس پہلے دور میں گو حدیث لکھنے کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن زبانی روایت کا بہر حال غلبہ تھا۔ حدیث اس زبانی روایت کو ہی کہتے تھے۔ جس کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء companions کی زندگی تھی۔

دورِ اوّل میں حدیث سے مراد

اسلام کے پہلے دور میں حدیث کا لفظ حضور کی تعلیمات کے لیے عام استعمال ہوتا تھا۔ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث کے الفاظ بھی دینی سرچشمہ ہدایت کے طور پر عام رائج تھے ①۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی تعلیمات کے لیے لفظ حدیث استعمال فرمایا ② آپ کے سامنے بھی یہ الفاظ ان معنوں میں استعمال ہوتے رہے ③ صحابہ کرام بھی اسے ان معنوں میں استعمال کرتے رہے اور ④ تابعین اور ائمہ مجتہدین کے ہاں بھی اس لفظ کا استعمال عام رہا اور ان تمام امور پر قرن اول کی قوی شہادتیں موجود ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث مرجع ہدایت کے طور پر کسی دور متاخر کی ایجاد نہیں۔ یہ لفظ اسلام کے دور اول میں اپنی اسی دینی دلالت

کے ساتھ پوری طرح شائع اور موجود رہا ہے۔

لفظ حدیث حضورؐ کی زبان مبارک میں

(۱) آنحضرتؐ نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) سے فرمایا۔

لقد ظننت یا ابا ھریرۃ ان لا یسألنی عن ھذا الحدیث احد اول منک لما رأیت من حرصک علی الحدیث۔[1]

ترجمہ: اے ابوہریرہ بے شک میرا گمان یہی تھا کہ کوئی شخص تم سے پہلے مجھ سے اس حدیث کے بارے میں نہ پوچھے گا کیونکہ تمہاری حدیث کی طرف رغبت کو میں جانتا تھا۔

اس حدیث میں حضورؐ نے اپنے ارشاد کو لفظ حدیث سے بیان فرمایا ہے۔ آپ کا انداز بیان بتا رہا ہے کہ ان دنوں یہ لفظ اپنے انہی معنوں میں عام استعمال ہوتا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی طلب اور حرص یہ بھی بتلاتی ہے کہ حدیث ان دنوں قانون اسلامی کے ماخذ اور دین کا سرچشمہ علم ہونے کی حیثیت سے مسلم تھی اور صحابہ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ پوری محنت سے اس کی حفاظت کی جائے اسے اچھی طرح سمجھا جائے اور یاد کیا جائے۔ حدیث کی یہ اہمیت پیش نظر نہ ہوتی تو صحابہ کرامؓ حدیث کی طلب اور اسے یاد رکھنے کی فکر میں یہ انداز اختیار نہ کرتے۔

(۲) حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ۔[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تازگی بخشے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی۔ اسے یاد رکھا۔ یہاں تک کہ اسے کسی دوسرے تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو لفظ حدیث سے ذکر فرمایا ہے اور اس کی حفاظت کرنے اور اسے آگے پہنچانے کی ترغیب دی ہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۰

من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين۔[1]

ترجمہ: جس نے میرے نام سے کوئی حدیث روایت کی اور اسے پتہ ہو کہ جھوٹ ہے (یعنی وہ بات میں نے نہ کہی ہو) تو وہ ایک جھوٹ بولنے والا آدمی ہے

اس روایت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو لفظ حدیث سے ذکر فرمایا اور یہ بھی بتلایا کہ کوئی شخص اگر خود مجھ پر کوئی جھوٹ نہ باندھے، لیکن کسی شخص کے باندھے جھوٹ (موضوع روایت) کو میرے نام سے روایت کرے، تو اسے اس لئے نظر انداز نہ کیا جائے گا کہ وہ صرف بر گردن راوی بلکہ وہ بھی جھوٹ باندھنے والوں میں سے ایک شمار ہوگا اور اسے وہی گناہ ہوگا جو مجھ پر جھوٹ باندھنے کا گناہ ہے۔ جو لوگ اس جھوٹ کو آگے لے جائیں۔ وہ سب کاذبین (جھوٹے) شمار ہوں گے۔ بہرحال اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو جو آگے بیان ہوگی لفظ حدیث سے ذکر کیا ہے۔

④ حضرت ابن عباس (۶۸ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اتقوا الحديث عني الا ما علمتم[2]

ترجمہ: مجھ سے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کرو مگر وہی جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔

یعنی پورے علم اور وثوق کے بغیر مجھ سے کوئی بات آگے روایت نہ کرو۔ اس میں اگر احتیاط نہ کی جائے تو دین کے بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

⑤ حضرت مقدام بن معدی کرب (۸۷ھ) کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

يوشك الرجل متكئا على اريكته يحدث بحديث من حديثي فيقول بيننا وبينكم كتاب الله۔[3]

ترجمہ: ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک شخص اپنے گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے ملے اسے میری حدیثوں میں سے کوئی حدیث سنائی جائے تو وہ کہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کافی ہے (یعنی حدیث کی ضرورت نہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی آپ کی تعلیمات کو حدیث کہا جاتا تھا اور اسے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۷ [2] رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۵ [3] سنن ابن ماجہ صفحہ ۳

اسلام کے سرچشمہ علم کی حیثیت سے ذکر کیا جاتا تھا۔ ان دنوں اس ماحول میں ان معنوں میں اسی لفظ کا استعمال عام رہا ہے۔

لفظ حدیث حضورؐ کے سامنے صحابہؓ کی زبان سے

(۱) حضرت ابو سعید خدریؓ (م ۷۴ھ) کہتے ہیں کہ ایک خاتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کے سامنے عرض کی:-

ذهب الرجال بحديثك فاجعل لنا من نفسك يوما نأتيك فيه تعلمنا مما علمك الله[۱]

ترجمہ: مرد تو آپ کی حدیثیں لے جاتے ہیں آپ ہمارے لئے بھی کوئی دن مقرر فرما دیں ہم آپ کے پاس اس دن آیا کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سکھایا آپ ہمیں بھی پڑھا دیا کریں۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے ارشادات کو حدیث کہا جاتا تھا، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ آپ جو کچھ فرماتے اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بتلاتے اور یہ بات صحابہ کرامؓ کے ہاں تسلیم شدہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں مرکزی رہنمائی پیش فرماتے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے قلب میں القاء کی جاتی۔ حدیث میں بھی ربانی ہدایت Divine element شامل تھی۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ (م ۵۹ھ) نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کی:-

اني اسمع منك حديثا كثيرا انساه[۲]

ترجمہ: میں آپ سے بہت حدیثیں سنتا ہوں جنہیں بھول جاتا ہوں۔

اس پر آپ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دی۔ آپ نے ہاتھوں سے اس میں کوئی چیز ڈالی اور فرمایا اسے لپیٹ لو۔ میں نے اسے لپیٹ لیا۔ اس کے بعد میں کچھ نہیں بھولا۔

ان روایات میں حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کے لئے صریح طور پر حدیث

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۳۲ مصر [۲] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲ دہلی

کا لفظ ملتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی احادیث کی آگے نشر و اشاعت کو پسند فرماتے تھے۔ آپ اپنی تعلیمات کو حفظ کرنے کے لیے کافی سمجھتے تو انہیں یاد رکھنے کے لیے اس قدر ترغیب دیتے۔ حضرت ابوہریرہؓ کو فرمایا ہے کہ اس پر عمل کرو۔ پھر انہیں بھول جانے میں کوئی نقصان نہیں۔ آپ کا حضرت ابوہریرہؓ کی یادداشت کے لیے یہ روحانی تصرف اور دعا اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ آپ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کی حدیثیں یاد رکھی جائیں اور آگے روایت کی جائیں۔ آپ کے مجلسی اور مرکز وقت کی ضرورت ہوتی تو آپ حفظ حدیث کے لیے یہ اہتمام ہرگز نہ فرماتے۔ صحابہؓ کا لفظ حدیث کے لیے یہ اہتمام دین میں حدیث کی اصلی حیثیت کو واضح کر رہا ہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ کی باتیں آپس میں کرتی تھیں۔ سے آپ نے حدیث سے ذکر کیا اور حضورؐ کے سامنے بھی اسے اسی طرح بیان کیا۔

انا قد حدثنا انک ناکح درة بنت ابی سلمة۔[۱]

ہم تو آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ آپ ابو سلمہ کی بیٹی درہ سے نکاح کرنے والے ہیں
حضورؐ نے فرمایا اگر ایسا نہیں اس کا باپ ابو سلمہ میرا رضاعی بھائی ہے یعنی
اس جہت سے وہ میری بھتیجی بھی ہوتی ہے وہ اس سے نکاح نہیں ہو سکتا ہے

ذخیرہ حدیث میں اس قسم کی متعدد روایات ملتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی تعلیمات اور آپ کے ارشادات کو حدیث کہتے تھے۔ انہیں یاد رکھتے، انہیں آگے روایت کرتے اور دین میں انہیں اصولی طور پر سرچشمہ ہدایت یقین کرتے تھے صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کی تعلیمات اور آپ کی روایات کو حدیث ہی کہتے رہے اور اس کی روایت میں پوری فکر اور احتیاط کی تلقین کرتے رہے۔

لفظ حدیث حضورؐ کے بعد صحابہؓ کی زبان سے

(۳) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) روایت حدیث میں اپنے زیادہ محتاط ہونے کی وجہ

۱۔ صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ [illegible]

بیان فرماتے ہیں:-

انه ليمنعني ان احدثكم حديثا كثيرا ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من تعمد علي كذبا فليتبوأ مقعده من النار۔[1]

ترجمہ: یہ بات مجھے زیادہ حدیثیں روایت کرنے سے روکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(۲) فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) فرماتے ہیں:-

اذا حدثتكم بالحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فظنوا به الذي هو اهيأ والذي هو اهدى والذي هو اتقى۔[2]

ترجمہ: جب تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پہنچے تو اس کا وہی مفہوم مراد لو جو بہترین ہو جو زیادہ صحیح ہو اور جس میں سب سے زیادہ اللہ کا خوف ہو۔

اس روایت میں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو صریح لفظوں میں حدیث بتایا گیا ہے، وہاں یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ اس کے مطالب متعین کرنے میں ہم ہدایت اور تقویٰ کے سارے اصول ملحوظ رہنے چاہئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی حدیثیں اگر تاریخی طور پر سند اور حجت نہ سمجھی گئی ہوتیں، تو ان کی روایت میں یہ احتیاط اور ان کے مطالب متعین کرنے میں یہ محنت و تحقیق کبھی ملحوظ عمل نہ رہتیں۔

(۳) ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) فرماتے ہیں:-

انا كنا نحفظ الحديث والحديث يحفظ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔[3]

ترجمہ: ہم حدیث زبانی یاد کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث محفوظ کی جاتی تھی۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱ [2] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ [3] سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۳

حضرت ابن عباسؓ صرف اپنے بارے میں نہیں کہہ رہے کہ وہ حدیث یاد رکھتے تھے، بلکہ آپ عام صحابہؓ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ وہ سب حدیث یاد کرنے میں مشترک تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرنے اور انہیں حضورؐ سے نقل transmission کرنے کا ان دونوں پہلوؤں کا اہتمام تھا۔ صحابی جب صیغہ جمع سے کسی بات کی خبر دے تو اس سے عام صحابہؓ کا عمل مراد ہوتا ہے۔

دورِ اوّل میں لفظ حدیث کے عام استعمال پر اہل السنۃ والجماعت محدثین کی یہ چند شہادتیں ہیں۔ آئیے اب شیعہ محدثین کے ہاں بھی اس کی اصولی تائید دیکھیں۔ ان دونوں طبقوں میں اعتقادی اختلافات اصولی درجے کے ہیں لیکن حدیث کے بارے میں ان کا یہ توافق پتہ دیتا ہے کہ حدیث اسلام کے اصولی تصور میں ہمیشہ سے مسلّم رہی ہے اور مسلمانوں کے اجتماعی مختلف طبقوں میں بھی اس موضوع پر ہمیشہ اتفاق رہا ہے۔ سنی شیعہ اختلافات زمین و آسمان کا فاصلہ رکھتے ہیں۔ مگر لفظ حدیث ان کے ہاں بھی اسی عام معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شیعہ محدثین کے ہاں لفظ حدیث

(۱) شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کے خلفاء کون ہوں گے، فرمایا:۔

الذین یأتون من بعدی ویروون عنہ حدیثی وسنتی۔[1]

ترجمہ: جو لوگ میرے بعد آئیں گے اور میری حدیثیں اور سنتیں روایت کریں گے وہ میرے خلفاء ہوں گے۔

اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے لفظ حدیث منقول ہے۔ اور حضورؐ

---

[1] معانی الاخبار صفحہ ۳۷۴ قلت اخرجہ ابو نعیم والطبرانی: اخبار اصبہان جلد ۱ صفحہ ۸۱ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۲۶؛ وذکر الغزالی فی احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۸ وعیاض القاضی فی الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید السماع (باب فی شرف الحدیث) ومتن الحدیث: اللہم ارحم خلفائی قلنا یا رسول اللہ ومن هم خلفاؤك؟ قال الذین یأتون من بعدی ویروون احادیثی وسنتی۔

اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث آگے transmit کی جائے۔ اگر حدیث کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فائدہ حاصل نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کی روایت کی ترغیب نہ دیتے بلکہ منع فرماتے کہ اسے آگے پہنچایا جائے۔

(۲) محمد بن یعقوب الکلینی (م ۳۲۹ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ایک حدیث کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی۔

أعد علي حديثك يا رسول الله[1]

ترجمہ: اے اللہ کے رسول اپنی حدیث ایک بار پھر میرے لئے بیان فرمائیں۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے لئے خود حضور کے سامنے لفظ حدیث اسی معنی میں استعمال فرمایا ہے جن معنی میں یہ لفظ محدثین کے ہاں عام استعمال ہوتا ہے۔

(۳) حضرت علی مرتضیٰؓ حدیث کا لفظ خود بھی ان معنوں میں عام استعمال کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے روایت میں احتیاط برتنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

انما اتاك بالحديث اربعة ليس لهم خامس (۱) رجل منافق يظهر الاسلام متصنع بالاسلام لا يتأثم ولا يتحرج ان يكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔ ۔ ۔ ۔ (۲) ورجل سمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً لم يحمله على وجهه ووهم فيه ولم يتعمد كذباً ۔ ۔ ۔ (۳) ورجل ثالث سمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً امر به ثم نهى عنه وهو لا يعلم او سمعه ينهى عن شيء ثم امر به وهو لا يعلم فحفظ منسوخه ولم يحفظ الناسخ ۔ ۔ (۴) وآخر رابع لم يكذب على رسول الله صلى الله عليه وآله مبغض للكذب خوفاً من الله وتعظيماً لرسول الله صلى الله عليه وآله لم ينسه بل حفظ ما سمع على وجهه[2]

---

[1] فروع کافی جلد ۲ ص [illegible] [2] اصول کافی جلد ۱ ص [illegible]

اصولی حیثیت باقی نہ رہی تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریرات حدیث اپنے پورے تحفظ کے ساتھ ساتھ زندہ استادوں سے زندہ شاگردوں تک منتقل ہوتی تھیں اور دین قیم کا عملی ذخیرہ بیان و روایت کی پوری شان اور حفظ وضبط کے پورے اہتمام کے ساتھ آگے بڑھتا رہا ہے۔

لیکن حالات کی اس فطری گردش اور تحریرات حدیث کی اس حصولی سہولت نے محض زبانی یادداشت کو پیچھے چھوڑ دیا اور پھر ایک ایسا دور آیا کہ حدیث سے مراد یہی تحریرات حدیث Documentary evidence مراد لی جانے لگیں اور پھر سوی قانونی بحثوں legal decisions میں یہی تحریرات بطور حجت وسند کافی سمجھی جانے لگیں اور یہ ضرورت نہ رہی کہ ان کے ساتھ زبانی تحدیث کا پہلو بھی شامل رہے۔ یہ دور آخر کی اصطلاح ہے کہ حدیث سے حدیث کے علاوہ تحریرات حدیث بھی مراد لی جانے لگیں۔ حدیث کا دور اول اور دور آخر کا یہ تعارف آپ کے سامنے ہے۔

علماء اصول اور علماء حدیث کی اصطلاح میں ایک فرق

ملحوظ رہے کہ علماء اصول فقہ حدیث کو حضور کے اقوال، افعال اور آپ کی تقریر میں محدود سمجھتے ہیں۔ آپ کے ان حالات کو جو شریعت اور قانون کا عنوان نہیں بنتے (جیسے آپ کا حلیہ مبارک، ولادت اور وفات کے واقعات وغیرہا من الامور الغیر الاختیاریۃ) حدیث کے تحت داخل نہیں کرتے۔ لیکن یہ صرف علماء اصول کا موقف ہے۔ محدثین کے ہاں یہ سب امور بھی حدیث کے تحت داخل ہیں اور وہ انہیں باقاعدہ روایت کرتے ہیں۔ علامہ طاہر بن صالح الجزائری نے توجیہ النظر الی اصول الاثر میں اس پر تنبیہ کی ہے۔

حدیث کے لیے چند اور متقارب الفاظ

ابتدائی دور میں حدیث کے لیے اثر اور خبر کے الفاظ بھی لے آتے تھے۔ لیکن بعد میں ان میں بھی کچھ فرق کیا جانے لگا۔ بعض علماء حضور کی بات کے لیے حدیث کا لفظ اور صحابہ کی بات کے لیے اثر کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں یہی طریق اختیار کیا ہے

یا عثمان أرغبت عن سنتی قال لا واللہ یا رسول اللہ ولکن سنتک اطلب

قال فانی انام واصلی واصوم وافطر[1]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو حضرت عثمان بن مظعون کے بلانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عثمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کہا اے عثمان کیا تم میری سنت سے ہٹنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم اے رسول بلکہ میں آپ کی سنت کا طلب گار ہوں۔ آپ نے فرمایا میں سوتا بھی ہوں اور نماز کے لیے جاگتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں اور انہیں چھوڑتا بھی ہوں۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث کو فرمایا۔

من احیی سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی کان لہ من الاجر مثل من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورہم شیئا ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ لا یرضاہا اللہ ورسولہ کان علیہ مثل آثام من عمل بہا لا ینقص ذلک من اوزار الناس شیئا[2]

ترجمہ: جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد چھوڑ دی گئی ہو تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جس نے کوئی گمراہ کن بدعت نکالی جس پر اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی موجود نہیں تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی آئے۔

اس حدیث میں دین کی فروعی باتوں کو بھی سنت کہا ہے اور انہیں زندہ رکھنے کی تلقین کی ہے۔ دین اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اس کے اصول ہمیشہ زندہ رہتے چلے آئے ہیں ان پر کبھی موت نہیں آسکتی۔ اسلام کی تاریخ کے ہر دور میں قائم و باقی رہنا ضروری ہے۔ اور یہی ان کی مسلسل زندگی ہے۔ ایک فرع دب گئی تو دوسری فرع زندہ ہوگی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اصول کی تمام کڑیاں ایک ایک کرکے ٹوٹتی جائیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک فرع دبنے لگے اور اس پر عمل

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ
[2] یہ حدیث حسن ہے۔ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ

ترک ہو جائے گی یعنی اسے پھر سے زندہ کرنے کا اہتمام نہیں کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت اسے پھر سے زندہ کرنے کی ایک بڑی بشارت ہے۔ تو ممکن ہے کہ کل مسلمان کسی سنت سے ناآشنا ہوں۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

يمكن ان المسلمين كلهم لا يعرفون السنة۔[1]

ترجمہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سارے مسلمان کبھی کسی سنت سے آشنا نہ رہ سکیں۔

سنت کے مقابل بدعت اور ہر بدعت ضلالت

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ سنت کے بالمقابل بدعت ضلالت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں ذکر فرمایا ہے۔ دونوں کے درمیان بدعت حسنہ کا کوئی درجہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور بیان فرما دیتے۔ آپ نے ہر بدعت کو گمراہی فرمایا ہے۔ سو بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں ہے ورنہ یہ اس کا موقع بیان تھا۔ امت میں کوئی غلطی راہ پا جائے تو مجددین کرام اس کے ازالہ میں کوشش فرماتے ہیں اور بات کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں۔

گفته اند که بدعت بر دو نوع است حسنه و سیئه۔ حسنه آں عمل نیک را گویند که بعد از زمان آں سرور و خلفائے راشدین علیه وعلیهم الصلوات والتسلیمات پیدا شده باشد و رفع سنت نه نماید و سیئه آنکه رافع سنت باشد۔ ایں فقیر در هیچ بدعتی از ایں بدعتها حسن و نورانیت مشاهده نمی کند و جز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید۔ اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز با وجود ضعف بصارت بطراوت و نضارت بیند فردا که حدید البصر گردند دانند که جز خسارت و ندامت نتیجه نداشت ... پس هرگاه هر محدثه بدعت باشد و هر بدعت ضلالت پس معنی حسن در بدعت چه بود و نیز آنچه از احادیث مفهوم می گردد آنست که هر بدعت رافع سنت است، تخصیص به بعض ندارد پس همه بدعت سیئه بود۔[2]

---

[1] کتاب الام جلد ۷ صفحہ ۲۷۵ [2] دفتر اول مکتوب ۱۸۶

ترجمہ: کہتے ہیں بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت
حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین
کے بعد پیدا ہوا ہو اور اس سے کوئی سنت ختم نہ ہوتی ہو۔ اور بدعت سیئہ
اس بدعت کو کہتے ہیں جس سے کسی سنت کا خاتمہ لازم آئے۔ یہ فقیر ان بدعتوں
میں سے کسی بدعت میں حسن اور کسی قسم کی روشنی نہیں دیکھتا اور سوائے
اندھیرے اور تاریکی کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ فرض کیجئے کہ بدعتی کا
عمل اگر آج کمزوری نظر کی وجہ سے پر رونق اور تازہ نظر آتا ہے لیکن
جب کہ نظر تیز ہوگی سوائے نقصان اور شرمندگی کے اور کچھ حاصل نہ آئے گا۔

۔۔۔ پس جب کہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی
ہے۔ پھر بدعت میں حسن کا کیا مطلب؟ اور جو کچھ احادیث سے سمجھ آتا ہے
یہ ہے کہ ہر بدعت کسی نہ کسی سنت کو اٹھانے والی ہے۔ یہ بعض بدعتوں سے
مخصوص نہیں۔ سو ہر بدعت سیئہ ہے۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت ضلالہ کی پہچان یہ بتائی کہ اس پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی موجود نہ ہوگی۔ پس ہر ایسا کام جس پر خدا اور اس کے رسول پاک کی رضا موجود نہیں۔ بدعت ضلالہ ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ثابت اور متعین ہے، اور امت کو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی سنت ترک ہونے لگے تو اسے پھر سے زندہ کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ جو بہت لائق اجر و ثواب ہے۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی راہ عمل کو لفظ سنت سے بیان کیا ہے۔ آپ ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں:

(۴) ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنۃ نبیہ۔[2]

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم ان سے تمسک کرو گے، گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی [illegible] [2] [illegible] مؤطا امام مالک

اس حدیث میں بھی حضورؐ نے اپنے طریق عمل کو لفظ سنّت سے بیان کیا ہے اور اسے اپنے بعد کے لیے بھی حجت عمل اور مستند قرار دیا ہے۔

⑤ حضرت عرباض بن ساریہؓ (۵۷۵ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تم بہت سے اختلافات دیکھو گے اور لوگ نئی نئی باتیں نکال لیں گے۔

فمن ادرک ذلک منکم فعلیہ بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین۔[۱]

ترجمہ: تم میں سے جو ان حالات کو پائے اسے چاہیے کہ میری سنّت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدینؓ کی سنّت کو لازم پکڑے۔

خلفاء راشدینؓ کا دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد آتا ہے۔ اور یہ دور آخر تک تو خلفاء راشدینؓ کے بھی بہت بعد کا ہے۔ پس جب اس دور میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت واجب العمل اور سند تمسک تھی۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت صرف آپ کے صدر مملکت یا امیر سلطنت ہونے کی حیثیت سے نہ تھی بلکہ اس لیے تھی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خلفائے راشدینؓ کی پیروی کا بھی صرف ان کے منصب خلافت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ان کے تعلق بالرسالۃ کی اساس پر تھی۔ ان کے اعمال اور فیصلوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی یا سنّت آپ کی بعض مجمل ہدایات کی ہی تفصیل اور تعیین تھی۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ سنّت کے اس استعمال کو صرف خلفائے راشدینؓ کے لیے ہی خاص نہیں رکھا۔ اسے دوسرے صحابہؓ کی طرف بھی نسبت فرمایا۔

سنّت کی نسبت دوسرے صحابہؓ کی طرف

آپ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کی اطلاع ملی آپ نے اسے ان الفاظ میں پروانۂ منظوری دیا۔

ان ابن مسعود سن لکم سنۃ فاستنوا بها۔[۲]

ترجمہ: بیشک ابن مسعودؓ نے تمہارے لیے ایک سنّت قائم کی ہے تم اس پر چلو۔

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ سنن ابی داؤد [۲] المصنف عبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۲۲۹۔

ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کے بارے میں فرمایا:

ان معاذا قد سن لکم سنة کذلک فاصنعوا[1]

ترجمہ: بے شک معاذ نے تمہارے لئے ایک سنت قائم کر دی ہے، اسی طرح تم اس پر عمل کرو۔

اس قسم کی روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح طور پر لفظ سنت دوسرے صحابہؓ کے لئے استعمال کیا ہے۔ پھر صحابہ کرامؓ بھی اکابر صحابہؓ کے عمل وفیصلے پر سنت کا لفظ بولتے تھے۔

لفظ سنت کا استعمال صحابہؓ کی زبان سے

صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل وطریق اور قول وعمل کو اپنے لئے سنت اور راہ عمل سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں حضورؐ کی بڑی حیثیت ان کے امیر سلطنت ہونے کی حیثیت سے ہوتی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشینوں کی اطاعت کو اپنے لئے سند اور سنت نہ سمجھتے۔ صحابہؓ نے تو اکابر صحابہ کرامؓ کے عمل کے لئے بھی لفظ سنت استعمال کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی علمی شخصیتوں سے کون واقف نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ میں چھاؤنی قائم کی۔ تو وہاں عام آبادی نے بھی جگہ پائی۔ پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں معلم بنا کر بھیجا اور آپ نے وہاں ایک عظیم درسگاہ قائم کی۔ پھر حضرت علیؓ بھی اپنے عہد خلافت میں وہاں جا آباد ہوئے۔ ان دونوں حضرات کے ہاں لفظ سنت انہی معنوں میں رائج اور مستعمل تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف لترکتم سنة نبیکم
ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم[2]

ترجمہ: اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو جیسا کہ یہ پیچھے رہ جانے والا کرتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳۲

چھوڑ دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کے لیے سنت کا لفظ

حضین بن المنذر ابو ساسان (م [illegible]) کہتے ہیں کہ جب ولید کو حد مارنے کے لیے حضرت عثمانؓ کے پاس لایا گیا تو میں وہاں موجود تھا۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ ولید کو کوڑے لگائیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ سے کہا کہ وہ کوڑے لگائیں۔ انہوں نے عذر کیا تو پھر آپ نے عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا کہ وہ ولید پر حد جاری کریں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کوڑے لگاتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ گنتے جاتے تھے۔ جب چالیس ہوئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا بس یہیں تک۔

اور فرمایا:-

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابوبکر اربعین و عمر ثمانین
وکل سنۃ[۱]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے والے پر چالیس کوڑوں کا حکم فرمایا، حضرت ابوبکرؓ بھی چالیس کوڑوں کا ہی حکم دیتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی کوڑوں کا حکم دیا۔ اور ان میں سے ہر ایک حکم سنت شمار ہوگا۔

اس روایت میں جہاں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک حضرت علیؓ خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ امور سلطنت میں برابر شریک رہتے تھے اور حضرت عمرؓ کے عمل کو سنت تک کا درجہ دیتے تھے۔ وہاں اس بات کی بھی پوری تائید ملتی ہے کہ لفظ سنت اس دور میں اکابر صحابہؓ کے عمل تک کو بھی شامل تھا۔

خلفائے راشدینؓ کے عمل کے لیے سنت کا لفظ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بھی خلفائے راشدینؓ کے عمل پر لفظ سنت اطلاق فرمایا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ (م ۷۵ھ) کی روایت آپ پڑھ چکے ہیں کہ

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۷۲

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فمن ادرک ذلک منکم فعلیہ بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔[1]

ترجمہ: جو تم میں سے یہ زمانہ پائے اسے لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے۔

امت میں خلفائے راشدین کے عمل کے لیے سنت کا لفظ عام شائع و ذائع ہے اور اسے امت اپنے قانونی ابواب میں ہمیشہ سے تسلیم کرتی آئی ہے۔

شیعہ محدثین کے ہاں لفظ سنت

محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۹ھ) روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من رغب عن سنتی فلیس منی۔[2]

ترجمہ: جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ میری امت میں سے نہیں۔

شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا عذر لکم فی ترک سنتی[3]

ترجمہ: میری سنت کو ترک کرنے کے لیے تمہیں کسی عذر کا حق نہیں۔

شیعہ علماء کے اہل سنت مسلمانوں سے اصولی اختلافات ہیں، حنفی شافعی کی طرح فروعی اختلاف نہیں۔ اب یہ دیکھئے کہ جہاں تک حدیث اور سنت کا تعلق ہے یہ اس پر بھی اصولی طور پر متفق ہیں۔ حدیث کی اصولی حیثیت میں اگر کوئی حقیقی اختلاف ہوتا تو یہ دونوں طبقے کبھی اس پر متفق نہ ہوتے۔ شیعہ اور سنی ہر دو طبقوں میں یہ بات مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی صرف آپ کے میر مملکت ہونے کی جہت سے نہ تھی بلکہ آپ کی رسالت کی جہت سے تھی اور آپ کا ہر قول و عمل اور منظوری آپ کے بعد بھی آپ کی امت میں بطور سنت جاری رہنی چاہیے اسے چھوڑنے کے لیے اسلام میں کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ [2] اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۸۵ [3] من لا یحضرہ الفقیہ صہ، احتجاج جلد ۲ صفحہ ۱۰۵

لفظ سنت کا عام استعمال

آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابتدائی دور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قدیمہ کو حدیث اور سنت کے الفاظ سے بیان اور نقل کیا جاتا تھا۔ بیان اور نقل و روایت Transmission کا پہلو غالب ہوتا تو زیادہ تر حدیث کے لفظ سے ذکر کرتے اور عمل کی نسبت غالب ہوتی تو اسے سنت سے تعبیر کیا جاتا۔ روایات کے باب میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک ہی نہیں، صحابہ کرامؓ اور اہل سنت تک کے اقوال و اعمال اور تعلیمات و روایات سے بحث ہوتی تھی۔ اسلام کے اس متوارث عمل کو جو سنت کہا جانے لگا صحابہؓ کے ادوار میں جب یہ چیز یکجا نہیں ہو گیا اور جب سنت کہی جانے لگی۔ سنت کے لفظ سے یہ لازم نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی عمل ہو بس یہ طریقہ مسلوکہ فی الدین کو سنت سے تعبیر کیا جانے لگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک دفعہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی۔ اور چونکہ یہ عام طریق کے خلاف تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس پر تعجب کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔

(انہا حق وسنۃ[1] ترجمہ: یہ سنت ہے اور ایک عمل ہے)

غور کریں کہ آپ فرماتے ہیں: یہاں سنت سے مراد طریقہ مسلوکہ فی الدین ہی ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے زمانے میں بھی تعامل سنت کہلاتا رہا اور دین اسلام میں عملداری میں ایک متوارث شکل و صورت میں پہلوں سے پچھلوں کو پہنچتا رہا۔ اس وقت خیر القرون کی نسبت ہر جگہ کارفرما تھی اور یہ قدیمی اور عملی سنت کہلاتی تھی۔

جب تشریع کا دور دورہ ہوا تو حضرت امام شافعیؒ نے تجدید کی محنت کی اور سنت کا دارومدار قوت سند پر رکھا گیا۔ عمل کی بجائے سند کی تحقیق ہونے لگی۔ امام کی یہ تعریفات اپنی جگہ درست ہے کہ پہلے دور میں لفظ سنت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے لئے خاص نہ تھا بلکہ اس سے زیادہ وسیع مفہوم میں مستعمل ہوتا تھا اور یہ دین اسلام کی ایک متوارث راہ تھی۔ موطا امام مالکؒ میں ابواب و الفاظ ملتے ہیں تعامل اہل مدینہ سنت ہے جن میں مدینہ کا تعامل ہی سنت شمار ہوتا تھا

[1] سنن نسائی و ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۴

تاریخ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد

آج کے عنوان میں تاریخ حدیث سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی تعلیمات اور ان کی نقل و روایت پر بحث نہیں۔ نہ ان کی تدوین اور ان کے تراجم زیر بحث ہیں۔ آج صرف یہ بتانا ہے کہ ماخذ علم ہونے کی حیثیت سے اس کی تاریخ کب سے چلی آرہی ہے۔ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں یا اعمال ہیں یا آپ کے اصحاب میں جو ان تک آپ سے پہنچے پائے گئے وہیں سے حدیث کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ پیشتر اس کے کہ ہم اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بحث کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ سابقہ میں اس کو تلاش کریں کہ کیا ان ادوار میں بھی کتاب الٰہی کے ساتھ ساتھ کوئی اور ماخذ علمی کارفرما رہا ہے۔ یہاں حدیث سے مراد تحریرات حدیث یا ان کی Documentary evidence نہیں یہ تدوین حدیث کا موضوع ہے۔ آج یہاں حدیث یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی حیثیت سے غور کرنا ہے کہ ماخذ علمی کی حیثیت سے اس کی تاریخ کب سے ہے۔

نبوت اور حدیث کی تاریخ

حدیث کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی بعثت انبیاء کی تاریخ — رسولوں کو حدیث کے ذریعہ ہی آسمانی کتاب ملتی رہی اور اس نعمت کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے قرآن ملا۔ قرآن اور حدیث جمع ہوئے تو اسلام کے اس دور آخر کا آغاز ہو گیا۔

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ[1] — کیا پہنچی ہے آپ تک موسیٰ کی حدیث۔

انبیاء علیہم السلام تو ایک طرف رہے۔ ان کی مجلس والوں کی بات آگے چلی تو اس کا نام بھی حدیث ٹھہرا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے اصحاب بھی اس منزلت میں تھے کہ ان کی بات بھی حدیث ٹھہرے۔ قرآن کریم میں ہے:

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ[2] — کیا پہنچی تم تک خبر ابراہیم کے معزز مہمانوں کی۔

یہ صحیح ہے کہ آپ حدیث کا ترجمہ بات کریں گے لیکن آخر کس کی بات کہیں گے؟ انبیاء کی ہی — حدیث بھی تو نبی کی بات ہی کو کہا جاتا ہے یا ان کی بات کو جو براہ راست ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے لیے اسوہ (نمونہ) کہا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحابہ بھی ان کے لیے اسوہ تھے[3]۔ علم حدیث میں پیغمبر اور اس کے صحابہ دونوں کے اقوال و افعال سے ہی تو بحث ہوتی ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ پہلی کتابوں کی ابدی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری علماء بنی اسرائیل پر ڈالی تھی اور وہی اس کے علمی نگران تھے

بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ[4]۔

سو جب یہ کتابیں محفوظ نہ رہیں تو ان کی احادیث بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ کتاب الٰہی کے ساتھ اس وقت بھی علم کی ایک سند علم الآثار کے طور پر چلتی تھی اور جب بھی کوئی حق کا فیصلہ لینا ہو تو یہ سند مانگی جاتی تھی۔

ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ[5]۔

ترجمہ: لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا (علم الآثار) کوئی علم جس کے آثار پہلے سے چلے آتے ہوں اگر تم سچے ہو۔

پیش نظر رہے کہ یہاں علم الآثار سے مراد آباؤ اجداد کے رسم و رواج نہیں۔ ان کی تو خود اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے۔

---

[1] پ ۱۶ طٰہٰ [2] پ ۲۶ الذاریات [3] پ ۲۸ الممتحنہ [5] پ ۲۶ الاحقاف ع ۱ [4] پ ۶ المائدہ

ہاں یہ صحیح ہے کہ اگر آبا علم و اجتہاد کا نور رکھتے ہوں تو پھر ان کی پیروی کرنا غلط نہیں۔ عقل وہ نور ہے جس سے انسان مکلف ٹھہرا اور اجتہاد وہ رستہ ہے جو کسی ہادی سے متصل کرے۔ جو آبا علم و اجتہاد نہیں رکھتے۔ ان کے آثار پہ چلنا کس طرح درست نہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے:

اولو کان آباؤھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون۔[1]

ترجمہ: کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ راہ چلتے ہوں۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات کے آثار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار ہدایت جب الفاظ میں — اعمال میں — اور انسانی افراد میں ڈھلتے ہیں تو حدیث — سنت — اور عمل صحابہ کہلاتے ہیں۔ حدیث کا آغاز وحی کے ساتھ ہوا۔ سنت وحی سے قانون بنی اور صحابہ حدیث نبوی سے متشکل ہوئے اور انہوں نے حضورؐ سے ہی تعلیم و تزکیہ کی دولت پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم الآثار ان تینوں وسائط سے قائم ہوا۔ آج دین اسلام انہی آثار کا نام ہے جو قرآن و حدیث اور عمل صحابہ کے نام سے امت میں سند کیا جاتا ہے

فرائض رسالت کا قرآنی فیصلہ

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

یتلو علیھم آیاته ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمة۔[2]

ترجمہ: آپ ان پر اس کی آیتیں پڑھیں انہیں پاک کریں اور انہیں کتاب و حکمت سکھا دیں۔

یہ حضورؐ کی تین اہم ذمہ داریوں کا بیان ہے۔

۱۔ یتلو علیھم آیاته سے مراد حضورؐ کا امت تک قرآن پہنچانا ہے۔

۲۔ ویزکیھم سے مراد تزکیہ و تربیت سے ایک مثالی جماعت تیار کرنا ہے

---

[1] پ ۲ البقرہ ع ۱۱   [2] پ ۴ آل عمران ع ۱۷

۴۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ سے مراد قرآن کریم کی روشنی میں حدیث و سنت کی تعلیم دینا ہے یہ آپ کا منصب امامت ہے۔ آپ کی تعلیمات قدسیہ افراد میں اگر کہیں نظر آئیں تو وہ صحابہ کرام ہیں اور اعمال میں ملیں تو وہ احادیث و آثار ہیں۔

روایت الفاظ سے بھی اور اعمال سے بھی

حضور کی تعلیمات الفاظ میں بھی روایت ہوتی رہیں اور اعمال میں بھی منتقل ہوئیں آپ کے اعمال طیبہ آپ کے صحابہ پر کمال تابانی سے سایہ فگن تھے۔ صحابہ نے آپ سے تزکیہ کی دولت پاکر آپ کی تعلیمات کو اس طرح سینے میں سمو لیا کہ پوری دنیا کے لیے آسمان ہدایت کے ستارے بن گئے تھے۔ جن کا چاند پوری آسمانی شان اور قوت و برہان سے چمک رہا تھا۔ نور و عرفان کی تجلیات ہر طرف جلوہ ریز تھیں اور صحابہ اسی چاند کے گرد ہالے بنے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ تابعین کی ایک جماعت اسی قدم کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تابعین صحابہ کے نقش قدم پہ چلے تھے اور یہ حضرت تابعین تبھی تھے کہ صحابہ متبوعین تھے۔ بڑوں کا مقتدی بنے بغیر لوگوں کا مقتدا بننا یا مقتدا بننے کی کوشش کرنا اسلام کے دین مسلسل ہونے کے خلاف ایک نئی راہ ہے۔

مقتدی کوئی ہو یا کہ ہو منتہی — کہتے ہیں وہ سنو: ما عرفنا بھی
بہ حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر — مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

قرآن کریم نے بھی ہمیں یہ دعا سکھلائی ہے کہ ہم پہلوں کے نقش قدم پر چلیں اور بعد والوں کے لیے نقش قدم بنیں۔ قرآن کریم کا تقاضا ہے کہ پوری امت آپس میں جڑی رہے اور اس کی تمام کڑیوں میں ایک مضبوط ربط ہو۔ عباد الرحمٰن کی یہ دعا قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے۔

واجعلنا للمتقین اماما۔[1] اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

اس دعا میں اس آرزو کا اظہار ہے کہ بعد میں آنے والے ہمارے نقش پا پہ چلتے

---

[1] پ الفرقان ع ۶

آئیں اور یہ بھی درست رہ سکتا ہے کہ ہم بھی اپنے سے پہلوں کے نقش پا پر رہیں۔ اس حقیقت سے وہ بصیرت پائیں کہ دوسروں کے لیے وہ بھی ایک مثالی راہ بن جائیں اور ما بعد کی امت ما قبل سے مسلسل رہے۔ حضرت امام بخاری نے اس آیت کے معنی بیان فرمائے ہیں۔

ائمة نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا۔[1]

ترجمہ: اے اللہ ہمیں ایسا پیشوا بنا کہ ہم تو اپنے سے پہلوں کے نقش قدم پر رہیں اور ہمارے بعد میں آنے والے ہمارے نقش پا پر چلیں۔

اس دعا میں یہ بتلایا گیا ہے کہ امت ایک مسلسل کاروان ہے۔ پیچھے آنے والوں کا پہلوں سے متصل رہنا ضروری ہے۔ اس دعا کا پہلا مصداق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے۔ ان کا دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل تھا اور آئندہ آنے والوں کے لیے مستند تھا اور انہی سے اسلام کی شاہراہ مسلسل قائم ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتلا دیا تھا۔

ان الناس تبع لکم۔[2] ترجمہ: بیشک لوگ تمہارے پیچھے چلیں گے۔

آپ اپنے صحابہ کرام کو یہ بتلا رہے تھے کہ تمہارے اعمال کے ذریعہ میری بات آگے چلے گی۔ قرآن کریم نے یعلمہم الکتاب والحکمۃ کہہ کر صحابہ کرام کو علم کی سند دی تو واجعلنا للمتقین اماما کہہ کے عملاً آگے رہنا دیا۔ امت مسلمہ کی یہ دعا اقتدار اسی علم و آثار کا محور ہے۔ ان الناس تبع لکم اسی کی نبوی تفسیر ہے۔ الفاظ سے سند لینا چنداں مشکل نہیں مگر عمل میں اس کی تلاش بے شک ایک بڑی کاوش ہے۔

جب تک دین کے لیے صحیح بیدار رہیں دین اعمال سے پھیلتا رہا، درست یہ تسلسل رہا، ہر طرف خیر رہی، طوفان عرفا اتحاد رہا۔ امیر المومنین سیدنا حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کی اس حیثیت سے پوری طرح خبردار کر دیا تھا۔ آپ نے انہیں ان الفاظ میں اس طرف متوجہ فرمایا۔

انکم ایها الرهط ائمة یقتدی بکم الناس۔[3]

---

[1] صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۱ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۸ [3] موطا امام مالک ص ۳۳۸ کتاب الحج۔

ترجمہ: اے لوگو! تم ائمہ کرام ہو، لوگ تمہاری اقتدا کرتے رہیں گے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں اپنی جماعت کا بلکہ اس سے قائدانہ حیثیت کا علی الاعلان اظہار فرمایا۔

انا ائمة يقتدى بنا [1] ہم صحابہ پیشوا ہیں ہماری اقتدا آگے چلے گی۔

تاریخ گواہ ہے کہ جو لوگ اس مقدس قافلے کے پیچھے چلتے آئے، تابعین کہلائے والذین اتبعوھم باحسان [2] کے باعث انہیں بھی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا تمغہ ملا۔

حضرت امام مالک سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

سن رسول اللہ صلى الله عليه وسلم وولاة الامر من بعده سننا الاخذ بها اعتصام بكتاب الله وقوة على دين الله ليس لاحد تبديلها ولا تغييرها ولا النظر في امر خالفها من اهتدى بها فهو المهتدى ومن استنصر بها فهو المنصور ومن تركها واتبع غير سبيل المؤمنين ولاه الله ما تولى واصلاه جهنم وساءت مصيرا [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے ولاۃ الامر نے ان سنتوں کو قائم فرمایا جنہیں لینا اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا ہے اور یہ اللہ کے دین کی قوت ہے کسی کو ان کے بدلنے اور ان میں ترمیم کرنے کا حق نہیں اور نہ اس کے برعکس کسی اور طرف دھیان کرنے کا حق ہے جس نے ان سنتوں سے ہدایت ڈھونڈی اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان سے نصرت چاہی وہ نصرت پا گیا اور جس نے انہیں نظر انداز کر دیا اور راہ مومنین کے سوا کسی اور راہ پر چلا، اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرا اور اسے جہنم میں پہنچا دیتے ہیں اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

[1] المصنف عبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۴۲۶ [2] سورۃ التوبہ [3] جامع العلوم والحکم لابن رجب الحنبلی ص ۱۹۳

حضرت عبادہ بن عبادہ الخواص الشامی (... ھ) دین مسلسل کی ترتیب یوں ذکر فرماتے ہیں۔

كان القرآن امام رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اماما لاصحابه وكان اصحابه ائمة لمن بعدهم۔[1]

ترجمہ: قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امام تھا اور حضورؐ صحابہ کے امام تھے اور آپ کے صحابہ بعد میں آنے والے لوگوں کے امام ہیں۔

یہ امامت مسلسل تبھی رہ سکتی ہے کہ اگلے پچھلوں کے پیچھے چلیں اور ان کے بعد آنے والے پھر ان کے پیچھے چلیں۔ صحابہ کے بعد ائمہ دین بھی اگلے آنے والوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں اور امت مجتہدین کی اقتداء اور پیروی سے یہاں اپنے تسلسل میں آگے چلتی رہی ہے۔

حضرت امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) ایک موقع پر ذکر فرماتے ہیں:

كنا قبل اليوم نضحك ونلعب اما اذا صرنا ائمة يقتدى بنا فلا نرى ان يسعنا ذلك وينبغي ان نتحفظ۔[2]

ترجمہ: پہلے تو ہمارا وقت کھیل کود میں گزرا لیکن جب ہم امام بن گئے اور ہماری پیروی کی جانے لگی تو ہمارے لیے یہ جائز نہیں اور ہمیں چاہیے کہ ہم بچ کر رہیں۔

اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت امت میں ائمہ دین کی پیروی جاری ہو چکی تھی۔ اس کا ائمہ کو بھی علم تھا اور اس سے وہ اپنے علم و عمل میں اور محتاط ہو کر چلتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیروی صرف صحابہ کی نہیں ان کے بعد آنے والے علماء وقت بھی لوگوں کا مرجع اور ان کے پیشوا ہیں۔ حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا مسلک اس باب میں کیا تھا اسے اس جزئیہ میں دیکھیے:

الاجتماع بكرة بعد صلوة الصبح لقراءة القرآن بدعة ما كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا العلماء بعدهم على هذا۔[3]

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ... [2] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ... [3] جامع العلوم والحکم صفحہ ...

ترجمہ: جمعہ کی نماز کے بعد خصوصی اجتماعی شکل میں قرآن پڑھنا ایک نئی راہ
ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بعد کے علماء کا یہ طریقہ نہ تھا۔

اس وقت یہاں ہمیں اس مسئلے سے بحث نہیں ہے صرف یہ بتلانا پیش نظر ہے
کہ صحابہ کے بعد اس وقت کے حیات علم کا عمل بھی اگلے آنے والوں کے لیے توجہ کے
لائق ہے اور جو بات اس دینی سلسلہ میں نہیں ملتی وہ دین نہیں ہے۔

علم الآثار اور علم الکتاب

قرآن کریم نے دینی علم کا ماخذ دو علم، علم الکتاب اور دوسرا علم الآثار ٹھہرائے ہیں۔ ان
دو کا آپس میں ربط کیا ہے؟ علم الآثار کی علم الکتاب سے کیا نسبت ہے؟ اور علم الآثار
کی اپنی کیا حیثیت ہے۔ اس سلسلہ میں پیش نظر ہے کہ ان میں تعلق دامن کا ساتھ ہے۔

مادی نعمتوں سے کتاب اللہ کا نور نکھرتا ہے تو علم الآثار علم الکتاب کی اس
طرح حفاظت کرتا ہے کہ اس کا کوئی پہلو اپنے معنی مراد سے دور نہیں کیا جا سکتا جو بھی
کسی نے کتاب اللہ کے معنی و مراد کو بدلنے کی کوشش کی علم الآثار نے ہزار دلیل باطل
کر تار کر دیا۔ جس طرح فضائی فوج Air Force بری فوج Military پر حفاظت
کا سایہ رکھتی ہے یہاں تک کہ دشمن کی فضائیں اس پر اوپر سے حملہ آور نہیں۔ اسی طرح
علم الآثار علم الکتاب کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں ہے کہ علم الآثار کے ہوتے ہوئے علم
الکتاب سے اس کی مرادات چھینی جا سکیں۔ علم الآثار سے علم الکتاب کے ذو معانی
معنی متشابہ کی وضاحت ہوتی ہے۔ بلکہ قرآن کے عمومات کی تخصیص اور مجملات کی تفصیل
بھی اسی سے ملتی ہے اور علم الآثار کے بغیر علم الکتاب کے عملی تقاضے میں رنگ نہیں آتا۔

اثر عربی میں نقش قدم foot-print کو کہتے ہیں۔ آثار اس کی جمع ہے پیغمبر
کے نقش قدم پر ان کے صحابہ چلے اور اپنے نقش پا جن کے پیچھے چھوڑے انہوں نے ان
سے زندگی کی عملی راہ پائی۔ ان نقوش سے جو علم مرتب ہوا وہی علم الآثار ہے۔ پیغمبر اور
تاریخ میں علم کے یہی دو ماخذ تھے۔ جن کی پیروی ہدایت الٰہی سمجھی جاتی تھی اور انہی کا تعدد یا

کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین سے مطالبہ کیا تھا۔

ایتونی بکتب من قبل ھذا او اثرۃ من علم ان کنتم صٰدقین۔[1]

ان تنصیصات سے واضح ہوتا ہے کہ تاریخ حدیث تاریخ نبوت کے ساتھ ساتھ چلتی رہی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور رسالت کی بھی ایک ہی وقت سے ابتداء ہوئی۔ گو علم الٰہی اور تربیت الٰہی میں آپ بہت پہلے سے نبی تھے۔ امام بخاری نے الجامع الصحیح المسند کے آغاز میں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ وحی کی ابتداء اور حدیث کا آغاز ایک وقت سے ہے۔ حدیث کے معنی زبانی بات کے ہیں حیوان ناطق کی تاریخ میں اظہار خیال کا اولین ذریعہ یہی نطق و بیان تھا اور اسی سے انسان اپنے ابنائے جنس میں ممتاز ہوا اور حیوان ناطق نام پایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور بولنا سکھایا۔

خلق الانسان علمہ البیان۔[2] پیدا کیا انسان کو اور سکھایا اُسے بولنا۔

انسانی تاریخ میں علم کا فطری ذریعہ حدیث (زبانی بات) کی تدوین فطرت میں بھی علم کا ذریعہ حدیث (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات) ہی قرار پائی۔ اسی سے قرآن کریم کا تعارف ہوا اور اسی سے دور اول کے سیارے انسانوں نے تزکیہ و ترتیب کی دولت پائی۔ حدیث نہ ہوتی تو نہ قرآن سمجھ میں آتا نہ جماعت صحابہ تیار ہوتی۔

حدیث کی زبانی روایت

علم حدیث زندہ انسانوں سے زندہ انسانوں تک منتقل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر تاریخی خطبہ دیا اور بہت سے احکام ارشاد فرمائے۔ امت کو ایک دستور زندگی دیا۔

فلیبلغ الشاھد الغائب۔[3] ترجمہ۔ جو حاضر ہے وہ اسے غائب تک پہنچا دے۔

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ آپ کی یہ حدیث نہ صرف

---

[1] پ ۲۶ الاحقاف ع ۱ [2] پ ۲۷ الرحمٰن ع ۱ [3] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲

اسی اجتماع کے لیے نہیں، بلکہ کل انسانوں کے لئے راہ ہدایت ہے جو آج موجود ہیں۔
اور ممکن رہے ہیں وہ ان باتوں کو دوسروں تک پہنچا دیں۔ گویا ان احکام کی تبلیغ صرف
میدان عرفات کے حاضرین اور غائبین تک محدود نہ رہی، بلکہ ہر مجلس علم کا شاہد اسے
اس مجلس کے غائب تک پہنچانے کا ذمہ دار ٹھہرا۔ حجۃ الوداع کا یہ خطبہ آخری الٰہی رہنما کا
آخری دینی چارٹر تھا، اور اس کا آخری پیغام روایت حدیث کی ہی تاکید تھی۔ سلسلہ
روایت کو آگے جاری رکھنا یہ اسلامی زندگی کا منشور ٹھہرا۔ چنانچہ یہ سلسلہ پوری کثرت و
خلوص اور شوق و محبت سے جاری رہا اور حدیث اپنی تاریخ میں ہمیشہ زندہ انسانوں
میں روایت ہوتی رہی، اور زندہ انسانوں سے زندہ انسانوں تک منتقل ہوتی رہی۔
یہ صحیح ہے کہ محدثین اپنی یادداشت کے لیے تحریرات سے بھی مدد لیتے تھے۔ لیکن
حدیث پھر بھی صیغۂ تحدیث سے ہی آگے روایت ہوتی تھی۔ تحریرات بھی ہوں تو ان
کے آخر تصدیقات ثبت ہوتیں۔ علم حدیث کے یہ اسناد آج تک مسلسل چلے آ رہے ہیں۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے اپنی سند زندہ اساتذہ کے واسطوں سے مؤلفین
کتب حدیث تک اور پھر ان محدثین کے واسطہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ
کے اصحاب کرام تک پہنچائی ہے، اور اب تک روایت حدیث کی یہ اجازت
برابر چلی آتی ہے۔

علم الآثار کے درس و مذاکرات

اس زمانے میں جب کہ علم کتابوں اور تحریروں میں مدون ہو گیا ہے۔ زبانی بات
چیت کی سند و نقل transmission بہت کم رہ گئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ زبانی
بات چیت کی مؤثر حیثیت باقی نہیں رہی۔ یہ حقیقت ہے کہ بیان واقعات میں اولین
درجہ زبانی بات کا ہی ہے۔ پھر ضرورت اور تقاضے کے مطابق اسے تحریر کا لباس
پہنا دیا جاتا ہے۔ تحریر بمقابلہ تقریر ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی صاحب علم انسان کی تعریف
حیوان ناطق کے بجائے حیوان ادیب ہرگز پسند نہ کریں گے۔ علم میں جو شگفتگی آتے جاتے

کے درس و تدریس اور زبانی مذاکرات سے آتی ہے وہ تحریر کی راہ سے نہیں آتی۔ تحریر کی غلطی پر صاحب تحریر کو بعض اوقات مدتوں تک پتہ نہیں چلتا۔

یہی وجہ ہے کہ اس امت میں علم ہمیشہ انہی علماء کا معتبر سمجھا گیا جو زندہ علماء کے سامنے بیٹھ کر اور علماء کی مسندوں میں شریک ہو کر اکتساب علم کرتے رہے ہیں۔ جیوان ادیب کتابیں پڑھ جائے جیوان تلامذ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تحریر ہمیشہ دوسرے درجے کا علمی فائدہ بخشتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تحریری نقوش میں تغیر و تبدل اور مغالطوں کا اس کثرت سے نہیں آتا جتنا زبانی بات چیت میں آ سکتا ہے۔ لیکن اس مشکل کا حل تحقیق و ثقاہت میں صدق و دیانت اور نقل و روایت کے ضابطوں کی پابندی ہے نہ کہ زبانی بات کے اصولی وزن کو ہی گرا دیا جائے اور جیوان ادیب کے گرد و ذریعے ڈال دیئے جائیں۔ لٹریچر زبانی تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ رہے اور معاون کے درجے میں رہے تو اس سے بیشک ہزاروں فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ نقل روایات میں سب سے اونچا درجہ شہادت کا ہے، جس سے عدالتیں فصل خصومات اور مقدموں کے فیصلے کرتی ہیں اور انسانی حقوق کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ وہاں اصولی حیثیت زبانی بیان کی ہوتی ہے۔ کوئی تحریر پیش ہو تو اس پر بھی زبانی شہادت گزاری جاتی ہے۔ کسی عدالتی فیصلے میں صدر مملکت کا بیان بھی مطلوب ہو تو اسے بھی اصالۃً خود حاضر ہونا پڑتا ہے اور اس کی کوئی تحریر یا خط اس سلسلے میں کافی نہیں سمجھے جاتے۔ تحریر کا درجہ تاریخ انسانی میں تقریر سے ہمیشہ دوسرا رہا ہے۔

علم کتاب سے پہلے زبانی پیمانوں میں

آج جب علم مدون ہو چکا ہے اور تحقیقی مسائل میں ہماری نظریں ہمیشہ کتابوں کے گرد گھومتی ہیں تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ تدوین علم سے پہلے کے ادوار علم سے خالی تھے۔ تدوین ہونے کے انداز بتا رہے ہیں کہ علم پہلے سے چلا آ رہا تھا جس کی کتابی صورت بس

تدوین علم سے شروع ہوتی ہے۔ یہ بات کہ حدیث کے معنی زبانی بات کے ہیں، اس
کی تاریخی حیثیت اور اعتقاد میں خارج نہیں۔ حدیث کی زبانی نقل و روایت حدیث
کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ قرآن کریم کا پیرایہ اول بھی زبانی تھا۔ اس
نے تحریری صورت بعد میں اختیار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے لکھواتے رہتے
اور اس کے مختلف اجزاء حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں یکجا کتابی صورت میں جمع
ہوئے۔ اسی طرح حدیث کا پیرایہ اول بھی زبانی تھا۔ صحابہ کی تحریرات محض اجزاء کی
شکل میں تھیں۔ پھر اس کی باقاعدہ تدوین ہوئی اور یہ علم کتابوں میں منتقل ہوا اور
پھر یہ وقت آیا کہ ان تحریرات documents of hadith کو حدیث کہا جانے
لگا۔ یہ دور آخر کی اصطلاح ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر علم
کی ابتداء پہلے زبانی نقل و بیان کی ہوتی ہے، پھر کہیں اسے تحریر میں لایا جاتا ہے۔

نقل و روایت میں عربوں کا قومی مزاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے نقل روایت
اور پچھلی باتوں کو آگے نقل کرنا عربوں کے قومی مزاج میں داخل کر رکھا تھا۔ قومی
برتری کے احساس، تفوق، شعر و سخن کی دلدادگی اور انساب و قبائل کے تذکروں کی وجہ
سے اس زبانی بیان علم اور ضبط روایت کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ جب عرب اسلام
میں داخل ہوئے تو نقل روایت کا وہ قدیم تاریخی اہتمام اپنے آقا کی تعلیمات قدسیہ کی
نقل و روایت میں جذب ہوگیا اور روایات کے حفظ و ضبط میں یہ فطری محنت اس
وقت تک بڑی آب و تاب سے قائم رہی، جب تک تحریرات حدیث باقاعدہ تدوین
کے دور میں داخل نہ ہوگئیں۔ پہلے پیغمبروں کا علم الآثار ان پیغمبروں سے کٹ گئے ہیں۔
لیکن حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار رسالت اپنی کامل ترین صورت میں دنیا
میں پھیلے اور آگے بڑھے اور تاریخ کے ہر دور میں انسانی زندگی کو روشنی بخشتے رہے
پہلے پیغمبروں سے ان کی شریعت کی ابدی حفاظت کا وعدہ نہ تھا، کیونکہ نیا پیغمبر

انہیں نئے سرے سے الہی قانون بتلا سکتا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی نے نہ آنا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کی ابدی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔

دربارِ رسالت میں حدیث کا فیضان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی حدیث کا موضوع تھی اور آپ کی ہر مجلس سے حدیث کا فیضان جاری تھا۔ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے آپ کی ہر ادا امت کے لیے اُسوہ اور نمونہ تھی اور آپ کے ہر ارشاد و ہدایت سے صحابہ کو زندگی کا درس ملتا تھا۔ مرد بھی اس فیضانِ حدیث سے جھولیاں بھرتے اور عورتیں بھی دربارِ رسالت سے حدیث کا درس لیتی تھیں۔

عورتوں میں حدیث کی روایت

حضرت ابو سعید خدری (م ۷۴ھ) کہتے ہیں کہ ایک خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا :

ذهب الرجال بحديثك فاجعل لنا من نفسك يوما نأتيك فيه فعلمنا مما علمك الله۔ صحیح بخاری جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۱۰ مترجم مطبوعہ ۱۹۰۱ دہلی

ترجمہ: مرد تو آپ کی حدیثیں لے جاتے ہیں آپ ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر کر دیں ہم آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں پڑھا دیا۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح صحابہ کرام دربارِ رسالت سے فیض پاتے رہے، صحابیات بھی اسی ذوق اور ایمان سے حدیث کی طلب گار ہوتی تھیں۔ (۲) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم مخلوط نہیں، ورنہ ان کے لیے علیحدہ دن مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ (۳) اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عہدِ اوّل میں ہی عورتوں میں نقل روایت کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا۔ ان دنوں عورتوں تک کو یہ بات معلوم تھی کہ حدیث کا سرچشمہ بھی تعلیم الہٰی ہے۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح علم دین زبانی امت میں سند سے جاری ہوا، عورتوں میں بھی حدیث کی روایت اسی ترتیب علم اور اہتمام عمل سے جاری ہوئی اور آج تک خواتین امت میں دین کی یہ خدمت کسی نہ کسی صورت میں چلی آ رہی ہے۔

حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مرکزی کردار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح بیرونی زندگی Public life امت کے لیے اسوۂ حسنہ تھی، اسی طرح آپ کے گھر کی زندگی Private life بھی امت کے لیے لازمی مشعل ہدایت تھی۔ سو حکمت الٰہی میں تقاضا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں حفظ روایت اور ثقاہت کے ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ آپ کے گھر کی زندگی بھی پوری امت کے سامنے روشن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس اہم تعلیم خدمت کے لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا انتخاب ہوا اور وہ نہایت کم عمری میں ام المومنین کی منزلت رفیعہ پر مسند نشین ہو گئیں۔ اس عمر میں ان کا حرم نبوی میں آنا اسی خدمت حدیث اور حفظ روایت کے لیے تھا۔ آپ سے جہاں صحابہ کرام کے جم غفیر نے علم کی دولت لی، حضرت عمرہ (م ۱۰۰ھ) روایت حدیث میں آپ کی جانشین ٹھہریں۔

حدیث کے تین علمی مراکز

(۱) حجاز (۲) عراق (۳) شام

حجاز ——— مرکز اسلام۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اسی سرزمین میں تھا۔ آیات الٰہی اور قرآن عزیز کی سب سے پہلے اسی سرزمین میں اترے۔ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی درسگاہ حضرت امام مالکؒ کا حلقہ درس تھا۔ مکہ مکرمہ میں بھی بڑے علمی حلقے تھے۔

عراق ——— حضرت عمرؓ کے وقت میں کوفہ اسلامی چھاؤنی بنا۔ بڑے بڑے فقہاء صحابہ وہاں آباد ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) اور امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) کی درسگاہیں اسی زمین میں تھیں۔ امام نوویؒ کوفہ کے بارے میں لکھتے ہیں: دار الفضل ومحل الفضلاء (شرح صحیح مسلم ج ۱ [illegible])

شام ـــــ یہ سرزمین جلیل القدر صحابی حضرت ابو الدرداء (م ۳۲ھ) کا مرکز درس تھی جیسا کہ خلیفہ حضرت امیر معاویہؓ کا مرکز حکومت بھی یہی علاقہ تھا۔ امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) اس علاقے کے بڑے مجتہد تھے۔ بعد ازاں ان دیار میں ان کی تقلید ہونے لگی۔

پہلی قوموں کو پہلے انبیاء سے جو کتب اور علوم ملے وہ باقی نہ رہے تھے تو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان قوموں کی گمراہی ان لفظوں میں بیان فرماتے:

انھم کذبوا علی انبیائھم حرفوا کتابھم (رواہ احمد عن معاذ بن جبل)

ترجمہ: انہوں نے جیسا کہ اپنی آسمانی کتابوں کو بدلا، اپنے انبیاء پر بھی وہ باتیں لگائیں جو انہوں نے نہ کہی تھیں۔

اس حدیث میں پہلے انہیں اللہ کی کتاب بدلنے کا مجرم بتلایا ہے پھر انہیں احادیث بدلنے اور موضوع روایات کو پیغمبروں کے نام سے بیان کرنے کا قصوروار ٹھہرایا ہے ـــ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ پہلے پیغمبروں کی صحیح احادیث ان قوموں کے لئے حجت ہوں۔ اور ان نفوس قدسیہ کے نام سے غلط باتیں وضع کرنا حرام ہو۔ محدثین اسی لئے احادیث کی چھان بین کرتے ہیں۔ تاکہ پیغمبروں کے نام سے کوئی غلط بات راہ نہ پاسکے۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی صراط مستقیم کی تشخیص یہی رہی کہ اس کی اساس اللہ کی آیات اور پیغمبروں کی ذات پر ہو ـــ پیغمبر کی ذات کو نکال دینے سے وہ صراط مستقیم نہ کہا جا سکے گا۔

وکیف تکفرون وانتم تتلی علیکم آیات اللہ وفیکم رسولہ

ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم (پ۴ آل عمران آیت ۱۰۱)

ترجمہ: اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو جبکہ تم پر (۱) اللہ کی آیات بھی تلاوت کی جا رہی ہیں اور (۲) تم میں اللہ کے رسول بھی موجود ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا سہارا لے گا وہ صراط مستقیم پر لگ گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی تعلیمات کا بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے موجود ہونا حضورؐ کے وجود باجود کا ہی فیض ہے۔

جب تک اللہ کی کتاب سے تمسک رہے اور حضور کی تعلیمات پر عمل ہو انسان کبھی
گمراہی کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ کتاب و سنت سے صراط مستقیم کی دولت پا چکا ہوتا ہے۔

آیات و رسل میں سے کسی کا انکار نہ ہو

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کافروں کے کفر کی ایک یہ وجہ بیان فرمائی ہے۔
ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا (پ الکہف ع ۱۲)
ترجمہ: یہ بدلہ ان کا ہے جہنم اس پر کہ وہ منکر ہوئے اور ٹھہرایا ① میری
آیتوں کو اور ② میرے رسولوں کو ٹھٹھا

ان کا جرم صرف انکار رسالت ہوتا تو اتنی بات کافی تھی کہ وہ وحی خداوندی سے
استہزاء کرتے تھے۔ یہ جو فرمایا کہ انہوں نے رسولوں سے بھی استہزاء کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ
کی وحی اور رسولوں کی باتیں شروع سے مدار ایمان رہی ہیں اور کافر ان دونوں سے استہزاء
کرتے رہے ہیں۔ بنی نوع انسان سے شروع سے یہ مطالبہ رہا ہے کہ وہ وحی خداوندی کے
ساتھ رسولوں کی باتیں بھی مانیں کسی کا انکار نہ کریں۔ رسولوں کو وحی خداوندی سے کسی طرح
جدا نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث رسول اسی وقت سے حجت چلی آرہی ہے جب سے انسان وحی
خداوندی سے متعارف ہوا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تصدیق رسول تصدیق آیات پر بھی مقدم
ہے جب تک رسول کی تصدیق نہ ہو اس کے بیان پر آیات الٰہی کو آیات الٰہی نہیں مانا جا سکتا
امتیں پیغمبر کو پہلے مانتی رہی ہیں اور پھر اس کے کہنے پر اس بات کو تسلیم کرتی رہی ہیں
جو وہ خدا کی طرف سے لاتے رہے۔ وکفی بہ قدوۃ فی ھذا الباب۔

پہلے درجے میں کتاب الٰہی اول ہے اور حدیث اسلام کا دوسرا علمی ماخذ ہے لیکن
تاریخ کے پہلو سے حدیث پہلے اور کتاب الٰہی بعد میں ہے۔ سورۂ کہف کی اس آیت میں
درجے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور آیات کو رسل پر مقدم کیا گیا ہے۔

انبیاء سابقین کا اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی

قرآن کریم میں متعدد ایسے شواہد ملتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے کتب و صحائف کے علاوہ

بھی انبیاء سابقین سے کلام فرمایا ہے۔ یہ ہمکلامی ان کے صحیفوں یا کتابوں تک محدود نہ تھی بلکہ نبیوں سے ان کی ذاتی راہنمائی کے لیے بھی ہوا کرتے تھے۔ کتب حدیث میں بھی ایسے وقائع موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ پچھلے نبیوں سے ہمکلام ہوئے ——— جیسے اس باب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے حضور کو ان خبروں کا کیسے پتہ چلا۔ یہ آپ خود سوچیں۔ یہ حضور کی بھی وحی غیر متلو ہے۔

① حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی

عن انس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اوحی اللہ تعالیٰ الی آدم علیہ السلام ان یا آدم حج هذا البیت قبل ان یحدث بک حدث الموت ۔ ۔ ۔ الحدیث[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آدم کی طرف وحی کی اور حج بیت اللہ شریف کا حکم دیا فرمایا اس گھر کا قصد کریں پیشتر اس کے کہ تمہارا آخری وقت ہو۔

② حضرت ابراہیمؑ کی طرف وحی

اوحی اللہ تعالیٰ الی ابراہیم یا خلیلی حسن خلقک ولو مع الکفار تدخل مداخل الابرار فان کلمتی سبقت لمن حسن خلقه ان اظله فی عرشی وان اسکنه حظیرة قدسی وان ادنیه من جواری۔[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی طرف وحی کی کہ دوست! اپنے اخلاق اچھے رکھنا خواہ کفار سے ہی معاملہ کیوں نہ ہو تم اس طرح نیک لوگوں میں شمار پاؤ گے میری بات طے ہو چکی ہے جس کا اخلاق اچھا ہو گا اسے میں اپنے عرش کے سایہ میں رکھوں گا اپنے حظیرۂ قدس میں اسے رہنے کی جگہ دوں گا اور اپنے قرب میں اسے قریب کر دوں گا۔

---

[1] الترغیب جلد ۲ صفحہ ۳ [2] جامع صغیر جلد ۱ صفحہ ۳ عن ابی ہریرہؓ

زبان سے بیان کریں یا عمل سے آپ کی ہر بات اور آپ کی ہر ادا امت کے لیے اللہ تعالیٰ کی
نعمت اور کل کائنات کے لیے اللہ کی رحمت ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین کا وجود مسعود تمام جہانوں
کے لیے رحمت ہے۔ اور آپ کی حدیث ہر ظلمت میں ایک اجالا ہے۔

تعلیم رسالت کے تین عنوان

حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور اس نسبت سے صحابہ کرام
کی ذوات قدسیہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات sayings اعمال Actions
اور آپ کے سامنے کیے گئے اعمال approvals (جن پر آپ نے کوئی اعتراض نہ کیا ہو اور
جنہیں اپنے سکوت سے منظوری بخشی ہو) سب حدیث کا موضوع ہیں۔ یہ تینوں ارشادات،
اعمال اور منظور کردہ امور حدیث کا سرمایہ ہیں۔ علم حدیث میں انہی امور سے بحث ہوتی ہے کہ
آپ نے کیا فرمایا ہے، کیا کیا ہے اور آپ نے اپنے مشاہدہ اور سکوت سے کس کس
بات کو منظوری بخشی۔ امت کے پیغمبر کی آنکھوں میں کام کو ہوتا دیکھ لے وہ آپ کے سکوت سے بھی
دوسروں کے لیے سند بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ حضور کے دور میں کیے گئے اعمال کو آگے
اس طرح روایت کرتے تھے۔ گویا یہ سب تعلیم رسالت ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضور کی
اس منظوری سے وہ حضور کی ہی تعلیمات سمجھے جاتے ہیں۔ امام نووی (۶۷۶ھ) مقدمہ
شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

وان اضافه فقال كنا نفعل في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم
او في زمنه او وهو فينا او بين اظهرنا او نحو ذلك فهو مرفوع وهذا
هو المذهب الصحيح۔ مقدمہ شرح مسلم ص

ترجمہ: اور صحابی اگر روایت آگے نسبت کردے کہ ہم حضور کی زندگی یا
آپ کے وقت میں اس طرح کرتے تھے یا ہم نے یہ کیا اور آپ ہم میں
تھے یا ہمارے سامنے تھے یا اسی طرح کی کوئی اور تعبیر اختیار کریں تو یہ بات
مرفوع حدیث کے حکم میں ہوگی اور یہی مذہب صحیح ہے۔

تقریری حدیث کی ایک مثال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں تین رات تراویح کی نماز پڑھائی۔ اور پھر تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے۔ آپ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ آپ کے دائمی عمل سے کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے۔ ان تینوں راتوں کے بعد صحابہ کرامؓ مسجد میں مختلف اور متفرق جماعتوں میں تراویح کی نماز پڑھتے رہے اور اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھی ہوئی۔ آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہ فرمایا، بلکہ اس کی تصویب فرمائی۔ مسجد میں حضرت ابی بن کعبؓ (لوگوں کو) تراویح پڑھا رہے تھے، آپ نے دیکھا تو فرمایا۔

اصابوا ونعم ما صنعوا[1] صحیح بات کو پہنچے اور بہت اچھا ہے جو انہوں نے کیا

آپ کی اس تقریر و توثیق confirmation سے مسجدوں کی تراویح با جماعت بے شک بطور سنت ادا ہو رہی ہے۔ تراویح کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف اس لئے ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو متفرق جماعتوں سے ہٹا کر ایک بڑی جماعت پر جمع کر دیا تھا[2]۔ اور یہ بھی اس وقت کیا جب اس نماز کے فرض ہونے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہا تھا۔ مسلمانوں میں تراویح کی جماعت اس تقریر نبوی سے اب تک شائع و رائج ہے۔ اس قسم کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی احادیث کے ساتھ ساتھ آپ کی تقریری احادیث بھی علم حدیث کا ایک بڑا سرمایہ بن گئیں۔ آپ زبان مبارک سے کچھ فرما دیں یہ تو ایک طرف رہا، آپ کی نظر مبارک پڑ جائے اور آپ خاموش رہیں تو اسے بھی آپ کی منظوری سمجھا جائے گا۔ جس کی نظر و عمل میں یہ تاثیر پہنچے اس کے قلب کا فیض کس قدر عام ہوگا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا کہ آپ کے ہوتے ہوئے امت پر کوئی عذاب آسکے۔

وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم[3]

ترجمہ: اور خدا ان کو عذاب نہیں دے گا درحالیکہ آپ ان میں ہیں۔

---

۱ سنن ابی داؤد جلد ۱ ص [illegible] عن ابی ہریرۃؓ ۲ صحیح بخاری جلد ۱ ص [illegible] باب التراویح

صحابہؓ کے اعمال حضورؐ کے ترجمان

آپ کی تعلیمات خواہ قولی ہوں یا فعلی یا تقریری کی صورت کہ آپ نے اپنے سکوت سے منظوری دی ہو، صحابہ کرامؓ کی زبان سے سنے گئے بیان ہوں یا ان کے عمل سے یہ دونوں طریقے نقلِ حدیث کے رنگ میں پہنچانے میں برابر کے کارفرما رہے ہیں۔ وہ کبھی ایسے کہتے تھے کہ ہم حضورؐ کا سا عمل تمہیں کر کے دکھائیں یا اور پھر صحابہ کا عمل سامنے آتا ——— کبھی وہ یوں کہتے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صحابہ کے اپنے ایک عمل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نشان سمجھے جاتے تھے اور یہ وہ کام تھے جن میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہ ہوتی تھی اور یہ سمجھا جاتا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیم ہے جو صحابہ کے اعمال میں جلوہ گر ہے۔ پہلی صورت کی مثال لیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے اپنے اصحاب سے فرمایا :-

الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1] (فصلّی)

ترجمہ: کیا تمہیں اس طریقے کی نماز نہ پڑھاؤں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھایا کرتے تھے!

یاد رہے کہ یہ نماز کی شکل و صورت میں مشابہت ہی تو تھی مقصود نہ تھی۔ مقام نماز اور اس کی روحانی کیفیت میں حضورؐ کی نماز تک کسی کی نماز نہیں پہنچ سکتی۔ مخالفین صحابہ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر یہ الزام لگائیں کہ دیکھو وہ اپنی نماز کو حضورؐ کی نماز کے برابر کہہ رہے ہیں۔ اور یہ بے ادبی اور گستاخی ہے۔ تو ان کی خدمت میں عرض کیا جائے گا کہ قائل کی مراد سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ قائل کی مراد سمجھے بغیر اس پر بے ادبی کا فتویٰ لگا دینا علماء سوء کا طریق ہے۔ اہل حق اس سے احتراز کرتے آئے ہیں۔ یونہی کسی کو بے ادب اور گستاخ کہہ دینا شرارت کے سوا کچھ نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اسی طرح ایک دفعہ اپنی نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نمونہ بتلایا۔ حضرت امام شافعیؒ روایت کرتے ہیں :-

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۳

ان ابا هريرة كان يصلي بهم فيكبر كلما خفض ورفع فاذا انصرف
قال والله اني لاشبهكم صلوٰة برسول الله صلى الله عليه وسلم[1]

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ انہیں نمازیں پڑھا رہے تھے جب بھی آپ جھکتے
اور اُٹھتے اللہ اکبر کہتے۔ جب نماز پوری کرچکے تو فرمایا: میں تمہیں حضورؐ
کی سی نماز پڑھا رہا ہوں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی نماز اپنے مقام اور کیفیت میں حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی سی نماز تھی اور کیا کسی نے اس روایت کی بنا پر حضرت ابوہریرہؓ پر کوئی حضورؐ کی بے ادبی
کا فتوے لگایا؟

میمون المکی ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس گئے اور آپ سے حضرت عبداللہ
بن زبیرؓ کی نماز کا ذکر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

ان احببت ان تنظر الی صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقتد
بصلوٰة عبد الله بن زبير[2]

ترجمہ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھو تو عبداللہ بن
زبیرؓ کی نماز کی اقتداء کرو۔

یہاں یہ نقطہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع صحابہ کی اقتداء
سے ہی امت میں جاری ہوئی ہے۔ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قریبی صحبت ہو اور جتنا
گہرا صحبت ہو اتنا ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا زیادہ نمونہ سمجھا جائے گا۔ اس کے علاوہ
کوئی حضورؐ کے بارے میں کسی علم کا دعوے کرے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
لائے گا۔ حضرت ابوحمید الساعدیؓ (م ۶۰ھ) ایک دفعہ دس صحابہ میں بیٹھے تھے ان میں ابوقتادہ
ابن ربعی بھی تھے۔ انہوں نے کہا۔ انا اعلمكم بصلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ میں
حضورؐ کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ آپ نے جو کہا آگے امام ترمذی کی روایت
سے دیکھئے۔

---

[1] مسند امام شافعی صفحہ ۲ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ

اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ . . . . قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ من لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ۔[1]

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ جس نے سورت فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی کا معنی یہ ہے کہ جب وہ اکیلا ہو یعنی جماعت سے نہیں اکیلے نماز پڑھ رہا ہو اور امام احمد نے اس پر حضرت جابر بن عبداللہ کی مذکورہ روایت سے استدلال کیا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ یہ شخص (جابر بن عبداللہ) حضور کے صحابہ میں سے ہے اور اس نے حضور کے ارشاد لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ جب کوئی اکیلے نماز پڑھے (یعنی امام کے پیچھے نماز پڑھنا اس سے مراد نہیں) کہ بدون فاتحہ اس کی نماز نہیں ہوتی۔

حضرت امام سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) نے بھی اس ارشاد نبوت کو اکیلے نماز پڑھنے والے پر محمول کیا ہے یعنی حدیث لا صلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے استدلال کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو شخص امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امام ابوداؤد[2] کہتے ہیں۔ قال سفیان لمن یصلی وحدہ۔ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو کہ اکیلے نماز پڑھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت سفیان کو حدیث لا صلوٰۃ من لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہ مطلب حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ہی سمجھایا ہو، کیونکہ آپ نے ہی انہیں علم حدیث کی طرف متوجہ کیا تھا۔ حضرت سفیان خود کہتے ہیں۔

اول من اقعدنی للحدیث ابو حنیفۃ۔[3]

ترجمہ۔ پہلا شخص جس نے مجھے حدیث کے سبق میں بٹھایا امام ابوحنیفہ تھے۔

ابن خلکان بھی حضرت سفیان سے نقل کرتے ہیں۔ اول من صیرنی محدثا ابو حنیفۃ۔[4]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۱ وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔ [2] ابوداؤد شریف جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ [3] ایضاً صفحہ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے تفسیر حدیث میں امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔[1]

اس وقت اس مسئلے سے بحث پیش نظر نہیں نہ یہاں ائمہ مجتہدین کے اختلاف مسالک پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اس وقت صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ اکابر محدثین نے صحابہ کے اقوال و اعمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی شرح کرنے میں کتنی اہمیت دی ہے اور حق یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے قول و عمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ ان کے تمام دینی ارشادات اور اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیمات قدسیہ کا نشان تھے جو کبھی اختلاف صحابہ میں راہ پا گیا آگے امت کے لیے سند بن گیا۔ جس طریقہ پر بھی کسی صحابی کا عمل مل گیا۔ سے اب کسی طرح گمراہی قرار نہ دیا جائے گا۔ اسے باطل کہنا صرف اہل باطل ہی کا نصیب ہو گا۔ البتہ ضرورت ہے کہ جو دینی اعمال کسی نہ کسی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی استناد رکھتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے امت کے مختلف فیہ مسائل کو صحابہ کے اعمال سے مستند بتلایا ہے۔ اور امت کے اختلاف کو امت کے لیے وسعت عمل کی راہیں فرمایا ہے۔ آپ اپنے رسالہ [illegible] میں لکھتے ہیں:-

فان السلف فعلوا هذا وهذا وكان كلا الفعلين مشهوراً بينهم كانوا يصلون على الجنازة بقراءة وبغير قراءة كما كانوا يصلون تارة بالجهر بالبسملة وتارة بغير جهر وتارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح وتارة برفع اليدين في المواطن الثلاثة وتارة بغير رفع وتارة يصلون تسليمتين وتارة تسليمة واحدة وتارة يقرأون خلف الامام بالسر وتارة لا يقرأون وتارة يكبرون على الجنازة سبعاً وتارة خمساً وتارة اربعاً كان منهم من يفعل هذا ومنهم من يفعل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة[2]

ترجمہ: سلف صالحین نے دونوں طرح کیا ہے۔ اور دونوں فعل ان میں مشہور رہ

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ [2] الانصاف فی رفع الاختلاف مؤلفہ مولانا عبدالحق سیالکوٹی بن مولانا [illegible] شاہ مطبوعہ [illegible] مطبع عام [illegible] پریس لاہور۔

معروف رہے ہیں۔ بعض سلف نماز جنازہ میں قرأت کرتے تھے اور بعض نہیں
کرتے تھے۔ بعض کبھی بسم اللہ نماز میں اونچی پڑھ دیتے تھے اور کبھی بسم اللہ بغیر
جہر کے پڑھتے تھے — کبھی افتتاح والی دعا پڑھ لیتے اور کبھی نہ پڑھتے۔
— کبھی رکوع کو جاتے، رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے
رفع یدین کر لیا — اور کبھی ان تینوں موقعوں پر رفع یدین نہ کرتے، نماز
پوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے کبھی ایک طرف۔ کبھی امام کے
پیچھے قرأت فاتحہ اور سورت کر لیتے اور کبھی نہ کرتے۔ نماز جنازہ پر کبھی
سات تکبیریں کہتے کبھی پانچ اور کبھی چار — سلف میں ان میں سے ہر
طریقے پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب اقسام عمل صحابہ سے ثابت ہیں۔

صحابہ کے اعمال سے علم حدیث میں وسعت

یہ وہ اعمال ہیں جو صحابہ کی روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب تابعین نے صحابہ کرام
مختلف عمل دیکھے اور ہر طریق عمل اپنی اپنی جگہ تواتر پا گیا تو یہ بات ان کے تصور میں نہیں آ سکتی تھی کہ ان
حضرات نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف مواقع میں مختلف طریقوں پر عمل کرتے
دیکھا ہو۔ پھر جوں جوں آپ کی آخری زندگی کے طریقے ان کی نگاہوں میں ممتاز اور راجح ہوتے
چلے گئے، اپنی اپنی تحقیق اور ترجیح کے وجوہ ان کے سامنے روشن ہوتے چلے گئے، یہاں تک
کہ ان حضرات نے بعد کی تحقیقات میں ناسخ اور مرجوح کی صورتیں اختیار کر لیں ——
تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ علم حدیث میں اعمال صحابہ سے بھی تفصیلی بحث ہوئی ہے۔ حدیث
کی کتابوں میں حضور کی مرویات کے ساتھ ساتھ ان کی مرویات بھی ہوئی ہیں — یہ حضرات
آئندہ صفحات میں بھی حضور کی محنت کا مظہر ہیں۔ ضروری ہے کہ یہ بھی حدیث کا موضوع سمجھے جائیں
صحابہ کے عمل کو علم حدیث میں اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اگر صحابی خود حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کرے اور اس کا اپنا عمل اس کے خلاف ہو تو اس عمل سے اس
حدیث کے منسوخ ہونے یا اس کے عموم کی تخصیص ہونے پر استدلال کیا جا سکے گا۔ اس میں محدثین کی راہیں

گو مختلف رہی ہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحابہ کے اپنے اعمال و فتاوے کو علم حدیث میں بہت اہمیت حاصل ہے اور یہ حضرات بھی حدیث کا ایک اہم موضوع رہے ہیں۔

صحابی کے فتوے سے اس کی روایت کی تحقیق

حضرت ابوہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن کو منہ لگا دے تو اسے سات دفعہ دھونا چاہیے۔[1] مگر جب حضرت ابوہریرہؓ نے خود تین دفعہ دھونے کا فتوے دیا تو اس سے یہی سمجھا گیا کہ سات دفعہ دھونے سے غرض تاکید مبالغہ تھی اور پاک ہونے کا تقاضا تین دفعہ دھونے سے پورا ہو جاتا ہے۔[2] عربی اسلوب میں بے شک اس طرز تاکید کی گنجائش موجود ہے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ اپنی تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں:

ان ابا هريرة روى الحديث و افتى بعد النبي صلى الله عليه وسلم بالتثليث وعمل عليه وفعل الراوي يكون بيانا للحديث۔[3]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث (کہ برتن کو سات دفعہ دھویا جائے) روایت بھی کی اور حضور کے بعد فتوے تین دفعہ دھونے پر دیا اور اس پر عمل کیا اور راوی کا فعل اس کی روایت کا بیان ہوتا ہے۔

مشہور محدث علامہ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) کہتے ہیں کہ صحابی کا فتوے جب اس کی روایت کے خلاف ہو تو فیصلہ اس کے فتوے پر ہونا چاہیے۔ نہ اس روایت پر جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہا ہو۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ صحابی جان بوجھ کر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چلے۔ اس خلاف روایت فتوے سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس صحابی کے پاس اس روایت کے منسوخ یا ماول ہونے کی کوئی سند ضرور موجود تھی۔ کیونکہ ہم صحابہ کے بارے میں نیک گمان کے پابند ہیں۔ ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ حضرات تزکیہ صفات پا کر بھی جان بوجھ کر آقا کے خلاف چلیں۔ حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

اذا انه يعرف من الحال سوى انه خالف مرويه حكمنا بانه اطلع على

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۷، [2] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، [3] تقریر ترمذی شیخ الہند صفحہ

ناسخة فی نفس الامر ظاهرا الا ان الظاهر انه لا یخفی فی ظن غیر ان الامر ناسخا

ترجمہ: جب اس کے سوا کوئی اور بات سامنے نہ آئے کہ اس نے اپنی روایت کا خلاف کیا ہے ہم فیصلہ کریں گے کہ وہ اس کے نسخ پر مطلع ہو چکا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ صحابی غیر ناسخ کو ناسخ سمجھنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔

ہاں اگر یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ موضوع منسوخ اجتہادی تھا اور اجتہاد کی خطا کسی طرح معلوم ہو گئی تو پھر فتوے اس روایت پر ہونا چاہیئے صحابی کے اپنے عمل پر نہیں۔

فلو اتفق فی خصوص محل ان عمله بخلاف مرویه کان لخصوص دلیل علمناه وظهر للمجتهد غلطه فی استدلاله بذلك الدلیل لا شك انه لا یکون ما یحکم فیه بنسخ مرویه لان ذلك ما کان الا لاحسان الظن بنظره فاما اذا تحقق فی خصوص مادة خلاف ذلك وجب اعتبار مرویه بالضرورة دون رایه [1]

ترجمہ: اور اگر کسی خاص موقع پر یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا عمل اپنی روایت کے خلاف کسی خاص وجہ سے تھا جسے ہم نے جان لیا اور مجتہد کے سامنے اس کا اس دلیل سے استدلال کرنا غلط ثابت ہو گیا تو ایسے موقع پر بلا شبہ اس روایت کے منسوخ ہونے پر حکم نہ کیا جا سکے گا۔ کیونکہ وہ اصول تو صحابی کے بارے میں محض حسن ظن پر مبنی تھا۔ سو جب کسی خاص موقع پر تحقیق اس کے خلاف رہی تو اب اعتبار روایت کا ہو گا۔ اس کے اپنے فیصلے کا نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

ان عمل الراوی بخلاف ما رواه دال علی نسخ ما رواه۔[2]

ترجمہ: راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت کے منسوخ ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے بھی ملاحظہ ہو :-

---

[1] فتح القدیر جلد [illegible] صفحہ [illegible] [2] فتح الملہم بشرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ [illegible]

راوی الحدیث اعرف بالمراد بہ من غیرہ ولا سیما الصحابی المجتہد[1]۔

ترجمہ۔ راوی حدیث اس حدیث کی مراد کو بہتر جانتا ہے خصوصاً جب کہ وہ صحابی اور مجتہد ہو۔

صحابہ اور عام راویوں میں فرق

ایک صحابی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہا ہو تو یہ درست نہیں کہ انسان اس کی تائید میں اور صحابہ سے پوچھتے پھرے عمل کے لئے یہی کافی ہے۔ صحابہ عام ثقہ راویوں کی طرح نہیں کہ کثرت روات سے روایت میں اور قوت آ جائے۔ ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت سعد سے مروی روایت کے بعد اس کی مزید تحقیق سے نہ رکتے۔ علم جس قدر پختہ ہو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات کو نقل کر دینا علم کا وہ نقطہ عروج ہے کہ اب اس کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

اذا حدثک شیئاً سعد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تسئل عنہ غیرہ[2]۔

ترجمہ۔ جب سعد تمہارے سامنے حضورؐ کی کوئی حدیث نقل کرے تو اس کے بارے میں کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

پھر یہ بھی ہے کہ عام راوی کی وہی روایت معتبر ہے جو مروی عنہ جس سے روایت کی جا رہی ہے اس سے متصل ہو۔ لیکن صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس واقعہ کی خبر دے جس میں وہ خود موجود نہ تھا۔ تو بھی یہ روایت محدثین کے نزدیک معتبر اور لائق قبول ہوگی۔ صحابی کی مرسل روایت کو قبول کیا جائے گا۔ صحابہ کی مرویات میں یہ سوال نہیں کیا جاتا کہ انہوں نے اس دور کی روایت جسے انہوں نے نہیں پایا کس سے لی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا حالانکہ آغاز وحی کے وقت وہ پیدا بھی نہ ہوئی تھیں۔ ایسی ہر یہ حدیث مقبول و معتمد سمجھی گئی۔ اور بے شک یہ صحیح ہے۔ کسی صحابی یا صحابیہ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۳۳ [2] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۳۳

یہی ہے کہ صحابی کی مرسل روایت ہر حال میں حجت ہے۔

صحابہ اور دوسرے راویوں میں فرق کیوں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دوسرے راویوں کے لیے جرح و تعدیل کی میزان ہے تو صحابہ اس قاعدہ سے کیوں نکل گئے؟ نہ ان سے اتصال روایت کا مطالبہ ہے۔ نہ ان پر جرح کی اجازت ہے نہ ان کی روایت کسی اور تائید کی محتاج ہے۔ کیا یہ حضرات عام بشری کمزوریوں سے بالا تھے کہ ان میں اور عام راویوں میں اتنا بڑا فاصلہ پیدا ہو گیا۔ اتنا بڑا فرق کیسے قائم ہو گیا؟

الجواب

صحابہ کی بشریت سے انکار نہیں۔ ان میں بشری احساسات بھی تھے بشری رجحانات بھی تھے۔ اور بشری نفوس بھی تھے۔ لیکن ان کے دلوں کی پاکیزگی پر کتاب اللہ کی کھلی شہادت موجود ہے۔ ان کی طہارت قلبی پر قسم کھائی جا سکتی ہے۔ سو وہ ان بشری کمزوریوں سے یقیناً بالا تھے جو جرح اور جھوٹ۔ حق اور باطل۔ امانت اور خیانت میں فرق نہ کر سکیں۔ ان کے نفوس بشریہ کا اقرار اسی صورت میں لائق ذکر ہے کہ ساتھ ہی ان کی طہارت قلبی کا اعتراف ہو۔ ایک ایسے ہی مبحث سے حضرت ملا علی قاری کو گزرنا پڑا تو فرمایا:

اعلم ان الصحابة مع نزاهة بواطنهم وطهارة قلوبهم كانوا بشرا كانت لهم نفوس وللنفوس صفات تظهر فتلك كانت نفوسهم تظهر صفة وقلوبهم منكرة لذلك يرجعون الى حكم قلوبهم ويتركون ما كان من نفوسهم[1]

اسلام میں اصل الاصول قرآن پاک کی ہدایات INSTRUCTIONS ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذمہ داری ٹھہرائی تھی اور ان کے باطن کو پاک کرنا آپ کے فرائض رسالت میں شمار کیا تھا۔ تو اب ان کی طہارت قلبی کا اقرار نہ کرنا دوسرے لفظوں میں یہ کفری بات کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض رسالت کو ادا نہ کر سکے اور آپ نے صحابہ کو علمی پاکیزگی نہ بخشی (نعوذ باللہ)۔

---

[1] شرح فقہ اکبر ص مطبع قرآن محل کراچی و نقلہ عن العارف السہروردی ؒ

ایسے ہی بعض صحابہ DISTINCT COMPANIONS بھی ممتاز تھے۔ جیسے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ ان حضرات پر تو کفر کا ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان لوگوں کا تزکیہ روح کا پاک کرنا آپ کے ذمہ لگایا تھا جو پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ قرآن کریم میں آپ کے فرائض رسالت زیادہ تر انہی لوگوں سے متعلق ہیں جو پہلے کفر میں مبتلا تھے۔

وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین[1]

ترجمہ: اور بے شک اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرائض رسالت اس خوبی سے سرانجام دیئے کہ آپ کا ایک صحابی بھی ایسا نہ تھا جو جھوٹ بولتا ہو اور غیر ثقہ ہو۔ شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:۔

لیس فی الصحابۃ من یکذب وغیر ثقۃ[2]

ترجمہ: صحابہ میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو جھوٹ بولتا ہو اور ثقہ نہ ہو۔

یہ کسی عالم یا مجتہد کی بات نہیں خود اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کے باطن کی خبر دے دی تھی اور بیان تک فرمایا کہ بے شک وہ اس کے اہل تھے۔

والزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بھا واھلھا[3]

ترجمہ: اور قائم رکھا اللہ نے انہیں تقویٰ کی بات پر اور حق یہ ہے کہ وہ اس کے لائق تھے اور اس کے اہل تھے۔

یہ قرآن پاک کی شہادت ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص عام صحابہ کے بارے میں کلمہ تقویٰ کے لازم ہونے کا قائل نہ ہو اور ان کی نیت میں اس لیے شک کرے کہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے وہ صریح طور پر منکر قرآن ہے۔ حدیث میں کلمۃ التقویٰ کی تفسیر لا الہ الا اللہ سے کی گئی ہے۔ سو تقویٰ و طہارت کی بنیاد یہی کلمہ ہے۔ جس کے یہ صحابہ اور اس کا حق ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول کو چن لیا تھا اور بلاشبہ اللہ کے علم میں وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی شخصیات کریمہ کو اس طرح اخلاق

---

[1] پ ۴ آل عمران ع ۱۷ [2] عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۱۱ [3] پ ۲۶ الفتح ع ۳

فاضلہ سے جلا بخشی تھی کہ کفر گناہ اور نافرمانی سے انہیں طبعاً متنفر کر دیا تھا اور ایمان کو ان کے دلوں کی طلب اور زینت بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔[۱]

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے دلوں کا محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں زینت بخشی ——— اور کفر گناہ اور نافرمانی کو تمہارے دل لائق نفرت بنا دیا یعنی تم طبعاً ان سے دور ہوگئے۔ تمہارے لیے شریعت طبیعت بنا دی گئی۔

صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں کسی پر جرح نہیں۔

قرآن کریم نے جب صحابہ کے باطن کی خبر دی کہ وہ سب دولت ایمان پا چکے تھے۔ تو وہ سب تزکیہ و تعدیل پر فائز سمجھے جائیں گے۔ ان شخصیات کریمہ میں جرح کو قطعاً راہ نہ ہوگی۔ وہ سب کے سب عادل قرار پائیں گے۔ جب دوسرے راویوں کے لیے جرح و تعدیل کی میزان قائم کی جائے گی تو اس مقدس گروہ کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے گا اور وہ ہر لحاظ سے قابل اعتماد سمجھے جائیں گے۔ ان کے دلوں میں ایمان لکھا جا چکا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان۔[۲] یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ ایمان لکھ چکا۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

ان عدالۃ الصحابۃ ثابتۃ معلومۃ بتعدیل اللہ لھم واخبارہ عن طھارتھم واختیارہ لھم فی نص القرآن۔[۳]

ترجمہ۔ صحابہ کا عادل ہونا یقینی طور پر ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعدیل کی اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کی خبر دی ہے اور انہیں نص قرآن کے مطابق اس نے (اپنے نبی کی صحبت کے لیے) چن لیا ہوا تھا۔

---

[۱] پ ۲۶ الحجرات ع ۱ ، [۲] پ ۲۸ المجادلہ ع ۳ ، [۳] الکفایہ ص ۴۹

اور آگے جاکر پھر لکھتے ہیں:۔

فلا یحتاج احد منھم مع تعدیل اللہ لھم المطلع علی بواطنھم الی تعدیل احد من الخلق لہ۔[1]

ترجمہ: صحابہ میں سے کوئی بھی مخلوقات میں سے کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو ان کے باطن پر پوری طرح مطلع ہے، ان کی تعدیل کر چکا ہے۔

اور علامہ ابن اثیر الجزری (۶۳۰ھ) اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ صحابہ جرح سے بالا کیوں ہیں؟ لکھتے ہیں:۔

والصحابۃ یشارکون سائر الرواۃ فی جمیع ذلک الا فی الجرح والتعدیل فانھم کلھم عدول لا یتطرق الیھم الجرح لان اللہ عزوجل ورسولہ زکاھم وعدلاھم وذلک مشھور لا نحتاج لذکرہ۔[2]

ترجمہ: صحابہ دوسرے راویوں کے ساتھ ان تمام باتوں میں شریک ہیں۔ مگر جرح و تعدیل میں وہ باقی راویوں سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ سب کے سب عادل ہیں جرح ان کی طرف راہ نہیں پا سکتی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کا تزکیہ کیا ہے، اور انہیں عادل ٹھہرایا ہے، اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ ہمیں اس کے ذکر کی حاجت نہیں۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) حضرت عمرؓ کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عراق، شام، فارس اور روم کے لوگ جب مسلمان ہوئے تو ان میں وہ لوگ بھی تھے جن سے غلط بیانی کا اندیشہ ہو، اس لیے حضرت عمرؓ نے نقل روایت میں سختی کی آپ ان کی کسی بات میں تردد و احتیاط کے والی تھے۔ اس پر حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ صحابہ کے بارے میں یہ بات کسی طرح نہیں ہو سکتی اور آگے اس پر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں:۔

ان اللہ فتح علیہ فارس والروم ودخل فی الاسلام کثیر ممن یعرف علیھم الکذب لان الایمان لم یستحکم فی قلوب جماعۃ منھم ولیس ھذہ

---

[1] الکفایہ صفحہ ۴۹ [2] اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۳

صفة اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان اللہ تعالیٰ قد اخبر انھم خیر امة اخرجت للناس وانھم اشداء علی الکفار رحماء بینھم واثنی علیھم فی غیر موضع من کتابہ۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ پر فارس اور روم کے علاقے مفتوح فرمائے اور اسلام میں بے شک بہت سے وہ لوگ داخل ہوئے جن کے دلوں میں ایمان نے جگہ نہ پایا تھا اور بہت ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بول جائیں لیکن یہ بات حضورؐ کے صحابہ میں نہ تھی اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خبر دے چکے ہیں کہ وہ بہترین امت تھے جو لوگوں کے لیے دین حق کے گواہ بنائے گئے وہ کافروں پر سخت رہے آپس میں نرم اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سی جگہ تعریف کی ہے

پھر صلح کی بحث میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

وکان الصحابة فی زمن معاویة متوافرین لا یجوز علیھم الغلط فی مثل ھذا۔[2]

ترجمہ۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں صحابہ کثیر تعداد میں تھے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس قسم کے دینی فیصلہ میں غلطی کر جائیں۔

ان جمیعھم ثقات مأمون عدول رضی فواجب قبول ما نقل کل واحد منھم وشھد بہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

ترجمہ۔ سب صحابہ ثقہ (قابل اعتماد) اور امانت دار ہیں عادل ہیں، اللہ ان سے راضی ہوا۔ ان میں سے ہر ایک نے جو بات حضورؐ سے نقل کی وہ واجب القبول ہے اس بات کی اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دی ہے۔

امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حضرت امام حسنؓ کی صلح کے بعد منعقد ہوئی تھی، کے برحق ہونے پر صحابہ کی موجودگی سے جو استدلال کیا ہے اس میں صحابہ کی اسی اصولی حیثیت کا اقرار کیا گیا ہے۔ حافظ ابوزرعہ الدمشقی (۲۸۰ھ) لکھتے ہیں:۔

عن الاوزاعی قال ادرکت خلافة معاویة عدة من اصحاب رسول اللہ

---

[1] کتاب التمہید جلد ۲ ص ۱۰۱ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۲۳۴ [3] ایضاً جلد ۲ ص ۲۹۲

صلی اللہ علیہ وسلم منهم سعد واسامة وجابر بن عبد الله وابن عمرو وزيد بن ثابت ومسلمة بن مخلد وابو سعيد ورافع بن خديج وابو امامة وانس بن مالك ورجال اكثر ممن سميت باضعاف مضاعفة كانوا مصابيح الهدى واوعية العلم حضروا من الكتاب تنزيله واخذوا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم تاويله [1]

ترجمہ۔ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت بہت سے اصحاب رسول نے پائی ہے ان صحابہ میں حضرت سعدؓ، حضرت اسامہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت مسلمہ بن مخلدؓ، حضرت ابو سعید الخدریؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ، حضرت ابو امامہؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور جتنے نام لیے گئے ان سے کئی گنا زیادہ صحابہ موجود تھے۔ یہ سب ہدایت کے روشن چراغ اور علم کے بڑے بڑے ظروف تھے جو قرآن کے نازل ہونے وقت کے حاضر باش تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے مطالب پانے والے تھے۔

شریعت اور طبیعت میں مطابقت

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو گناہ سے طبعاً متنفر کر دیتے ہیں تو پھر شریعت ان کی طبیعت ہو جاتی ہے۔ ان کے لیے پھر ممکن نہیں رہتا کہ وہ اپنے ارادہ سے اپنے آقا و مولیٰ کے ذمہ روایۃً یا معناً کوئی ایسی بات لگائیں جو آپ نے نہ کہی ہو نہ کی ہو اور اسلام میں اسلام کے نام سے کوئی ایسی بات داخل کریں جو اسلام نے نہ بتائی ہو۔ گناہ کے لیے بدنیتی ضروری ہے۔ جب تک نیت بُری نہ ہو گناہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور تزکیہ باطن سے ان حضرات قدسیہ کے دلوں سے بدنیتی کا میل کچیل مٹا دیا تھا۔ ان سے کوئی خطا سرزد ہو بھی تو بدنیتی کے بغیر ہو گی اور اسے خطاء اجتہادی سمجھا جائے گا اور اس پر بھی یہ حضرات ایک اجر پائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے کسی عمل پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا نہ بدعتِ حسنہ

[1] تاریخ ابی زرعہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۹

کے نام پر ان میں کبھی کوئی فرقہ بندی ہوئی اور نہ اس نام سے ان میں کوئی اختلاف قرار پایا تھا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

جہاں تک صحابہ کے اخلاص و عمل کا تعلق ہے اسے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں مطالعہ کیجئے:۔

> ہر شخص جو ان کی زندگی کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ جنہوں نے راہِ حق کی مصیبتیں صرف جھیلیں ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کی جانکاہیوں اور قربانیوں کے پورے تئیس برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو۔ انہوں نے مال و علائق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لئے فراہم ہو گئی ہیں ـــــ اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوا دیں۔ گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں موت میں تھی۔[1]

اس تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی زندگیوں میں کس طرح تعلیم نبوت اتری تھی۔ ان کے سینے علم نبوی سے خوشحال اور ان کے قلب تزکیہ کی دولت سے مالامال تھے۔ ان کی کوئی بات منشائے رسالت پر نہ بھی ڈھلی ہو تو بھی اس پر مجتہد کا ایک اجر مرتب ہے۔ اس پر حکم معصیت نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے کسی عمل پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بدعت اور سنت کے نام پر کبھی ان میں کوئی باہمی فرقہ بندی قائم نہ ہو پائی تھی۔

صحابہ کے اعمال پر بدعت کا اطلاق نہیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین کی کوئی بات اپنے

---

[1] ترجمان القرآن سورہ توبہ جلد ۲ ص۱۴۳

اجتہاد اور قیاس سے بتاتے ہیں اور اس پر کوئی صریح نص ان کے پاس نہ ہو تو بھی اس پر بدعت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اور ان کی اس بات کو موافق سنت ہی سمجھا جائے گا۔

پس ہر چہ خلفائے راشدین بداں حکم کردہ باشند . . . . اطلاق بدعت بداں نتواں کرد۔ ؎۱

حضرت شیخ کا یہ فیصلہ اہل السنت والجماعت کے اس بنیادی اصول کے تحت ہے کہ بدعت کی حدیں صحابہ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

واما اهل السنة والجماعة فيقولون في كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضي الله عنهم هو بدعة لانه لو كان خيرا لسبقونا اليه لانهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها۔ ؎۲

ترجمہ: اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ہر وہ قول اور فعل جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ کیونکہ اگر اس دینی کام میں کوئی خیر ہوتی تو صحابہ کرام ہم سے پہلے اس کام کی طرف رخ کرتے۔ انہوں نے نیکی کی کسی بات کو نہ چھوڑا۔ مگر یہ کہ وہ اس کی طرف دوڑتے تھے۔

صحابہ کرام خود بھی اس بات کو جانتے تھے کہ ان کا ہر عمل شرعی سند رکھتا ہے۔ وہ نصاً ہو یا اجتہاداً سب کے سب قولاً و عملاً ترجمان شریعت تھے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رض (۳۶ھ) فرماتے ہیں:۔

كل عبادة لم يتعبد بها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها ؎۳

ترجمہ: دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہ نے دین نہیں سمجھا اسے تم بھی دین نہ سمجھنا

بدعت کا منبع ہوی اور نفسانی خواہشات ہوتی ہیں۔ سو جن حضرات کے دل تزکیہ باطن کی دولت پا چکے تھے ان سے بدعت کا صدور قریب قریب ناممکن ہو گیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ انسان تھے اور نفوس انسانی رکھتے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم سے تزکیہ قلب کا فیض اس قدر پا چکے تھے کہ دوسرے رواۃ حدیث کی طرح ان پر جرح کی اجازت نہ ہوگی جرح

؎۱ اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۱۲۵ ؎۲ تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۱۵۶ ؎۳ الاعتصام جلد ۱ ص ۵۴

کا منشاء بیان رضا ہے۔ سو جن سے خدا راضی ہو چکا اور وہ خدا سے راضی ہو چکے ان پر جرح کیسے ہو سکے۔ ان پر جرح تو خدا سے عدم رضا کا اظہار ہوا و معاذ اللہ، سو ان حضرات قدسی صفات پر نہ جرح کی اجازت ہے نہ امکان ہے۔ صحابی مستند کا مطلب ہے اور ان کی روایت کثرت واقعہ سے قوت پائے گی۔ یہاں ایک صحابی بھی کوئی بات کہہ دے تو اب اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تک کہ اپنے ہر مسئلہ میں کسی ایک صحابی کو مرکز علم بنا لیا جائے اور ہر مسئلے میں اس کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔

ہر مسئلے میں ایک ہی صحابی کی طرف رجوع کرنا

نقل روایت میں تو ایک صحابی کے بعد کسی دوسرے صحابی سے مزید تحقیق کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے کہ صحابہ سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں۔ لیکن حل مسائل میں مجتہدین صحابہ کو عام صحابہ پر تفوق اور امتیاز ضرور حاصل تھا۔ ایک کے بعد دوسرے سے مسئلہ پوچھا جا سکتا تھا لیکن اکابر اہل علم میں سے کسی ایک بزرگ کو مرکز علم بنانا اور ہر مسئلہ میں ان کی طرف رجوع کرنا بھی بالکل درست سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (۵۰ھ) سے وراثت کا ایک مسئلہ پوچھا گیا اور پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جواب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے جواب سے مختلف تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس اس باب میں صریح حدیث نبوی موجود تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا جواب ان کے اجتہاد پر مبنی تھا۔ مجتہد کبھی غلطی پر بھی ہوتا ہے کبھی مصیب۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ نص کے مقابلے میں اجتہاد کی اجازت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا جواب بتلایا گیا تو آپ نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ گمراہ ہو گئے۔ اپنے بارے میں فرمایا کہ اگر میں بھی یہی جواب دوں تو بے شک میں گمراہ ہوں گا۔ دیکھو میرے پاس تو اس باب میں نص حدیث موجود ہے۔ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنا گمراہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ جواب جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بتلایا گیا تو آپ نے فرمایا۔

لا تسئلونی ما دام هذا الحبر فيكم۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۸۹

ترجمہ: جب تک یہ بڑے عالم تم میں موجود ہیں تم مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو۔

سبحان اللہ کیا شان عقیدت تھی حضرت ابوموسیٰ اشعری نے یہاں ہذا الحبر کہا ہے۔ ہذا الصحابی نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ ہر مسئلہ میں کسی ایک مرکز کی طرف رجوع کرنا ان کی منزلت علمی کی وجہ سے تھا۔ منزلت صحابیت کی وجہ سے نہیں، صحابی کے علاوہ بھی اگر کوئی بزرگ اپنے علم و تفقہ میں ممتاز ہوں تو ہر مسئلے میں ان کی طرف رجوع ہو سکتا ہے اور علمی امتیاز میں تو صحابہ بھی بے شک ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امت میں اس درجے کی پیروی کی ہر مسئلے میں کسی ایک مرکز علم کی طرف ہی رجوع ہو صحابہ سے ہی جاری ہو چکی تھی اور کسی نے اس پر اصولی پہلو سے اعتراض نہیں کیا نہ کسی نے یہ کہا کہ ہر مسئلے میں کسی ایک بزرگ کی طرف رجوع کرنا کہیں شرک فی الرسالۃ کا خطرہ نہ پیدا کر دے۔

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ ہر صحابی اپنی ذات میں علم کی اتنی روشنی اور دل میں اتنی پاکیزگی پا چکا تھا کہ ان کا کوئی دینی مسئلہ اور کوئی علمی موقف ہوائے نفسانی پر مبنی نہ ہو سکتا تھا اور عام افراد امت ان میں سے کسی کی پیروی بھی کر لیں تو یہ اتباع حقیقت میں ہی ہوگی کہ سب انابت الی اللہ، حسن نیت اور تزکیۂ قلب کی دولت سے مالا مال تھے۔ حضور سے ان کی نسبت اتنی گہری تھی کہ اور سب نسبتیں اس پہ قربان ہو چکی تھیں۔

مقام صحابہ تاریخ کے آئینہ میں

محبت ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرام جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور وہ مناظر بیان نہیں۔ بلا شائبہ و مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا، جیسا کہ صحابہ نے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ)

ان صحرانشینوں کے ایمانی کردار کا نقشہ کتنی ہی احتیاط اور فکری گہرائی سے کیوں نہ کھینچا جائے عام انسانی سطح اس ایمان افروز نظارے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

یہ اتنی بڑی سچائی ہے کہ اس کے اوپر اور کوئی نقطۂ یقین نہیں۔ صحابہ کرام کو اسلام میں وہ مقام حاصل ہے جو عام افرادِ امت کو نہیں۔ اور اسی حیثیت سے ان حضرات کے اقوال و اعمال بھی حدیث کا موضوع بن جاتے ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ ان میں بھی حضورؐ کے اقوال و اعمال کی ہی جھلک ہے اور یہ حضرات اسی شمعِ رسالت سے مستنیر ہیں۔ ان حضرات کی تنقیص کسی پہلو سے بھی جائز نہیں۔ حافظ ابوزرعہ (۲۶۴ھ) کہتے ہیں:

اذا رأیت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذلک ان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بھم اولی وھم زنادقۃ۔[1]

اور جب تو کسی کو حضورؐ کے صحابہ میں سے کسی کی برائی کرتے دیکھے تو جان لے کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ حضورِ پاکؐ برحق ہیں اور قرآن کریم بھی برحق ہے اور یہی قرآن اور سنن صحابہ کرام ہی نے پہنچائے ہیں صحابہ کی عیب جوئی کرنے والے چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں (صحابہ) کو مجروح کر دیں تاکہ کتاب و سنت کو باطل کیا جا سکے۔ جرح کے لائق وہ خود ہیں اور یہ لوگ زندیق ہیں

[1] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ا صفحہ ۲۱۳

صحابہ کے بھی اعمال حدیث کا موضوع ہیں

صحابہ کرامؓ کے اقوال و اعمال بھی بایں حیثیت کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور آپ کے فیضِ صحبت سے تزکیہ کی دولت پائے ہوئے تھے، ان کے افعال و اقوال میں حضور کی تعلیم قدسی کی ہی جھلک تھی اور ان سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا تسلسل قائم ہوا ہے حدیث کا موضوع ہیں۔

سو علم حدیث وہ علم ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کے ساتھ ساتھ آپ کے اصحاب کرام کے اقوال و اعمال سے بھی بحث کی جاتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ ان میں سنت قائم کیا ہے؟ حدیث کی تقریباً سب کتابوں میں ان نفوس قدسیہ کے فضائل و مناقب کے مستقل ابواب ہیں اور انہیں چھوڑ کر دین ٹھیک چلنے کی کوئی راہ نہیں۔

محدثین کرام کتب حدیث میں صرف مرفوع حدیثیں (وہ حدیثیں جو حضور تک پہنچتی ہوں) ہی نہیں لکھتے۔ بلکہ ان میں ایک بڑا ذخیرہ ان روایات کا بھی ہوتا ہے جن میں صحابہ کے اقوال و اعمال مروی ہوں اور یہ سلسلہ روایات مرفوع احادیث کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور انہی کی شرح ساتھ ساتھ کرتا ہے۔ امام زہری (۱۲۴ھ) اور صالح بن کیسان (۱۴۰ھ) حدیث کی طلب میں اکٹھے رہے اور دونوں نے جمع احادیث پر کمر باندھی۔ جب دونوں مرفوع روایات لکھ چکے تو آپس میں مشورہ کیا کہ صحابہ کے اقوال و اعمال بھی ساتھ لکھے جائیں یا نہ؟ صالح بن کیسانؒ نے کہا کہ وہ سنت نہیں ہیں۔ مگر بعد میں انہیں احساس ہوا کہ ان کی بات درست نہ تھی پھر انہوں نے پچھتاوا کیا کہ:

اجتمعت انا وابن شهاب ونحن نطلب العلم فاجتمعنا على ان نكتب السنن فكتبنا كل شيء سمعناه عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم قال نكتب ايضاً ما جاء عن اصحابه فقلت ليس بسنة وقال هو بلى هو سنة فكتب ولم اكتب فانجح وضيعت۔[1]

۱؎ مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۸ حدیث کے الفاظ ہم نے شرح سنہ بغوی جلد ۱ صفحہ ۳۰۲ سے لیے ہیں کیونکہ مصنف کے متن کی تصحیح طالب تحقیق رہی ہے اس کتاب میں بعض کے الفاظ کسی طرح صحیح نہیں بیٹھتے۔

ترجمہ: میں اور ابن شہاب زہری اکٹھے پڑھتے تھے ہم نے باہمی اتفاق کیا کہ
حدیثیں لکھیں، ہم نے ہر چیز جو حضورؐ کے بارے میں سنی تھی لکھ ڈالی۔ پھر ہم نے
چاہا کہ وہ کچھ بھی لکھیں جو آپ کے صحابہ کے بارے میں روایت ہوا ہے میں
نے کہا نہیں وہ ہم انہیں نہ لکھیں، یہ سنت نہیں ہیں، اور انہوں نے (امام زہریؒ)
کہا کیوں نہیں وہ بھی سنت ہیں، سو انہوں نے لکھا اور میں نے نہ لکھا، وہ
کامیاب رہے اور میں ضائع ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ ہر وہ عالم جو صحابہ سے منہ موڑے گا، انہیں دین کا سرمایہ علم نہ سمجھے گا اور
ان کے عمل کو سنت اسلام تسلیم نہ کرے گا وہ ضائع ہو گا اور دینی سلسلہ میں اس کے لئے جگہ نہ
ہو گی۔ امام زہری (۱۲۴ھ) ہی نہیں علامہ شعبی (۱۰۴ھ) بھی کہتے ہیں کہ صحابہ حدیث کا موضوع ہیں۔
انہیں عام لوگوں کی طرح نہ سمجھنا چاہیے۔ دوسروں کی بات آپ مانیں یا نہ لیکن صحابہ کی بات ضرور
لینی چاہیے یہ سرمایہ علم ہیں اور ان کی ہر بات لائق اقتداء ہے۔[1]

بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بھی حدیث کا موضوع
ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو ہی دیکھ لیجئے، ان میں صحابہ کی روایات کس قدر پائی جاتی ہیں۔ موطا
امام مالک سے لے کر مستدرک حاکم اور سنن بیہقی تک کو دیکھئے ہر کتاب میں صحابہ و تابعین کے
ارشادات اور فتاوے بکثرت ملیں گے۔ انہیں دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ امام زہری واقعی
کامیاب رہے اور جنہوں نے صحابہ کی روایات کو حدیث کا موضوع نہ سمجھا ان کی محنتیں ضائع
گئیں۔ اور حق یہ ہے کہ علم حدیث کا موضوع صحابہ کی زندگیوں کو بھی شامل ہے اور ان کے تعامل
کو معلوم کئے بغیر حدیث کی معرفت واقعی بہت مشکل ہے۔ یہی اکابر امت ہیں کہ جب تک علم
ان سے ملے گا اس میں خیر ہے اور جب لوگ اپنے چھوٹوں سے علم لینے لگیں تو اس میں
ہلاکت ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) فرماتے ہیں:

لا یزال الناس صالحین متماسکین ما اتاھم العلم من اصحاب النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ومن اکابرھم فاذا اتاھم من اصاغرھم ھلکوا۔[2]

---

[1] دیکھئے کتاب تقیید البغدادی ص ۱۰۷ [2] المصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۲۴۶

ترجمہ: جب تک علم اصحاب رسول سے اور اپنے بڑوں سے آتا رہے لوگ نیک اور صحیح راہ پر رہیں گے اور جب لوگوں کو علم ان کے اصاغر سے ملنے لگے (چھوٹے درجہ کے علم لینے والے جنہیں نسبتی طور پر سمجھنے والے اہل اہواء ہیں) وہ ہلاک ہوگئے

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اصاغر سے مراد اہل بدعت ہیں سو اصاغر کی اضافت عام لوگوں کی طرف ہے؛ صحابہ محمد کی طرف نہیں۔ حضرت امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) نے بقیہ بن ولید کو نہایت واضح الفاظ میں کہا تھا کہ جو چیز صحابہ سے منقول نہ ہو وہ علم ہی نہیں ہے۔

یا بقیۃ! العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما لم یجیء عن اصحاب محمد فلیس بعلم۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی منزلت و عظمت صحابہ میں محتاج بیان نہیں۔ آپ اکابر اہل علم سے ہیں جن کا قول و عمل اسلام میں سند سمجھا جاتا ہے۔ آپ کھل کر کہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد اگر کوئی قابل اقتداء ہے تو وہ اصحاب رسول ہیں۔ ان کا علم گہرا تھا، وہ تکلیف سے کوسوں دور تھے اور ان کے دل نیک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی پاک کی صحبت کے لیے چن لیا تھا۔

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ہذہ الامۃ ابرہا قلوبا واعمقہا علما واقلہا تکلفا اختارہم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لہم فضلہم واتبعوا علی آثارہم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقہم وسیرہم فانہم کانوا علی الہدی المستقیم[1]

ترجمہ: جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے اسے فوت شدگان کی پیروی کرنا چاہیے کیونکہ زندہ کو فتنے سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ فوت شدگان اصحاب رسول ہیں جو اس امت کا بہترین طبقہ تھے۔ ان کے دل نیک تھے ان کا علم گہرا تھا، تکلف سے بہت دور تھے۔ خدا نے انہیں اپنے نبی کی صحبت کے لیے اور اس کے دین کی اقامت کے لیے چن لیا تھا ان کے فضل کو پہچانو

[1] مشکوٰۃ ص۳۲ دہلی

ان کے نقش پا کی پیروی کرو جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی عادات
سے سند پکڑو۔ بے شک وہ سیدھی راہ پر تھے۔

امام بغوی نے شرح السنہ میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

اختارهم الله لصحبة نبيه ونقل دينه فتشبهوا بأخلاقهم وطرائقهم فانهم
كانوا على الهدى المستقيم[1]

ترجمہ: چن لیا اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی ﷺ کی صحبت کے لیے اور اپنے دین کو آگے پہنچانے
کے لیے سو ان کے اخلاق اور طریقوں کو اپناؤ۔ وہ سب راہ مستقیم پر تھے۔

حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) نے تو اسے قسم کھا کر بیان کیا ہے اور انہی کے عمل کو صراط مستقیم ٹھہرایا ہے۔[2]

تشبهوا بأخلاقهم وطرائقهم فانهم ورب الكعبة على الصراط المستقيم۔

ترجمہ: ان کے اخلاق اور عادتوں کو اپناؤ۔ رب کعبہ کی قسم وہ سب صراط مستقیم پر تھے۔

پھر فرمایا۔

ما حدثوك عن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فخذ به وما قالوا
برأيهم فبل عليه[3]

ترجمہ: علماء جو باتیں تمہارے پاس اصحاب رسول سے روایت کریں انہیں تو
لے لو اور جو بات وہ اپنی رائے سے کہیں اس کو جانے دو۔

اپنی رائے سے مراد یہ ہے کہ ان کی وہ بات جو قرآن و حدیث یا آثار صحابہ سے مستنبط نہ
ہو، وہ ان کی اپنی رائے ہوگی۔ تاہم قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک اجتہاد ہوگا۔ اس سے
اختلاف تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں فبل علیہ کے سے سخت الفاظ نہیں کہے
جا سکتے۔ سو رائے سے یہاں مراد محض رائے ہے اور یہ کسی طرح اجتہاد مجتہد مراد نہیں۔

یہ صحابہ کے کسی مقتدا کسی امام ہستی کی رائے نہیں۔ ایک جلیل القدر صحابی کی ہے جو خود علم
کی دولت سے مالا مال تھے۔ وہ یہاں بھی ہر گرم کے صرف اخلاص و ایثار کی تعریف نہیں کر رہے
بلکہ ان کے گہرے علم کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایک دوسرے بڑے عالم سے ان کے علم کی

---

(۱) شرح السنہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۴ (۲) فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۴۸ (۳) مصنف عبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۲۵۶

شہادت جمیع صحابہ کی علمی گہرائی، روحانی گیرائی کا پتہ دیتی ہے اور یہ تعریف بھی صرف خلفائے راشدین یا چند اکابر صحابہ کی ہی نہیں، بلکہ علی الاطلاق عام اصحاب رسول کی بیان کی گئی ہے۔ اور ان میں انہیں مقتدا ٹھہرایا جا رہا ہے۔ یہ صورت عمل اور انداز فکر خود پتہ دے رہا ہے کہ صحابہ کرام کو اسلام میں اس وقت بھی وہ درجہ حاصل تھا جو عام افراد امت میں کسی بڑے سے بڑے عالم اور کسی بڑے سے بڑے ولی کو حاصل نہیں اور یہ صحیح ہے کہ وہ سب صراط مستقیم کے عملی نمونے تھے۔

حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) نے قرآن سے کھلا کر بیان کیا ہے اور صحابہ کے عمل کو ہی صراط مستقیم قرار دیا ہے۔ یہ قریب قریب وہی مضمون ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ صحابہ میں یہی مقتدا حیثیت کچھ اس طرح راسخ تھی کہ وہ برملا لوگوں کو اپنے نقش پا پر آنے کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم[1]

ترجمہ: تم ہم صحابہ کے نقش قدم پر چلتے رہو نئی نئی باتیں نہ نکالو، ہماری پیروی تمہارے لیے کافی ہے۔

آپ نے اس میں صحابہ کے آثار کو پوری امت کے لئے نمونہ کہا ہے اور اس پر بھی متنبہ فرمایا کہ بدعت کی حد صحابہ کے حد سے شروع ہوتی ہے۔ حضورؐ کے بعد پیدا ہونے والی پیروی ضرورت صحابہ کے نظم کفایت کے جانے میں تمہارے لئے کافی نمونہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی صحابہ کرام کو فرما دیا تھا کہ لوگ تمہارے مقتدی ہوں گے۔ دنیا کے مختلف کناروں سے تم سے دین لینے آئیں گے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الناس لکم تبع وان رجالا یأتونکم من اقطار الارض یتفقہون فی الدین[2]

ترجمہ: بے شک زمین کے کنارے والے لوگ تمہارے پیرو ہوں گے اور دنیا کے کناروں سے تمہارے پاس پہنچیں گے تاکہ دین میں اپنے لئے سمجھ پیدا کریں۔

---

[1] الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صفحہ ۹　[2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۳

اس میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ میری روایات لینے کے لیے تمہارے پاس پہنچیں گے۔ بلکہ یتفقھون فی الدین فرمایا کہ وہ دین کی سمجھ لینے کے لیے تمہارے پاس پہنچیں گے ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ امت کے لیے فہم صحابہ حجت اور سند ہے اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے ان کی پیروی اور ان کے پاس دین سیکھنے کے لیے آنا اور ان سے دین سمجھنا لازم و ضروری ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

فیه ان الصحابة متبوعون یجب علی الناس متابعتهم والاتیان علیهم لطلب العلم۔[1]

ترجمہ: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ مقتدا اور پیشوا ہیں لوگوں پر ان کی پیروی کرنا اور طلب علم کے لیے ان کے پاس آنا واجب ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ صحابہ صرف اپنے تابعین کے لیے ہی متبوع ہیں اور ان کی پیروی صرف ان کے دور حیات میں ہی ہوگی ـــــ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ان کی پیروی ان کے بعد بھی جاری رہے گی اور امت ان کے عہد میں بھی اور ان کے بعد بھی ہمیشہ ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھے گی۔ حضرت امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

انهم ائمة الاعلام وقادة الاسلام ویقتدی بهم فی عصرهم وبعد عصرهم۔[2]

ترجمہ: بے شک یہ حضرات (صحابہ کرام) مرکزی پیشوا ہیں اور یہی حضرات قافلہ اسلام کے قائد ہیں ان کی پیروی ان کے اپنے وقتوں میں بھی تھی اور ان کے بعد بھی جاری رہے گی۔

امام نووی نے یقتدی بهم کی یہ تعبیر اپنی طرف سے نہیں کی، کتاب و سنت سے لی ہے۔ صحابہ میں صرف ایک بزرگ تھے جن کا علمی مرتبہ اور مقام عرفان حضرت فاروق اعظم سے بھی اونچا تھا۔ وہ کون تھے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اب دیکھئے حضرت عمرؓ اپنی نسبت ان سے کس طرح قائم کرتے ہیں۔ آپ انہیں یقتدی بهم کے تحت ہمیشہ اپنا پیشوا سمجھتے تھے۔[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ آپ کی پیروی کو بھی لازمی سمجھتے رہے۔ حضرت ابو وائل (م) کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

[1] لمعات التنقیح جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ [2] شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۲ صفحہ ۳۱۰ [3] مسند امام احمد جلد ۲ ص ۱۰۱

کے بارے میں فرمایا :۔

ھما المرآن یقتدی بھما۔[1] یہ وہ دو مرد ہیں جن کی پیروی کی جائے گی۔

یہ آپ شیخین کے بارے کہہ رہے تھے۔ باقی امامت کے لیے آپ نے کل صحابہ کرام کو پیشوا ٹھہرایا ہے۔ ایک دفعہ آپ نے طلحہ بن عبید اللہ پر بحالت احرام میں رنگدار چادر دیکھی۔ طلحہ نے کہا جناب اس رنگ میں تو خوشبو نہیں —— عام لوگوں کے لیے اس میں مغالطہ کا اندیشہ تھا۔

اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کو مخاطب کر کے کہا۔

انکم ایھا الرھط ائمۃ یقتدی بکم الناس۔[2]

ترجمہ۔ اے اس گروہ کے لوگو! تم امام ہو اور لوگ تمہاری پیروی کریں گے۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا :۔

انکم معشر اصحاب محمد متی تختلفون تختلف الناس بعدکم و الناس

حدیث عہد بالجاھلیۃ فاجمعوا علی شئ یجتمع علیہ من بعدکم۔[3]

ترجمہ۔ بیشک تم حضورؐ کے صحابہ ہو جب تم اختلاف میں پڑو گے تو تمہارے بعد والے اختلاف کرنے لگیں گے۔ لوگ ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں تم ایک بات پر جمع ہو کر رہو تاکہ بعد والے بھی اس پر جمع رہیں گے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا تو باوجودیکہ اہل کتاب سے نکاح حلال تھا حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ وہ فوراً اسے طلاق دے دیں۔ اس کی وجہ آپ نے یہ فرمائی کہ صحابی کی حیثیت چونکہ مقتدا کی ہے۔ اس لیے اندیشہ ہے کہ اور مسلمان بھی اس راہ پر چل پڑیں۔ آپ نے انہیں لکھا :۔

اعزم علیک ان لا تضع کتابی حتی تخلی سبیلھا فانی اخاف ان یقتدیک

المسلمون فیختاروا نساء اھل الذمۃ لجمالھن۔[4]

ترجمہ۔ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط رکھنے سے پہلے پہلے اس عورت کو فارغ کر دو۔ مجھے ڈر ہے کہ مسلمان تمہاری پیروی کریں اور اہل ذمہ کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے پسند کرنے لگیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ... [2] موطا امام مالک صفحہ ... کتاب الحج [3] فتح القدیر ... [4] کتاب الآثار امام محمد صفحہ ...

اسلام میں صحابہ کی مقتدا حیثیت ہمیشہ سے مسلم رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ایک خاص قسم کے موزے پہنے دیکھا ــــ آپؓ نے فرمایا:

عزمت علیک ان لا تنزعهما فانی اخاف ان ینظر الناس الیک فیقتدون بک۔[1]

میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ انہیں اتار دو مجھے ڈر ہے کہ لوگ تمہیں اس طرح دیکھیں اور تمہاری پیروی کرنے لگیں۔

صحابہ کی مقتدا حیثیت مسلم نہ ہوتی تو ان پیروی کرنے والے پر آ صحابہ کو اتنا محتاط چلنے کا حکم نہ ہوتا۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو جب کوفہ بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت عمار بن یاسرؓ بھی تھے دونوں کی علمی شخصیت صحابہ میں خوب معروف تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے سب اہل کوفہ کو ان کی اقتدا کا حکم دیا:

فاقتدوا بهما واسمعوا من قولهما فقد آثرتکم بعبد الله بن مسعودؓ علی نفسی۔[2]

ترجمہ: تم ان دونوں کی اتباع کرو اور ان کی بات مانو اور بے شک میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے ہاں بھیج کر تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

صحابہ کی یہ اتباع تابعین میں جاری رہی اور یہ روایت بڑی ذکر کی صحابی عصر ختم ہوا اور اس طرح علم احادیث تابعین تک پہنچتی چلی گئیں صحابہ کی مقتدا پوزیشن تابعین اور تبع تابعین میں بھی رہی۔ حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ تعلیم شریعت رہتی دنیا تک اسی تسلسل سے رہنی چاہیئے:

تعلموا منی احکام الشریعة ولیتعلمکم التابعون بعدکم وکذالک اتباعهم الی انقراض الدنیا۔[3]

ترجمہ: تم مجھ سے احکام شریعت سیکھو تم سے تابعین سیکھیں اور اسی طرح تبع تابعین ان سے سیکھیں یہاں تک کہ دنیا اپنے آخر کو جا پہنچے۔

حضرت سالم بن عبداللہؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمدؒ سے قرأت خلف الامام (امام کے پیچھے قرآن پڑھنے یا نہ) کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

ان ترکت فقد ترکه ناس یقتدی بهم وان قرأت فقد قرأه ناس یقتدی بهم۔[4]

ترجمہ: اگر قرأۃ خلف الامام کو چھوڑ دو تو بے شک اسے ان لوگوں نے ترک کیا جو امت کے مقتدا تھے (یعنی صحابہ کرامؓ) اور تم پڑھو تو بے شک اسے ان لوگوں نے پڑھا ہے جن کی امت میں پیروی کی جا رہی ہے۔

---

[1] الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۳۹۰، الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۲۲ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۴ [3] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۲ [4] موطا امام محمد صفحہ ۹۹

بالعموم یہ کہنا کہ اس دور میں صحابہ کا ذکر کسی مستقل حیثیت کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ان سے سنت جاری ہوئی اور وہ اس کے سبب تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب گھر میں نماز پڑھتے تو نماز لمبی کرتے، رکوع و سجود طویل کرتے اور جب مسجد میں نماز پڑھتے تو جلدی کرتے۔ آپ کے بیٹے حضرت مصعب نے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا: یا بنی انا ائمۃ یقتدی بنا۔[1]

ترجمہ: اے میرے بیٹے بے شک ہم صحابہ ائمہ ہیں ہماری پیروی دراصل میں کی جاتی رہے گی۔

صحابہ کے عمل کے لیے لفظ سنت کا اطلاق

حضین بن المنذر (ابو ساسان) رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، جب ولید کو حد مارنے کے لیے لایا گیا۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ولید کو کوڑے لگائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ لگائیں۔ انہوں نے عذر کیا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ولید پر سزا جاری کریں۔ وہ کوڑے لگاتے جاتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گنتے جاتے تھے جب چالیس ہو گئے تو آپ نے فرمایا بس یہیں تک۔ اس کے بعد آپ نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) کہا:

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین، و جلد ابوبکر اربعین، و عمر ثمانین، و کل سنۃ۔[2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑوں کی سزا دی۔ حضرت ابوبکر نے بھی چالیس کوڑے ہی لگوائے۔ حضرت عمر نے اسی کوڑے لگوائے اور ان میں سے ہر عمل ہی سنت ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خود اپنے دور میں بھی اکابر صحابہ کے عمل کے لیے سنت کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور یہ بات ان حضرات کے ہاں عام تھی کہ صحابہ کا عمل بھی سنت میں شامل ہے اور دینی امور میں ان کی پیروی کی جاتی ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سنت کا لفظ اس وسیع معنی میں استعمال کیا ہے۔ یہی

[1] مصنف عبدالرزاق جلد ۲ صفحہ [illegible]، مجمع الزوائد للہیثمی جلد ۲ صفحہ [illegible]

[2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ [illegible]، سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ [illegible]، سنن ابن ماجہ صفحہ [illegible]

سنت کے ساتھ راشدین کے عمل کو بھی سنت ٹھہرایا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

فمن ادرک ذلک منکم فعلیہ بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین[1]

ترجمہ: سو تم میں سے جو شخص اس وقت کو پالے سو اسے چاہیے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ ان حضرات قدسی صفات کی یہ پیروی از جہت خلافت تھی کہ اولوالامر کی پیروی مسلمانوں پر لازم ہے۔ نہیں آپ کا ان حضرات کے عمل کو سنت قرار دینا از جہت صحابیت اور فیض رسالت سے براہ راست تزکیہ پائے ہوئے ہونے کی حیثیت سے تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو خلیفہ نہ تھے۔ آپ نے تو ان کے طریقے کی بھی پیروی کا حکم فرمایا۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:۔

كان الناس لا یأتمون بامام اذا كان لہ وتر [illegible] یجلسون وھو قائم حتى صلى ابن مسعود وراء النبی صلى اللہ علیہ وسلم قائما فقال النبی صلى اللہ علیہ وسلم ان ابن مسعود سن لكم سنة فاستنوا بھا[2]

ترجمہ: جب لوگوں کی دو رکعت رہتی ہوں اور امام کی ایک اور وہ بیٹھا ہو تو یہ بیٹھے رہتے اور امام کھڑے ہو کر اپنی رکعت پوری کرتا اور یہ پھر بھی بیٹھے رہتے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پوری کی حضور نے اس پر فرمایا بیشک ابن مسعودؓ نے تمہارے لیے ایک طریقہ وضع کیا ہے اس کی پیروی کرتے رہنا

عبد ابن ہمام حضرت معاذ بن جبلؓ (م ۱۸ھ) کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ قد سن لکم معاذ فاقتدوا بہ[3]

معاذ نے تمہارے لیے ایک سنت قائم کی ہے سو تم اس کی پیروی کرو

حافظ ابن رجب حنبلی (م ۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

والسنة ھی الطریق المسلوکة فیشمل ذلك التمسك بما كان علیہ ھو وخلفاؤہ الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وھذہ ھی السنة الكاملة[4]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۶ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ [2] المصنف جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ [3] فتح القدیر ... ابن ہمام جلد ۱ صفحہ ... [4] جامع العلوم والحکم

ترجمہ: اور سنت وہ راستہ ہے جس پر چلا جائے اور اس طریقے کو جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ چلتے رہے پکڑنے کا نام ہے عقائد میں بھی اعمال میں بھی اور اقوال میں بھی یہی سنت کا طور ہے۔

جو لوگ دنیا میں دین قائم کرنے کے لیے پہنچ چکے ہوں اور انہیں خدا تعالیٰ نے آخری نبی کی صحبت قدسیہ کے لیے پیدا کیا ہو جو دین کو آگے پہنچانے کے امین نبوی ہوں تو ہدایت اگر ان کے نقش پا سے نہ ملے گی تو اور کہاں سے ملے گی ـــــــ ان کے نقش پا کی پیروی آئندہ ہر فرد امت پر لازم ٹھہری اور یہی لوگ حضورؐ کے بعد صراط مستقیم کے عملی سالار تھے۔ حضرت عباد بن عباد الخواص الشامی ( ) لکھتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اماماً لاصحابہ وکان اصحابہ ائمۃ لمن بعدھم۔[1]

ترجمہ: حضورؐ اپنے صحابہ کے امام تھے اور آپ کے صحابہ اپنے بعد میں آنے والے لوگوں کے امام تھے۔

امام ابن شہاب الزہری (۱۲۴ھ) نے صالح بن کیسان کو صاف کہہ دیا تھا:

نکتب ما جاء عن اصحابہ فانہ سنۃ۔[2]

ترجمہ: ہم صحابہ سے آئی مرویات بھی لکھیں گے کیونکہ وہ بھی سنت ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی فیصلہ کن حیثیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کے کسی عمل کی مرویات میں کسی قسم کا اختلاف ہو تو صحابہ کرامؓ کے عمل کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ صحابہ موضوع حدیث سے خارج کر دیے جائیں تو علم حدیث کا سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ صحابہ وہ روشنی کے مینار ہیں جن کے سایہ میں حدیث کا مطالعہ تیرہ چیزوں کی پیدا کرتا ہے اور واقعی انہیں اس باب میں فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ امام السنن حضرت امام ابوداؤد السجستانی (۲۷۵ھ) لکھتے ہیں:

قال ابوداؤد اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ۔[3]

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۹۱ [2] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ۱ صفحہ ۳۰۳ [3] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۳۴ جنائز

ترجمہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی موضوع پر دو مختلف روایتیں ملیں تو (جن پر عمل کرنے کے لیے) یہ دیکھا جائے گا کہ آپ کے صحابہ نے آپ کے بعد کیا عمل کیا تھا۔

اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ حدیث کے موضوع میں صحابہ بھی داخل ہیں اور ان کے اقوال و اعمال کے بغیر مشکلات حدیث کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انہی کے اعمال ہیں جن کی روشنی میں تعلیم نبوت کی تعیین ہوتی ہے۔ حافظ ابوبکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں۔

اذا كان متى روى عن النبي صلى الله عليه وسلم خبران متضادان وظهر عمل السلف بأحدهما كان الذي عمل السلف به اولى بالاثبات۔[1]

ترجمہ: جب حضور سے دو حدیثیں اس طرح کی مروی ہوں جو باہم ٹکراتی ہوں اور سلف کا عمل ان میں سے کسی ایک پر ہو تو ثبت کی فائدہ وہ ہوگی جس پر سلف کا عمل ہو۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) سے روایت کرتے ہیں۔

روى محمد بن الحسن عن مالك بن انس انه قال اذا جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثان مختلفان وبلغنا ان ابابكر وعمر عملا باحد الحديثين وتركا الآخر كان في ذلك دلالة ان الحق فيما عملا به۔[2]

ترجمہ: آنحضرت سے جب دو مختلف حدیثیں مروی ہوں اور ہمیں یہ بات پہنچے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ایک پر عمل کیا ہے اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے تو اس سے پتہ چلے گا کہ حق وہ ہے جس پر ان کا عمل ہوا۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں: اختلاف آثار میں عمل صحابہ کو اختیار کیا جائے گا جب آپ کے پیچھے ان کا عمل پایا جائے۔ اسے پہلی بات کا ناسخ سمجھا جائے گا۔ آپ لکھتے ہیں:

لما تضادت الآثار في ذلك وجب ان ننظر الى ما عليه عمل المسلمين الذين قد جرت عليه العادة فيعمل على ذلك ويكون ناسخاً لما خالفه۔[3]

امام زہری نے ایک دفعہ دو متعارض حدیثیں روایت کر کے ایک حدیث کو ناسخ قرار دیا لیکن خلفائے راشدین کا عمل دوسری روایت پر تھا۔ اس پر محدثین جلکہ امام زہری کے شاگردان

---

[1] احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۸ طبع ۱۳۴۷ھ [2] التمہید جلد ۲ صفحہ ۴۴۳ [3] طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ ۲۴۱

یہ ترین الفاظ میں ہے وہ بھی دیکھ لیجئے۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

وهذا مما غلط فيه الزهري مع سعة علمه وقد ناظره اصحابه في ذلك

فقالوا كيف يذهب مثل هذا على ابي بكر وعمر وعثمان وعلي وهم الخلفاء الراشدون.[1]

ترجمہ: امام زہری نے اس وسعت علمی کے باوجود یہاں غلطی کی ہے آپ کے اصحاب نے

آپ سے اس باب میں مناظرہ کیا ہے وہ کہتے ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان حضرات

کرام کو پتہ نہ چلے وہ خلفائے راشدین ہوں۔

صحابہ کرام کی پیشوا حیثیت authoritative status اہل حق میں ہمیشہ مسلم رہی ہے۔ امام اعظم اور امام محمد ان کی پیروی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ یہی حضرات تاریخ اسلام کا ہراول دستہ تھے۔ ان کے بعد آنے والے دین لینے میں تو تابعین تھے۔ مگر یہ حضرات متبوعین تھے۔ اگر ان کی پیروی جاری نہ ہوتی تو اس امت کی دوسری صف کبھی تابعین کا اعزاز نہ پاتی۔ جلیل القدر تابعی خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ھ) صحابہ کی دینی بصیرت کا ان پرشکوہ الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

فارض لنفسك ما رضي به القوم لانفسهم فانهم على علم وقفوا وببصر نافذ

كفوا ولهم على كشف الامور كانوا اقوى وبفضل ما كانوا فيه اولى فان كان

الهدى ما انتم عليه لقد سبقتموهم اليه.[2]

ترجمہ: تم اپنے لئے دین (عقیدہ اور عمل) پسند کرو جو صحابہ نے اپنے لئے پسند کیا تھا

وہ علم پر پوری طرح جمے تھے اور دین پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دینی حقیقتوں کے

سمجھنے کی تم سب سے زیادہ اہلیت رکھتے تھے اور علم و فضل میں وہ تم سے بہت

آگے تھے۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تم ان سے ہٹ کر راہ راست پر ہو تو تم اس

کے مدعی ہو کہ دین میں تم ان سے آگے نکل گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی پوری کوشش تھی کہ تا قیامت کسی مرحلے پر بھی صحابہ کرام شاہراہ اسلام کے ان پیشرؤں کو پیشوا ہی سمجھا جانا چاہئے۔ اقبال نے قوم کو قطار میں دیکھنا چاہا

---

[1] التمہید جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۳

قدسی نے بھی کہا۔ ؎

من کجا نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست ٭ سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

حضرت عمر بن عبد العزیز کی یہ نصیحت کہ اپنے لئے وہی عقیدہ اور عمل پسند کرو جو صحابہ نے اپنے لئے کیا تھا کہاں ہے؟ سنن ابی داؤد جیسی حدیث کی مرکزی کتابوں میں اس قسم کی نصیحتوں کا ہونا پتہ دیتا ہے کہ صحابہ کی شخصیات کریمہ بے شک علم حدیث کا موضوع ہیں۔ اور ان کے اعمال و اقوال کو جانے بغیر تعلیمات رسالت کو ان کے صحیح پیمانے میں اتارنا کسی طرح ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں صحابہ کے اعمال و اقوال کو قرار واقعی جگہ دی گئی ہے اور حق یہ ہے کہ ان کا اتفاق و اجماع ہی علم صحیح اور حجت ثابتہ ہے۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:۔

اجماع الصحابة حجة ثابتة وعلم صحيح اذا كان طريق ذلك الاجماع التوقيف فهو اقوى ما يكون من السنن وان كان اجتهادا ولم يكن في شيء من ذلك مخالف فهو ايضا علم وحجة لازمة قال الله عز وجل ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا وهكذا اجماع الامة اذا اجتمعت على شيء فهو الحق الذي لا شك فيه [1]

ترجمہ: صحابہ کا اجماع ایک حجت قاطعہ اور علم ثابت ہے یہ اجماع توقیف سے ہو تو یہ سنن میں سب سے زیادہ قوی ہے اور اگر یہ اجتہاد سے ہو اور کوئی بات اس کے خلاف نہ ٹھہرے تو یہ بھی علم ثابت اور حجت لازمہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جو مومنین کے طریقے کے خلاف چلے ہم اسے ادھر ہی لوٹا دیتے ہیں جدھر وہ خود پھرا اور اسے جہنم پہنچا دیتے ہیں اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اسی طرح (اس اجماع کی طرح) امت کا اجماع ہے جب وہ کسی بات پر جمع ہو گئی تو وہ ایسی سچائی ہے جس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

ہم پہلے بحث کر آئے ہیں کہ صحابہ کرام کی شخصیات کریمہ حجت ہے۔ امام الذہبی، حافظ ابن اثیر جزری

---

[1] التمہید جلد ۴ ص ۲۶۶

کے الفاظ کو بھی بڑھا دیئے۔

لا یتطرق الیہم الجرح لان اللہ عز وجل ورسولہ زکاہم و عدلاہم[1]

ترجمہ: جرح ان کی طرف راہ نہیں پاتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کا تزکیہ کیا اور تعدیل کی ہے۔

جب یہ حضرات جرح و تنقید سے بالا ہیں اور سب کے سب عادل ہیں تو ان کے تعلیم رسالت سے تعلیم یافتہ ہونے اور تزکیہ رسالت سے تزکیہ یافتہ ہونے کا تقاضا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سند کہا جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ جب صحابہ کسی مسئلہ میں خود مختلف ہوں تو ان میں غور کر کے کہ کس کی بات درست ہے کیا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، تم جس کی چاہو پیروی کر لو لیکن ان میں سے کسی کے موقف پر اپنی جرح نہ کرو۔

اذا اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسئلۃ ھل یجوز فیہ

ان ننظر فی اقوالہم لنعلم مع من الصواب منہم فنتبعہ؟ فقال لا یجوز النظر

بین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت کیف الوجہ فی ذلک؟

قال تقلد ایہم احببت[2]

ترجمہ: صحابہ کرامؓ جب کسی مسئلہ میں مختلف ہوں تو کیا جائز ہے کہ ہم ان کے اقوال کا جائزہ لیں کہ راستی کس کے پاس ہے تاکہ ہم اس کی پیروی کریں؟ تو آپ نے مجھے فرمایا کہ نہیں جائز کہ اصحاب رسول کا جائزہ لیا جائے۔ میں نے کہا پھر کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا ان میں سے جس کی چاہو پیروی کر لو۔

امام ابن صلاح لکھتے ہیں صحابہ کی خصوصیت ہے کہ ان میں سے کسی کی عدالت پر سوال نہیں ہو سکتا کہ یہ سب بہترین امت تھے۔ آپ لکھتے ہیں۔

لکونہم علی الاطلاق معدلین بنصوص الکتاب والسنۃ واجماع من یعتد بہ

فی الاجماع من الامۃ قال اللہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس[3]

ترجمہ: وہ سب کتاب و سنت اور امت میں جن کا اعتبار ہے ان کے اجماع کی رو سے مطلق عادل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کہا ہے: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے لائے گئے۔

۱۔ الکفایہ مقدمہ ص ۲۔ جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبدالبر جلد ۲ ص ۳۔ علوم الحدیث للامام ابن صلاح ص ۲۶۳

موضوعِ حدیث کا تیسرا اہم پہلو

یہ بات ہمارے سامنے پوری طرح عیاں ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات و اعمال اور آپ کی مقرر کردہ تمام جزئیات جن پر آپ نے کوئی اعتراض نہ فرمایا انہیں اپنے سکوت سے منظوری دی اور آپ کے صحابہ کرام کے تمام اقوال و اعمال جو تعلیمات رسالت مآب کے ترجمان ٹھہرے سب حدیث کا موضوع ہیں اور صحاح ستہ اور دیگر مستند کتب حدیث صحابہ کی ہزاروں مرویات و جزئیات کو اپنے دامن میں لئے کھلی شہادت دے رہی ہیں کہ صحابہ کرامؓ بھی علم حدیث کا ایک بڑا اہم موضوع ہیں اور انہیں جانے اور سمجھے بغیر علم حدیث سے صحیح استفادہ کسی طرح ممکن نہیں۔ لیکن اب ہم اس سے ذرا آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ محدثین کرام نے فن حدیث میں صحابہ کرام کے بعد بھی کسی اہم موضوع پر بحث کی ہے؟ اس موضوع کو عبور کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کے بعد محدثین کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تعامل امت کا رہا ہے۔ انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ان مرویات حدیث کو امت نے کس طرح اپنے پیرایۂ عمل میں اتارا اور کس طرح ان سے امت میں سنن جاری ہوئیں۔

موضوعِ حدیث میں تعاملِ امت پر نظر

جامع ترمذی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام ترمذی حدیث کی روایت کے ساتھ ساتھ امت کے تعامل پر بھی پوری نظر رکھتے ہیں اور اہل علم کے مختلف مسالک سے بحث کرتے ہیں اور ان کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ سنت صرف روایت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ امت کا تعامل بھی ضروری ہے کوئی حدیث سند کے لحاظ سے کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ اگر اس پر امت کا عمل نہیں تو اس کی حیثیت قطعی نہ رہے گی۔ زیادہ گمان یہی ہوگا کہ وہ عمل منسوخ ہو چکا ہے گو حدیث کی حفاظت پر اس کے معمول بہ ہونے سے ہم استدلال کرتے رہے ہیں۔ امام وکیع نے اسمعیل بن ابی ابراہیم مہاجر سے نقل کیا ہے:

كان يستعان على حفظ الحديث بالعمل به[1]

ترجمہ: حفظ حدیث میں اس کے عمل سے بھی مدد لی جاتی تھی (یعنی یہ کہ اس پر عمل کیا جائے)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کے معمول بہ ہونے کا اس کی صحت اور مقبولیت پر بہت اثر ہوتا ہے اور محدثین کو ایسی روایات بہت کھٹکتی رہی ہیں جو معمول بہ نہ رہی ہوں۔ امام ترمذی ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

جميع ما في هذا الكتاب من الحديث هو معمول به وبه أخذ بعض أهل العلم ما خلا حديثين حديث ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم جمع بين الظهر والعصر بالمدينة والمغرب والعشاء من غير خوف ولا سفر ولا مطر وحديث النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال إذا شرب الخمر فاجلدوه فإن عاد في الرابعة فاقتلوه[2]

ترجمہ: جو کچھ اس کتاب میں ہے اس پر کسی نہ کسی طبقے میں عمل ہوتا رہا ہے اور اس کے مطابق اہل علم کی ایک جماعت نے فیصلہ کیا ہے سوائے ان دو حدیثوں کے۔ ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ کی یہ ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خوف، سفر اور بارش کے کسی عذر کے بغیر مدینہ منورہ میں ظہر و عصر کو اکٹھا اور مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھی ہیں۔ اور دوسری حضورؐ کی یہ حدیث کہ جب کوئی شراب پئے تو اسے کوڑے لگاؤ اور چوتھی دفعہ پئے تو اسے قتل کر دو۔

یہ دونوں حدیثیں سند کے اعتبار سے لائق استدلال ہیں۔ لیکن یہ بات بھی صحیح ہے کہ ائمہ دین میں کسی نے ان کے ظاہر پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ترک پر اہل علم کا اجماع رہا ہے۔ اگر مجتہدین اور ان کے مسلکات کو علم حدیث کے موضوع میں شامل نہ کیا جائے تو بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ صحت حدیث کا مدار صرف سند پر نہیں۔ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر اوقات عمل صحت پر متفرع ہوتا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی صحت عمل پر بھی متفرع ہوتی ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالحق سیالکوٹی لکھتے ہیں:-

---

[1] تاریخ ابی زرعہ الدمشقی ص۳۴۱ جلد ۱

[2] جامع ترمذی کتاب العلل ص۲۳۶ ج ۲

کو قرائن وقیاسات کمال صحت پر متفرع ہو سکتا ہے اور صحت روایت شمول کی رو سے
شرط معتبرہ کی بناء ائمہ جرح و تعدیل کے ساتھ ہوتی ہے اور بعض وقت صحت عمل
پر متفرع ہوتی ہے صورت اول عام ہے . . . صورت دوم خاص ہے اور
اس کی تصریح محققین نے کر دی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تعقبات
علی الموضوعات میں لکھتے ہیں:

ان الحديث يتعضد بقول أهل العلم وقد صرح غير واحد بأن من دليل صحة
الحديث قول أهل العلم به وإن لم يكن له إسناد يعتمد على مثله.

ترجمہ: اہل علم کے قول اور تعامل کے ساتھ حدیث ضعیف ضعف سے نکل کر صحیح اور
قابل عمل ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی اسناد لائق اعتبار نہ ہو اور بہت سے اہل علم کا یہ قول ہے
بعض بغض سے امت و ناواقفیت میں اس صورت دوم کے اپنے موقع
میں پائے جانے کی وجہ سے بعض کوتہ اندیش جاہل اپنی کج فہمی کی وجہ سے ان
پر اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں مولوی حدیث کا تارک ہے۔[1]

حافظ ابن صلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ جب ہم کسی حدیث کو صحیح قرار دیں تو اس کا مطلب
یہ نہیں کہ وہ حدیث یقیناً صحیح ہے اور اس کی صحت درجہ علم تک پہنچی ہے بلکہ اس حکم صحت سے مراد
صرف یہ ہوتی ہے کہ اس میں صحیح کی وہ فنی شرائط موجود ہیں جو محدثین کے ہاں صحت حدیث کے
لیے درکار ہیں لہٰذا گمان یہی ہے کہ وہ حدیث صحیح ہوگی۔ اسی طرح ضعیف کا مطلب بھی یہ
نہیں کہ یقینی طور پر وہ خلاف واقعہ ہے ہو سکتا ہے کہ نفس الامر میں صحیح ہو یہی وجہ ہے کہ اہل
علم کا تعامل اس کی فنی کمزوریوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔

اس کی پوری بحث انشاء اللہ العزیز قواعد حدیث میں آئے گی یہاں صرف یہ بتلانا مقصود
ہے کہ علم حدیث میں بعض دفعہ اہل علم کا تعامل اور ان کے مختلف مسالک بھی موضوع بن جاتے
ہیں۔ اس لیے موضوع حدیث میں ان تمام مباحث کو شامل ہونا چاہیے۔ حدیث سنداً کمزور بھی ہو تو
تلقی بالقبول سے لائق قبول ہو جاتی ہے[2] اور اسے صحیح بھی کہہ سکتے ہیں۔

---

[1] الانصاف لرفع الاختلاف ص ۳۰ مطبوعہ [illegible] [2] تدریب الراوی ص ۱۵

ائمہ صحاح میں سے امام ترمذی نے اس پر بنیادی کام کیا ہے۔ احادیث روایت کرنے کے بعد ان پر صحت و تحسین کا حکم بھی لگاتے ہیں اور ان پر امت کے مختلف طبقوں کا عمل بھی نقل کرتے ہیں۔ آپ کی نظر میں امت کا تعامل ایک بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت امام طحاوی کا یہ شاہکار بھی اس سلسلہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

فلما تضادت الآثار فی ذلک وجب ان ننظر ما علیہ عمل المسلمین۔[1]

پھر رواۃ حدیث میں بھی صرف ان کی روایت نہیں دیکھی جاتی۔ ان راویوں کی آراء پر بھی نظر کی جاتی ہے۔ امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے نکاح محرم کی بحث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مشہور شاگردوں کی ایک فہرست دی ہے اور ان کی روایات کے ساتھ ساتھ ان کی آراء کو بھی اہمیت دی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

وھؤلاء کلھم ائمۃ فقھاء یحتج بروایاتھم وآرائھم والذین نقلوا عنھم فکذلک ایضا ... فھؤلاء ایضا ائمۃ یقتدی بروایاتھم ... فکل ھؤلاء ائمۃ یحتج بروایاتھم فما رووا من ذلک اولی مما رواہ من لیس کمثلھم فی الضبط والتثبت والفقہ والامانۃ۔[2]

محدثین کی ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا موضوع تحقیق صرف احادیث و آثار نہ تھے۔ ائمہ تابعین اور مجتہدین کی روایات و آراء پر بھی ان کی پوری نظر ہوتی تھی۔ امام ترمذی اور امام طحاوی نے اس موضوع پر اپنے اپنے رنگ میں بہت مفید کام کیا ہے۔ اور امت کے لیے فہم حدیث کی راہیں بہت دور تک کھول دی ہیں۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

محدثین کرام کی تاریخ پر گہری نظر

محدثین کرام حدیث کے ناسخ و منسوخ کو جاننے، صحابہ کے اختلافات کو پہچاننے اور راویوں کے اتصال و انقطاع کو سمجھنے کے لیے تاریخ میں پوری دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ امام بخاری کی التاریخ الکبیر ان کے ذوق تاریخ کی ایک عملی شہادت ہے۔ حافظ ابن حجر

---

[1] طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] طحاوی جلد ۱ صفحہ [illegible]

(م ۳۱۰ھ) بڑے مفسر اور محدث تھے۔ ان کی تاریخ طبری سے کون واقف نہیں۔ حافظ ابن کثیر
(م ۷۷۴ھ) بڑے محدث اور مفسر تھے۔ ان کی عظیم و ضخیم کتاب البدایہ والنہایہ کس حلقۂ علم سے
مخفی ہے؟ اگر غور کیا جائے تو حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ محدثین نے ہی مسلمانوں میں ذوق
تاریخ پیدا کیا اور وہی اس فن کے اولین سالار تھے۔ یہ انہیں کی کاوشیں ہیں جنہوں نے
مسلمانوں کو علم تاریخ میں دوسری قوموں کا امام بنا دیا اور اقوام عالم نے مسلمانوں سے ہی تاریخ
لکھنی سیکھی۔ تاریخ نویسی پر سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے توجہ فرمائی تھی اور انہی سے
اس فن کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

محدثین کے پیش نظر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی شخصیات ہی نہ تھیں۔ ان
کے احوال و وقائع کے مختلف ادوار بھی سب ان کے سامنے ہوتے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ
نے اس بحث میں کہ اگر امام بوجہ بیماری بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیے، یہ
اصول بیان کیا ہے کہ اس میں آپ کے آخری عمل کو دیکھا جائے گا۔ امام بخاری اس مسئلہ
کے پیش نظر سامنے رکھتے ہوئے پہلے وہ روایات لائے ہیں، جن میں مقتدیوں کو بیٹھنے کا
حکم دیا گیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:-

ثم صلی بعد ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالساً والناس خلفه
قیام لم یأمرهم بالقعود وانما یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: حضورؐ نے اس کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھی۔ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے رہے
آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور بات یہ ہے کہ حضورؐ کے آخری عمل
اور پھر جو آخری عمل ہو اس کو لیا جائے گا۔

اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امام بخاریؒ حضورؐ کی اس تقریری حدیث سے
آپ کی پہلی قولی حدیث کو منسوخ سمجھ رہے ہیں۔ قولی حدیث کا تقریری حدیث سے منسوخ ہونا
یہاں ثابت ہے۔ حضرت امام مسلمؒ لکھتے ہیں:-

؎ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۶

كان صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم يتبعون الاحدث فالاحدث من امره صلى الله عليه وسلم[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کے احکام میں سے تازہ ترین حکم کو ماخذ دین سمجھتے تھے اور اسے ہی لائق تمسک قرار دیتے تھے۔

حضرت امام مسلمؒ نے امام زہریؒ (۱۲۴ھ) کا بھی یہ قول نقل کیا ہے۔

انما يوخذ من امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالآخر فالآخر[2]

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) کا موقف یہ تھا کہ حضورؐ کی آخری بات کو حجت سمجھا جائے[3]

امام ابوداؤد صاحب السنن ترک الوضوء مما غیرت النار کی بحث میں لکھتے ہیں:

عن جابر قال كان آخر الامرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما غيرت النار[4]

امام زہریؒ ایک دوسری بحث میں فرماتے ہیں کہ کانوا [illegible] آخر الامرین[5] اس باب میں وضو نہ کرنا ہی حضورؐ کا آخری عمل ہے۔

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) کے یہ ارشاد بھی اس ضابطے کی تائید کرتے ہیں:

انما يؤخذ بالآخر من آخر فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم[6]

شیعہ محدثین نے بھی اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ حضورؐ کے آخری عمل کو ہی اپنانا چاہیئے[7] اور اسی سے سند لانی چاہیئے۔ مگر افسوس کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری باجماعت نماز کو اپنے لیے سند نہ بنا سکے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محدثین موضوع حدیث میں تاریخ کے مختلف ادوار اور احوال کے مختلف ادوار سے پوری طرح واقف ہوتے تھے اور ان کے ہاں ناسخ و منسوخ

---

۱ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ [illegible] ۲ ایضاً صفحہ [illegible] ۳ الانتقاء صفحہ [illegible] ۴ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ [illegible] طبع دہلی (و جدید)
۵ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ [illegible] مع شرح للنووی صفحہ [illegible] جلد اول ۶ معالم السنن جلد ۱ صفحہ [illegible] ۷ فروع کافی جلد ۲ صفحہ [illegible]
کتاب فضل العلم باب الاخذ بالسنۃ فی الاصول الکافی جلد ۱ صفحہ [illegible] من کان اخذ بالاخیر

کی کوششیں تاریخی پس منظر میں چلتی تھیں اور اسی سے نتیجہ خیز ہوتی تھیں۔

حدیث کے مختلف موضوع

یہ بات آپ کے سامنے آ چکی ہے کہ حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور صحابہ کرامؓ کی شخصیات کریمہ ہیں۔ یہ بات بھی آپ پر پوری طرح روشن ہو گئی کہ ان حضرات کے مختلف موقف کو سمجھنے کے لیے ان کی مرویات کے مختلف ادوار کا تاریخی مطالعہ اور مختلف علمی طبقوں میں ان کے زیر عمل آنے اور مختلف ادوار کے تعامل پر نظر کا بہت ضروری ہے اور یہ محدثین کا ہمیشہ موضوع رہا ہے ——— اب یہ بات بھی جان لیجیے کہ حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے صرف عقیدی امور اور سنن ہی نہیں۔ علم حدیث ان کی انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ محدثین نے انسانی زندگی کے تمام دوائر عقائد، افکار، اعمال، عبادات، تقوی و احسان، اخلاق و معاملات اور وقائع و سیر پر بحث کی ہے اور ان تمام ابواب زندگی میں امت کو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی تعلیمات قدسیہ سے جو ملتی ہے، پچھلوں کو پہلوں سے وابستہ رکھنے کے لیے کتب حدیث میں کتاب التفسیر جیسے ابواب بھی قائم کیے ہیں، جگہ جگہ قرآن کریم کی آیات سے احادیث پر باب باندھے ہیں۔ اور صاف بتایا ہے کہ حدیث کا موضوع قرآن کریم کی عملی تفصیل اور امت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کی ایک معیاری تشکیل ہے۔

اسلامی زندگی کی تشکیل میں صحابہؓ کے عمل کو سنت کہنا اور پچھلوں کے لیے ثبت لازم کرنا فقہا و محدثین کے ہاں عام رہا ہے حضرتؓ کا ارشاد ابن مسعود من لکم سنة فاستنوا بها آپ سن چکے ہیں۔ مدتوں سے لکھ رہا نہ اقتدوا به بھی آپ سن چکے۔ اب حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) کی تصریح بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ایک مسئلہ جو کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول تھا، اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ انه السنة (یہ سنت ہے) علامہ سرخسی (۴۹۰ھ) لکھتے ہیں۔ انه السنة يعني سنة زيد بن ثابت۔[1]

[1] المبسوط جلد ۲۲ ص

ایک شخص نے آپ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے دریافت کیا آیا وہ عراق سے ہے۔ دینی کچھ پڑھا لکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ میں ایک ناواقف طالب علم ہوں۔ آپ نے بتلایا سنت یوں ہی چلی آرہی ہے۔ آپ نے یہ حضرت زید بن ثابتؓ سے لیا ہے۔

أعراقي أنت قال لا بل جاهل متعلم قال هكذا السنة اراد سنة زيد بن ثابت۔[1]

ایسا ایک واقعہ نہیں۔ تاریخ و حدیث میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جہاں صحابہ کرام کے اعمال اور فیصلوں کو امت نے سنت کی جگہ دی گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حدیث کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور صحابہؓ کی شخصیات کریمہ ہیں اور ان کے ساتھ ان کی زندگیوں کے تمام دعائم اور ان کے تمام ادوار بھی اسی فن کا موضوع سمجھے گئے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ کون ہیں؟ تابعی ہیں جنہیں تابعین میں تقریباً وہی درجہ حاصل ہے جو صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ فرق یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا تمام صحابہ سے افضل ہونا ایک قطعی اور اجماعی بات ہے جسے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق حاصل تھی اور حضرت سعید بن المسیب کی تابعین پر فضیلت اس وقت کے کچھ اکابر کا نظریہ تھا۔ اس فضل و کمال کے ساتھ آپ کا حضرت زید کے عمل کو سنت کہنا اسلام کے ایک اصول کا پتہ دیتا ہے۔

پھر حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنے اس موقف پر کوئی دلیل پیش نہیں کی اتنا اطمینان فرمایا کہ سائل کوئی عالم تو نہیں، غیر عالم کے لئے یہی ہے کہ جب اسے کسی صحابی کی کوئی بات ملے وہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اپنا لے اور دلائل کی بحث میں نہ پڑے۔ دلیل سے بحث علماء کا کام ہے۔ اسلام میں سنت اسی سے قائم ہوئی ہے کہ جہاں کوئی ستارہ چمکا تابعین اتباع کرتے ہوئے اس کی روشنی میں چلنے لگے۔ یہ تو ہے کہ کوئی ستارہ زیادہ چمکا اور کوئی کم — لیکن ملے گی اس سے ہمیشہ روشنی ہی، اندھیرا کبھی نہ ملے گا۔

---

[1] جوہرہ نیرہ جلد ۲ ص[illegible]

تیسوی شق :۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے یہاں عالم کے لئے عالم کا لفظ نہیں عراقی کا لفظ استعمال کیا ہے "العراقی انت" اے عراقی اور طالب علم کو ایک دوسرے کے مقابل جگہ دی ہے معلوم ہوا ان دنوں عراق علم کا ایک بڑا مرکز تھا اور وہاں پورے عالم عرب کی نادرہ روزگار ہستیاں آباد تھیں جنہیں بجا طور پر علم اسلام کا نمائندہ کہا جا سکتا ہے امام ابو حنیفہؒ امام سفیان ثوری۔ امام ابو یوسف امام سفیان بن عیینہ، امام محمد بن حسن اور عبداللہ بن مبارک جیسے فضلاء اسی تربت سے اٹھے تھے یہ وہی سرزمین ہے جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسن بصری جیسے اکابر پہلے سے علم کی تخم کاری کر چکے اس پورے ماحول میں صحابہ کے عمل کو حجت سمجھا جاتا تھا اور جہاں کسی صحابی سے کوئی عمل ثابت ہوا اس سے سنت اسلام قائم ہو جاتی تھی ۔

کسے معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہے مگر چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی دعا کے بجائے پڑھتے تھے آپ نے اسے سنت قرار دیا اور سنت کا معنی اس ماحول میں یہی سمجھا گیا کہ ایک ایسی راہ ہے جس پر پہلے چلا جا چکا ہے سنت کا لفظ طریقہ مسلوکہ فی الدین کے معنی میں عام تھا اور مسلمانوں کے لئے کسی طرح ممکن نہ تھا کہ کسی صحابی سے انہیں کوئی بات پہنچے اور وہ اسے ٹھکرا دیں اتنا ہی کہ کسی دوسرے بزرگ صحابی کا قول دوسری طرح ہو عمل صحابہ ان کے لئے اس جہت سے ایک روشن حجت تھی۔

ضرورتِ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد

کسی چیز کی ضرورت کا احساس اپنے موجود سرمایہ کو سامنے رکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارے پاس کیا کچھ ہے ہم کسی دوسری چیز کی ضرورت محسوس نہیں کر سکتے۔ حدیث کی ضرورت اسی صورت میں محسوس ہوگی کہ علم کا موجود سرمایہ ہمارے سامنے واضح ہو اور وہ ہماری ضروریات پوری نہ کر سکے۔ ضرورتِ حدیث پر بحث کرنے سے پہلے ہمیں اپنے موجود علمی سرمایہ کو دیکھنا پڑے گا اور اپنی موجودہ ضرورت حال کا پوری طرح جائزہ لینا چاہیئے۔

ہمارا موجودہ علمی سرمایہ

ہم اس اعتراف سے اس موضوع پر غور کر رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اور ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید موجود ہے، یہ پوری کی کتاب محفوظ اور زندگی کی ہر ضرورت میں رہنمائی بخشنے والی ہے۔ ہمارا موجود سرمایہ علم یہی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہمیں اور کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے؟

اس سوال کا جواب دینے کے لیئے ہمیں خود قرآن کریم ہی پر غور کرنا چاہیئے۔ کیا اس کے مطالعہ سے کوئی اور احساسِ ضرورت ابھرتا ہے۔ اگر یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے تو پھر یہ اگلا مرحلہ ہے کہ اسے کس طرح پورا کیا جائے۔ حدیث سے یا زمانے سے یا کسی کے مشورے سے؟ ہم ابھی پہلے مرحلے میں ہیں کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے کیا

کسی اور چیز کی ضرورت بھی ہے یا نہ ؟

اس کے جواب میں یہ چار عنوان بہت اہم ہیں۔ ۱۔ قرآن کریم کے مسائل۔ ۲۔ زندگی کے مسائل۔ ۳۔ قرآن کی جامعیت۔ ۴۔ قرآن کریم کی وسعت۔ اگر ہم ان پہ غور کر لیں۔ تو پھر اس کا جواب کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔ ہمارے لیے بہت آسان ہو جائے گا۔

قرآن کریم کے مسائل

قرآن کریم نے کچھ احکام نہایت وضاحت اور صراحت سے بیان کیے ہیں۔ جیسے قانون وراثت۔ قانون شہادت۔ قانون حدود۔ ایمانیات اور اخلاقیات۔ مگر کچھ احکام ایسے بھی ہیں اور یہ بہت سے ہیں جنہیں قرآن کریم نے مجمل طور پر بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں ان کی پوری کیفیت اور تفصیل نہیں ملتی۔ پھر قرآن پاک میں کچھ ایسے اشارات ہیں جن کی تفصیل اس میں نہیں ہے اور پھر کچھ مشکلات ہیں جن کی وضاحت کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے اور پھر اصول قرآنی کی ایسی توسیعات بھی ہیں جن کی پوری جزئیات کا بیان یہاں نہیں تھا۔ اور نہ یہ عملاً ممکن ہے۔

زندگی کے مسائل

پھر زندگی کے کچھ مسائل ایسے ہیں کہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی۔ جیسے ۱۔ پانی کے پاک اور ناپاک ہونے کے مسائل۔ ۲۔ کونسی بیع درست ہے اور کونسی نہیں اور یہ کہ کس کس بیع میں سود کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ۳۔ بیع جنس بالجنس کی کیا صورت ہے۔ ۴۔ جو جرائم حدود کے تحت نہیں آتے ان کی سزا کیا ہے۔ ۵۔ زمینوں کے مسائل میں مضاربت کے احکام وغیرہ۔ ۶۔ مساجد کے تفصیلی شرعی احکام۔ ۷۔ مختار نامہ کے ذریعہ نکاح کی صورتیں وغیرھا ——————

ان جیسے زندگی کے ہزاروں مسائل ہیں جو ہمیں قرآن کریم میں واضح طور پہ

نہیں ملتے۔ لیکن انسانی زندگی ان ابواب میں راہنمائی تلاش کرتی ہے اور ان ضروریات میں بھی دینی حل ڈھونڈتی ہے۔

قرآن کریم کی جامعیت کا دعویٰ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہدایت انسانی کے پورے نقشے پھیلا دیئے ہیں۔ یہ کتاب خدا کی آخری کتاب ہے اور اس میں ہر انسانی ضرورت کا حل موجود ہے

ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمة وبشری للمسلمین۔[1]

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری جو ہر چیز کا کھلا بیان ہے ہدایت اور رحمت ہے اور ماننے والوں کے لیے خوشخبری ہے۔

ہر چیز کے کھلے بیان کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تمام علوم ہدایت۔ اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ یہاں کتاب اللہ اسوۂ رسول اور اطاعت رسول کی راہ سے تمام ہدایات نبویہ کو بھی شامل ہے اور اسی عموم سے احادیث میں کتاب اللہ کی مرکزی حیثیت اسی طرح مذکور ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری (م ۷۴ھ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ۔[2]

ترجمہ۔ اور میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز کتاب اللہ ہے۔

حضرت علیؓ بھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کتاب اللہ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل ولیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن

---

[1] پ ۱۴ النحل ع ۱۲ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۹۷ جز اول ص ۲۶۹ امام احمد جلد ۲ ص ۲۹ سنن دارمی ص ۴۲۴

ابتغى الهدى في غيره أضله الله وهو حبل الله المتين وهو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم هو الذي لا تزيغ به الأهواء ولا تلتبس به الألسنة ولا يشبع منه العلماء ولا يخلق عن كثرة الرد ولا تنقضي عجائبه[۱]

ترجمہ: قرآن کریم میں پہلی امتوں کی خبریں بھی ہیں اور آئندہ کی خبریں بھی ہیں اور حال کے احکام بھی ہیں۔ یہ فیصلہ کن چیز ہے یونہی نہیں۔ جو متکبر اسے ترک کرے گا اللہ اسے توڑ دے گا، اور جو اس کے سوا کسی اور چیز میں ہدایت ڈھونڈے اللہ اسے راہ سے بھٹکا دیں گے۔ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے یہی ذکر حکیم اور یہی صراط مستقیم ہے اس کے ساتھ خواہشات کج روی میں نہیں جاتیں اور زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں علماء کا اس سے سیری نہیں ہوتی اور بار بار مراجعت سے یہ پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

حضرت زید بن ارقم (م ۶۸ھ) بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی تارک فیکم کتاب اللہ هو حبل اللہ من اتبعه کان علی الهدی ومن ترکه کان علی الضلالة۔[۲]

ترجمہ: میں تم میں کتاب اللہ چھوڑے جا رہا ہوں وہ اللہ کی رسی ہے جو اس کی پیروی کرے گا ہدایت پر ہو گا اور جو اسے چھوڑ دے گا گمراہی پر جائے گا۔

صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۹۷، سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۶۴، سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۲۳ اور سنن کبریٰ بیہقی جلد ۵ صفحہ ۸ میں یہ روایت حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے۔ زید بن ارقمؓ کی روایت المصنف لابن ابی شیبہ، معجم کبیر للطبرانی اور کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۴۷ حدیث ۹۵۳ میں بھی موجود ہے۔ ابن کثیرؒ نے اسے امام احمد سے بھی نقل کیا ہے۔ البدایہ جلد ۵ صفحہ ۱۱۰۔ یہاں قرآن کریم کی طرف دعوت بایں طور ہے کہ قرآن اجماعاً تمام سنت کو بھی شامل ہے۔ حضرت عمرؓ کے قول حسبنا کتاب اللہ میں بھی سنت کا انکار ہرگز نہیں تھا۔

---

[۱] رواہ الترمذی والدارمی وفی اسنادہ مقال۔ دیکھئے مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۶ [۲] صحیح ابن حبان جزء صفحہ [illegible]

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت اور یہ روایات بتا رہی ہیں کہ قرآن کریم نہایت جامع اور مکمل کتاب ہے اور اس میں ہر انسانی ضرورت کا پورا پورا حل موجود ہے۔ قرآن کریم کی جامعیت کا یہ دعویٰ کہاں تک حالات سے ہم آہنگ ہے؟ اور زندگی کے تمام مسائل کیا اپنی پوری تفصیل کے ساتھ ہمیں اس میں ملتے ہیں یا نہیں؟ اس پر ذرا اور غور کیجئے۔ یہ حقیقت ہے اور اس کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ بہت سے قرآنی احکام ایسے مجمل ہیں کہ جب تک اور کوئی ماخذ علم ان کی تفصیل نہ کرے ان کی عملی تشکیل نہیں ہو سکتی اور زندگی کے لاتعداد مسائل ایسے بھی ہیں جن کے متعلق واضح جزئی ہمیں قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ پس قرآن کریم کی جامعیت کی تشریح ایسی ہونی چاہئے جس سے یہ دعوے واقعات سے ہم آہنگ بھی ہو سکے۔

قرآن کریم کی جامعیت کا مفہوم

کسی نے قرآن کریم کی جامعیت کا یہ مفہوم نہیں لیا کہ اس کی کسی آیت میں کوئی اجمال brevity یا کسی بیان میں کوئی تقیید particularisation نہیں، اس نے ہر باب کی غیر متناہی جزئیات کا احاطہ کر لیا ہے اور ہر حکم کی تمام حدود اور تفصیلات details اس نے بیان کر دی ہیں۔ نہ یہ کسی کا دعوے ہے نہ اس کا کوئی قائل ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم سوائے اس چیز کے جو قرآن میں ملے اور کسی چیز کو قبول نہ کریں گے تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں:

لو ان امرأ قال لا نأخذ الا ما وجدنا فی القرآن لکان کافرا
باجماع الامۃ۔[1]

ترجمہ: اگر کسی شخص نے کہا کہ صرف وہی چیز لیں گے جسے ہم قرآن میں پائیں
تو وہ شخص بالاتفاق کافر ٹھہرے گا۔

قرآن کریم کی جامعیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں تمام انسانی ضرورتوں کا حل ملتا ہے

[1] الاحکام فی اصول الاحکام جلد ۲ ص

اور لاتعداد جزئیات کے احکام اس میں اصول و کلیات اور ضوابط کی شکل میں موجود ہیں۔

علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:

القرآن علی اختصاره جامع ولا یکون جامعاً إلا والمجموع فيه أمور كليات۔[1]

ترجمہ: قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود ایک جامع کتاب ہے اور یہ جامعیت تبھی درست ہو سکتی ہے کہ اس میں کلیات کا بیان ہو۔

محدث جلیل حضرت مولانا بدر عالم مدنیؒ لکھتے ہیں:

"اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خداشناسی اور آداب عبدیت کے تمام اصولوں پر حاوی ہے جیسا کہ جہان باقی کے ایک ایک نکتہ ایک ایک شوشہ کے لیے مکمل آئین ہے ایک چوب خشک اس پر عمل کر کے صاحب کمال ہو سکتا ہے اور ایک فقیر بے نوا اس کے اتباع کی بدولت تاج شاہانہ پہن سکتا ہے۔ پھر شاہی اور گدائی کے یہ عمیق اور دقیق اصول اس نے ایسے جامع اور سادے الفاظ میں قائم کیے ہیں کہ دنیا کے مختلف دماغوں کی مختلف ضروریات میں سے کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آسکتی جس کے متعلق قرآن کریم کے ان الفاظ میں پوری روشنی نہ ملے۔[2]

پس جب قرآن پاک میں ایسے اصول و کلیات ہیں جن کے تحت لاتعداد جزئیات کا فیصلہ قرآن کریم کی جامعیت کی تصدیق کرے تو یہ جاننے کی اشد ضرورت ہے کہ اس موقع پر قرآن کریم کی اصولی دعوت کیا ہے؟ اسی ضرورت میں وہ ہمیں مرحلے جاتا ہے۔

قرآن کریم کی دعوت

قرآن کریم نے اپنے احکام و ارشادات کے ساتھ ساتھ ایک عظیم شخصیت کا تعارف بھی کرایا ہے اور اس کو اپنے ساتھ لازم کیا ہے۔ قرآن کریم مسلمانوں کو اس کے عمل سے

[1] الموافقات جلد ۳ صفحہ [illegible] [2] ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱

اسوۂ حسنہ کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی اصل عظیم ہے جس کے تحت ہزاروں مجملات کی تفصیل اور لاکھوں جزئیات کا حل مل جاتا ہے۔ قرآن کریم کی اس دعوت کے تحت اسی اسوۂ حسنہ کی تفصیل عین قرآن پاک کی تفصیل شمار ہوگی۔ یہ کلیدی آیات ہیں جن کے تحت لاتعداد مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی کلیدی آیات

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چند ایسی کلیدی آیات نازل فرمائی ہیں جن کے تحت حدیث کی ہر جزئی قرآن پاک کا حکم بن جاتی ہے۔ چند آیات ملاحظہ کیجئے۔

(۱) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[۱]

ترجمہ۔ بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے۔

پس چاہیئے کہ ہر مسلمان ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں اس ذات گرامی کے نقش قدم پر چلیں۔

(۲) وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔[۲]

ترجمہ۔ اور اللہ کا رسول جو تمہیں دے لو اور جس سے منع کرے اس کو چھوڑ دو۔

یہ آیت اپنے عموم میں پیغمبر خدا کے ہر فیصلے اور ہر حکم کو حاوی ہے اور حضورؐ کے صحابہ بہت سے موقعوں پر اس آیت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔

(۳) یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔[۳]

ترجمہ۔ اے ایمان والو: حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو اس کے رسول کا۔

قرآن کریم کی اس دعوت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا خود خدا تعالیٰ کے حکم ہی کی پیروی کر رہا ہے۔

(۴) ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔[۴]

ترجمہ۔ جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے پس بیشک وہ اللہ کی اطاعت کر چکا۔

۱؎ پ الاحزاب ع ۳ ۲؎ پ الحشر ع ۱ ۳؎ پ النساء ع ۸ ۴؎ پ النساء ع ۸

یہاں رسول کی اطاعت صیغۂ مضارع Present سے بیان فرمائی، جو ہمیشہ دنیا تک
جاری رہے گی اور اللہ کی اطاعت کو ماضی Past سے تعبیر فرمایا کہ مومن ایمان لانے کے
ساتھ ہی اسی اصول کو تسلیم کر چکا تھا کہ زندگی کی ہر ضرورت میں رسول کی اطاعت کی جائے
گی اور اسی کے تحت وہ اطاعت رسول کرتا ہے۔ یہ وہ کلیدی آیات Key Verses
ہیں جن کے تحت جمیع جزئیات حدیث آجاتی ہیں اور قرآن کریم جمیع تعلیمات رسول پر
حاوی قرار پاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عمران بن حصینؓ
(۵۲ھ) کے ہاں علمی مذاکرہ ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے کہا لا تحدثونا الا بما
فی القرآن (ہم سے قرآن کے سوا اور بات نہ کیجئے) حضرت عمرانؓ نے اسے
کہا کہ تو احمق ہے۔ کیا قرآن میں ہے کہ ظہر اور عصر کی چار رکعتیں ہیں اور
ان میں قرآن جہری نہیں؟ مغرب کی تین رکعتیں ہیں، پہلی دو میں قرأت
جہری ہے اور تیسری میں آہستہ۔ عشاء کی چار رکعتیں ہیں دو میں قرأت
جہری ہے اور دو میں آہستہ؟ کیا یہ قرآن میں ہے؟[1]

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اسے یہ بھی کہا:

اگر تم اور تمہارے ساتھی واقعی صرف قرآن پر ہی اعتماد کرتے ہو
تو کیا تمہیں قرآن میں ملتا ہے کہ ظہر، عصر اور مغرب کی چار، چار اور تین (فرض)
رکعات ہیں اور یہ کہ (سورت فاتحہ کے بعد) صرف پہلی دو رکعتوں میں
قرآن کریم پڑھا جاتا ہے؟ کیا تمہیں قرآن کریم میں ملتا ہے طواف کعبہ کے
سات چکر ہیں؟ اور یہ کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی ضروری ہے؟[2]

حضرت عمران بن حصینؓ نے یہاں ایک نہایت اہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ مسئلہ
صرف نماز اور اس کی رکعات یا حج اور اس کے اشواط کا ہی بیان نہیں۔ پورا دائرہ شریعت کل
رسالت کے گرد گھومتا ہے۔ صحابہ کرام کے سامنے بالکل صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جس
طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے یا فرماتے صحابہ اسی راہ پر چل پڑتے۔ کبھی کسی نے آپ سے نہ پوچھا

---

[1] المصنف عبدالرزاق جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ [2] الکفایہ فی علوم الروایہ صفحہ ۱۵

محققہ کہ اس باب میں اشتراک کیا ہے۔ ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی قرآنی اجمال کی تفصیل ہے۔ آپ زندگی کے ہر قدم میں الٰہی حفاظت کے سائے میں ہیں۔ آپکے عمل کی اگر وہی شرعی حیثیت نہ ہو تو سینکڑوں اجمالات قرآن معنًا معطل ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہ صرف اہل سنت مکتب فکر کی آواز نہیں، شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سنت نبوی کے بغیر احکام قرآنی کی تشکیل کسی طرح ممکن نہیں۔

شیعہ روایات

ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۹ھ) امام جعفر صادق (۱۴۸ھ) سے روایت کرتے ہیں:۔

> بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز کا حکم نازل ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ مختلف نمازوں کی تین یا چار رکعات ہیں پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان کیا۔ حضور کو زکوٰۃ کا حکم دیا گیا لیکن قرآن کریم میں یہ نہیں بتایا گیا کہ زکوٰۃ کی مقدار چالیسواں حصہ ہے۔ یہاں تک کہ حضور نے بیان فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کا حکم دیا گیا لیکن قرآن میں یہ نہیں بتایا گیا کہ طواف کعبہ کے چکر سات ہیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔[۲]

قرآن پاک اور حدیث کا ربط

یہ بالکل صحیح ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی شریعت اسلام کو عملی تشکیل دی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کی حیات طیبہ ہی اسوۂ حسنہ قرار پائی ہے۔ آپ نے مجملات قرآنی کی تفصیل کی اور آپ نے ہی اس کے عمومات کی تخصیص فرمائی۔ قرآن پاک اور حدیث پاک ساتھ ساتھ چلتے رہے اور اسلام عملی صورت میں پہلوں سے پچھلوں کو ملتا رہا۔ جب کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم جامع اور مکمل کتاب ہے تو اس سے یہ بھی مراد ہوتی تھی کہ اس میں تمام اصول کلیہ موجود ہیں۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)

---

[۱] مرقات جلد ۱ صفحہ ۲۴۴

[۲] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۲۸۶

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم[1]

ترجمہ: حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو (اس کے) رسول کا اور ان کا جو تم میں سے اولی الامر ہوں (جس بات میں ان کا حکم چل سکے)

جس طرح انتظامی امور میں اولی الامر حکام ہیں جو تم میں سے ہوں، علمی امور میں فقہاء و مجتہدین ہیں جو مسائل غیر منصوصہ کو مسائل منصوصہ کی طرف لوٹا کر ان کا حکم استنباط کرتے ہیں وہ کتاب و سنت کے اصول کلیہ دریافت کر لیتے ہیں اور شریعت کے مقرر کر جاتے ہیں۔ اور پھر ان کے تحت ہر اس مسئلے کو حل کر لیتے ہیں، جس پر شریعت میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی اسی طرح وہ مسائل منصوصہ جن میں بظاہر تعارض معلوم ہو اور ان میں تقدیم و تاخیر زمانی بھی معلوم نہ ہو کہ انہیں نسخ پر محمول کر سکیں۔ انہیں بھی یہ حضرات اپنے اجتہاد سے حل کرتے ہیں سو یہ آیت ایک کلیدی آیت ہے۔ جس کی رو سے مجتہدین کے استنباط کردہ جملہ مسائل قرآن کریم کے تحت آ گئے اور قرآن کریم کا دعوئے جامعیت اپنی جگہ قائم رہا۔ حافظ ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں کہ یہاں حکام اور فقہاء مجتہدین دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اولوالامر کے الفاظ ان سب کو شامل ہیں[2]۔

بعض کلیدی احادیث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث بھی کلیدی درجہ رکھتی ہیں۔ ایک حدیث ہدیۂ قارئین ہے۔ جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کی پیروی کی راہ کھلتی ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ (۷۵ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ[3]

ترجمہ: تم پر میری سنت کی پیروی کے ساتھ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی

---

[1] پ ۵ النساء ع ۸ [2] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۵۶ ویجوز ان یکون ذالجمیعا مرادین بالآیۃ لان اولی الامر تتناولہم جمیعا۔

[3] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶

بھی لازم ہے اس سے تمسک کرو اور اسے اچھی طرح دانتوں سے پکڑ لو۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا کلیدی آیت اور اس کلیدی حدیث نے ان لاکھوں جزئیات کے حل کی راہ کھول دی اور صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدینؒ کی تعلیمات کے چشمے خود کتاب و سنت سے جاری ہوتے رہے۔ اسلامی علم و دانش کا یہ وہ تسلسل ہے جس سے قرآن پاک کی جامعیت اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی افادیت اپنی پوری شان سے ابھرتی نظر آتی ہے۔ قرآن و سنت میں فقہ و اجتہاد کی راہیں نہ کھلتیں تو مسائل غیر منصوصہ (جن کے بارے میں قرآن پاک اور حضورؐ کے اپنے ارشادات میں واضح تعلیم نہیں ملتی) کے باب میں اسلام کے کامل ضابطہ حیات ہونے کا دعویٰ پا در ہوا ہو جاتا ہے۔

اسلام کے کامل ضابطہ حیات ہونے کی علمی راہ

حضورؐ کے صحابہؓ نے فقہ و اجتہاد کی راہ سے اسلامی تعلیمات کے دریا بہائے اور اجتہاد کے اسی چشمہ صافی سے لاکھوں تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔ ہر پیش آمدہ ضرورت پر ان کے اہل الرائے حضرات نے اپنی رائے پیش کی۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے ہدایت فرمائی:

من عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما في كتاب الله فان جاءه امر ليس في كتاب الله فليقض بما قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فليقض بما قضى به الصالحون فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه ولا قضى به الصالحون فليجتهد رأيه۔[1]

ترجمہ: جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اگر وہ فیصلہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو پھر بزرگوں

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ ص ۳۰۵

(اکابر صحابہ کرامؓ) کے فیصلوں کو لیا جائے اور اگر کوئی ایسا معاملہ آجائے
جو ان بزرگوں کے فیصلوں میں بھی نہ ملے تو اجتہاد کی اہلیت رکھنے والا
اپنی عقلی رائے سے اجتہاد کرے۔

چنانچہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ (۶۸ھ) قرآن و حدیث کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں سے ہی فتوے دیتے تھے۔ اگر وہاں بھی نہ ملتا تو پھر اجتہاد کرتے تھے[1]

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کی جامعیت امور کلیہ میں ہے اور انہی کلیات میں سے ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کلیدی احادیث آئندہ رہنمائی کے لیے صحابہ کو پیش کرتی ہیں اور ضرورت آمدہ پر اجتہاد کی راہیں کھولتی ہیں اور یہ ساری شاہراہ قرآن پاک کے چشمۂ فیض سے ہی مستفیض اسی کے منبع نور سے مستنیر ہے۔ حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

انزل الله كتابه وترك فيه موضعا لسنة نبيه وسن نبيه السنن وترك فيه موضعا للرأي والقياس[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا اور اس میں اپنے نبی کی سنت کے لیے جگہ رہنے دی اور حضورؐ نے سنتیں قائم کیں اور ان میں رائے اور اجتہاد کے لیے گنجائش رکھی۔

امام مالکؒ کے ساتھ ساتھ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کی رائے بھی سن لیجئے:

جميع ما تقول الائمة شرح للسنة وجميع السنة شرح للقرآن[3]

ترجمہ: ائمہ کرام جو کچھ کہتے ہیں وہ سنت کا بیان ہے اور ساری سنت قرآن پاک کی تشریح ہے۔

جامعیت قرآن کے سلسلے میں یہ ایک سوال کا جواب تھا۔ اصل موضوع زیر بحث یہ تھا کہ قرآن پاک کے احکامات کچھ اس طرح کے ہیں کہ جب تک قرآن پاک کے ساتھ کوئی اور چیز لازم اور علم کا ماخذ آگے نہ لایا جائے ان احکامات پر عمل نہیں ہو سکتا۔

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ [2] سنن دارمی صفحہ ۳۳ [3] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۴ [4] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۹

مجملاتِ قرآنی میں حدیث کی ضرورت

(۱) اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ[1] نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ نماز دن کی رکعات، ترتیب، کیفیت اور اوقات، درست وقت یہ وہ مباحث ہیں جو قرآن کریم میں نہیں ملتے۔ زکوٰۃ کن کن چیزوں میں واجب ہے، سالانہ ہے یا نہیں، اس کا نصاب اور مقدار کیا ہے یہ تفصیل قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ حالانکہ ان تفصیلات کے بغیر ان قرآنی حکموں پر عمل نہیں ہو سکتا۔

(۲) و لیطوفوا بالبیت العتیق[2] اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔ طواف کے چکر سات ہیں یا کم و بیش، طواف حجر اسود کے کونے سے شروع ہوگا یا رکن عراقی، شامی یا یمانی سے یہ تفصیل قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کتنی دفعہ ہے اس کی ابتدا کوہ صفا سے ہے یا کوہ مروہ سے طواف پہلے کیا جائے گا یا سعی پہلے کرنا ہوگی ان تفصیلات کے جانے بغیر ان احکام قرآنی کی عملی تشکیل نہیں ہو سکتی۔

(۳) کلوا مما فی الارض حلالا طیبا[3] ... و الطیبت من الرزق[4]۔

قرآن کریم نے حلال طیبات کو جائز قرار دیا اور خبائث اور ناپاک چیزوں کو حرام کیا۔ اب یہ موضوع کہ درندے اور شکاری پرندے طیبات میں داخل ہیں یا خبائث میں یہ تفصیل قرآن پاک میں نہیں ملتی حدیث میں ارشاد ہے کہ ذی ناب من السباع کچلیوں والے درندے اور ذی مخلب من الطیر پنجوں سے کھانے والے پرندے مسلمان کے پاکیزہ رزق میں داخل نہیں۔

(۴) احل لکم صید البحر[5] حلال کیا گیا تمہارے لئے دریائی شکار۔ لیکن یہ بات کہ مچھلی کو پکڑنے کے بعد اس کو ذبح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی وضاحت نہیں ملتی۔ حدیث میں ہے کہ دریا کے شکار کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمک طافی (مری ہوئی مچھلی جو تیر کر اوپر آجائے) کو حدیث میں ناجائز بتلایا گیا ہے۔ قرآن پاک نے خون کو مطلقا حرام کہا تھا۔ حدیث نے تفصیل کی اور بتایا کہ کلیجی اور تلی کی ضرورت

۱؎ پ البقرہ ۵ ؛ ۲؎ پ الحج ؛ ۳؎ پ البقرہ ؛ ۴؎ پ البقرہ ع ۲ ؛ ۵؎ پ المائدہ ع ۳

جما ہوا خون، حلال ہے۔

(۵) وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله۔ پ ۶ المائدہ ع ۱

ترجمہ: اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو سکھاتے ہو تم انہیں جو تمہیں خدا نے سکھایا۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ وہ کتا جو سکھایا ہوا ہو اس کا پکڑا ہوا اور مارا ہوا شکار تو حلال ہے لیکن شکاری کتا اگر اپنے شکار کو خود کھانے لگے تو اس کا حکم قرآن کریم میں نہیں فقط حدیث میں بتلایا گیا کہ یہ شکار کھانا جائز نہیں۔ کتے کا کھانا بتلا رہا ہے کہ اس کی تعلیم صحیح نہیں ہوئی اور وہ کلب معلم ثابت نہیں ہوا ہے۔

ان جیسے اور سیکڑوں مسائل ہیں جن کی عملی تشکیل اور تفصیل قرآن پاک میں نہیں ملتی ان موضوعات میں قرآن پاک کے ساتھ جب تک کوئی اور چیز شامل نہ کی جائے قرآن پاک کے یہ مجمل احکام صورت پذیر عمل نہیں ہو سکتے۔

اسی جزو لازم کی ضرورت سبھی نے محسوس کی ہے، کسی نے اس ضرورت کو حدیث سے پورا کیا، کسی نے ذہنی رائے سے اور کسی نے قانون ساز اسمبلی کو اختیار دے کر اس خلا کو پورا کرنے کی کوشش کی، تاہم اس احساس ضرورت میں سب متفق رہے کہ جب تک قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ملائی جائے ان مجملات مستورہ کی عملی تشکیل ممکن نہیں۔

مجملات قرآنی میں حدیث کی ضرورت

قرآن پاک میں جو امور مذکور ہیں، ان میں بھی بہت ایسے مقامات بھی ہیں جہاں آیات قرآنی کئی کئی وجوہ کی محتمل ہیں، ان کی تعیین بھی بدون اس جزو لازم کے کسی طرح اچھی واضح اور آسان نہیں، اور اس پہلو پر بھی ہر مکتب خیال کی شہادت موجود ہے۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انہ سیأتی ناس یجادلونکم بشبہات القرآن فخذوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ۔ رواہ الدارمی

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جو قرآنی شبہات
پیش کر کے تم سے جھگڑنے لگیں گے ایسے وقت میں تم سنتوں سے تمسک
کرنا کیونکہ صاحب سنن ہی کتاب اللہ کو زیادہ جانتے ہیں۔[1]

حضور کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو الدرداءؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں:۔

لا تفقه كل الفقه حتى ترى للقرآن وجوهاً كثيرة وإن تفقه كل
الفقه حتى تمقت الناس في ذات الله ثم تقبل على نفسك فتكون
لها أشد مقتاً من مقتك الناس۔[2]

ترجمہ: تم اس وقت تک دین میں پوری سمجھ نہیں پا سکتے جب تک قرآن
کریم میں تمہیں مختلف وجوہ دکھائی نہ دینے لگیں اور اس وقت تک تم دین
کو پوری طرح سمجھ نہ پاؤ گے جب تک لوگ ذات کے بارے میں طرح طرح
کی باتیں نہ کرنے لگیں۔ پھر تم اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو تو جتنا تم لوگوں
پر ناراض ہوگے تم اپنے نفس پر اس سے زیادہ غصہ نکالنے والے ہوگے۔

اس وقت ہمیں حدیث کے اس مضمون سے بحث نہیں صرف یہ بتانا پیش نظر ہے
کہ قرآن کریم کی آیات جہاں کئی کئی وجوہ کی محتمل ہوں وہاں ان کا حل پائے بغیر دین کی
پوری سمجھ پا نہیں سکتے۔

شریف رضی حضرت علی مرتضیٰؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ
کو خوارج کے مناظرہ پر بھیجا تو نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم سے براہ راست استدلال نہ کرنا۔

ومن وصية له عليه السلام لعبد الله بن عباس لما بعثه للاحتجاج الى الخوارج.
لا تخاصمهم بالقرآن فإن القرآن حمال ذو وجوه تقول ويقولون ولكن حاججهم
بالسنة فإنهم لن يجدوا عنها محيصاً۔[3]

---

[1] سنن دارمی صفحہ ۴۹ [2] مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۵ [3] نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۲۳۶
حمال کا معنی ہے: ای محمل معانی کثیرۃ ان اخذت باحدها احتج الخصم بالآخر۔

جو لوگ اس ضرورت کو حدیث سے پورا کرنا نہیں چاہتے وہ اس ضرورت کا حل مرکزِ ملت اور قوم کی پنچایت تجویز کرتے ہیں۔ گو یہ بات غلط ہے۔ لیکن اس میں بھی اس بات کا اقرار ہے کہ قرآن پاک کے ساتھ ایک جزو لازم کی بہرحال ضرورت باقی تھی جسے وہ اب اس طرح پورا کر رہے ہیں

اسمبلی کو یہ حق دینے کے خطرناک نتائج

مسلمان دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کوئی خلافتی نظام ان سب پر حاوی نہیں۔ ہر ملک کی اپنی اسمبلی یا مجلس مستقل ہے۔ قرآن مجملات کی تفصیل اور قرآنی روشنی میں اجتہاد اگر ان اسمبلیوں کے سپرد ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ہر ملک کی اسمبلی کے رکن اپنے اپنے ذوق کے مطابق طے کریں گے اور دین کی عملی راہیں ہر ملک میں جدا جدا قرار پائیں گی۔ مسلمان ایک ملت واحدہ کی حیثیت سے اپنا وجود کھو دیں گے۔ قرآن پاک کا عمل نام نہیں یکجا نہ رکھ سکے گا اور یہ امر کلیۃً جب مختلف ملکوں میں مختلف تفصیل پائیں گے قرآن کا ایک عنوان محض برائے نام ہوگا۔ نہ ہر ایک کی جدا ہوگی اور علم و دین کے نام پر یہی انارکی Anarchi پھیلے گی کہ اس سے بڑا خطرہ شاید کبھی اسلام پر ہوا ہو۔

پھر ایک ایک ملک میں بھی وقت کے اختلاف اور زمانے کے تقاضے سے مرکز ملی کی آراء مختلف ہوتی رہیں گی۔ قرآن پاک کی ایک آیت کی مراد کسی دور میں کچھ اور کسی دور میں کچھ طے ہوگی۔ ہر نیا مجتہد اس پر ایک نئی مشق کرے گا اور پھر دونوں سے اس کی مراد کا فیصلہ ہوا کرے گا۔ ہر نئی نسل پہلوں پر اعتماد ختم کرے گی اور وقت کے تاریخی رشتے اس خطرناک تجویز میں بالکل گم ہو کر رہ جائیں گے اور اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ اسلام ایک مسلسل نظام عمل ثابت نہ ہوگا۔

پیغمبر خاتم کی مرکزی حیثیت

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے جو مسلمانوں کو خواہ وہ کسی ملک کے ہوں

کسی دور کے ہوں، کسی نسل کے ہوں، کسی رنگ کے ہوں اور کسی طبقے کے ہوں ایک رنگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ حدیث کا فیضان ہے کہ ہندوستان، پاکستان، انڈونیشیا، ترکی، مصر، شام، ترکستان، افغانستان، جرمنی اور امریکہ کے رہنے والے سب مسلمان ایک طرح نماز پڑھتے ہیں، ایک طرح روزے رکھتے ہیں۔ سب ایک نصاب سے زکوٰۃ دیتے ہیں، نکاح و طلاق اور میراث کے معاملات میں سب ایک ہی راہ پر چلتے ہیں۔ مادیت کے اس دور میں یہ تو ہو رہا ہے کہ کئی لوگ غلط مذہب لے بیٹھے۔ لیکن اگر کوئی دین کی ہدایت پر رجوع کرے اور اس پر عمل کرنا چاہے تو راہ وہی ملے گی، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے قائم کی اور اس راہ کے چراغ وہی ہوں گے، جو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روشن کیے۔ تاریخ میں نہیں ملتا کہ ان نجوم ہدایت کے بغیر کسی طبقے یا فرد نے اسلام کی کوئی راہ عمل طے کی ہو۔

جو لوگ قرآن پاک کے ساتھ مرکز ملت کے فیصلوں کو جزو لازم ٹھہراتے ہیں اور وہ اس طرح قرآنی مجلسات کی تشکیل چاہتے ہیں، ان کی یہ رائے محض ایک نظری درجے میں ہے جس نے اسلام کی پوری تاریخ میں کبھی حقیقت واقعہ کا لباس نہیں پہنا اور نہ تاریخ کے کسی دور میں کبھی اس طرح قرآنی معاشرے کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس کی تائید مزید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان تجویز کے حامیوں نے اسے اشاعت اسلام کے عنوان سے نہیں، ہمیشہ طلوع اسلام کے نام سے پیش کیا ہے۔ جو اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے طلوع ہوا تھا۔ اس میں قرآن کریم کے ساتھ جزو لازم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کی عملی روایات تھیں اور اب اسلام کے نئے طلوع میں یہ تجویز ہے کہ قرآن کریم کے ساتھ مرکز ملت کو جزو لازم ٹھہرایا جائے اور حدیث سے جان چھڑائی جائے۔

یہ تجویز محض نظری بات ہے۔ اس نے تفریق سے اسلام کی چودہ سو سالہ عملی تاریخ کو چھوڑ دیا ہے۔ جب اسلام کے سنہری زمانے golden age (خلافت راشدہ) میں بھی حدیث ہی قرآن کے ساتھ جزو لازم تھی تو آج کے بے عمل دور میں وہ کون سا نیا جذبہ ہوگا جو قوم میں زندگی کی حرارت پیدا کر سکے گا۔

دن عرشِ باری تعالیٰ اٹھائیں گے

(۹) فی المدینة تسعة رھط[1] میں نو قبیلے کون سے تھے؟

(۱۰) فاتوا بعشر سور مثله[2] میں دس سورتیں کون سی تھیں جن کے مثل انہیں دس سورتیں لانے کا چیلنج دیا گیا تھا۔

(۱۱) انی رأیت احد عشر کوکبا[3] میں گیارہ ستارے کون تھے۔

(۱۲) ولقد اخذ الله میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منهم اثنی عشر نقیبا[4] میں بارہ نقیب کون تھے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں اٹھائے تھے۔

واقعاتی اشارات

(۱) فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لهم[5] میں صورتِ واقعہ کیا تھی۔ ان لوگوں نے کون سی بات بدلی تھی اور کس بات کے عوض؟

(۲) واذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثا[6] میں وہ حدیثِ پیغمبر کیا تھی جو آپ نے اپنی کسی بیوی کو بطور راز کہی تھی؟

(۳) ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها[7] کن درختوں کے کاٹنے اور کن کو اپنی بنیادوں پر چھوڑنے کا واقعہ یہاں مذکور ہے۔

(۴) عبس وتولی ان جاءه الاعمی[8] وہ کون تھا جس کی پیشانی پر ایک نابینا نام کے چلے آنے سے بل آگئے تھے۔ "اس نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑ لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا۔" تیوری کس نے چڑھائی، نابینا کون تھا اور یہ واقعہ کیا تھا؟

(۵) اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا[9] "جس وقت وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے" غار میں سب کون تھے، کب کا واقعہ ہے، کون سے غار کی بات ہے؟

---

[1] پ النمل ع ۴ [2] پ ۱۲ ہود ع ۲ [3] پ ۱۲ یوسف ع ۱ [4] پ ۶ المائدہ ع ۳ [5] پ ۱ البقرہ ع ۶
[6] پ ۲۸ التحریم ع ۱ [7] پ ۲۸ الحشر ع ۱ [8] پ ۳۰ عبس [9] پ ۱۰ التوبہ ع ۶

(۶) إذ أنتم بالعدوة الدنيا وهم بالعدوة القصوى والركب أسفل منكم [1]

ترجمہ: اور جس وقت تم تھے ورے کنارے پر اور وہ پرلے کنارے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا تم سے

اس قسم کے اشارات روایات کو ساتھ ملائے بغیر نہ سمجھے جا سکتے ہیں اور نہ سمجھائے جا سکتے ہیں۔

(۷) وإذ يعدكم الله إحدى الطائفتين أنها لكم وتودون أن غير ذات الشوكة تكون لكم [2] اور جس وقت وعدہ کر رہا تھا تم سے خدا دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے۔

مشکلات قرآنی میں حدیث کی ضرورت

قرآن پاک اپنی اصولی دعوت میں بہت آسان ہے۔ اس میں نصیحت کے ابواب ایسے پیرائے میں لائے گئے ہیں کہ جو شخص بھی دل رکھتا ہو اور کان دھرے۔ اس سے اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر [3]

ترجمہ: اور بے شک ہم نے قرآن نصیحت لینے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ سو ہے کوئی سمجھنے والا؟

إن في ذلك لذكرى لمن كان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد [4]

ترجمہ: بے شک اس میں نصیحت ہے اس شخص کے لیے جس کے پاس دل ہو یا وہ کان لگا سکے اور گواہی دے سکے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم میں حقائق غامضہ موجود نہیں ہے اس کتاب الٰہی میں حقائق کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ بڑے بڑے غوطہ زن اس سے موتی چنتے رہے اور چن رہے ہیں۔ لیکن اس کی تمام گہرائیوں پر از خود کوئی قابو نہیں پا سکتا صحابہ کرام جن کے سامنے قرآن نازل ہوا تھا اور وہ ان کی اپنی زبان بھی عربی تھی حضور

---

[1] پ الانفال ع ۵ [2] پ الانفال ع ۱ [3] پ القمر ع ۱ [4] پ ق ع ۳

کے فیض تربیت سے ان کے قلوب تزکیہ اور تصفیہ پا چکے تھے، پھر بھی انہوں نے بعض آیات قرآنی کے سمجھنے میں دقت محسوس کی اور جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت نہ فرمائی، وہ آیات ان کے لیے آسان نہ ہو سکیں۔ قرآن کریم کے ساتھ حدیث ایک جزو لازم کے طور پر ہمیشہ کار فرما اور ہدایت پیرا رہی ہے۔

① الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولٰئک لہم الامن وہم مہتدون۔[۱]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمانوں میں کوئی ظلم شامل نہ کیا ہو وہ لوگ ہیں جنہیں ہمیشہ کا امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ سہم گئے اور انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا۔

واینا لم یظلم؟ ہم میں سے کس نے ظلم نہ کیا؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم۔[۲]

اس حدیث سے قرآن پاک کی یہ آیت حل ہو گئی اور صحابہ کرامؓ کے دل مطمئن ہو گئے اور ان کا تردد جاتا رہا۔ مراد آیت کی یہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ وہ عذاب سے امن اور ہدایت یافتہ ہے۔[۳]

② والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم بعذاب الیم۔[۴]

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کیے رکھتے ہیں اور راہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر دیتے، آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں ہے۔[۵] حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔

---

[۱] پ ۷ الانعام ع ۹ [۲] صحیح بخاری جلد اول ص ... [۳] معارف القرآن جلد ... [۴] پ ۱۰ التوبہ ع ۵ [۵] صحیح بخاری ص ...

هذا قبل ان تنزل الزکوٰة فلما انزلت جعلها الله طهرا للاموال ؎

ترجمہ: یہ صورت اس پہلے دور سے متعلق ہے جب کہ زکوٰۃ کا حکم نہیں اترا تھا۔ جب زکوٰۃ کا حکم آ گیا تو خدا تعالیٰ نے اسے (زکوٰۃ کو) سارے مال کی پاکیزگی کا سبب بنا دیا۔

سو حدیث نے فرمایا کہ یہاں جمع کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ زکوٰۃ دیتے رہو تو مال جمع رکھنے کے ذیل میں نہیں آتے۔ سب ان کا مال پاک ہو چکا ہے۔

صحابی سوال: حضرت عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ میں نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

ان الله لم یفرض الزکوٰة الا لیطیب بها ما بقی من اموالکم ؎

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے کہ اس سے تمہارے باقی مال پاک کر دیئے جائیں۔

اسلام میں اگر کسی صورت میں بھی مال جمع کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو شریعت محمدی میں مال کی زکوٰۃ اور میراث کی تقسیم کا قانون نہ ہو سکتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد سے صحابہؓ کے دل مطمئن ہو گئے اور ان کا تردد جاتا رہا۔

روزے کی ابتدا کس وقت سے ہوتی ہے۔ اس کے لیے قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

(۲) وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود ؎

ترجمہ: اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سفید اور سیاہ دھاگے میں تمہیں فرق معلوم ہونے لگے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ ([illegible]) نے سفید اور سیاہ دھاگے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیے تاکہ جب دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہونے لگیں تو اس سے وہ اپنے روزے کی ابتدا کر لیا کریں۔ حضرت سہل بن سعدؓ ([illegible]) کہتے ہیں:

وکان رجال اذا ارادوا الصوم ربط احدهم فی رجلیه الخیط الابیض

؎ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ... ؎ رواہ ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ (مشکوٰۃ ص ...) ؎ پ ۲ البقرہ ع ۲۳۔

والخیط الاسود ولا یزال یاکل حتی یتبین له رؤیتهما۔[1]

ترجمہ۔ کچھ لوگ جنہوں نے روزے کی نیت کی ہوتی وہ اپنے دونوں پاؤں سے سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لیتے اور برابر سحری کھاتے رہتے یہاں تک کہ وہ دونوں دھاگے آپس میں ممتاز ہو جائیں۔

اس سے پتہ چلا کہ صرف عدی بن حاتم ہی نہ تھے جو یہاں مراد قرآنی نہ سمجھ پائے بلکہ اور بھی کئی لوگ تھے جنہوں نے سفید اور سیاہ دھاگوں کو ان کے ظاہر پر رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم کو سمجھایا کہ یہاں سفید اور سیاہ دھاگے سے مراد دن کی سفیدی اور شب کی سیاہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد من الفجر کے الفاظ نازل فرمائے۔ بخاری شریف میں ہے۔ فانزل اللہ بعدہ من الفجر اس سے سب سمجھ گئے کہ یہاں دن اور رات کا ایک دوسرے سے ممتاز ہونا مراد ہے۔

اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ نے جس طرح اس آیت کی وضاحت فرمائی وہی مراد ربانی تھی اور بعد کی وحی قرآنی نے واضح طور پر وہی بات کہی جو آپ نے پہلے بطور تفسیر کہی تھی وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ قرآن پاک اگر پیغمبر پر نازل نہ ہوتا کہیں ویسے مل جاتا تو اس کے کئی مقامات عربوں پر بھی اپنے معنی مراد کے ساتھ واضح نہ ہوتے۔

(۷) قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنا رکھا ہے۔ مگر امر واقع یہ ہے کہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ (خدا کا بیٹا) کہتے تھے۔ اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا نہ کہتے تھے۔ مگر قرآن کریم نے کہا:

اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله۔[2]

ترجمہ۔ انہوں نے ٹھہرا لیا ہے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کے سوا

حضرت عدی بن حاتمؓ (۸۶ھ) نے اپنے عیسائی ہونے کے زمانے میں حضور اکرم

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۴۸ [2] پ التوبۃ ع ۵۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں سوال کیا تھا اور کہا تھا۔

انا لسنا نعبدھم۔ ترجمہ: ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الیس یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ ویحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ

ترجمہ: کیا وہ اس چیز کو جو اللہ نے حلال بنائی حرام نہیں ٹھہرا لیتے۔ سو تم اسے حرام مان لیتے ہو اور وہ اسے جو اللہ نے حرام فرمائی حلال ٹھہرا لیتے ہیں اور تم اسے حلال مان لیتے ہو۔

عدی بن حاتمؓ نے اس کا اقرار کیا تو حضورؐ نے اس پر فرمایا۔ فتلک عبادتھم یہ ان کی عبادت ہی تو ہے۔ تحلیل و تحریم حق خداوندی تھا یہ اسی کا حق ہے کہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرے۔ انہوں نے خدا کا یہ حق اپنے پیروں اور پادریوں کو دے دیا۔ کیا یہ انہیں خدائی میں شریک کرنا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ اس طرح عالموں کو اور درویشوں کو تحلیل و تحریم کا حق دینا ان کی ربوبیت کا اقرار کرنا ہے۔ یہ حدیث ہے جس نے قرآن کی وضاحت کی۔ پھر حضورؐ نے حضرت عدی بن حاتمؓ کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے مان لی۔ خدا کی توحید اور حضورؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ اس پر آپ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی کہ تم پر تمہارے دل کے وسوسوں پر بھی مواخذہ ہوگا۔ صحابہؓ کو اس پر بہت رنج ہوا اور وہ بڑے متفکر ہوئے۔ انہوں نے حضورؐ کی طرف رجوع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہیں اشکال تو ہے یا درست مگر حق تعالیٰ کے ارشاد تسلیم کرنے میں ادنیٰ توقف بھی نہ کرو اور کہو دل سے سمعنا واطعنا کہو۔ اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کی یہ ادا بہت پسند آئی اور اس نے قرآن کریم میں ان کے ایمان لانے کی شہادت دی اور یہ بھی فرمایا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی۔ گو یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ پہلا اعلان بھی یہی تھا۔

لے رواہ احمد و ترمذی و ابن جریر کما فی تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳ و راجع لہ الطبری جلد ۱۰ صفحہ ۸۱

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء[1]

ترجمہ۔ اور اگر ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا تم اسے چھپاؤ۔ حق تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے۔ پھر بخشے گا جس کو چاہے۔ اور عذاب کرے گا جس کو چاہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے عقدہ کھلا اور پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا جو چیزیں اختیاری نہیں ان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرمائیں گے ہاں وہ خیالات جو انسان اپنے اختیار اور توجہ سے لائے اور وہ معصیت پر مبنی ہوں۔ گو وہ انہیں عمل میں نہ بھی لا سکے تو بھی ان پر بقدر رغبت و توجہ مواخذہ ہوگا۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو معاف کر دے۔ ——— ہاں جو وسوسے غیر اختیاری طور پر آتے ہیں، ان پر مواخذہ نہیں۔

دساوس پر گرفت میں اس پہ ظلم کیوں — جب اپنے جی کو جلانا بُرا ہے

ضمیر تجھ کو رہا دل پہ نہیں ہے — وساوس کا آنا کہ لانا بُرا ہے

اب مومن کی التجا یہ ہے: ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا[2]۔

ترجمہ اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

نماز میں جب امام جہری قرأت کرے اور اس حصہ قرآن میں پہلے انبیاء کرام کے تذکرے ہوں تو کیا سننے والوں کا دھیان ان کی طرف منتقل نہ ہوگا؟ لیکن اسی درجہ میں ہوگا کہ خیال آیا اور گیا۔ نمازی کسی ایک پر دھیان جما نہیں رہا کہ اس کو ہدف توجہ بنا کر باقی ہر چیز سے اپنی توجہ پھیر لے۔ نماز میں جو وسوسے اپنی توجہ اور اپنے اختیار سے آئیں شریعت صرف ان پر مواخذہ کرتی ہے اور یہاں اسی طرح کے کا بیان ہے۔ ہاں نماز میں خدا کی طرف سے کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے تو یہ الہام الٰہی ایک انعام الٰہی ہے جو نمازی کو اسی دنیا میں مل گیا۔ حضرت عمرؓ کے دل پر نماز کی حالت میں جہاد کے نقشے اتارے جاتے تھے اور یہ بیشک ایک انعام الٰہی ہوتا تھا۔ دھیان آنے اور دھیان لانے میں بڑا فرق ہے۔

---

[1] پ۳ البقرہ ع ۴۰ آخر سورت [2] ایضاً

توسیعات قرآن میں حدیث کی ضرورت

قرآن پاک کی بعض آیات میں کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں جب یہ دریافت ہو جائیں قرآن کا پھیلاؤ اپنی لپیٹ میں کچھ اور جزئیات کو بھی لے آتا ہے۔ یہ ساری ذمہ داری مجتہدین پر نہیں چھوڑ دی گئی۔ بلکہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض قرآنی اصول کی توسیع فرمائی۔ قرآنی توسیعات میں حدیث کی رہنمائی یقین کا فائدہ بخشتی ہے۔

① پہلی شریعتوں میں دو بہنیں ایک نکاح میں جمع ہو سکتی تھیں قرآن کریم نے آئندہ کے لیے اسے حرام قرار دیا۔ ارشاد ہوا۔

ان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف۔ پ۴ النساء ع ۴

ترجمہ۔ اور یہ حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو۔ ہاں جو پہلے ہو چکا ہو چکا۔
ایک شخص کے نکاح میں جمع ہو کر دو بہنوں میں جھگڑا پیدا ہونے کا قوی خطرہ تھا
قرآن کریم کے اس حکم میں یہ حکمت تھی کہ وہ صلہ رحمی جو بہنوں میں ہونی چاہیئے پامال نہ ہو اور ایک خاندان (بیوی کے خاندان) سے دو متقابل رشتے قائم نہ ہوں۔ اور نہ باہمی مودت پامال ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصل شرعی کی پوری حفاظت فرمائی اور اس علت کو پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی تک پھیلا دیا کہ یہ بھی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے اس قرآنی اصل ان تجمعوا بین الاختین کی توسیع فرمادی۔ محدث ابن حبان (۳۵۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انکن اذا فعلتن ذلک قطعتن ارحامکن

ترجمہ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے قطع رحمی کی۔ نیل الاوطار جلد ۶ ص ۱۵۱

قرآنی اصل کی توسیع میں حدیث کا فیصلہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ مجتہد اصل حکم دریافت کر کے اسے کتنی ہی جزئیات پر پھیلائے ظنیت پھر بھی قائم رہتی ہے۔ حدیث صریح ہو تو قطعیت۔ اس میں جنہیں آپ قرآنی احکام کی توسیع میں صرف حدیث قطعی ہے۔

(۲) شریعت اسلامی میں نسب و صہر کے رشتوں کے ساتھ دودھ کے رشتے حرام کیے گئے ہیں۔ ان سے نکاح جائز نہیں۔ قرآن کریم میں ہے :۔

وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ۔ پ النساء ع ۴

ترجمہ۔ تمہاری دودھ کی مائیں اور بہنیں بھی تم پر حرام کی گئی ہیں۔ یعنی تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے ۔

قرآن کریم نے دودھ کے رشتوں میں صرف ماں اور بہن کا ذکر کیا ہے۔ اس قرآنی اصل کی توسیع میں رضاعی خالہ اور رضاعی پھوپھی بھی آجاتی ہیں۔ حدیث نے اسے بیان کر کے قرآنی اصول کو پھیلا دیا اور ایک بڑی ضرورت پوری کر دی۔ رضاعی حرمت کا تعلق صرف اس دودھ پلانے والی ہی سے نہیں رہے گا۔ بلکہ اس کا خاوند بھی دودھ کے رشتہ میں باپ تسلیم کیا جائے گا۔ اور اس کے لیے یہ دودھ پینے والی بچی محرم بیٹی ہوگی۔ اس قسم کے مسائل جو اصول و علل پر مبنی ہوں اپنی توسیع میں کئی جزئیات کو شامل ہوتے ہیں۔ ان توسیعات قرآنی میں حدیث کی اشد ضرورت ہے۔

(۳) قرآن کریم نے سود کی حرمت بیان کی۔ اس حکم کے تحت اور کئی کاروبار بھی آتے تھے۔ حدیث نے اس حکم کی علت کو پھیلا دیا۔ قرآن کریم نے تو اتنا فرمایا :۔

احل اللہ البیع وحرم الربوٰ پ البقرہ ع

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام

یہ سود کی حرمت کا بیان ہے۔ لیکن اس حکم کی علت اور حرمت اپنی لپیٹ میں کئی تجارتوں کو بھی شامل تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک چھ چیزوں کی بیع و شراء میں حکم دیا کہ اگر ان کا باہمی تبادلہ کیا جائے تو برابر سرابر اور نقد دست بدست ہونا چاہیئے۔ ان میں ادھار کیا گیا یا مقدار میں کمی بیشی کی گئی تو وہ بھی سود ہو جائے گا۔ آنحضرت نے درخت پر لگے پھلوں اور ٹوٹے پھلوں کے باہمی اور کھیت کے ہرے صاف غلے اور کھڑی فصلوں کے باہمی سودے کو بھی سود میں داخل کیا۔ کیونکہ ان صورتوں میں کمی بیشی کا امکان پھر ضرورت موجود رہتا تھا۔ قرآن کریم میں

جس سود کا ذکر ہے اس سے بھی طور پر وہی سود مراد ہے جو قرض پر لیا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ایک دوسری قسم کے سود کا علم ہوا جو عرفاً سود نہ تھا۔ لیکن اس میں سود کی اصل پنہاں تھی۔ امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں :۔

> اس سود کے حرام ہونے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث وارد ہیں۔ اس قسم کے سود کی تفصیل پہلے موجود نہ تھی۔ اس لیئے صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوا اور فقہاء کے بھی اختلاف ہوئے[1]

جاہلیت میں سود کا لفظ پورا متعارف تھا اور اس سے وہ زیادتی مراد تھی جو قرض اُدھار پر لی جاتی تھی۔ حدیث نے اس کی علت اور سبب کی نشاندہی بھی کر دی اور جہاں جہاں بیع و شراء میں اس کا اثر آتا تھا اسے بھی حرام قرار دے دیا۔ حدیث قرآنی اصل کی توسیع میں بنیادی کام کرتی ہے اور اس سے مسئلہ میں تعلیت بھی آ جاتی ہے۔ جو صرف اجتہاد مجتہد سے نہیں آتی۔

(۳) قرآن کریم میں خمر (شراب) اور میسر (جوئے) کو ناپاک اور لائق اجتناب (حرام) کہا گیا ہے۔ خمر انگور کی شراب ہوتی ہے۔ یہاں لفظ خمر اپنے اصل مفہوم میں محدود نہیں رہا۔ کچھ اور نشہ آور مشروبات بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ خمر کے مفہوم میں یہ توسیع اور حرمت خمر (شراب کے حرام ہونے) سے اصلاح معاشرہ حدیث کے بغیر ممکن نہ تھا ــــــ اسی طرح لفظ میسر (جوا) اپنے معنی متعارف میں ہی محدود نہیں، کئی قسم کے اور کاروبار بھی اس کے ذیل میں آتے تھے۔ اس کے مفہوم میں یہ توسیع بدوں حدیث ممکن نہ تھی۔ شرط والی کھیل میں حصہ لینے والا ایک شخص بھی ایسا ہو جس کا معاملہ نفع و نقصان میں دائر نہ ہو[2] تو یہ صورت اس کھیل کو جوئے سے نکال دے گی۔ ایسے اہم امور حدیث کے بغیر نہ کھل سکتے تھے۔ قرآن کریم میں تو اجمالی حکم تھا۔ حدیث نے اس باب میں تفصیلی رہنمائی کی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :۔

۱؎ شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ حدیث اسامہ الخ ۲؎ وہ جیتنے کی صورت میں نفع پائے لیکن ہارنے کی صورت میں اسے کوئی نقصان نہ آئے دوسرے شرکاء کے لیے ہر صورت نفع و نقصان کی شرط لگی ہو۔

اس سے طلاق پانے کے باوجود اپنے اس پہلے خاوند سے نکاح نہ کر سکے گی۔ قرآن کریم میں صرف یہ ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ[1]

ترجمہ: سو اگر اس نے تیسری طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کر لے اور وہ اسے طلاق نہ دے دے۔

یہاں حتی تنکح میں لفظ نکاح ہے صرف عقد نکاح مراد نہیں عمل نکاح بھی اس میں شامل ہے لفظ نکاح میں یہ توضیح کہاں سے آئی؟

اس ساری بحث discussion کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کے لئے ایک ایسے جزو لازم کی ضرورت ہے جو اس کے مجملات کی عملی تشکیل کرے۔ اشارات کی تفصیل کرے، مشکلات کی توضیح کرے، اصول و کلیات کی تشریح کرے اور زندگی کے ان ہزاروں مسائل کو جو قرآن پاک میں منصوص نہیں، ان کا استنباط کرے۔ جس کے تحت ہزاروں جزئیات قرآن پاک کے تحت جمع ہو جائیں، اور ان کا واضح اور کامیاب حل سامنے آ جائے اور قرآن پاک کی شان جامعیت اپنی جگہ قائم رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی نے اپنی حدیث سنت اور قرآنی معاشرے کے پاکیزہ افراد صحابہ کرامؓ کے ذریعہ اسلام کو وہ استناد بخشا کہ جس میں ہر دور کا حل ہر سوال کا جواب ہر بے چین کا سکون اور ہر اضطراب کو شفا ملی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد قرآن پاک سمجھا دینا ہی نہ تھا، کتاب الٰہی کی تعلیم بھی تھی اور اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ایک قرآنی معاشرے کی تشکیل بھی تھی۔ آپ نے قرآن و حکمت کی تعلیم اور صحابہؓ کے تزکیہ باطن سے ایک اچھا معاشرہ بھی تشکیل دیا۔ آپ نے زندگی کے لاتعداد مسائل کو وہ استناد بخشا کہ ہم زندگی کے کسی گوشے میں بھی اپنے آپ کو تشنہ کام نہیں پاتے۔ یہاں کیفیت حدیث علم کے ہر باب میں ہمیں شفا بخشتی ہے۔

---

[1] پ۲ البقرہ ۲۳۰

حدیث نبوی دین میں حرفِ آخر ہے

: حدیث نبوی پر صاحب بصیرت انسان کے لئے دین کا حرفِ آخر ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم شریعت کا اول علمی ماخذ ہے لیکن قرآن کریم کی کسی آیت میں اگر مفہوم کا کہیں اختلاف ہوا اور وہاں دو رائیں قائم ہو سکتی ہوں اور نبوت کسی ایک معنی کی تعیین کر دے تو حرفِ آخر پھر کس کی بات ہوگی؟ صحابہ کرام کسی آیت کی تشریح میں مختلف ہوں تو جس کی بات بھی لے لی جائے۔ اس میں وسعت ہے۔ کسی کی بات حرفِ آخر نہیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک معنی کی تعیین کر دیں تو پھر اور کسی سے پوچھنے کا کسی کو حق نہیں۔ آپ کی بات دین میں حرفِ آخر ہے۔ قرآن پاک میں بیان قرآن کا حق آپ کو ہی دیا گیا ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتذکرون[1]

ایک صورت استثناء

: ہاں اگر کسی کو کسی حدیث کے حدیث ہونے میں ہی شک ہو یا اس کے مفہوم میں کوئی تردد ہو اور وہ پایہ ثبوت اس کا انکار کرے کہ یہ ارشاد نبوت نہیں تو وہ حدیث بے شک اس کے لئے حرفِ آخر نہ ہوگی۔ لیکن اگر اسے حدیث نبوی مانا جائے اور یہ واضح ہو کہ یہ واقعی ارشاد نبوت ہے۔ تو پھر اس کے انکار کی کسی کو گنجائش نہیں۔ حدیث نبوی بلاشبہ دین میں حرفِ آخر تسلیم ہونی چاہیئے۔ یہ صورت کل صاحب بصیرت کے لئے ہے۔ عامی اگر کسی حدیث کا انکار کرے اور کہے جب تک میں اپنے کسی معتمد عالم سے نہ پوچھ لوں اور اس حدیث اور اس کی دلالت کے بارے میں تسلی نہ کر لوں اسے قبول نہ کروں گا تو یہ انکار حدیث شمار نہ ہوگا۔ اسے ایک علمی اختلاف سمجھا جائے گا۔

---

[1] پ ۱۴ النحل

مقامِ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

آج کے اس عنوان سے اور یہ حدیث مراد نہیں، نہ اس عنوان کے تحت اس وقت یہ بحث مطلوب ہے کہ یہ حجت شرعی ہے یا صرف اپنے دور کی محض ایک تاریخی دستاویز ہے۔ نہ ہی یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کا درجہ قرآن پاک کے بعد دوسرے ماخذ علمی کا ہے۔ یہ مضمون اور عنوانوں کے تحت زیر بحث آچکے ہیں۔ آج ہمیں اس کے مبدأ میں گفتگو کرنا ہے۔ اس موضوع میں یہ نہ سمجھیں کہ حدیث کے مقام اور درجے سے بحث ہو رہی ہے۔ یہاں لفظ مقام ایک دوسرے معنی میں بولا گیا ہے اور اس سے مراد اس کی اصولی حقیقت یہ ہے کہ اساسی طور پر حدیث کا ماخذ کیا ہے؟ درجے سے بحث ہو تو مقامِ حدیث سے تشریع اسلامی کا دوسرا ماخذ مراد ہوگا اور یہ حدیث کی صفت ہوگی۔ مبدأ میں گفتگو ہو تو حدیث کی ذات سے بحث ہوگی۔

مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ علمی میراث جو آپ کے عہد میں انسانی زندگی کے مختلف گوشوں کو دینی روشنی بخشتی رہی، اس کا مبدأ پیغمبر کی اپنی ذات تھی جس کی رو سے آپ کلام یا کام کرتے رہے یا اس میں بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی DIVINE GUIDANCE ملتی تھی؟ اور آپ اسی کے بولنے سے بولتے تھے اور اسی کے بتانے سے سمجھتے تھے ——— سو آج کا موضوع اس بات کی تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی صرف قرآن کی صورت میں اترتی رہی اور وحی الفاظ قرآن میں منحصر تھی یا قرآن کریم کے علاوہ بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین کی کوئی بات کہتے تو اس میں اذنِ خداوندی شامل ہوتا تھا اور اس کے لیے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی، اور آپ

اسی روشنی میں آپ قرآنی وحی کی عملی تشکیل فرماتے رہے؛

اس میں شک نہیں کہ حدیث شرح قرآن ہے اور یہ وہ روشنی ہے، جس سے کتاب اللہ کے علمی نقوش ہر موقع پر پوری تابانی سے چمکتے رہے اور اسی سے قرآنی نقوش پر نصیحت کی شان ابھرتی تھی اور عمل میں یقین کی شان واضح ہوتی تھی — قرآن پاک ادب اور بلاغت میں انتہائی بلندی پر واقع ہوا ہے ظاہر ہے کہ اس انداز بیان میں علم و معرفت کے کئی کئی چشمے پھوٹتے ہیں اور ایک ایک بات میں کئی کئی پہلو نکلتے ہیں۔ یہ حدیث ہے جس سے قرآن کے کسی حکم میں تعیین اور یقین کی شان آتی ہے۔ اس فہم اور تعامل کو اس سے جدا کر لیا جائے، تو پھر ہر باب میں تاویل کے ہزاروں باب کھل جائیں گے اور امت کسی نقطہ یقین پر جمع نہ ہو سکے گی۔ غرض یہ کہ کتاب و سنت فہم امت کے ساتھ آگے بڑھتی آئی ہیں۔

علم الکتاب اور علم الآثار دونوں کا مبدأ ذات الٰہی ہے۔

تاریخ حدیث میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ علم الکتاب اور علم الآثار ہمیشہ سے جزو لازم تعلیم کے دو واضح رستے رہے ہیں۔ آج کے موضوع میں اس امر کا بیان ہو گا کہ جس طرح علم الکتاب کا مبدأ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح علم الآثار کا مبدأ بھی اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے اور حفاظت حدیث کی بحث میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ جس طرح علم الکتاب محفوظ ہے یعنی خدائی حفاظت میں ہے کہ اس میں آگے پیچھے کسی طرف سے باطل کی راہ نہیں، اسی طرح علم الآثار بھی محفوظ ہے اور بجز اس کے قرآن کریم کا محفوظ ہونا بے معنی رہ جاتا ہے۔ اس وعدۂ حفاظت کے تحت یہ نہیں ہو سکتا کہ دین کی کسی بات کو غلطی ہر طرف سے گھیر لے اور اس کا حاصل کلیۃً بدل جائے یا مسخ ہو جائے —— اگر ایک طرف سے اس میں غلطی راہ پکڑتی ہے تو دوسری طرف سے اس پر پوری گرفت بھی ہو جاتی ہے اور دین میں داخل ہونے والی ہر نئی بات پر محاسبہ بھی ہوتا رہتا ہے اور ساتھ ساتھ ہی اس کا انسداد بھی ہوتا رہتا ہے۔ علماء سو جب بھی دین کو بدلنے لگتے ہیں تو علماء حق فوراً ان کو روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گویا سمجھیے کہ وہ اس وقت دین کی حفاظت کے لیے ادوات الٰہیہ کے بطور آلہ اور اسباب کے استعمال

ہو جاتے ہیں ــــــ صرف یہ مجموعی طور پر معصوم ہوتا ہے ــــــ بے شک اس کی مجموعی
حفاظت کا ہم سے وعدہ لیا گیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے اسی وعدہ پر ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ
ہر دور ہر وقت کے اس وعدہ کو پورا فرماتے ہیں ــــــ انا نحن نزلنا الذکر و انا
له لحفظون میں قرآن کریم کو لفظ ذکر سے یاد کرنے کی یہ بھی حکمت تھی کہ یہ حفاظت
صرف متن نہیں ذکر میں بھی موجود ہے۔ اور کتاب الٰہی لفظاً و معنیً ہر پہلو سے محفوظ ہے۔

حدیث کا ماخذ الٰہی ہدایت ہے

آج کا موضوع یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ماخذ الٰہی ہدایت
Divine guidance ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے علاوہ بھی آپ کو کچھ
نظر کر قدسی سے بخشی تھی۔ اور آپ کے سامنے بھی اپنی وحی اتاری تھی۔ جس طرح متن کتاب
معصوم ہے اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی معصوم ہے۔ علم الکتاب میں الفاظ
و معنی دونوں معصوم ہیں۔ علم الاثر میں صرف معنی مراد محفوظ ہیں۔ الفاظ کی حفاظت اس پایہ کی
نہیں۔ روایت بالمعنی سے بھی اسی حفاظت کا یہ وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام کی قوی شہادتیں موجود ہیں۔ جن سے یہ بات ثابت
ESTABLISHED ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے علاوہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کو اپنی وحی سے بار بار نوازتے رہے۔ یہی وحی غیر متلو ہے وہ وحی جس کی تلاوت عبادۃ نہیں
ہوتی اور اسے ہم حدیث کہتے ہیں

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن پاک کی پہلی شہادت

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی
قرآن کے علاوہ بھی کلام فرماتے تھے اور بار بار آپ پر وحی غیر متلو revelation

Unworded (وہ وحی جس کی تلاوت نہیں صرف حکم صادر ہوتا یا خبر دی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی ایک ازواج مطہرات میں سے ایک بات کہی اور تاکید کی کہ وہ اسے کسی دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ لیکن ہوا یہ کہ ان سے راز نہ رہ سکا اور انہوں نے اسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ذکر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی کہ آپ کی زوجہ نے دوسری بی بی سے وہ بات کہہ دی ہے۔ قرآن کریم آپ کی اس بیوی کے دوسری بیوی سے بات کہنے کی یوں خبر دیتا ہے:

واذ أسر النبي الی بعض ازواجه حديثا فلما نبأت به واظهره
الله عليه عرف بعضه واعرض عن بعض فلما نبأها به
قالت من انبأك هذا قال نبأني العليم الخبير [1]

ترجمہ: اور جب نبی نے اپنی کسی بی بی سے ایک حدیث پوشیدہ کہی تھی پھر جب اس نے دوسری بی بی سے اس کی خبر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر اسے ظاہر کر دیا۔ تو آپ نے اس میں سے کچھ بات جتو دی اور کچھ سے درگزر فرمایا۔ پھر جب آپ نے وہ بات اس بی بی کو جتو دی تو وہ پوچھنے لگیں آپ کو کس نے یہ بات جتلائی ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے علیم و خبیر نے خبر دی ہے۔

اللہ علیم و خبیر نے جو خبر دی تھی وہ وحی غیر متلو تھی یہ وحی خود ہی قرآن کریم میں نہیں تھی۔ لیکن اس کی طرف صرف یہاں حوالہ Reference موجود ہے۔ لیکن جس وحی کی یہاں حکایت ہے وہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر وحی قرآنی کے سوا بھی

---

[1] پ ۲۸ التحریم

آپ سے کلام فرماتے تھے اور آپ کو کئی بار اس کی اس طرح خبر دے دیتے تھے کہ وہ بات بھی قرآن کریم میں مذکور نہیں ہوتی۔ اس وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ اس وحی متلو (وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے یعنی قرآن کریم) میں کسی جگہ حوالہ Reference ملتا ہے۔ مگر کہیں بھی (جس بات کی طرف حوالہ دیا جا رہا ہے) وہ بات قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ حکایت موجود ہو اور حکم کا ذکر قرآن میں مذکور نہ ہو۔ ایسا کرنے کی ضرورت ہو سکتی ہے کہ وحی متلو (قرآن) کے ساتھ ساتھ سلسلہ وحی غیر متلو (حدیث) کا بھی پورا پورا اقرار کیا جائے۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی دوسری شہادت

پھر یہ صرف اخبار (خبروں) ہی کی بات نہیں۔ حکم دینے والے کاموں میں بھی بہت سے ایسے احکام نازل ہوئے جن کی وحی غیر متلو ہی ہے۔ مدینہ منورہ کے مشرقی جانب چند میل کے فاصلے پر بنو نضیر (یہودی) آباد تھے[1]۔ انہوں نے مسلمانوں سے عہد شکنی کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کا ارادہ فرمایا۔ یہ لوگ اپنے مضبوط قلعوں میں جا بیٹھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ ان کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں، تاکہ یہ لوگ اپنے محفوظ قلعوں کے دروازے کھول دیں اور مقابلہ کے لیے سامنے آ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگ کی نوبت نہ آئی اور یہ لوگ وہاں سے خیبر کی طرف نکال دیئے گئے۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے۔

مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ[2]

---

[1] یہ لوگ یہاں کے رہنے والے نہ تھے لیکن ان کے بزرگوں نے سنا تھا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس علاقے میں تشریف لائیں گے تو وہ ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت و اعانت کے ارادے سے یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ بعد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو افسوس کہ انہی کی اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش ہو گئی۔ عرب ان کا وطن نہ تھا، یہ یہاں رہے بلکہ ایک وقت آیا کہ کل یہود جزیرۂ عرب سے نکال دیئے گئے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی آخر حیاتہ: اخرجوا الیہود من جزیرۃ العرب۔ [2] پ ۲۸ الحشر ع ۱

ترجمہ۔ اور دامی وحی (جو کاٹ ڈالے تم نے کھجور کے درخت یا انہیں اپنی
جڑوں پر کھڑے رہنے دیا، وہ بہ سبب اللہ کے حکم سے تھا۔

قرآن کریم میں اللہ کا یہ حکم کہیں نہیں تھا کہ یہ درخت کاٹ دیئے جائیں، اور یہ رہنے دیئے جائیں، لیکن اس حکم کا حوالہ قرآن کریم میں بے شک موجود ہے۔ وہ حکم خداوندی جس کے تحت درختوں کے کاٹنے کا یہ عمل کیا گیا تھا۔ وحی غیر متلو (جس کی تلاوت جاری نہیں ہوئی) تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں القا ہوئی تھی۔ بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان درختوں کے کاٹنے کا حکم فرما رہے تھے، لیکن قرآن کریم کی رو سے آپ کی یہ حدیث حقیقۃً اذن الٰہی تھا اور یہ خدا کا حکم تھا جو وحی غیر متلو کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا تھا۔ قرآن کریم یہاں اسے ہی اذن الٰہی کہہ رہا ہے۔ قرآن کریم یہ کہتا ہے۔

ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق[لہ] ترجمہ۔ یہ ہماری کتاب جو تم پر حق بولتی ہے۔

یہاں کتاب سے مراد اعمال نامے ہیں جو ٹھیک ٹھیک لکھے جا رہے ہیں۔ وہاں عدم الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ خدائی دفتر میں غلطی راہ نہیں پاتی۔

سو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بے شک اذن الٰہی سے تھا۔ قرآن کریم کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی قرآن کے علاوہ بھی آپ سے بار ہا کلام فرمایا ہے اور آپ پر کلام اتارے ہیں یہی حدیث ہے اور اسے ہی وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ وحی غیر متلو Unworded revelation ہے جو تلاوت میں نہیں آتی اور حکم میں پائی جاتی ہے۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی تیسری شہادت

قرآن کریم کی یہ موجودہ ترتیب رسولی ہے نزولی نہیں۔ ترتیب نزولی اور ترتیب رسولی میں فرق ملحوظ رکھیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی وہ اقرأ باسم ربک الذی خلق[لہ] تھی لیکن موجودہ ترتیب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم

لہ پ الجاثیہ ع ۳ لہ پ سورۃ العلق۔

کے بعد الحمد للہ رب العالمین سب سے پہلی آیت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب
کوئی آیت اترتی۔ تو آپ صحابہ کرام کو ہدایت دیتے۔ کہ اسے فلاں فلاں سورت میں لکھ دو[1]
—— غرض قرآن کی آیات کہاں کہاں لکھی جائیں یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی
میں ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو اسی ترتیب
سے پڑھتے۔ جو قرآن پاک کی موجودہ ترتیب ہے[2] اور اسی ترتیب سے ہر سال حضرت جبرئیل
امین رمضان میں آپ کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم کی جمع و ترتیب میں اتنی اہم تبدیلی کس کے حکم سے ہوئی؟ کیا حضور پاک
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اس میں کسی تبدیلی کے مجاز تھے، ہرگز نہیں قرآن کریم کہتا ہے:

قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقرآن غیر ھذا او بدلہ قل
ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی
انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۝ قل لو شاء اللہ ما
تلوتہ علیکم ولا ادراکم بہ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا
تعقلون ۝ فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او کذب بآیاتہ
انہ لا یفلح المجرمون ۝

ترجمہ: جن لوگوں نے جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے (پیغمبر سے) کہا کہ
کوئی اور قرآن لے آؤ یا قرآن ہی میں اسے کچھ تبدیل کر دیں۔ اے پیغمبر!
آپ کہہ دیجئے میرے اختیار میں نہیں کہ میں اسے بدل ڈالوں۔ میں تو وہی کچھ
کرتا ہوں جو مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی
کروں بڑے دن کے عذاب سے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتے
تو میں نہ تمہارے سامنے تلاوت کرتا اور نہ وہ تم کو خبر کرتا۔ میں رہ چکا
ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا تم نہیں سوچتے پھر اس سے بڑا ظالم کون
ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک مجرم

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۳۴ مختصراً [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۱۴ [3] پ ۱۱ یونس ع ۲۔

کبھی فلاح نہیں پاتے۔

قرآن کریم نے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار نہ تھا۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ وحی خداوندی کے تحت تھا۔ کتاب کی ترتیب کو بدل دینا بہت اہم بات ہے کوئی جزوی بات نہیں ہے جسے آسانی سے نظر انداز کیا جا سکے۔ کسی تحریر اور کتاب کی ترتیب کا تحریر یا کتاب کی ذات ہوتی ہے۔ سو یقین کیجئے کہ آپ نے قرآن پاک کی ترتیب میں جو عمل اختیار کیا وہ سب وحی خداوندی کے تحت تھا۔ آپ کی تلاوت جس ترتیب سے واقع ہوئی وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس دوسری ترتیب اختیار کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ ورنہ قرآن کریم کی تلاوت اور ترتیب میں آپ اگر اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کر دیں تو یہ تغیر کتاب الٰہی میں تبدیلی ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ پر ایک افترا ہوگا۔ معاذ اللہ یہ اسی طرح حکم الٰہی کو ٹھکرانا ہے جیسے وحی خداوندی کو جھٹلا دینا اور نہ ماننا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ حکم خداوندی جس کے تحت ترتیب کی یہ تبدیلی عمل میں آئی۔ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ یہ وحی غیر متلو تھی جو قرآن پاک میں نہیں تھی۔ تو ہم یقین کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی آتی رہی۔ گو اس وحی کی تلاوت جاری نہ ہوئی ہو صرف حکم پھیلا ہو ——— یہی حدیث ہے اور اگر اس وحی غیر متلو کو نہ مانا جائے جس کے تحت قرآن پاک ترتیب نزولی میں نہیں ترتیب رسولی سے جمع ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاذ اللہ آپ نے اپنی مرضی سے قرآن کریم میں تبدیلی کر دی۔ (استغفر اللہ العظیم) حکم الٰہی میں تبدیلی کرنے والے یا اسے نہ ماننے والے سب برابر کے مجرم ہیں۔ مفتری علی اللہ اور مکذب بآیات اللہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ قرآن کریم میں ہے:

فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او کذب بآیاتہ۔ انہ لا یفلح المجرمون۔

ترجمہ: اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر کوئی جھوٹ باندھا یا اس نے اس کی آیات کو جھٹلایا بیشک مجرم کبھی فلاح نہیں پاتے۔

جب یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو اس کی نزولی ترتیب

---

۱ پ ۱۱ یونس ع ۲

سے مختلف ترتیب پر جمع کر کے اور تلاوت کیا ہے اور اس کا یہ شہادت نہیں قرآن کریم
سے ثابت ہو گئی کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں کسی طرح کی تبدیلی کا اختیار نہ تھا۔
یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ آپ کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہوتا تھا۔ تو یہ بات اللہ
خود ثابت ہو گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موجودہ ترتیب کو اختیار کرنا وحی خداوندی سے
ہی تھا۔ ترتیب قرآن کی آیات لکھوانے کے لیے صحابہ کرام کو جو حکم دیتے تھے وہ سب وحی الٰہی
کی ترتیب ہوتی تھی ترتیب تنزیلی کے بعد یہ ترتیب رسالی سب اللہ کے حکم سے ہی عمل
میں آئی ہے اور قرآن کریم اسی ترتیب سے لوح میں محفوظ ہے۔

پھر غور کیجئے کہ وہ حکم الٰہی کہ قرآن کریم اس ترتیب سے جمع کیا جائے قرآن کریم میں
کہاں ہے؟ اگر کہیں نہیں ملتا تو اس سے ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ
بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی ہے۔ یہ وحی غیر متلو تھی۔ سو مذکورہ بالا آیات
حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی کھلی شہادت پیش کر رہی ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی چوتھی شہادت

قرآن کریم میں ہے۔

وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک ما لم تکن تعلم و
کان فضل اللہ علیک عظیما (سورۃ النساء ع ۱۷) آیت ۱۱۳

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے اتاری آپ پر کتاب اور حکمت اور آپ کو سکھایا
وہ جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو چیزوں کا اترنا بیان کیا
ہے کتاب کا لفظ تو اپنی جگہ صریح ہے حکمت کے معنی محکم اور پختہ بات کے ہیں قرآن کریم کے
بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کس کی بات پختہ ہو سکتی ہے جب اس کا مبدا بھی
اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہو اور اسی نے آپ پر اسے اتارا ہو تو اس کے وحی ہونے میں کسی کو کیا
شبہ ہو سکتا ہے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ یہ دوسری وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتاری

اس وحی کو یہاں حکمت کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے. اور یہ وحی قرآن پاک کے علاوہ ہے.

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حکمت سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔[1]

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد سنت ہے۔[2]

پس قرآن کریم میں کتاب اور سنت دونوں کا خدا کی طرف سے اترا ہونا صریح طور پر مذکور ہے اور اس سے یہ بات وضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ حدیث بھی وحی الٰہی ہے. گو وحی غیر متلو ہو یعنی ایسی وحی جس کی امت میں تلاوت جاری نہ ہوئی صرف اس کے احکام نافذ ہوئے ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ بھی دین کا ایک پورا علمی ماخذ ہے۔

پچھلے صحیفوں میں جب سے یہ خبر چلی آرہی تھی کہ اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کے بھائیوں میں سے ــــ یعنی بنو اسماعیل میں سے ایک پیغمبر اٹھائیں گے تو ساتھ ساتھ یہ بات بھی چلی آئی ہے کہ وہ پیغمبر لوگوں کو کتاب اور حکمت دونوں کی تعلیم دے گا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنائے کعبہ کے وقت کی دعا بھی اس کی کھلی شہادت ہے۔

ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك ويعلمهم الكتب
والحكمة ويزكيهم انك انت العزيز الحكيم[3]

ترجمہ: اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے جو پڑھے
ان پر تیری آیات اور سکھلائے ان کو کتاب اور حکمت ــــ اور پاک
کردے ان کو ــــ بے شک تو ہی غالب حکمت والا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اعلان نبوت فرمایا تو یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت ہوں۔ حضرت رب العزت نے قرآن کریم میں بھی تصریح فرمائی کہ آپ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ لوگوں کو آیات الٰہی سنائیں اس کے ساتھ ساتھ جہاں آپ ایک امت بنائیں وہاں آپ ایمان والوں کو کتاب اور حکمت

---

[1] کتاب الام جلد ۷ صفحہ ۲۷۱ [2] کتاب الروح صفحہ ۲۵۱ [3] پ ۱ سورۃ البقرۃ ع ۱۵

کی تعلیم بھی دیں۔ حکمت کی تعلیم دینے کا حکم خدائی بھی ہو سکتا ہے کہ حکمت آپ کے سینہ مبارک پر خدا نے ہی اتاری ہو اور وہ حکمت بھی وحی خداوندی ہی ہو۔ مگر غیر متلو رہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین[1] o

ترجمہ بے شک احسان کیا اللہ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے۔ وہ پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور حکمت اور بے شک تھے وہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی یہ آیات سورۂ نساء کی اس آیت کی تصدیق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب و حکمت دونوں نازل فرمائی ہیں اور یہ سنت و حدیث کے وحی خداوندی ہونے پر قرآن کریم کی ایک کھلی شہادت ہے۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی پانچویں شہادت

یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبٰت وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ واتقوا اللہ ان اللہ سریع الحساب[2] o

ترجمہ: پوچھتے ہیں آپ سے کیا حلال کیا گیا ہے واسطے ان کے — آپ کہہ دیں پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئیں — اور جو سکھاؤ تم زخم دینے والے شکاری کتوں کو — سکھاتے ہو تم انہیں جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے — سو کھاؤ اس کو جو وہ پکڑ رکھیں تمہارے لیے اور لو نام اللہ کا

---

[1] پ ۴ آل عمران ع ۱۷ [2] پ ۶ المائدہ ع ۱

یہ بڑی شوکت جماعت تھی۔ مسلمان چاہتے تھے کہ مشرکین کی ان دو جماعتوں میں سے پہلے جنہیں بن شوکت والے جماعت سے واسطہ پڑے ـــــ یہ سب بیان جنگ بدر سے متعلق ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صریح وعدے کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ وعدہ قرآن کریم میں کہاں ہے اور کیا تھا؟ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اس وعدے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ مگر قرآن کریم میں اس کی طرف حوالہ References ضرور موجود ہے۔ وہ وعدہ وحی غیر متلو کے ذریعہ ہوا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اس کی خبر دی تھی۔ جب وہ وعدہ قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں تو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی آتی رہتی تھی ـــــ اسی وحی غیر متلو کو حدیث کہتے ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی ساتویں شہادت

وما جعلنا القبلة التي كنت عليها الا لنعلم من يتبع الرسول ممن ينقلب على عقبيه۔ [لہ]

ترجمہ: اور نہیں کیا ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے تھے۔ مگر اس لیے کہ ہم معلوم کریں کون پیروی کرتا ہے رسول کی اس سے جو لوٹ جاتا ہے اپنی دونوں ایڑیوں پر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا قبلہ بیت المقدس تھا۔ خانہ کعبہ کے قبلہ بننے سے پہلے آپ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے اس قبلے پر رکھا (بیت المقدس پر) اور پھر اس قبلے پر لائے (خانہ کعبہ المسجد الحرام پر) تاکہ رسول کے ساتھ چلنے والے رسول سے ہٹنے والوں سے ممتاز ہو جائیں، اور مومن و منافق میں امتیاز ہو جائے۔

حضور دوسرے قبلہ المسجد الحرام ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ یہ حکم تو قرآن حکیم میں واضح طور پر موجود ہے۔ لیکن آپ کو پہلے بیت المقدس کے قبلہ بنانے کا حکم قرآن کریم میں

لہ پ ۲ سورۃ البقرۃ ع ۱۶ ۔ آیت ۱۱۳

کہیں نہیں "ما جعلنا" کے لفظ میں جس وحی خداوندی کی خبر دی گئی ہے اور کہا ہے کہ اس لیے آپ کو اس پچھلے قبلہ پر رکھا تھا، قرآن کریم میں وہ مذکور نہیں ہے اس کی حکایت ہے۔ مگر محکی عنہ نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس پچھلے قبلہ پر ہونے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ سوال اٹھا اس سلسلے میں آپ کی طرف وحی آئی۔ —— جب وہ وحی قرآن پاک میں مذکور نہیں تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ آپ پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی آتی رہی۔ اسی وحی کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی آٹھویں شہادت

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوها ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدلوا کلام اللہ قل لن تتبعونا کذلکم قال اللہ من قبل فسیقولون بل تحسدوننا بل کانوا لا یفقهون الا قلیلا [1]

ترجمہ: عنقریب کہیں گے پیچھے رہ جانے والے جب چلو گے تم غنیمتوں کی طرف کہ تم انہیں لے لو چھوڑ دو ہم کو، ہم بھی ساتھ چلیں تمہارے —— چاہتے ہیں یہ کہ بدل ڈالیں بات اللہ کی —— آپ کہہ دیں کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ چلو گے —— اسی طرح اللہ نے پہلے سے کہہ دیا —— پس اب کہیں گے کہ حسد کرتے ہو تم ہم سے —— بلکہ نہیں سمجھتے وہ مگر تھوڑا۔

حدیبیہ سے واپسی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا۔ جہاں یہ عہد توڑنے والے یہود آباد تھے۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ لوگ جو حدیبیہ نہیں گئے تھے اب خیبر کے معرکے میں تمہارے ساتھ چلنے کو کہیں گے کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ فرما دیں کہ تمہاری بابت اس سے پہلے اللہ ہم کو بتلا چکا ہے۔ اب تم اس سفر میں ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے۔

له پ ٢٦ الفتح ع ٢

یہ حکم کہ غزوۂ خیبر میں اہلِ حدیبیہ کے سوا کوئی نہ جائے، قرآن کریم میں کہاں ہے؟ اس حکم کی حکایت کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی یہ حکم دیا تھا بے شک قرآن مجید میں موجود ہے لیکن حکم اصلہ قرآن کریم میں مذکور نہیں، حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:

یہ حکم خداوندی بظاہر قرآن میں مذکور نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ آپ کو ملا تھا جو احادیث کے ذریعہ بیان کی جاتی ہے۔[1]

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی نویں شہادت

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما۔[2]

ترجمہ: بے شک ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب سچی، تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں میں جو کچھ سجھائے آپ کو اللہ، اور تو مت ہو دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا۔

ایک مقدمے میں ایک مسلمان نے اپنا جرم ایک یہودی کے ذمہ لگانا چاہا، وہ یہودی اس سے بری تھا، اس مسلمان کے ساتھیوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے اور کیس کچھ اس طرح پیش کیا کہ چوری کی اس یہودی پر تہمت ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر برحق کو حقیقت حال پر مطلع فرمایا کہ چور وہ مسلمان ہے یہودی نہیں۔ وہ وحی خداوندی کہ یہودی چور نہیں، قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں، مگر اس کا اقرار یہاں بما اراک اللہ (جو دکھا دیا اللہ نے آپ کو) قرآن پاک میں صاف طور پر موجود ہے ——— یہ وہ وحی غیر متلو ہے جس کے ذریعہ حضورؐ کو حقیقت حال پر مطلع کیا گیا تھا۔ اسے یہاں اراءت ربانی سے تعبیر فرمایا۔ جو وحی غیر متلو کی لطیف ترین صورت ہے۔

خیبر کی بستی میں ایک مسلمان قتل پایا گیا۔ قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ حضورؐ نے وہاں کے یہودیوں کو اظہار وجوہ کا نوٹس دیا۔ یہودیوں نے کہا کہ ایک ایسا ہی واقعہ بنو اسرائیل میں

---

[1] تفسیر معارف القرآن جلد ۲ صفحہ
[2] پ ۵ النساء ع ۱

پیش آیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک حکم اتارا تھا۔ جب بھی اگر خدا کے نبی چاہیں۔ تو وہی حکم جاری کردیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب لکھا وہ یہ ہے:-

ان اللہ تعالیٰ اراني ان اختار سبعين رجلا فيحلفون باللہ ما قتلنا ولا نعلم له قاتلا ثم يؤدون الدية۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ میں تم میں سے ستر آدمیوں کو چن لوں۔ وہ قسم کھائیں کہ ہم نے قتل نہیں کیا اور نہیں اس کے قاتل کا بھی معلوم نہیں۔ پھر وہ سب مل کر اس کی دیت ادا کریں۔

اس روایت میں اس الہٰی حکم کو ارانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ وہی تعبیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بما اراک اللہ کے الفاظ میں ذکر کی ہے۔ جو ارانی میں بھی اسی وحی غیر متلو کا ذکر ہے جس کے توسط سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر وحی قرآنی حقیقت حال سے مطلع کیا گیا۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی دسویں شہادت

وفي اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم۔[2]

ترجمہ۔ اور ان کے اموال میں حق مقرر ہے مانگنے والے اور محروم کے لیے

قرآن کریم نے یہ بات نہیں بتائی کہ زکوٰۃ کس شرح سے فرض ہوگی اور کب فرض ہوگی ہر ماہ پر یا سال گزرنے پر۔ اس کا مصرف تو بیان کر دیا کہ سائل اور محروم قسم کے لوگ ہوں گے۔ لیکن کتنا مال ہو گا جب یہ لازم ٹھہرے گی اور کس کس قسم کے مال پر واجب ہوگی۔ یہ سب باتیں قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔

سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے اسے حق معلوم کیسے فرما دیا۔ معلوم سے کہتے ہیں جو بات جانی گئی ہو۔ ہر جانی بات کے لیے جاننے والا یا جاننے والے چاہئیں۔ ہر معلوم کے لیے کسی عالم کا وجود لازمی ہے۔ ورنہ وہ معلوم نہ کہا جا سکے گا۔ اگر اس کا

---

1 دیکھئے فتح القدیر لابن الہمام جلد ۹ صفحہ ۳۹۲ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۷ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ مع حاشیہ ۲ پ المعارج

جاننے والا صرف خدا ہی تھا۔ تو مخلوق کے لئے اس میں کیا ہدایت ہو گی؟ وہ اپنے اعمال کو کس طرح سے کتنا وقت گذرنے پر سامعین و تحریر میں کر دیا کریں؟ سو یہ جواب قطعاً درست نہیں کہ یہ ایسا امر معلوم تھا جس کے عالم صرف رب العزت ہی تھے۔

سیدھی بات یہ ہے کہ یہ سب تفصیلات اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو Unwarded revelation سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دی تھیں اور آپ نے آگے صحابہ کو فرما دی تھیں جیسا کہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اور یہ سب کو معلوم ہو چکا تھا۔ قرآن پاک کی اس آیت میں اسی حق معلوم کی حکایت ہے۔ حکایت وحی متلو میں ہو رہی ہے اور محکی عنہ وحی غیر متلو میں معلوم ہوا تھا۔ حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی یہ ناقابل انکار شہادت بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی وحی قرآنی کے علاوہ بھی ہوتی تھی۔

تلک عشرۃ کاملۃ

قرآن پاک کی ان دس شہادتوں کے بعد وحی غیر متلو کی شہادت اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

وحی حدیث پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی باتیں بتاتے ہوئے اس ایسی وحی کا ذکر فرمایا ہے جو ہمیں قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ اس قسم کی روایات اس کثرت سے ملتی ہیں کہ ان کی قدر مشترک تواتر سے بہت آگے ہے اور قطعیت کا فائدہ بخشتی ہے۔ اور یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلب اطہر پر وہ وحی بھی اتارتے تھے جو بصورت تلاوت نہ اترتی تھی اور اس کے باوجود وہ وحی خداوندی ہی سمجھی جاتی تھی۔ وہ الفاظ میں ہمارے سامنے نہیں آئی۔ اس وحی کو وحی غیر متلو Unwarded revelation کہتے ہیں۔ قرون ثلثہ جن کے خیر ہونے کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ ان میں کسی ممتاز علمی شخصیت نے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و شریعت کے طور پر بات کہی اور اس میں وحی و الہام Divine inspiration کا دخل نہ تھا۔ بلکہ ہر ایک

کا عقیدہ یہی رہا کہ اس میں وحی کا عنصر ضرور شامل ہے ——— قرآنی وحی وحی متلو ہے اور حدیث نبوی وحی غیر متلو اور ہر دو کا مصدر و منبع اللہ رب العزت کی ذات ہی ہے۔

حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں بکثرت ایسے واضح شواہد موجود ہیں۔ یہ روایات اور شہادات اتنے مختلف ابواب اور مختلف مواقع کے ذیل میں آتی ہیں۔ کہ انہیں کسی سازش یا کسی وضع و اختلاق کا نتیجہ نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ اگر ارباب نے کسی سکیم کے تحت حدیث کے بارے میں یہ تصور پیدا کر دیا ہو۔ ہر مکتبۂ فکر اور ہر فقہی مسلک کا اس پر متفق ہونا، اور پھر ذخیرۂ حدیث میں اس بڑی تعداد میں شواہد کا ملنا اس معنوی نظریے کی قطعیت کا پتہ دیتا ہے اور کوئی اور شیعہ محدثین جو جمہور اہل اسلام سے بالکل ہی علیحدہ راہ پر چلے۔ ان کے ہاں بھی بے شمار روایات اس قسم کی ملتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتاری اور وہ وحی غیر متلو ہی اور اب اسے ہی حدیث کہتے ہیں باوجود اتنے اصولی اختلافات کے اس ایک نقطہ پر ایک رائے ہونا اس موضوع کی اصولی اور قطعی حیثیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس وقت اس قسم کی روایات کے استقصاء کی تو گنجائش نہیں البتہ چند نظائر یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں وہ احادیث بھی ہوں گی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی احادیث کے لیے وحی و انباء کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان میں بعض میں جبریل امین کے آنے کی بھی تصریح ہے۔ بعض میں ان کے لیے امر الٰہی اور امر ربی جیسی تعبیرات ہیں، اور کہیں کہیں ان کی نسبت اللہ رب العزت کے نام سے مذکور ہونا اس وحی خداوندی کا پتہ دے رہا ہے۔ اسے ہم وحی غیر متلو کہتے ہیں جس کی تلاوت الفاظ کی پابندی سے عبادت میں جاری نہ ہوئی۔ اس بات کے ثبوت میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو بھی اترتی رہی، صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، ائمہ تفسیر اور فقہائے کرام کا اتفاق ہے، بلکہ یوں کہیے کہ یہ بات اسلام میں متواتر طور سے ثابت ہے۔ گو تواتر قدر مشترک کے درجے میں ہو۔ اب ہم اس پر چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

ما یکون وحیاً الی رسول اللہ فیستن بہ۔[1]

ترجمہ: ابن طاؤس، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس عقول کے بارے میں ایک کتاب تھی جو وحی کے طور پر اتری تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صدقات یا جرمانے کی رقوم فرض فرمائیں وہ سب وحی سے تھا۔ اور یہ بات کہی گئی ہے کہ حضورؐ نے کوئی بات بھی وحی الٰہی کے بغیر بیان نہیں فرمائی۔ جو وہ بھی وحی ہے جو حضورؐ کی سنت کی صورت اختیار کرتی رہی ہے۔

محدث عبدالرزاقؒ (۲۱۱ھ) کی شہادت

(۱) سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے خواب دیکھا کہ نماز کے لیے اذان ہو رہی ہے۔ اس وقت تک اسلام میں اذان جاری نہ ہوئی تھی۔ آپ اپنا یہ خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانے کے لیے آ رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت بلالؓ اذان دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اذان بتلا دی تھی اور آپ نے حضرت بلالؓ کو سکھلا دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب اپنا یہ خواب بیان کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

قد سبقک بذلک الوحی۔[2] وحی خداوندی اس میں تجھ پر سبقت لے گئی۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اذان کا تعین وحی سے ہوا تھا۔ وہ وحی کہاں ہے؟ قرآن میں تو نہیں ہے ——— اب اگر وحی غیر متلو کا اقرار نہ کیا جائے تو اس قسم کی احادیث کی آخر کیا توجیہہ کی جائے گی جن میں وحی کا بھی ذکر ہے اور وہ وحی متلو بھی نہیں ہے۔ کہ قرآن کریم میں موجود ہو۔

(۲) ایک دوسری روایت میں ایک وحی غیر متلو کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے۔

نادی اللہ انیہ یا محمد ہم تکسر قرون دعوتک ذا لفاظہ فجاءہ جبرئیل و میکائیل فقال میکائیل ان ربک یخیرک ان تکون ملکا نبیا او نبیا

[1] مسند امام شافعی ص۲۱۹ ج۲ [2] المصنف جلد ۱ ص۴۵۶

عبد افنظر الی جبرئیل فاشار بیده ان تواضع فقال النبی بل نبی عبد

فقال جبرئیل فانك سید ولد آدم وانك اول من تنشق عنه الارض۔[1]

ترجمہ: سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اے محمد۔ آپ اپنی حیثیت کو کریں گرا سے میں یا اس پر آپ نے اسے پھینک دیا۔ حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل آپ کے پاس آئے۔ حضرت جبرئیل نے کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ بادشاہ نبی بنیں یا بندہ نبی۔ آپ نے جبرئیل امین کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ عاجزی اختیار کریں۔ سو آپ نے بندہ نبی ہونا اختیار فرمایا۔ اس پر حضرت جبرئیل نے کہا بے شک آپ سب اولاد آدم کے سردار ہیں اور آپ پہلے فرد ہوں گے جن سے حشر کے دن زمین شق ہوگی یعنی اس دن آپ سب سے پہلے قبر مبارک سے نکلیں گے۔

یہاں صریح طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف سے ایک وحی آنے کا بیان ہے جو قرآن کریم میں مذکور نہیں۔[2]

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا:-

اوحی الی ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فاذا قالوا لا الٰہ

الا اللہ حرمت علی دماءهم واموالهم الا بالحق وکان حسابهم علی اللہ۔[3]

ترجمہ: مجھے وحی کی گئی کہ میں حجاز کے لوگوں سے تب تک یہاں تک کہ وہ شہادت دینے لگیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگے تو ہم پر ان کی جانیں اور ان کے مال لازماً محفوظ ہو جائیں گے مگر یہ کہ کوئی حق ان کے ذمہ آئے اور ان کے باطن کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

---

[1] المصنف جلد ۷ صفحہ ۱۲۳ جلد ۳ صفحہ ۳۳ [2] پیرا آخر میں حضرت جبرئیل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بشارت دی، انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی یقینی درجے میں قبول کیا جس درجہ میں آپ نے پہلی وحی سنی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں بھی اپنی جگہ اذن الٰہی سے تھیں۔ [3] المصنف جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۳

(۴) حضرت ثوبانؓ (م ۵۴ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی عالم آیا۔ اور اس نے مختلف سوالات کیے۔ آپ نے ان مختلف سوالوں کے جوابات دیئے۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا :۔

والذی نفسی بیدہ ما کان عندی شیءٌ مما سألنی عنہ علم حتی انبأنیہ اللہ۔[1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس نے مجھ سے جتنے سوالات کیے ان کے بارے میں میرے پاس کوئی علم نہیں تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تمام باتوں کی خبر دی۔

یہ جوابات قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کا مصدر بھی ہدایت الٰہی تھی۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور کی خبر دے رہی تھی۔ یہی وحی غیر متلو ہے جو حدیث کی صورت میں جلوہ گر ہوتی رہی۔ قرآن کریم وحی متلو ہے اور حدیث غیر متلو۔ اور یہ دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔

(۵) ایک رات حضرت سودہ بنت زمعہ باہر نکلیں۔ تو حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ لیا اور کہا آپ کا ہمیں پتہ چل جاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ آپ طویل قد تھیں۔ پھر آپ نے حضور سے اس کا ذکر کیا۔ ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پر وحی آئی۔

حتی اوحی الیہ انہ رخص لکن ان تخرجن فی حوائجکن۔[2]

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی۔ کہ اب تم عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ تم رات کو اپنی ضروریات کے لیے باہر نکل سکتی ہو۔

کیا یہ وحی قرآن کریم میں کہیں مذکور ہے؟ نہیں۔ یہ وحی غیر متلو تھی۔

(۶) حضرت قتادہؓ حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں :۔

اوحی الی النبی ثم قال خذوا۔ خذوا۔ قد جعل اللہ لھن سبیلا الثیب بالثیب جلد مائۃ والرجم والبکر بالبکر جلد مائۃ ونفی سنۃ۔[3]

---

[1] المصنف جلد ۱۱ صـ۲۸۴ [2] المصنف جلد ۴ صـ۲۹۱ [3] المصنف جلد ۷ صـ۳۲۹ [4] صحیح مسلم جلد ۲ صـ۶۵

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی تو آپ نے فرمایا: مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہ بتلادی ہے۔ شادی شدہ جوڑے کی سزا کے زنا کرنے پر سو کوڑے اور رجم اور غیر شادی شدہ زانی کے لیے سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم ہے۔

ان روایات میں صریح طور پر وحی وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں اور ایسی روایات کی بھی کوئی کمی نہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح لفظوں میں اپنی بات کو اللہ تعالیٰ سے روایت فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کہا ہے۔ اس کی چند مثالیں حضرت امام احمدؒ کی روایت سے سن لیجئے۔ یہ تینوں روایتیں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی شہادت

عن ابی ھریرۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرویہ عن ربہ عز وجل انہ قال انا خیر الشرکاء فمن عمل عملا فاشرک فیہ غیری فانا بری منہ۔[1]

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے فرمایا میں سب سے زیادہ بہتر شریک ہوں (جسے اپنے عمل میں شریک کیا جا سکتا ہے) سو جس نے کوئی کام کیا اور اس میں میرے سوا کسی اور کو شامل کیا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عز وجل یقول این المتحابون بجلالی الیوم اظلھم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی۔[2]

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کہیں گے کہاں ہیں وہ جو میرے جلال پر شیدا تھے آج میں ان کو اپنے سایہ (رحمت) میں جگہ دوں گا۔ جب کہ میرے سایہ (رحمت)

---

[1] مسند امام احمد جلد ۲ ص [illegible] [2] ایضاً جلد ۲ ص [illegible]

کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

عن ابی ہریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ عز وجل
قال کذبنی عبدی ولم یکن لہ ان یکذبنی۔[1]

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مجھے میرے بندے نے جھٹلایا حالانکہ اس کا حق نہ تھا کہ میری بات جھٹلائے ... الحدیث

امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) کی شہادت

عن ضمرۃ بن حبیب قال سمعت سلمۃ السکونی قال بینما نحن عند
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... قد اوحی الی انی غیر لابث فیکم
الا قلیلا ثم تلبثون حتی تقولوا متی، متی۔ ثم انکم تاتون افنادا۔[2]

ترجمہ۔ ضمرہ بن حبیب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت سلمہ سکونی کو کہتے ہوئے سنا ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ... آپ نے فرمایا کہ مجھے وحی میں فرمایا گیا ہے کہ میں اب تم میں زیادہ عرصہ ٹھہرنے والا نہیں پھر تم رہو گے یہاں تک کہ تم کہو گے ہماری باری کب آئے گی پھر تم میرے پاس باری باری آؤ گے۔

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی شہادت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔
اوحی الی انکم تفتنون فی قبورکم۔[3]

ترجمہ۔ میری طرف وحی آئی ہے کہ تم سب اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔

---

[1] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ [2] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۴۰ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸ جلد ۱ [illegible]

قبروں کا سوال و جواب برحق ہے۔ نکیرین آتے ہیں۔ مُردے کو بٹھاتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں۔ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟ اور پھر عالم برزخ میں اس میت پر راحت یا الم کی کیفیتیں طاری ہو جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ مگر اس دنیا والوں کی آنکھیں اس اگلے جہان کے احوال کو پا نہیں سکتیں۔ کوئی شخص کسی قبر کے اندر کوئی شیشے کا روشندان بھی رکھ دے اور دیکھتا رہے۔ کہ کیا فرشتے واقعی اس میت کو بٹھاتے ہیں؟ تو وہ اس بٹھانے کو دیکھ نہ سکے گا۔ لیکن یہ بٹھانا قبر کے سوال و جواب اور عذاب قبر وغیرہ یہ سب برحق ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احوال کی خبر دی ہے۔ دنیا کی آنکھیں اگر ان عالم برزخ کے احوال کو دیکھ نہ سکیں تو اس سے ان کا انکار کر دینے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بینا انا نائم اوتیت بخزائن الارض فوضع فی کفی سواران من ذھب فکبرا علی فاوحی الی ان انفخھما فنفختھما فذھبا فاولتھما الکذابین اللذین انا بینھما صاحب صنعاء وصاحب الیمامۃ۔ متفق علیہ [1]

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں سویا ہوا تھا کہ مجھے (خواب میں) زمین کے خزانے دیئے گئے۔ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے جو مجھ پر گراں گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ ان پر پھونک ماریں۔ میں نے ان پر پھونکا تو وہ چلے گئے۔ میں نے اس سے وہ دو کذاب (مدعی نبوت) مراد لیے ہیں کہ میں ان کے مابین ہوں۔ ایک صنعاء سے (اسود عنسی) نکلے گا اور دوسرا یمامہ سے (مسیلمہ کذاب)۔

انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ ہر خواب کی وحی بھی وحی ہے۔ یہ وحی غیر متلو ہے جو قرآن کریم کے الفاظ میں نہیں ملتی۔ لیکن ہے یہ بھی وحی ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں جو آپ سے جاری ہوئیں وہ بھی وحی الٰہی ہے۔ جس کی تلاوت امت میں جاری نہیں ہوئی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ ص ۴۹۵

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کی شہادت

صحاح ستہ کی اول درجہ کی کتاب صحیح مسلم میں دیکھئے

حضرت عیاض بن حمار المجاشعیؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان اللہ اوحی الی ان تواضعوا حتی لا یفخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد۔[۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی کہ تم سب عاجزی اختیار کرو۔ کوئی بھی دوسرے پر فخر نہ کرے نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) کی شہادت

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ:-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستن وعندہ رجلان احدھما اکبر من الآخر فاوحی الیہ فی فضل السواک ان کبر اعط السواک اکبرھما رواہ ابوداؤد۔[۲]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے اور آپ کے پاس دو آدمی تھے۔ ایک دوسرے سے عمر میں بڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر مسواک کرنے کی فضیلت میں وحی کی اور فرمایا کہ ان میں سے جو بڑا ہے۔ اسے مسواک عطا فرمائیں۔

حضرت عیاض بن حمار کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان اللہ اوحی الی ان تواضعوا حتی لا یبغی احد علی احد ولا یفخر احد علی احد۔[۳]

ترجمہ: اللہ نے مجھ کو وحی کی کہ عاجزی اختیار کرو۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۵ مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۸ [۲] مشکوٰۃ صفحہ ۴۴ المصنف جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ [۳] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۷۲

پر ترجیح دیتی ہے کہ نہ ایک دوسرے پر فوقیت ہے۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) کی شہادت

ان اللہ اوحی الی ای ھؤلاء الثلاثة نزلت فھی دار ھجرتک المدینة او البحرین او قنسرین[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ ان تینوں مدینہ، البحرین اور قنسرین سے ایک تیرا دار الہجرت ہے۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) کی روایات

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

اوحی اللہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا معہ فقمت فاجفت الباب بینی وبینہ فلما رفہ عنہ قال لی ان جبریل یقرئک السلام[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی اور میں آپ کے پاس تھی۔ میں اٹھی اور میں نے اپنے اور آپ کے مابین دروازہ لگا دیا۔ جب یہ کیفیت اور حالت آپ سے دور ہوئی آپ نے مجھے کہا کہ جبریل تم پر سلام کہتے ہیں۔

دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی قبة المسجد المدینة وقال فیہ انہ اوحی الیہ ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ[3]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم مسجد مدینہ کے محراب میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے وحی کی گئی ہے کہ میں وہاں کے لوگوں سے لڑتا ہی رہوں جب تک یہ سب نہ کہہ اٹھیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ [2] نسائی شریف جلد ۱ صفحہ ۵۱ [3] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ ۱۱۱

حضرت سلمہ بن نفیل الکندیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

ولا تزال من امتی امۃ یقاتلون علی الحق ویزیغ اللہ لھم قلوب اقوام ویرزقھم منھم حتی تقوم الساعۃ وحتی یاتی وعد اللہ والخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ وھو یوحی الی انی مقبوض غیر ملبث وانتم تتبعونی افنادا یضرب بعضکم رقاب بعض وعقر دار المومنین الشام[1]

ترجمہ: میری امت میں سے ایک گروہ حق کے لیے ہمیشہ لڑتا رہے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے بہت سے لوگوں کے دل ٹیڑھے کر دیں گے، اور انہیں ان سے رزق ملے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آ جائے، اور یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے، اور گھوڑوں کی پیشانیوں سے قیامت کے دن تک خیر بندھی ہے، اور مجھے وحی سے بتلایا گیا ہے کہ میں بہت زیادہ دیر نہیں رہنے والا ہوں، اور تم میرے پیچھے جماعت جماعت آؤ گے، ایک دوسرے کو مارو گے اور مومنوں کا صحیح طور پر مسکن شام ہوگا۔

کیا ان روایات میں صریح طور پر وحی غیر متلو مذکور نہیں، اور کیا یہ سب باتیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کہہ کر ذکر فرمائیں، قرآن کریم میں ملتی ہیں؟ اگر نہیں تو اس اصول کو ہمیشہ کے لیے تسلیم کر لیجیے کہ وحی خداوندی دو قسم پر ہے۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ پہلی قسم کی وحی پر قرآن مشتمل ہے، اور دوسری قسم کی وحی بصورت سنت پھیلی ہوئی ہے اور حدیث کی کتابوں میں مذکور اور محفوظ ہے۔

امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) کی شہادت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵۸ھ) کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ عز وجل اوحی الی انہ من سلک مسلکا فی طلب العلم سھلت لہ طریق الجنۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔[2]

---

[1] نسائی شریف جلد دوم ص ۔ [2] مشکوٰۃ ص ۳۴

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ جو علم دین کی طلب میں کسی رستے پر چلے میں اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہوں۔

بتائیے یہ وحی قرآن کریم میں ہے؟ یہ وحی غیر متلو ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ آئی ہے اور اسی نے دین میں سنت کا نام پایا اور اسی سے مفہوم قرآن کی تکمیل ہوئی۔

اب ہم حدیث کے الہامی ہونے پر چند روایات پیش کرتے ہیں۔ جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد بھی مذکور ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وحی غیر متلو میں بھی حضرت جبرئیل ساتھ ہوتے تھے اور یہ حکم خداوندی بھی وحی لاتے تھے یا اسے حضورؐ کے دل پر اتارتے تھے۔

وحی غیر متلو میں حضرت جبرئیل امین کی آمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو کی آمد میں صرف وحی کے الفاظ ہی نہیں ملتے کئی روایات میں جبرئیل امین کی آمد بھی صریح طور پر مذکور ہے۔ اس قسم کی روایات بھی درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور تقریباً ہر مجتہد اور محدث کے ہاں اس کی شہادت ملتی ہے اور یہ بات انتہائی پختہ اور صحیح ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو (وحی حدیث) بھی لاتے رہے۔ اب ہم چند شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی شہادت

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال جاء جبریل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صورۃ شاب علیہ ثیاب بیض فقال السلام علیک یا رسول اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیک السلام ... قال ذلک جبریل علیہ السلام جاء کم یعلمکم معالم دینکم[1]

[1] مسند امام اعظم ص

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل ایک جوان مرد کی صورت میں حاضر ہوئے اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وعلیک السلام (اور تجھ پر بھی سلام ہو) ..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ جبریل تھے جو تمہارے پاس اس لیے آئے تھے کہ تمہیں دین کے معالم (ضروری نشانوں کی) تعلیم دیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سے ملتی روایت میں یہ الفاظ بھی روایت کئے گئے ہیں۔

هذا جبریل علیہ السلام اتاکم یعلمکم معالم دینکم واللہ ما اتانی قط الا وانا اعرفه الا هذه المرة[1]

ترجمہ یہ جبریل تھے۔ جو اس لیے تمہارے پاس آئے کہ تمہیں تمہارے معالم دین سکھائیں۔ خدا کی قسم جبریل جب بھی میرے پاس آتے رہے میں انہیں پہچان لیتا رہا۔ مگر اس دفعہ میں نے انہیں پہچانا نہ تھا۔

عن علی کرم اللہ وجہہ انہ کان علی فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستر فیہ تماثیل فابطأ جبریل ثم اتاہ فقال لہ ما ابطأ بک عنی قال انا لا ندخل بیتا فیہ کلب ولا تماثیل فابسط الستر ولا تعلقه واقطع رؤوس التماثیل واخرج هذا الجرو[2]

ترجمہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا جس میں کچھ تصاویر تھیں۔ جبریل کچھ دیر سے آئے۔ اور پھر آئے حضور نے پوچھا تم نے میرے پاس آنے میں دیر کیوں کی؟ جبریل نے کہا ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا تصاویر ہوں۔ آپ اس پردے کو بچھا دیں۔ لٹکا دیں نہ اور تصاویر کے سر کاٹ دیں اور اس کتے کے بچے کو نکال دیں۔

---

۱ مسند امام اعظم ص ۳ ۲ ایضاً ص ۲۵ ۳ ایضاً ص ۲۹

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما زال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه وما زال جبریل یوصینی بقیام اللیل حتی ظننت ان خیار امتی لا ینامون الا قلیلا۔[1]

ترجمہ۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل مجھے برابر ہمسائے کے بارے میں نصیحتیں کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ آپ ہمسائے کو وراثت میں سے بھی حصہ دلوائیں گے اور جبریل مجھے رات کی نماز کے بارے میں بھی برابر کہتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ میری امت کے نیک آدمی اب تو تہجد کی وجہ سے ساری رات نہ سو سکیں گے۔

امام ابو حنیفہؒ کی روایت کردہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی غیر متلو میں بھی حضرت جبریل کی آمد ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی حدیث بھی حضرت جبریل ہی لاتے تھے اور آپ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر یہ وحی لے کر اترتے تھے یہی وحی پھر سنت کی صورت میں پھیلی تھی۔

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی شہادت

حضرت خلاد بن السائب اپنے والد (سائبؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) اتانی جبریل فامرنی ان آمر اصحابی ان یرفعوا اصواتهم بالاهلال والتلبیة۔[2]

ترجمہ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے کہا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں کہ وہ اہلال اور تلبیہ لبیک پکارنا کے وقت اپنی آوازیں اونچی رکھیں۔

یہ حکم وحی قرآنی میں کہاں ہے؟ یہ وحی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بصورت حدیث اتاری گئی۔

---

[1] مسند امام اعظم صفحہ ۲۲۸ [2] موطا امام مالک صفحہ ۳۲۳ جلد ۱

آنحضرت کے پاس ایک شخص آیا اور کہا اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں بحالت صبر و احتساب سے آگے بڑھتا ہوا نہ کہ پیچھے ہٹنے والا — کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں مجھ سے دور فرما دیں گے؟ آپ نے فرمایا — "ہاں" وہ واپس ہوا تو آپ نے پھر اسے آواز دی اور کہا، تو نے کیا کہا تھا — اس نے اپنی بات دہرائی۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم الا الدین — کذالک قال لی جبریل۔[1]

ترجمہ: آپ نے فرمایا ہاں — البتہ قرض معاف نہ ہوگا جبریل نے ابھی مجھے اسطرح بتایا ہے۔

امام محمدؒ (۱۸۹ ھ) کی شہادت

امام محمد بن حسن شیبانی بھی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

① اتانی جبرئیل علیہ السلام فامرنی ان آمر اصحابی او من معی ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال بالتلبیۃ۔[2]

ترجمہ: میرے پاس جبریل آئے اور مجھے کہا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں کہ وہ اہلال اور تلبیہ (لبیک پکارنا) کے وقت اپنی آوازیں اونچی رکھیں۔

اس روایت میں بھی وحی حدیث کے لیے حضرت جبریل کا آنا مذکور ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

① ما زال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت لیورثنہ۔[3]

ترجمہ: مجھے جبریل ہمسائے کے بارے میں برابر نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے ہمسائے کا وارث بھی ٹھہرائیں گے۔

امام شافعیؒ (۲۰۴ ھ) کی شہادت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ

---

[1] موطا امام مالک صفحہ ۱۶۸ [2] موطا امام محمد صفحہ ۲۰۹ و مسند شافعی صفحہ ۱۲۳ [3] موطا امام محمد صفحہ ۳۹۲

(۱) اتی جبریل بمرآۃ بیضاء فیہا وکتۃ الی النبی فقال النبی ما ھذہ قال ھذہ الجمعۃ فضلت بہا انت وامتک فالناس لکم فیہا تبع الیہود والنصاری ولکم فیہا خیر . . . . ان ربک اتخذ فی الجنۃ وادیا فیہ کثب مسک فاذا کان یوم الجمعۃ انزل اللہ ما شاء من ملائکتہ وحولہ منابر من نور علیہا مقاعد النبیین . .   وفیہ خلق آدم وفیہ تقوم الساعۃ[1]

ترجمہ: جبریل ایک روشن آئینہ لے کر آئے اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک نشان سا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (حضرت جبریل کو) کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ جمعہ کا دن ہے جس سے آپ اور آپ کی امت کو فضیلت بخشی گئی، لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہی چلیں گے، یہود اور نصاری بھی، اور تمہارے لیے اس میں خیر ہے۔ بے شک تمہارے پروردگار نے جنت میں ایک وادی (فیح) اختیار کی ہے جس میں کستوری کے ٹیلے کے ٹیلے ہیں۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے اللہ تعالی فرشتوں کو جتنوں کو چاہے نازل فرماتا ہے اور اس کے گرد نور کے منبر بچھے ہوتے ہیں جن میں انبیاء بیٹھتے ہیں . . . . . . اور اسی دن (جمعہ کے دن) آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے تھے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔

امنی جبریل عند باب البیت مرتین فصلی الظہر حین کان الفئ مثل الشراک . . . .   فقال یا محمد ھذا وقت الانبیاء من قبلک[2]

ترجمہ: بیت اللہ شریف کے دروازے کے پاس جبریل نے مجھے دو دفعہ نماز پڑھائی ظہر آپ نے اس وقت پڑھی جب سایہ . . . . پھر جبریل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ وقت تم سے پہلے پیغمبروں کی

---

[1] مسند شافعی ص۷۰ [2] مستدرک حاکم ص۲

ترجمہ: جبریل ابھی ابھی میرے پاس سے گئے ہیں۔ آپ نے مجھے یہ بشارت دی کہ ہر شخص کے لیے جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے نامۂ اعمال سے دس برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور اس کے لیے دس درجات کی بلندی ہے اور اس کا درود مجھ پر ویسا کا ویسا ہی پیش کیا جاتا ہے اور جیسی اس نے دعائیں دی ہیں اسے لوٹایا جاتا ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ (۵۹ھ) کہتے ہیں:

ان جبرئیل جاء النبیؐ فعرف النبی صوته فقال ادخل فقال ان فی البیت سترا فی الحائط فیه تماثیل[1]

ترجمہ: جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے ان کی آواز پہچان لی اور فرمایا تشریف لائیے۔ جبریل نے کہا مکان میں دیوار پر ایک پردہ ہے جس پر کچھ تصاویر بنی ہیں۔ (میں کیسے آؤں؟ پہلے انہیں ہٹوا دیجئے)۔

(۴) حضرت

نزل جبرئیل علی النبیؐ یوم بدر فقال ان ربک یخیرک ان شئت ان تقتل هؤلاء الاساری وان شئت تفادی بهم[2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدر کے دن جبریل اترے اور فرمایا، تیرا رب تجھے اختیار دیتا ہے۔ چاہیں تو ان بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیں اور چاہیں تو انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔

(۵) حضرت ابوعثمانؓ (ھ) کہتے ہیں:

ان جبرئیل علیه السلام علّم النبیؐ اذا قام من مجلسه ان یقول سبحانک اللهم وبحمدک[3]

ترجمہ: جبریل علیہ السلام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ السلام کو بتایا کہ جب اپنی مجلس سے اٹھیں تو سبحانک اللّٰھم وبحمدک پڑھ لیا کریں۔

---

[1] المصنف جلد ۱ صفحہ ۳۹۲ و شرح صفحہ ۱۴۴ [2] المصنف جلد ۵ صفحہ ۲۰۹ [3] المصنف جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۷

(۴) عن خلاد بن السائب عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبرئیل فقال مر اصحابک او من معک ان یرفعوا اصواتہم بالتلبیۃ او بالاھلال[1]

ترجمہ: خلاد بن السائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ حضورؐ نے کہا: جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور مجھے کہا: آپ اپنے صحابہؓ کو کہیں کہ تلبیہ یا اپنی آوازیں بلند رکھا کریں۔

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی شہادت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے واپس لوٹے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ کا سر گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔

اتاہ جبرئیل وقد عصب راسہ الغبار فقال وضعت السلاح فواللہ ما وضعتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاین فقال ھہنا واومأ الی بنی قریظۃ[2]

ترجمہ: آپ کے پاس جبرئیل آئے۔ ان کا سر غبار آلود تھا۔ انہوں نے کہا۔ آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے تو ہتھیار نہیں رکھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اب کدھر؟ حضرت جبرئیل نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔

قرآن کریم کی رو سے فرشتے ہمہ تن اور ہر وقت طاعت خداوندی میں مصروف ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اذن الٰہی سے کرتے ہیں۔ سو حق بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیل کا یہ آنا اور حضورؐ سے ہمکلام ہونا یہ سب امر الٰہی سے تھا اور حضرت جبرئیل وحی متلو کے علاوہ حضورؐ پر وحی غیر متلو بھی لے کر آتے تھے۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ (۴۰ھ) نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (۵۰ھ) کو کہا۔

---

[1] سنن دارمی جلد دوم ص۳۴ [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص۵۹۱ [3] صحیح مسلم جلد ۱ ص

الیس قد علمت ان جبریل نزل فصلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ثم صلی فصلی رسول اللہ ثم صلی فصلی رسول اللہ ثم صلی فصلی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1] . . . . ثم قال بهذا امرت :

ترجمہ: کیا تو نے نہ جانا کہ جبریل اترے تھے انہوں نے نماز پڑھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی جبریل نے پھر نماز پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پھر نماز پڑھی ———— پھر جبریل نے نماز پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پھر نماز پڑھی۔

یہ نماز دن کے اوقات کا تعین حسب الحکم رب العزت کی طرف سے تھا حضرت جبریل تو محض ان کے اوقات سے ہی ادائیگی کے طریقے بتانے آئے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نہایت غمگین تھے کہ قرن منازل کے مقام پر بادل نے آپ پر سایہ کیا۔ اس میں سے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

فنظرت فاذا فیها جبرئیل فنادانی فقال ان اللہ قد سمع قول قومک وما ردوا علیک وقد بعث الیک ملک الجبال لتامره بما شئت فیهم قال فنادانی ملک الجبال فسلم علی ثم قال یا محمد ان اللہ قد سمع قول قومک وانا ملک الجبال وقد بعثنی الیک لتامرنی بامرک ان شئت ان اطبق علیهم الاخشبین. متفق علیہ[2]

ترجمہ: سو میں نے دیکھا پایا دیکھتا ہوں کہ جبریل اترے ہیں آپ نے مجھے آواز دی، اللہ نے تیری قوم کی بات سن لی ہے اور جو انہوں نے تجھے جواب دیا ہے اور بے شک آپ کی طرف ملک الجبال پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا گیا ہے تاکہ آپ ان کے بارے میں جو چاہیں آپ اس کا حکم دے دیں۔ پھر مجھے ملک الجبال نے آواز دی اور مجھے سلام کیا اور کہا اے محمد! بے شک

لہ صحیح بخاری جلد ا صفحہ [illegible] ۲ مشکوٰۃ شریف صفحہ [illegible]

اللہ تعالیٰ نے تیری قوم کی بات سن لی ہے اور میں ملک الجبال (پہاڑوں) کا فرشتہ ہوں اور مجھے تیرے رب نے تیرے پاس بھیجا ہے کہ آپ مجھے حکم دیں ان کے بارے میں، اگر چاہیں تو میں ان پر اخشبین (کوہ احد اور کوہ ابو قبیس) الٹ دوں۔

اس قسم کی روایات چند نہیں متعدد ہیں۔ حضرت جبرئیل بار ہا آپ کے پاس وحی متلو کے جلو میں اترے اور بار ہا آپ سے اس انداز میں ہمکلام ہوئے۔ سو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنن اسی وحی خفی پر ترتیب پائی تھیں۔

امام مسلمؒ (۲۶۱ ھ) کی شہادت

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصف شب کے قریب بستر سے اُٹھے اور بقیع (قبرستان) تشریف لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان جبریل علیہ السلام اتانی حین رأیت فنادانی فاخفاہ منک فاجبتہ فاخفیتہ منک ولم یکن یدخل علیک وقد وضعت ثیابک وظننت ان قد رقدت فکرھت ان اوقظک ان تستوحشی فقال ان ربک یامرک ان تاتی اھل البقیع فتستغفر لھم۱؎

ترجمہ: جب تو نے مجھے دیکھا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور اسے تجھ سے چھپایا۔ میں نے انہیں جواب دیا اور میں نے بھی اس جواب کو تجھ سے چھپایا اور جب تم نے اپنے کپڑے رکھے ہوں تو وہ تمہارے پاس نہیں آتے۔ میں نے گمان کیا کہ تم سو رہی ہو۔ میں نے پسند نہ کیا کہ تمہیں جگاؤں۔ اور یہ بھی ڈر تھا کہ تو وحشت محسوس کرے جبرئیل نے مجھے کہا تیرا پروردگار تجھے حکم دیتا ہے کہ آپ بقیع کے قبرستان میں جائیں اور فوت شدگان کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔

۱؎ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۳ دہلی۔ بمصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۷۶

أتاني جبرئيل فأمرني أن آمر أصحابي أن يرفعوا أصواتهم بالإهلال
أو التلبية ـــ رواه الترمذي[1]

ترجمہ: میرے پاس جبریل آئے۔ مجھے کہا کہ میں اپنے صحابہؓ کو حکم دوں کہ وہ
لبیک پکارتے ہوئے اپنی آوازیں بلند رکھیں۔

ایک یہودی عالم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمین کا کون سا ٹکڑا بہتر
ہے۔ آپ خاموش رہے۔ اور فرمایا کہ میں اسے جبریل سے پوچھوں گا۔ حضرت جبریل جب
تشریف لائے تو آپ نے ان سے پوچھا حضرت جبریل نے کہا میں اپنے پروردگار
سے پوچھوں گا پھر حضرت جبریل تشریف لائے اور کہا:

يا محمد إني دنوت من الله دنوا ما دنوت منه قط فقال ان خير البقاع
مساجدها۔ رواه الترمذي[2]

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہو گیا کہ اتنے قریب
میں پہلے نہ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا زمین کے تمام ٹکڑوں میں بہتر ٹکڑے
مساجد ہیں۔

وحی غیر متلو کی عظمت کا اندازہ کیجیے۔ جبریل امین حضرت سے وحی متلو (قرآن کریم)
کی وحی ہمیشہ لاتے رہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کو وہ وحی قرب الٰہی میں پہنچ کر ملتی ہوگی۔ تو ہم
اس وحی غیر متلو کا بھی اندازہ کیجیے۔ قرب الٰہی کے کس درجہ سے اس کا اتصال تھا۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) کی روایات

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکوں نے محاصرہ کر لیا اور کہنے لگے۔

إن لهؤلاء صلوة هي أحب إليهم من أبنائهم وأبكارهم أجمعوا أمركم
ثم ميلوا عليهم ميلة واحدة فجاء جبرئيل عليه السلام فأمره أن يقسم
أصحابه بصفين فيصلي بطائفة منهم وطائفة مقبلون على عدوهم

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۳ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۰ [3] نسائی شریف جلد صفحہ ۲

قد اخذوا حذرهم واسلحتهم فیصلی بهم رکعۃ ثم یتأخر هؤلاء و یتقدم اولئک فیصلی بهم رکعۃ تکون لهم مع النبی صلی اللہ علیه وسلم رکعۃ رکعۃ وللنبی صلی اللہ علیه وسلم رکعتان۔[1]

ترجمہ: یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں جو انہیں ان کے بیٹوں اور بیٹیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ تم سب پختہ ہی تیاری کر لو اور ان پر ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑو۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ کو کہا کہ اپنے صحابہؓ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ حضور ان میں سے ایک کو نماز پڑھا دیں، اور دوسرا حصہ دشمن کی طرف متوجہ رہے۔ پوری طرح چوکس رہیں اور ہتھیار پاس رکھیں۔ آپ انہیں ایک رکعت پڑھائیں اور پھر یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں اور وہ آگے آ جائیں۔ اور آپ ایک رکعت ان کے ساتھ پوری کریں۔ ان دونوں حصوں کی ایک ایک رکعت حضور کے ساتھ ہو جائے گی اور آپ کی دو رکعتیں ہو جائیں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

جاء رجلٌ الی النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو یخطب علی المنبر فقال ارأیت ان قاتلت فی سبیل اللہ صابراً محتسبا مقبلا غیر مدبر یکفر اللہ عنی سیئاتی قال نعم ثم سکت قال این السائل آنفا فقال الرجل ها انا ذا قال ما قلت قال ارأیت ان قتلت فی سبیل اللہ صابراً محتسبا مقبلا غیر مدبر ایکفر اللہ عنی سیئاتی قال نعم الا الدین سارنی به جبرئیل آنفاً[2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کیا فرماتے ہیں آپ اگر میں اللہ کی راہ میں پورے صبر و احتساب سے جہاد کروں کہ آگے بڑھوں پیچھے نہ ہٹوں تو کیا اللہ تعالیٰ

---

[1] مشکوٰۃ ص۱۳۵ [2] نسائی ترغیب جلد ۲ ص۱۸۲ موطا امام مالک ص۱۸۲

میری سب خطائیں معاف فرما دیں گے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں پھر کچھ عرصہ آپ
خاموش رہے۔ پھر کہا۔ وہ بھی سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا۔
میں یہ موجود ہوں۔ آپ نے پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا آپ کیا فرماتے
ہیں اگر میں اللہ کی راہ میں پورے صبر و احتساب سے جہاد کروں کہ آگے
ہی بڑھوں پیچھے نہ ہٹوں۔ کیا اللہ تعالیٰ میری سب خطائیں معاف کر دیں گے
آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ لیکن قرض کی عدم ادائیگی اس میں نہیں آتی۔ مجھے جبریل
نے ابھی آ کر یہ بتایا ہے۔

حضرت زید بن ارقم کہتے ہیں کہ

سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل من الیہود فاشتکی لذلک ایاما فاتاہ
جبرئیل علیہ السلام فقال ان رجلا من الیہود سحرک عقد لک عقدا
فی بیر کذا وکذا (الحدیث)[1]

ترجمہ۔ ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اور آپ کو اس سے
کچھ دن تکلیف رہی۔ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی
نے آپ پر جادو کیا ہے اور فلاں کنویں میں جادو کی گانٹھیں باندھی ہیں۔

ام المومنین حضرت میمونہ کہتی ہیں:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ جبرئیل علیہ السلام لکنا
لا ندخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ فاصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یومئذ فامر بقتل الکلاب حتی انہ لیامر بقتل الکلب الصغیر[2]

ترجمہ۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ جس گھر
میں کتا اور تصویر ہو ہم اس میں داخل نہیں ہوتے۔ جب صبح ہوئی تو حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مار دینے کا حکم فرمایا۔ یہاں تک کہ چھوٹے کتے
کو بھی مار دینے کا حکم فرماتے۔

---

[1] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۹۲

ابو زبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ کو کہتے ہوئے سنا :-

لبس النبی صلی اللہ علیہ وسلم قباء من دیباج اھدی له ثم اوشک ان
نزعه فارسل به الی عمر فقیل له قد اوشک ما انتزعته یا رسول اللہ
قال نهانی عنه جبرئیل علیه السلام فجاء عمر یبکی فقال یا رسول اللہ
کرھت امرا واعطیتنیه فما لی قال انی لم اعطکه لتلبسه انما اعطیتک
لتبیعه فباعه عمر بالفی درھم[1]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کا کوٹ پہنا جو آپ کو بطور ہدیہ پیش
کیا گیا تھا۔ آپ نے جلدی ہی پھر اسے اتار دیا اور وہ کوٹ حضرت عمرؓ کی طرف
بھیج دیا۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے بہت جلدی اس کو اتار دیا۔ تو
آپ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے مجھے روکا ہے۔ حضرت عمرؓ روتے ہوئے
آئے کہ جس چیز کو آپ نے اپنے لئے پسند نہیں فرمایا وہ مجھے کیسے عطا فرما
دی۔ آپ نے فرمایا میں نے پہننے کے لئے نہیں دی۔ میں نے بیچنے کے
لئے دیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو دو ہزار درہم میں بیچا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک حدیث میں بیان کرتی ہیں :-

قال فان جبرئیل علیه السلام اتانی حین رأیت ولم یکن یدخل علیک وقد
وضعت ثیابک فنادانی فاخفی منک فاجبته فاخفیت منک وظننت ان
قد رقدت وخشیت ان تستوحشی فامرنی ان آتی اھل البقیع فاستغفر لھم[2]

ترجمہ: جب تو نے مجھے دیکھا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور
اسے تجھ سے چھپایا اور وہ نہیں آتے جب تو نے اپنے کپڑے اتار رکھے ہوں پھر جواب
دیا میں نے وہ بھی آپ سے میں نے مخفی رکھا اور میں نے گمان کیا شاید تم سو چکی ہو اور
جگانا مناسب نہ سمجھا اور مجھے خوف تھا کہ آپ وحشت محسوس کریں گی۔ میرے
پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جنت البقیع میں جا کر ان کے لیے استغفار کروں۔

---

[1] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ [illegible]　[2] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ [illegible] یہ شب برات کا واقعہ ہے

ذخیرۂ حدیث میں ایسی روایات بہت ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کا نام لے کر کوئی بات کہی اور وہ بات ہم درجۂ قرآن میں نہیں پاتے۔ ان غیر قرآنی کلام الٰہی پر محدثین رحمہم اللہ اجمعین کی بے شمار شہادتیں موجود ہیں چند روایات اس قبیل کی بھی سن لیں۔

حضرت امام مالکؒ کی شہادت

عن معاذ بن جبل قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتباذلین فی۔ رواہ مالک باسناد صحیح[1]

ترجمہ: حضورؐ کہتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جو میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں اور میرے لیے ایک دوسرے سے مل کر بیٹھیں اور میری راہ میں دوسروں پر خرچ کریں۔ میری محبت ان کے لیے واجب ہو گئی۔

یہ کلام باری تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی ... الخ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا قرآن کریم کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ حضورؐ سے کلام فرماتے رہے ہیں۔

حضرت امام محمدؒ کی شہادت

عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع عمر بن الخطاب وھو یقول لا وابی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا بآبائکم فمن کان حالفاً فلیحلف باللہ ثم لیبر او لیصمت قال محمد وبہذا نأخذ لا ینبغی لاحد ان یحلف بابیہ فمن کان حالفاً فلیحلف باللہ[2]

ترجمہ: حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے منع کرتا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کی قسمیں کھاؤ جس کو قسم کھانی ہو سو وہ خدا کے نام کی قسم کھائے پھر سچی کرے یا

---

[1] الترغیب جلد ۴ صفحہ ۲۳ جلد ۴ صفحہ ۱۳ [2] موطا امام محمد صفحہ ۳۶۵

خاموش رہے۔

یہ حکم خداوندی قرآن کریم میں کہاں ہے؟ یہ صریح بات قرآن کریم میں کہیں نہیں۔

حضرت امام احمدؒ کی شہادت

۱۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل یا ابن آدم قم الی امش الیک

رواہ احمد باسناد صحیح[1]

ترجمہ۔ حضورؐ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابن آدم تو میرے لیے کھڑا ہو میں چل کر تیری طرف آؤں گا۔ تو چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر تیری طرف آؤں گا۔

یہ بھی پتہ چلا کہ غیر متلو کلام الٰہی میں بھی بنی آدم سے بھی خطاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں یا بنی آدم سے کئی آیات کی ابتداء ہوئی ہے۔

۲۔ عن العرباض بن ساریۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل: المتحابون بجلالی فی ظل عرشی یوم لا ظل الا ظلی ۔۔۔۔ رواہ احمد باسناد جید۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا جلال چاہنے والے میرے عرش کے سایہ تلے ہوں گے جس دن میرے سایہ رحمت کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

۳۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ یا عبادی کلکم ضال الا من ھدیتہ فاستھدونی اھدکم یا عبادی کلکم جائع الا من اطعمتہ فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی کلکم عار الا من کسوتہ فاستکسونی یا عبادی انکم تخطئون باللیل والنہار وانا اغفر الذنوب جمیعا فاستغفرونی اغفر لکم وکلکم فقیر الا من اغنیت فاسئلونی ارزقکم وکلکم مذنب الا من عافیت فمن علم منکم انی ذو قدرۃ علی المغفرۃ فاستغفرنی غفرت لہ

---

[1] الترغیب جلد ۴ صفحہ ۱۲۹ [2] ایضاً ص۱۳

ولا ابالي ولو ان اولكم واٰخركم وحيكم وميتكم ورطبكم ويابسكم اجتمعوا
على اشقى قلب عبد من عبادي ما نقص ذلك في ملكي جناح بعوضة
ولو ان اولكم واٰخركم وحيكم وميتكم ورطبكم ويابسكم اجتمعوا في
صعيد واحد فسأل كل انسان منكم ما بلغت امنيته فاعطيت كل سائل
منكم ما نقص ذلك من ملكي الا كما لو ان احدكم مر بالبحر فغمس فيه ابرة
ثم رفعها ذلك بأني جواد ماجد افعل ما اريد - عطائي كلام وعذابي كلام
انما امري لشيء اذا اردت ان اقول له كن فيكون - رواه احمد۔[1]

ترجمہ: حضرتؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کہا اے میرے بندو تم سب بھٹکے ہوئے ہو سوائے ان کے جنہیں میں ہدایت دوں، ہدایت مجھ سے مانگو میں تمہیں راہ بتاؤں گا۔ تم سب محتاج ہو سوائے ان کے جنہیں میں غنی کر دوں مجھ سے مانگو رزق میں تمہیں دوں گا۔ تم سب گنہگار ہو سوائے ان کے جنہیں میں بچا لوں — تم میں سے جو کوئی جانے کہ میں بخشنے پر قادر ہوں پھر وہ مجھ سے بخشش مانگے میں نے اسے بخش دیا اور مجھے پرواہ نہیں — تمہارے اگلے پچھلے زندہ فوت شدہ جوان بوڑھے سب بندوں کے بدبخت ترین ہو جائیں تو میری بادشاہی سے کچھ بھی کم نہ ہو گی اور اگر تمہارے اگلے پچھلے زندہ و فوت شدہ جوان بوڑھے ایک جگہ جمع ہوں اور تم میں سے ہر انسان اتنا مانگے جہاں تک اس کی امید ہو سکتی ہے اور میں تم میں سے ہر سائل کو اتنا دے دوں میری بادشاہی میں کچھ کمی نہیں ہو گی۔ مگر ایسی کہ تم میں سے کوئی دریا کے پاس سے گزرے اس میں سوئی ڈبوئے اور پھر اسے نکال لے اس پر کتنا پانی آئے گا؟ — میں سخی ہوں بزرگیوں کا مالک ہوں جو چاہے کروں۔ کوئی مجھے روکنے والا نہیں، میرا دینا بھی صرف بات ہے اور پکڑ بھی محض ایک بات — جب چاہوں کہ کچھ ہو تو اسے کن کہتا ہوں اور وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد [illegible] صفحہ [illegible] مشکوٰۃ صفحہ [illegible] ترجمہ مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے

۴۔ عن ابی امامۃؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ بعثنی رحمۃ للعالمین وھدی للعالمین وامرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیۃ وحلف ربی عزوجل بعزتی لا یشرب عبد من عبیدی جرعۃ من خمر الا سقیتہ من الصدید مثلھا ولا یترکھا من مخافتی الا سقیتہ من حیاض القدس۔ رواہ احمد[1]

ترجمہ: حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین اور تمام جہانوں کا مرکز ہدایت بنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں معازف، مزامیر، بت اور صلیب اور جاہلیت کی ہر بات کو ختم کر دوں۔ میرے رب نے اپنے جلال کی قسم کھائی ہے کہ کوئی بندہ جو شراب کا ایک گھونٹ پئے گا اسے اتنی پیپ پینی ہوگی اور جو میرے ڈر سے اسے چھوڑ دے گا میں اسے حوض قدس سے پانی پلاؤں گا۔

۵۔ فرمان الٰہی: ان احب عبادی الی اعجلھم فطرا۔ رواہ احمد[2]

ترجمہ: محبت میں میرے زیادہ قریب وہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرے۔

حضرت امام بخاریؒ کی شہادت

۱۔ عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یقول اللہ عزوجل اذا اراد عبدی ان یعمل سیئۃ فلا تکتبوھا علیہ حتی یعملھا فان عملھا فاکتبوھا بمثلھا وان ترکھا من اجلی فاکتبوھا لہ حسنۃ رواہ البخاری ومسلم[3]

ترجمہ: حضورؐ نے بتایا اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرماتے ہیں جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اس کے نام نہ لکھو جب تک وہ اس پر عمل نہ کر گزرے اگر وہ اسے کر پائے تو اسے اتنا ہی لکھو جتنا اس نے کیا ہے اور اگر وہ اسے

۱۔ مشکوٰۃ ص۳۱۸ ۲۔ الترغیب جلد ۲ ص۱۳۷ ۳۔ الترغیب جلد ۴ ص۱۳۶

اسے میری خاطر چھوڑ دیا تو اس کی ایک نیکی لکھ دو۔

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل اذا احب عبدی لقائی احببت لقاءہ واذا کرہ لقائی کرہت لقاءہ رواہ البخاری۔[۲]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میرا بندہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے تو میں بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہوں اور جب وہ میرے پاس آنا ناپسند کرے تو میں بھی اسے ملنا نہیں چاہتا۔

۳۔ عن ابی ہریرۃ رضی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ عز وجل ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا ذرۃ ولیخلقوا حبۃ ولیخلقوا شعیرۃ رواہ البخاری۔[۳]

ترجمہ: حضرت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری طرح چیزیں بنانے کے درپے ہو۔ یہ ایک ذرہ تو پیدا کر دکھائیں ایک دانہ تو پیدا کریں۔ ایک جو ہی بنا دیں۔

۴۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر رواہ البخاری۔[۴]

ترجمہ: آنحضرت نے کہا اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ نہ کسی انسان نے اسے سوچا۔

۵۔ عن النبی قال اللہ ثلاثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ ومن کنت خصمہ خصمتہ (۱) رجل اعطی بی ثم غدر و (۲) رجل باع حرا فاکل ثمنہ و (۳) رجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ۔ رواہ البخاری وابن ماجہ۔[۵]

ترجمہ: آنحضرت سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے کہا تین قسم کے لوگ ہیں میرا قیامت کے دن ان سے جھگڑا ہوگا اور جس سے میرا جھگڑا ہو میں اسے پچھاڑوں گا۔

---

[۱] الترغیب جلد ۴ صفحہ ۲۳۳ [۲] ایضاً صفحہ ۲۳۰ [۳] ایضاً صفحہ ۵۰ [۴] الترغیب جلد ۴ صفحہ ۵۸ [۵] جلد ۳ صفحہ ۱۰

ایک وہ جس نے میرے ساتھ کوئی عہد باندھا پھر اسے توڑا۔ ۲۔ دوسرا جس نے کسی آزاد شخص کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ ۳۔ تیسرا وہ جس نے کوئی مزدور لیا اس سے تو اس نے پورا کام لیا لیکن اسے اس نے مزدوری نہ دی۔

امام مسلمؒ کی شہادت

صحیح بخاری کی مذکورہ روایات بیشتر صحیح مسلم میں بھی ہیں۔ تاہم کچھ روایات ہم صحیح مسلم سے بھی پیش کرتے ہیں۔

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الم تروا الی ما قال ربکم عز وجل قال ما انعمت علی عبادی من نعمۃ الا اصبح فریق منھم بھا کافرین یقولون الکوکب وبالکوکب۔[1]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا تمہارے رب نے کیا کہا ہے۔ فرمایا میں نے اپنے بندوں کو جب بھی کوئی نعمت دی تو کچھ لوگ اس سے کافر ہو گئے۔ کہنے لگے ستارہ ہی کیا تھا۔

۲۔ عن ابی ذر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یروی عن اللہ تبارک و تعالیٰ انہ قال یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرما فلا تظالموا۔[2]

ترجمہ: ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں حضورؐ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندو! میں نے ظلم اپنے اوپر حرام کر دیا ہے۔ جیسا کسی پر ظلم نہیں کرتا تم بھی کسی پر ظلم نہ کرو۔

۳۔ عن جندب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدث ان رجلاً قال واللہ لا یغفر اللہ لفلان وان اللہ تعالیٰ قال من ذا الذی یتألی علی ان لا اغفر لفلان فانی قد غفرت لفلان واحبطت عملک۔ رواہ مسلم[3]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۹ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۳ الترغیب جلد ۳ صفحہ ۲۸۳ جلد ۳ صفحہ ۱۰۱ [3] مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶

ترجمہ: ایک شخص نے ایک دن ایک شخص کے بارے میں کہا: بخدا اللہ اسے بخشے گا نہیں — اللہ تعالیٰ نے فرمایا کون ہے جو مجھ پر قسم باندھتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا — (سن لے) میں نے اسے بخش دیا اور تیرے اعمال ضائع کر دیئے۔

امام ابوداؤدؒ کی شہادت

۱۔ عن عبد الرحمن بن عوفؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ عز وجل انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحم وشققت لہا اسما من اسمی فمن وصلہا وصلتہ ومن قطعہا قطعتہ۔[۱]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میں خدا ہوں میں رحمٰن ہوں میں نے رحم پیدا کیا، میں نے اپنے نام سے اسے نام دیا جو صلہ رحمی کرے گا میں اسے جوڑوں گا جو قطع رحمی کرے گا میں اسے قطع کر دوں گا۔

۲۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل یؤذینی ابن آدم یقول یا خیبۃ الدہر فلا یقل احدکم یا خیبۃ الدہر فانی انا الدہر اقلب لیلہ ونہارہ۔ رواہ ابوداؤد[۲]

ترجمہ: حضرت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم جب زمانے کو گالی دیتا ہے تو مجھے اذیت دیتا ہے — تم میں سے کوئی ایسا نہ کہے اے زمانے تیرا برا ہو کیونکہ میں ہوں زمانہ (سب کچھ میرے ہاتھ میں ہے) میں اس کے دن رات لاتا ہوں (اسے گردش دیتا ہوں)۔

امام نسائیؒ کی شہادت

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یحکی عن ربہ قال ایما عبد من عبادی خرج مجاہدا فی سبیلی ابتغاء مرضاتی ضمنت لہ ان ارجعہ

۱؎ الترغیب جلد ۳ ص [illegible] ۲؎ ایضاً ص [illegible] ۳؎ الترغیب جلد ۲ ص [illegible]

۱۔ عن ابی ھریرۃؓ قال ولا اعلمہ الا قد رفعہ قال یقول اللہ سبحانہ یا ابن آدم تفرغ لعبادتی املاء صدرک غنیً واسد فقرک وان لم تفعل ملأت صدرک شغلاً ولم اسد فقرک۔[1]

ترجمہ۔ جہاں تک مجھے علم ہے حضرت ابوہریرہؓ نے حضورؐ سے روایت کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم! کچھ وقت میری یاد کے لیے نکال میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا۔ محتاجی کو تجھ سے دور کروں گا اور اگر تو میری یاد سے غافل رہا تو میں تیرا سینہ مصروفیتوں سے بھر دوں گا اور تجھے محتاج ہونے سے نہ بچاؤں گا

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ سبحانہ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری من نازعنی واحدۃ منھما القیتہ فی جھنم۔[2]

ترجمہ حضورؐ کہتے ہیں اللہ سبحانہ نے فرمایا بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا لباس ہے جو کوئی مجھ سے ان میں سے کوئی چھینے گا (بڑائی کا دعوے کرے گا) میں اسے جہنم میں پہنچاؤں گا۔

۳۔ عن النبیؐ قال ان اللہ عزوجل یقول انا مع عبدی اذا ھو ذکرنی وتحرکت بی شفتاہ رواہ ابن ماجہ۔[3]

ترجمہ۔ حضورؐ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب اس نے مجھے یاد کیا اور میری یاد میں اس کے دو ہونٹ ہلے۔

امام طبرانیؒ کی شہادت

۴۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یروی عن ربہ عزوجل انہ یقول یا ابن آدم افرغ من کنزک عندی ولا حرق ولا غرق ولا سرق اوفیکہ احوج ما تکون الیہ رواہ الطبرانی۔[4]

ترجمہ۔ حضورؐ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابن آدم

---

[1] سنن ابن ماجہ [illegible] باب الہم بالدنیا [2] ایضاً [illegible] باب البراءۃ من الکبر والتواضع [3] الترغیب جلد [illegible] [4] ایضاً [illegible]

۴۔ ان اللہ تعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمة من علیؓ[1]

ترجمہ: بے شک میرے رب نے مجھے کہا ہے کہ فاطمہؓ کی شادی علیؓ سے کر دوں۔

۵۔ ان اللہ امرنی ان اسمی المدینة طیبة[2]

ترجمہ: بے شک مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ مدینہ کو طیبہ کا نام دوں۔

۶۔ ان اللہ تعالیٰ امرنی بمداراة الناس کما امرنی باقامة الفرائض[3]

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی مدارات کا حکم دیا ہے جیسے اس نے مجھے فرائض قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

۷۔ ان اللہ امرنی ان اعلمکم مما علمنی وان اؤدبکم اذا قمتم علی ابواب حجرکم فاذکروا اسم اللہ یرجع الخبیث عن منازلکم[4]

ترجمہ: مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ کچھ بتاؤں جو مجھے میرے خدا نے بتایا اور تمہیں ادب و تہذیب سکھاؤں۔ جب تم اپنے گھروں کے دروازوں پر پہنچو تو اللہ کا نام لو تو تمہارے گھروں سے خبیث روح بھاگ جائے گی۔

۸۔ عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بن کعب ان اللہ امرنی ان اقرأ علیک القرآن قال اللہ سمانی لک قال نعم وقد ذکرت عند رب العالمین قال نعم فذرفت عیناہ۔ متفق علیہ[5]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا۔ کیا خدا نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا کیا میں رب العالمین کے حضور مذکور ہوا؟ فرمایا ہاں۔ حضرت ابیؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

اور بھی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ خدا رب العزت وحی متلو (قرآن کریم) کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمکلام ہوتے۔ آپ نے خدا تعالیٰ سے صرف قرآن کریم ہی نقل نہیں کیا آپ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت سی احادیث بھی بیان کیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

---

[1] جامع صغیر سیوطی جلد ۱ صفحہ ۶۴ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً [5] مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۰

عام انسانی ذرائع سے رسائی نہ پا سکتے تھے اور بیشک یہ وہ بات ہے جس میں نبی دوسرے انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور یہی نبوت کا اعجاز ہے۔ دیگر خصائص اس کے علاوہ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے چند عملی معجزے دکھانے کے بعد غیبی خبریں دینے کا علمی معجزہ بھی پیش کیا:

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (پ ۳ سورۂ آل عمران ع ۵)

اور میں بتلا دیتا ہوں تمہیں جو تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں رکھ آتے ہو، اس میں تمہارے لئے دوسرے خوارق سے ہونے کا پورا نشان ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"یعنی بعض مغیبات ماضیہ و مستقبلہ پر تم کو مطلع کرتا ہوں (عملی معجزات کے بعد ایک علمی معجزہ کا ذکر کیا)"[1]

انبیاء کرام کو غیبی خبروں سے نوازنا ہمیشہ سے سنت الٰہی رہی ہے۔ نبوت کا اعجاز ہے کہ نبی غائبات کی یقینی خبریں دے اور وہ بالکل اسی طرح واقع ہوں جیسا کہ انہوں نے بتایا تھا۔ امام مالکؒ نے موطا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اس قسم کا دعویٰ کیا ہے کہ آپ نے جس بات کی خبر دی وہ ٹھیک اسی کے مطابق ظہور میں آیا:

بَابُ مَا اَخْبَرَ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْغَيْبِ فَكَانَ كَمَا اَخْبَرَ[2]

"یہ باب اس بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی خبروں سے عزت بخشی اور واقع اسی طرح ہوا جس طرح اس کے ہونے کی آپ نے خبر دی تھی۔"

پھر امام مالکؒ نے اس میں احادیث پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا، واقعات نے اس کی عملی تصدیق کر دی۔ اخبار الحدیث میں انشاء اللہ العزیز اس باب سے بھی روایات پیش کی جائیں گی۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انبیاء کی خبروں میں سچائی کا ہونا ساری امت کا مجمع علیہ ہے۔ محدث شہیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

والحاصل ان الامة كافة اذا اجمعت على صدق الخبر و نفي خلافه فسبيله عن الحيف و التمسك بالمحتملات كفر بحت[3]

حاصل یہ ہے کہ جب تمام امت انبیاء کی خبروں کی سچائی پر اتفاق کر چکی ہے تو اس کا خلاف کسی تاویل سے ہو، کسی صنعت سے اور کسی احتمال سے تمسک کرتے ہوئے، ایک صریح کفر ہے۔

---

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۷۴ [2] موطا امام مالک صفحہ ۷۲ [3] فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۔۔

ترجمہ:۔ ... اور تحقیق یہ ہے کہ غیب وہ ہے جو ہمارے حواس اور علم بدیہی اور نظری سے غائب ہو، جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا سب سے علم غیب کی نفی کی ہے، پس جو دعویٰ کرے کہ وہ علم غیب رکھتا ہے تو وہ کافر ہو جائیگا اور جو ایسے شخص کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ باقی جو علم کہ اس قسم میں سے کسی حواس سے دیکھ کر یا سن کر یا چھو کر یا سونگھ کر یا چکھ کر، یا بداہت سے یا کسی دلیل سے حاصل ہو وہ غیب نہیں کہلاتا اور محققین کے نزدیک ایسے علم کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور نہ ایسے دعویٰ کی یقینی امور میں یقین کے ساتھ اور ظنی امور میں ظن کے ساتھ تصدیق کرنا کفر ہے۔ اس تحقیق سے ان امور سے متعلق اشکال رفع ہو گیا جن کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ علم غیب میں سے ہیں حالانکہ وہ علم غیب میں سے نہیں۔ اس لئے کہ وہ سمع یا بصر یا دلیل سے حاصل ہوتے ہیں۔ انہی امور میں سے انبیاء کی خبریں بھی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی خبریں وحی سے مستفاد ہوتی ہیں یا نفوس میں علم ضروری پیدا کر دیا جاتا ہے یا ان کے حواس پر حقائق کائنات کا انکشاف ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے جو بھی خبریں منقول ہیں وہ سب اللہ کے بتانے سے تھیں اور یہ بھی واضح تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقرب بندے پر ایک ہی دفعہ غیب کے تمام دروازے کھول دے کہ آئندہ اسے غیب کی بات جاننے میں کسی ذریعہ علم کا احتیاج نہ رہے بلکہ مختلف موقعوں پر حسب ضرورت اور تقاضائے مصلحت انہیں کچھ نہ کچھ اطلاع بخشی جاتی تھی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھئے تئیس سال میں وحی قرآنی بھی تھوڑا تھوڑا آتی رہی اور اس طرح وحی قرآنی کی تکمیل فرمائی گئی۔ بالتدریج یہ سلسلہ وحی جاری رہا۔

کشف سے بھی بعض امور کھلتے ہیں

پھر ایسے غیوب بھی تھے جن پر وحی کے ذریعہ نہیں کشف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بخشی گئی۔ غزوہ موتہ میں اپنے تین جرنیلوں کی شہادت آپ نے کشف میں ہی دیکھی اور صحابہؓ کو اس کی اطلاع دے دی اور فوج ظفر موج کے واپس آنے پر پھر اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ صحیح بخاری میں آپ کا یہ اطلاع دینا پوری صراحت سے مذکور ہے ——— کشف کی یہ صورت صرف نبوت سے ہی خاص نہیں سمجھتے۔ اولیاء کو بھی کشف کمالی سے نوازا گیا تھا۔ حجۃ الاسلام امام غزالی (م ۵۰۵ ھ) فرماتے ہیں:۔

" وظهر ذلك على الصحابة والتابعين ومن بعدهم فقال ابو بكر الصديق رضي الله عنه لعائشة رضي الله عنها عند موته: انما هما اخواك واختاك وكانت زوجته حاملا فولدت بنتا فكان قد عرف قبل الولادة انها بنت ——— وقال عمر في اثناء خطبته يا سارية الجبل الجبل اذ انكشف له ان العدو قد اشرف عليه فحذره لمعرفته .....

لہ [illegible] المصنف لعبد الرزاق [illegible] جلد [illegible]

فذلك لا خبر بلوغ صوته اليه من جملة الكرامات العظيمة ـــــ وعن انس بن مالك قال دخلت على عثمان ...... فقلت أوحي بعد النبي صلى الله عليه وسلم؟ فقال لا ولكن تبصرة وبرهان وفراسة صادقة

احیاء علوم الدین ج ۲ صفحہ ۲۲۳

اور کشف حضرات صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں بھی ہوا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اور حال یہ تھا کہ اس وقت آپ کی بیوی حاملہ تھیں، بعد میں ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی۔ آپ کو قبل از ولادت علم ہو گیا کہ بیٹی پیدا ہوگی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ فرمایا اے ساریہ پہاڑ کی طرف توجہ کر جب آپ پر منکشف ہوا کہ دشمن حملہ آور ہے تو آپ نے حضرت ساریہ کو فرمایا کہ آپ اس طرح جان بچا سکتے تھے۔ پھر آپ کی آواز کا حضرت ساریہ تک پہنچ جانا آپ کی کرامات عظیمہ میں سے ہے ---- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں لیکن بصیرت فراست صادقہ و برہان رہے گی۔

غیب کی ہر اطلاع تعلیم الٰہی سے ہی ہوگی

اس میں کلام نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کو، انبیاء کرام ہوں یا اولیاء عظام، وحی و الہام یا کشف سے غیبی امور پر اطلاع بخشتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی بھی بات کو از خود نہیں جان سکتا، نہ کسی کے پاس غیب جاننے کی کوئی کنجی ہے کہ جب چاہے از خود غیب کی بات جان لے۔

تعلیم الٰہی جملہ واقع ضروریات میں کارفرما رہتی ہے۔ مولانا اسمٰعیل حقی نے کیا لکھا ہے:

وما روي عن الانبياء والاولياء من الاخبار عن الغيوب فبتعليم الله تعالى اما بطريق الوحي او الالهام والكشف ۔ ترجمہ: انبیاء کرام و اولیاء عظام سے جو بعض غیبی خبریں مروی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی وحی یا الہام یا کشف کے ذریعہ تعلیم فرمانے سے ہیں۔

روح البیان

حضور پیغمبر خاتم کی اخبار غیبیہ

جب جملہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ خبر طلب وحی سے ہزاروں غیوب پر مطلع پاتے رہے تو کیا امر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پیغمبروں اور ولیوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کروڑوں غیوب پر اطلاع دی۔

اس باب میں علماء دیوبند کا عقیدہ خصوصیت سے لائق توجہ ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ۱۲۹۷ھ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ علمت علم الاولین والآخرین بشرطیکہ فہم اکی ہو تب

نہ ہوتی تو احادیث میں وہ غیبی خبریں ہرگز نہ ہوتیں جن تک رسائی عام انسانی سطح سے بالا تھی۔ ایسی حدیثیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ حدیث ایک حجت خداوندی ہے ایک ذہنی وحی ہے جو غیر متلو صورت میں ظہور میں آئی۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہو کر رہا اور جو اب تک نہیں ہوا وہ بھی ہو کر رہے گا

ان احادیث سے جو تواتر قدر مشترک سے متواتر ہیں اور پھر اخبار وقوع سے تصدیق پا چکی ہیں اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاعات غیبی صرف قرآنی وحی کے ذریعہ ہی نہ ملتی تھیں بلکہ اس کے علاوہ وحی غیر متلو سے بھی آپ کے قلب مبارک پر اخبار غیبیہ کا القاء ہوتا تھا۔ اور بہت سے امور مستقبلہ اپنی کسی نہ کسی شکل میں آپ کے لوح قلب پر انطباع پذیر ہوتے تھے۔ آپ ان اخبار و مشاہدات کی خبریں دیتے اور صحابہ کرام ان کا یقین اور مانتے کہ حدیث کا منبع و مصدر بھی یقیناً اللہ رب العزت کی ذات ہے اور وہی عالم الغیب والشہادۃ اپنے پیغمبر کو مختلف مواقع پر حسب ضرورت اور بمقتضائے مصلحت غیبی امور پر اطلاع بخشتا ہے۔

سو آج کا عنوان ان اخبار حدیث کا ذکر ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آنے والے واقعہ کی خبر دی اور وہ بعد میں پورا ہو کے رہا۔ اس قسم کی احادیث پیش کرنے کے لئے کافی ہیں کہ آپ کے پیچھے القاء الٰہی کار فرما ہے۔

اخبار غیبیہ کس طرح دلیل نبوت ہیں

اپنی طرف سے کوئی شخص بھی غیب کی خبر نہیں دے سکتا جو لفظاً پوری ہو کر رہے۔ یہ صرف انبیاء کرام ہیں جن پر [illegible] غیوب کھولے جاتے ہیں وہ پس پردہ کے واقعات کی خبر دیتے ہیں اور وہ بات بالکل صحیح نکلتی ہے۔ مومن اسے دلیل نبوت کہتا ہے۔ اور نادان اس سے انبیاء کو غیب دان سمجھنے لگتا ہے۔ مومن کی شان ہے کہ خبر غیب اور علم غیب میں ہمیشہ فرق کرتا ہے۔ انبیاء کی اخبار غیبیہ بھی تسلیم کرتا ہے اور عقیدہ توحید کو بھی ہاتھ سے نہیں دیتا۔

حدیث بے شک برحق ہے

خلاصۃ المرام اینکہ حدیث بے شک برحق ہے۔ تاریخ نبوت بتلاتی ہے کہ نبوت کے پیچھے رفاقت الٰہی پوری عصمت سے کارفرما رہا ہے۔ بعض لوگوں نے وضعی بھی گھڑیں تو اللہ تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت کے لئے ایسے نقاد ائمہ فن پیدا کئے جنہوں نے ہر صحیح و سقیم کو پرکھا اور فن حدیث کو نکھار کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج علم کے سامنے ذخیرۂ حدیث اپنی پوری حفاظت اور فنی صیانت کے ساتھ موجود ہے۔

قواعد حدیث مرتب ہیں اسماء الرجال کے ذخیرے موجود ہیں — شروح لکھی جا چکی ہیں اور آج تک کسی قوم نے اپنے پیغمبر کے اقوال و افعال کے گرد نقد روایت اور فہم درایت کے وہ پہرے نہیں بٹھائے جن سے آج تاریخ اسلام بجا طور پر نازاں ہے۔

غیب کی خبروں سے جزئیات مراد ہیں

انبیاء کرام جب بھی کوئی غیب کی بات بتلا دیں تو یہ سب انباء جزئیات ہی ہوں گی۔ انباء بالغیبات سے کلیہ مغیبات مراد نہیں۔

اللہ رب العزت کسی مصلحت سے کسی غیب خاص پر کسی کو مطلع کر دیں اس میں کوئی حرج نہیں مگر جب کلیہ کے درجہ میں ہے کوئی مخلوق غیب نہیں جانتی۔ غیب کی کنجیاں سب اللہ رب العزت کے پاس ہیں۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو (پ ۷ الانعام ۵۹)

اور قیامت کے بارے میں خاص طور پر فرمایا:۔

یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰہا قل انما علمہا عند ربی لا یجلیہا لوقتہا الا ھو (پ ۹ سورۃ الاعراف ۱۸۷)	تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو کہ کب ہے اس کے قائم ہونے کا وقت، تو کہہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے، وہی کھول دکھائے گا اس کو اس کے وقت پر۔

سو یہ بات صحیح ہے کہ قیامت کا علم ان جزئیات میں سے نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو اطلاع بخشی ہو وہ یہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

حضرت امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:۔

انہ حجب عن نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم علم الساعۃ [1]	بے شک اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم (کہ کب آئے گی) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پردے میں رکھا ہے۔

آئمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی امام شافعیؒ کے اس عقیدہ سے اختلاف نہیں کیا۔ غیب کی خبریں اولیاء کرام کو بھی ملتی ہیں۔ ہم کہہ آئے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام غیبی خبروں سے نوازے گئے ہیں لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اولیاء اللہ کو بھی بعض اوقات غیبی امور سے اطلاع دی جاتی ہے۔ البتہ ان خبروں میں خدائی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی اور ان کے خبر دینے پر قطع و یقین مرتب نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بات واقع نہ ہو جائے۔ یہ صرف انبیاء کی شان ہے کہ وہ غیب کی کسی بات سے اطلاع دیں تو وہ قطع و یقین کی حامل ہو۔ خدا تعالیٰ جب انہیں کسی غیب پر مطلع فرماتے ہیں۔ تو اس اطلاع دینے پر خدائی حفاظت سایہ فگن ہوتی ہے۔ ناممکن ہے کہ اس میں آگے پیچھے کسی طرف سے کوئی شیطانی دخل ہو۔ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ نبی کی خبر غلط نکلے۔ خدا سے اس درجے کی باخبری کسی کے بس میں بھی نہیں۔ انبیاء پوری قوم میں اس سبب میں ممتاز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ ہر کسی سے اپنے احکام کہے۔ وہ اپنی بات کہنے اور اپنے کلام کے لئے خاص افراد کو چنتا ہے وہ افراد اپنے اپنے

---

[1] احکام القرآن للامام الشافعی جلد اول ص ۱۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کا جھگڑا اور لوگوں میں منافرت اسی مقام پر ظاہر ہوا۔ اور اکثر باطل مذاہب علاقہ مشرق میں ہوئے جو کہ عراق و خراسان ہے۔

امام مالکؒ نے حدیث قرن الشیطان کے بعد پھر وہ حدیث روایت کی ہے جس میں فتنہ خوارج کی خبر دی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے سالم نے عراق والوں کو ایک موقعہ پر مخاطب کرکے کہا تھا:

یا اهل العراق ما اسألكم عن الصغيرة و اركبكم للكبيرة۔

اے اہل عراق تم چھوٹے چھوٹے گناہوں کے بارے میں کتنے سوال کرتے ہو اور بڑے بڑے گناہوں کا کس تیزی سے مرتکب ہوتے ہو؟

اس میں آپ نے صریح طور پر عراق کا نام لیا اور پھر فرمایا:

سمعت ابی عبد الله بن عمر يقول سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم ان الفتنة تجيئ من ههنا و اومی بيده نحو المشرق من حيث يطلع قرنا الشيطان[1]

میں نے اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فتنہ اس طرف سے آئے گا اور آپ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا جہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

امام احمدؒ کی ایک روایت میں مشرق کی طرف اشارہ کرنے کی بجائے عراق کی طرف اشارہ کرنے کی تصریح ہے۔

رأيت رسول الله صلی الله عليه وسلم يشير بيده نحو العراق ها ان الفتنة ههنا ان الفتنة ههنا ثلاثا[2]

میں نے حضرت رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حالت میں دیکھا کہ اپنے دست مبارک سے عراق کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ خبردار البتہ فتنہ یہاں سے اٹھے گا، البتہ فتنہ یہاں سے اٹھے گا۔ یہ جملہ آپؐ نے تین بار ارشاد فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔ بہت سے اعتقادی اور سیاسی فتنے یہیں سے اٹھے۔ واقعہ کربلا بھی اسی زمین پر پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عراق والوں کو اسی واقعہ کے بارے میں بہت ملامت کرتے تھے۔ آپ سے کسی عراقی نے مسئلہ پوچھا کہ حرام کی حالت میں مکھی کو مارنا کیسا ہے؟ آپؓ نے اس پر ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ [2] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۴۳

کا نجد یعنی عراق اور اس کے مضافات ہی ہیں۔ پس جن احادیث میں عراق یا مشرق کی بجائے لفظ نجد وارد ہے ان میں نجد سے مراد عرب کا صوبہ نجد نہیں جس کے رہنے والے نجدی کہلاتے ہیں بلکہ اس سے مراد نجد عراق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ خطابی سے نقل کرتے ہیں۔

نجد من جهة المشرق، ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها وهي مشرق اهل المدينة واصل النجد ما ارتفع من الارض وهو خلاف الغور فانه ما انخفض منها [1]

نجد عراق کی طرف سے اور اہل مدینہ کے لئے نجد بادیہ عراق اور اس کے مضافات ہیں اور یہ اہل مدینہ سے مشرق کی جانب ہے اور نجد در اصل زمین کی سطح مرتفع کو کہتے ہیں اور یہ لفظ غور یعنی پستی کے برعکس ہے۔ غور پستی کو کہتے ہیں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انما اشار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المشرق لان اهل المشرق كانوا يومئذ اهل الكفر فاخبر ان الفتنة تكون من تلك الناحية وكذا كانت وهي وقعة الجمل ووقعة صفين ثم ظهور الخوارج في ارض نجد والعراق وما وراءها من المشرق وكان يحذر من ذلك ويعلم به قبل وقوعه وذلك من دلالة نبوته صلی اللہ علیہ وسلم [2]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ اہل مشرق اس دن اہل کفر تھے۔ آپ نے پیشین گوئی فرمائی کہ فتنے اسی طرف سے اٹھیں گے اور ایسے ہی ہوا۔ جنگ جمل، جنگ صفین اور اور پھر ظہور خوارج کے واقعات، نجد، عراق اور اس کے مشرقی حصوں میں پیش آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں خبردار فرماتے تھے اور ان کے واقع ہونے سے پہلے ان کی خبر دیا کرتے تھے۔ جو آپ کی نبوت کے واضح دلائل میں سے ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جتنے عقائدی فتنے اٹھے سب عراق سے اٹھے۔ معبد الجہنی نے تقدیر کا انکار عراق ہی میں کیا تھا۔ جنگ جمل وہیں لڑی گئی۔ شیعہ معتزلہ اور خوارج کی تحریکیں وہیں شروع ہوئیں۔ جنگ صفین اسی کی صفوں میں لڑی گئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بے وفائی انہی عراق والوں نے کی اور سانحہ کربلا بھی یہیں پیش آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ ادھر سے فتنے اٹھیں گے واقعات نے تصدیق کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع وحی قرآن سے ملی ہو اس پر کوئی آیت تو نہیں پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ آپ کو یہ اطلاع بذریعہ حدیث وحی کی گئی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے غیب کی خبر نہ دیتے

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۴۵ [2] عینی علی بخاری جلد ۲۴ صفحہ ۲۰۰

ظاہری فاصلوں کے باوجود تم میرے قریب ہوگئے۔ اس لئے کہ یہ تو خاطر خواہ ہونا چاہیئے۔ اور تم ہی نہیں پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی خدا سے ڈرنے والے موجود ہیں وہ میرے قریب ہیں۔

دیکھئے، آٹھ دس سال بعد حضرت معاذؓ تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا معلوم ہوا کہ قرآنی وحی کے علاوہ وحی خفی کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے پوچھا گیا کہ قسطنطنیہ اور رومیہ میں سے پہلا کون شہر فتح ہوگا۔ حضرت عبداللہ نے ایک صندوق منگوایا اور اس سے حدیث کی ایک کتاب نکالی جس میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سن کر لکھا کرتے تھے اس میں سے دیکھ کر آپ نے فرمایا:

بینما نحن حول رسول اللہ صلی اللہ	ترجمہ: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے
علیہ وسلم نکتب اذ سئل رسول اللہ	احادیث لکھ رہے تھے کہ ایک صاحب نے سوال کیا
صلی اللہ علیہ وسلم ای المدینتین	کہ قسطنطنیہ اور رومیہ میں پہلے کون سا شہر فتح ہوگا
تفتح اولاً قسطنطنیۃ او رومیۃ	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینۂ ہرقل
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	یعنی قسطنطنیہ پہلے فتح ہوگا۔

مدینۃ ھرقل تفتح اولاً یعنی قسطنطنیۃ [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے فرمایا تھا ویسے ظہور میں آیا اور رومیہ کی فتح سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں قسطنطنیہ فتح ہوا۔ اس حدیث سے جہاں ارشادات نبوت من جانب اللہ وحی ہونے کا ثبوت مل رہا ہے وہیں عہد نبوت میں ہی کتابت حدیث کا بھی پتہ چلتا ہے۔

امام بخاری کی شہادت

عن عدی بن حاتم قال بینا انا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ اتاہ رجل فشکی الیہ الفاقۃ ثم اتاہ آخر فشکی قطع السبیل فقال یا عدی هل رأیت الحیرۃ قلت لم ارھا وقد انبئت عنہا قال فان طالت بک حیاۃ لترین الظعینۃ ترتحل من الحیرۃ حتی تطوف بالکعبۃ لا تخاف احدا الا اللہ ـــــ ولئن طالت بک حیاۃ لتفتحن کنوز کسریٰ ـــــ ولئن طالت بک حیاۃ لترین الرجل یخرج ملء کفہ من ذھب او فضۃ یطلب من یقبلہ منہ فلا یجد احدا یقبلہ منہ [2]

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا

[1] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ [2] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۷

حضورؐ کے پاس ایک شخص نے آکر غربت و فاقہ کی شکایت کی۔ پھر ایک اور شخص آیا جس نے راستے میں لٹ جانے کی شکایت کی۔ تو آپؐ نے فرمایا عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا دیکھا تو نہیں سنا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی زیادہ ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک پردہ دار عورت حیرہ سے چل کر بیت اللہ کا طواف کرے گی اور خدا کے سوا اسے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ پھر فرمایا اگر تمہاری زندگی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ اور اگر تمہاری زندگی مزید بڑھی تو تم دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا یا چاندی خیرات کرنا چاہے گا لیکن کسی کو مستحق نہ پا سکے گا۔

حضرت عدی بن حاتمؓ، جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس خبر کی تصدیق ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

فرأيت الظعينة ترتحل من الحيرة حتى تطوف بالكعبة لا تخاف إلا الله وكنت فيمن افتتح كنوز كسرى بن هرمز ولئن طالت بكم حياة لترون ما قال النبي أبو القاسم صلى الله عليه وسلم يخرج ملء كفه [1]

ترجمہ: میں نے پردہ دار عورتوں کو دیکھا کہ حیرہ سے سفر کر کے بیت اللہ کا طواف کرتی تھیں جنہیں خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوتا تھا۔ اور میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں کو فتح کیا اور اگر تم لوگوں کی زندگی دراز ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے بارے میں پیشگوئی کا مشاہدہ بھی کرو گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

إذا هلك كسرى فلا كسرى بعده وإذا هلك قيصر فلا قيصر بعده والذي نفس محمد بيده لتنفقن كنوزهما في سبيل الله [2]

ترجمہ: جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں۔ اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے ان دونوں کے خزانے خدا کے راستے میں خرچ کیے جائیں گے۔

واقعات نے بتایا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے واقعی حضرت صحابہ کرامؓ کے ہاتھ لگے۔ قیصر کا روم اور کسریٰ کا ایران، حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں فتح ہوئے۔ اور ان کے خزانے واقعی اللہ کی راہ میں تقسیم ہوئے اور قیصر و کسریٰ کا نشان تک باقی نہ رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی فرمایا:-

ثم إنه كان كما أخبر به النبي صلى الله عليه وسلم فلم يبق من اسمه (شيء)

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۷۔ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۲۲ ۔ صفحہ ۱۰۳

وما من رسمہٗ ترجمہ: پھر ایسا ہی ہوا، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی چنانچہ قیصر و کسریٰ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان فتوحات کی ترتیب بھی بتلادی تھی

تغزون جزیرۃ العرب فیفتحہا اللہ ثم فارس فیفتحہا اللہ ثم تغزون الروم فیفتحہا اللہ [1]

تم پہلے جزیرہ عرب کی جنگ لڑو گے، اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں۔ پھر فارس کی لڑائی ہوگی تم فتح یاب ہوگے کچھ عرصہ بعد روم سے معرکہ ہوگا۔ تمہیں نصرت ایزدی حاصل ہوگی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور چپکے سے انہیں کوئی بات بتلائی حضرت فاطمہ رو پڑیں پھر آپ نے ان سے آہستگی سے کوئی اور بات کہی تو آپ مسکرا اٹھیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہؓ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے بتلایا۔

سارّنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرنی انہ یقبض فی وجعہ الذی توفی فیہ فبکیت ثم سارّنی فاخبرنی انی اول اہل بیتہ اتبعہ فضحکت [2]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دوسروں سے پوشیدہ رکھ کے اطلاع فرمائی کہ اسی مرض میں میں اس دنیا سے رخصت ہوں گا، میں یہ سن کر رو پڑی۔ پھر فرمایا ہمارے گھرانے میں تم سب سے پہلے مجھے ملو گی۔ تو میں ہنس پڑی۔

امیہ ابو صفوان کے قتل کی خبر

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیہ کو مخاطب کر کے کہا تھا فواللہ لقد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہم قاتلوک [3] صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۶۳

ترجمہ: کہ خدا کی قسم! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تم (امیہ) مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوگے۔ اس پیشگوئی کے بعد امیہ ہر قسم کی حفاظتی تدابیر کے باوجود جنگ بدر میں مارا گیا۔

بحر روم کی لڑائیوں کی خبر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی حضرت ام حرام بنت ملحان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ انہیں اپنا خواب بتلایا کہ مجھ پر میرے کچھ امتی پیش کیے گئے جو اس سمندر کی لہروں پر اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہوں گے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

[1] فیض الباری جلد ۳ ص ۳۱۸ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۳ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ... [4] صحیح البخاری ج ۲ ص ...

سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا: "انت من الاولین" (تم پہلے گروہ
میں سے ہو) حضرت ام حرامؓ فرماتی ہیں: فرکبت البحر فی زمان معاویۃ بن ابی سفیان

ترجمہ: میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے عہد میں غزوہ کے لئے سمندری سفر کیا۔

حضرت ام حرامؓ اسی غزوہ میں جب سمندر سے نکلیں تو اپنی سواری سے گر پڑیں اور اسی میں ان کی وفات ہوئی ——— صحیح البخاری جلد ۲ ص ۱۱۱ کلاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خفیہ خط لے کر مکہ کو چلی۔ وہ خط مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور فرمایا کہ روضہ خاخ کے مقام پر تمہیں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے کر آؤ۔ صحیح البخاری کے الفاظ یہ ہیں:-

سمعت علیا رضی اللہ عنہ یقول بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا والزبیر والمقداد بن الاسود فقال انطلقوا حتی تأتوا روضۃ خاخ فان بہا ظعینۃ ومعہا کتاب فخذوہ منہا ـــ فانطلقنا تعادی بنا خیلنا حتی انتہینا الی الروضۃ فاذا نحن بالظعینۃ فقلنا اخرجی الکتاب فقالت ما معی من کتاب فقلنا لتخرجن الکتاب او لنلقین الثیاب فاخرجتہ من عقاصہا فاتینا بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا فیہ من حاطب بن ابی بلتعۃ الی اناس من المشرکین من اہل مکۃ یخبرہم ببعض امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: میں نے حضرت علیؓ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیرؓ اور مقداد بن اسودؓ کو بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ روضہ خاخ کے قریب تمہیں ایک سوار عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط لے آؤ۔ ہم وہاں سے چل کر گھوڑے دوڑاتے روضہ تک پہنچے۔ وہاں ایک عورت موجود تھی۔ ہم نے اس سے خط نکالنے کو کہا تو اس نے انکار کیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے دھمکی کے طور پر کہا کہ خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار لیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے بالوں سے خط نکال کر ہمارے حوالے کیا۔ ہم اسے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا تو اس میں لکھا تھا

کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام ہے۔ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خفیہ امور کا افشا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزانہ خبر دینا اور پھر اس کا کما حقہ واقع ہونا کتب حدیث سے ظاہر ہے۔

فتح شام فتح ایران اور فتح یمن کی پیشگوئی

جنگ احزاب سے کون واقف نہیں۔ آپ نے یہ بھی بار ہا سنا کہ اس میں مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ کے گرد خندق کھودی۔ کھدائی کے دوران ایک چٹان ظاہر ہوئی جس پر کدال کام نہ کرتے تھے۔ صحابہ نے حضور سے صورت حال عرض کی۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر کدال اٹھائی اور اس پر ضرب لگائی۔ ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی اور آپ نے ایک روشنی دیکھی۔ اس میں آپ نے شام کے سرخ محل دیکھے۔ آپ نے پھر دوسری ضرب لگائی اور چٹان کا دوسرا تہائی حصہ بھی ٹوٹ گیا اور آپ نے اس کی روشنی میں مدائن کے سفید محلات دیکھے۔ آپ نے پھر ایک ضرب لگائی اور باقی چٹان بھی ٹوٹ گئی اور آپ نے صنعاء (یمن) کے دروازے دیکھے۔ حضور بتاتے ہیں۔

"حضور نے اس چٹان کی پہلی ضرب پر فرمایا: اعطیت مفاتیح الشام ۔ مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں ——— دوسری ضرب پر فرمایا مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں اور تیسری ضرب پر فرمایا۔ مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں" [1]

یہ ایک عظیم پیشگوئی ہے۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس میں اس بات کی خبر دی گئی کہ یہ سلطنتیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گی۔ اس میں یہ خبر بھی تھی کہ آپ کے صحابہ جو ان ملکوں کو فتح کریں گے، وہ آپ کے نقش قدم پر ہی آگے بڑھیں گے، اور نہ ان کی فتوحات حضور کے ہاتھ میں دی گئی کنجیاں شمار نہ ہوتیں۔ اور یہ بھی کہ صحابہ حضور کی وفات کے بعد آپ کے دین سے پھرے نہیں۔ وہ آپ کی پوری تابعداری اور وفاداری سے دنیا کے کناروں تک پھیلے اور پہنچے ہیں۔

یہ خبر حدیث میں پہلے دور سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اسلام کا قرن اول کہلاتا ہے۔ یہ عہد صحابہ میں ہو بہو پوری ہوئی اور دنیا نے صداقت حدیث کے کھلے نشان دیکھے۔ حدیث میں پھر ایسی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں جو اس پہلے دور میں پوری نہیں ہوئیں، کئی صدیوں کے بعد پوری ہوئیں۔ جس وقت حدیث کی کتابیں لکھی جا رہی تھیں، اس وقت ان خبروں کے پورا ہونے کے کوئی آثار عالم ظاہر میں موجود نہ

---

[1] مسند امام احمد والنسائی

تھے۔ محدثین صرف یہ دیکھتے تھے کہ حدیث ان کے قواعد کے مطابق ہے اور قابل قبول ہے یا نہیں؟
ان پیشگوئیوں کے کتابوں میں لکھے جانے پر جب کئی صدیاں گزریں تو ان کے مصداق ظاہر ہوئے۔ یہ
ان روایات کا ایک ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ حضور نے یہ باتیں اپنی طرف سے نہ کہی تھیں
بلکہ ان میں وحی غیر متلو کا الہامی عنصر شامل تھا۔ مثلاً

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتى تخرج نار من الأرض الحجاز تضيء أعناق
الإبل ببصرى۔

(ترجمہ) قیامت سے پہلے ایک وقت ہوگا جب ارض حجاز سے ایک آگ نکلے
گی۔ وہ اونٹوں کی گردنوں تک اونچے ٹیلوں اور پہاڑوں تک کو روشن کر دیگی۔

یہ پیش گوئی حدیث کی ان کتابوں میں مذکور ہے جو دوسری اور تیسری صدی میں لکھی
گئیں لیکن یہ پوری کب ہوئی؟ ساتویں صدی ہجری میں۔ اب کسی جہت سے اس وہم کو راہ نہیں
مل سکتی کہ یہ پیشگوئیاں بعد کو خود ان کتابوں میں جگہ پا گئی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ روایات حدیث کے
الہامی پہلو کا کھلا نشان اور حدیث کے وحی غیر متلو ہونے پر ایک روشن برہان ہیں۔ حافظ ابن
حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

قال القرطبي في التذكرة قد خرجت نار بالحجاز بالمدينة وكان بدؤها
زلزلة عظيمة في ليلة الأربعاء بعد العتمة الثالث من جمادى الآخرة
سنة أربع وخمسين وستمائة واستمرت إلى ضحى النهار يوم الجمعة
فسكنت وظهرت النار بقريظة بطرف الحرة ترى في صورة البلد العظيم
عليها سور محيط عليه شراريف وأبراج ومآذن وترى رجال يقودونها
لا تمر على جبل إلا دكته وأذابته ويخرج من مجموع ذلك مثل النهر أحمر وأزرق
له دوي كدوي الرعد يأخذ الصخور بين يديه وينتهي إلى محط الركب

---

۱ مسند احمد ... النسائی ... ۲ صحیح بخاری جلد ... ص ... مسلم

العراق... قال النووی تواتر العلم بخروج هذه النار عند جمیع اهل الشام۔

قرطبی (۶۷۱ھ) نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حجاز میں (۶۵۴ھ) کو ایک آگ نکلی پہلے ایک بڑا بھاری زلزلہ آیا۔ یہ واقعہ جمادی الاخری بدھ کی شام کا ہے۔ یہ آگ جمعہ کے دن تک جلتی رہی آگ ایک بڑے شہر کی شکل میں تھی۔ جس کے گرد فصیلیں ہوں اور اس پر برج اور مینار ہیں یوں دکھائی دیتا تھا۔ جیسے اس میں کچھ انسان ہیں جو اسے چلا رہے ہیں۔ جس پہاڑ پر سے یہ گزرتی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی اور پگھلا کر رکھ دیتی۔ یوں بھی معلوم ہوتا کہ اس میں سے گرج اور نیلے دریا بھی نکل رہے ہیں۔ اس کی آواز بادل کی گرج کی سی تھی اور یہ پتھروں کو ساتھ بہا لے جاتی تھی۔ پھر اسی جگہ جا ٹھہری جو عراق والوں کے اترنے کی جگہ ہے ---- امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں۔ اس آگ کا نکلنا جمیع اہل شام کے ہاں تواتر کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے سو اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

ترکوں کے ہاتھوں عربوں پر حملہ

معاویہ بن حدیج کہتے ہیں۔ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ کہ میرے بیٹھے ہوئے ان کے پاس ان کے کسی عامل کا خط آیا کہ اس کا کسی مقام پر ترکوں سے مقابلہ ہوا اور اس نے انہیں مار بھگایا ہے۔ اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے اور اسے لکھا کہ جب تک میں نہ کہوں ترکوں سے نہیں لڑنا۔ اس وقت تک ترک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث تھی کہ جب تک ترک تم سے نہ لڑیں۔ تم انہیں نظر انداز کرنا۔ ان سے نہ لڑنا۔

اترکوا الترک ما ترکوکم [1]

(ترجمہ) ترکوں کو چھوڑے رکھو، جب تک وہ خود تم سے تعرض نہ کریں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس عامل کو یہ بھی لکھا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ترک عربوں کو نکال دیں گے۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صہ ۵۳

اس حدیث کی تصدیق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں تھی۔ آپ کا اپنے عامل سے حدیث کی روشنی میں بات کرنا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیقِ رسالت کی ایک بڑی روشن دلیل ہے۔ وہ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو سچا نہ سمجھتے ہوتے تو اپنے سیاسی امور میں وہ اس طرح حدیث کی روشنی میں نہ چلتے نہ اس طرح اس کی کھلے بندوں تلقین کرتے۔

خوارزم شاہ نے اپنے عہد میں اس حدیث کی خلاف ورزی کی اور چنگیز خاں کے قاصدوں کو قتل کروا دیا۔ پھر کیا ہوا؟ وہی کچھ ہوا، جس سے بچنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا ہدایت دی تھی۔ بغداد کی تاریخی تباہی اس کے نتیجہ میں عمل میں آئی۔ یہ ساتویں صدی کا واقعہ ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:

ان بنی قنطوراء اول من یسلب امتی ملکہم۔ [1]

(ترجمہ) "بیشک بنو قنطورا (ترک) پہلے لوگ ہوں گے، جو میری امت سے ان کا ملک لیں گے۔"

یہ پیشگوئیاں جب حدیث کی کتابوں میں لکھی گئی تھیں، اس وقت ترک دنیا میں کوئی طاقت نہ تھے۔ حضور نے فرمایا تھا:

لا تقوم الساعۃ حتی تقاتلوا قوما نعالہم الشعر وحتی تقاتلوا الترک صغار الاعین حمر الوجوہ ذلف الانوف کان وجوہہم المجان المطرقۃ [2]

(ترجمہ) قیامت نہ آئے گی جب تک تم اس قوم سے نہ لڑو، جن کے جوتے بالوں سے بنے ہوں گے اور جب تک تم ترکوں سے نہ لڑو، یہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے، سرخ چہروں والے، چپٹی ناک والے لوگ ہوں گے۔ ان کے چہرے ایسے ہوں گے، جیسے ڈھالیں ہوں۔

تاریخ گواہ ہے کہ کئی صدیاں اس کے بعد وہی کچھ ظہور میں آیا، جس کی خبر صادق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خبر دے چکے تھے

---

[1] سنن نسائی ۲ ص ۳۳ [2] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۱۰

حدیث پر قرآن کے سائے

از: حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب زید مجدہم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے آچکی ہے کہ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو ہر لفظ میں حدیث سے جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔ قدم قدم پر حدیث کی طرف متوجہ کرتا ہے تو یوں سمجھئے قرآن متن ہے تو حدیث اس کی شرح، قرآن کا اجمال ہے تو حدیث اس کی تفصیل، قرآن کریم پر عمل یحببکم اللہ کا امتثال ہے تو حدیث پر عمل اطیعوا الرسول کی تعمیل ہے۔

آج کا یہ موضوع نہیں کہ قرآن ہمیں حدیث کی طرف کس اہتمام سے متوجہ کرتا ہے بلکہ آج ہمیں اس پر توجہ کرنا ہے کہ حدیث ہمیں کس طرح قرآن کریم کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور حدیث پر کس طرح قرآن کے سائے پھیلے ہوئے ہیں۔ آج ہمیں اس امر پر غور کرنا ہے کہ حدیث میں قرآن کریم کو کس طرح سربراہ مانا گیا ہے؟ اس سے اس پراپیگنڈے کی خود تردید ہو جائے گی کہ حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ حدیث کے ذخیرہ کا اگر یہی مقصد ہوتا کہ لوگوں کو قرآن کریم سے ہٹایا جائے تو اس میں قرآن کے سائے اس دور تک پھیلے ہوئے کہیں بھی نہ ملتے۔ حق یہ ہے کہ حدیث میں قدم قدم پر قرآن کریم کی سربراہ حیثیت کا اقرار ہے۔ آئیے دیکھیں روایات حدیث میں کہیں قرآن کریم کے حوالے بھی ملتے ہیں؟ ملتے ہیں تو کس حیثیت سے؟ حدیث پر قرآن کریم کس طور پر سایہ فگن ہے؟ اور متون حدیث میں قرآن کریم کو کس حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے برابر کے مدمقابل ہونے کی حیثیت سے یا واحد ایک منبع کی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں جس سے آگے علم کی اور چشمے پھوٹتے ہوں۔

اس موضوع میں یہ دیکھنا چاہیے کہ محدثین کے ہاں مرویات حدیث میں قرآن حدیث کی اصولی حدود کیسے کارفرما ہے اور اس کے اصولی نقوش کس کس انداز میں مرویات حدیث میں موجود ملتے ہیں۔

ترجمہ: تمہیں بشارت ہو کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں۔ اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا کیونکہ تم اس کے ہوتے ہوئے کبھی ہلاک اور گمراہ نہیں ہو سکتے۔

اس قسم کی احادیث کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حدیث دراصل قرآن کے خلاف ایک گہری سازش تھی جس کا مقصد لوگوں کو قرآن سے ہٹانا اور احادیث کے گرد لانا تھا؟ کیا ان احادیث میں صریح طور پر قرآن کریم کو منبع ہدایت کے طور پر نہیں مانا گیا؟ کچھ تو سوچئے اور انصاف سے کام لیجئے۔

حدیث میں قرآن کی طرف رجوع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ نص قرآنی إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا کے تحت آپ کے فیصلے اور ارشادات بذات خود سند اور حجت ہیں۔ کسی مومن کو حق نہیں کہ صحیح حدیث جاننے کے بعد بھی سند کا مطالبہ کرے یا قرآن سے اس کی دلیل مانگے۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اساسی حیثیت اور اس کے اصل منبع علم ہونے کا بارہا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار فرمایا۔ "چاہو تو اس باب میں تم قرآن کریم بھی پڑھ لو۔" آپ کی عادت مبارک تھی کہ حدیث بیان کرتے کرتے کبھی کبھی اس کی اصل قرآن کی بھی نشاندہی فرما دیتے۔ قرآن کریم سے یہ استشہاد کبھی تو محض مضمون کے لئے ہوتا اور کبھی یہ مراد ہوتی کہ یہ بات اس کلام حکیم (قرآن) میں نقل ہے۔

اب ہم چند ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان کرتے ہوئے خود قرآن پاک سے اس کی تائید پیش فرمائی۔ ہم آج کے اس موضوع کو قرآن اور حدیث کے عنوان سے پیش کرتے ہیں اس سے یہ مضمون کھل جاتا ہے کہ مطالعہ حدیث ہمیں یہاں تک قرآن کریم کی طرف متوجہ کرتا ہے اور کیسے اصل کی طرف لوٹاتا ہے۔ یوں کہیے حدیث کی اصل قرآن کریم ہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حدیث بیان کرتے وقت قرآن پڑھنا

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِمْ قَالَتِ الرَّحِمُ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ قَالَ نَعَمْ أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ

لہ رواہ البزار کما فی الترغیب والترہیب للمنذری مع ابن حبان ص ۵۹ مطبوعہ مصر۔ ورواہ الطبرانی فی الکبیر کما فی مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۹ ان تمام روایات میں قرآن کریم پر انحصار کیا گیا ہے کہ وہ اطاعت رسول کی دعوت دیتے ہوئے خود بھی مستند کر... بھی شامل ہے کما قال المجہور [illegible]

بَلٰى يَا رَبِّ قَالَ فَهُوَ لَكِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ [1]

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو رشتہ داری نے عرض کیا کہ اے اللہ یہ تیرے حضور اس کی فریاد ہے جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس سے ملوں جو تجھے جوڑے اور اس سے قطع تعلق کر دوں جو تجھ سے قطع تعلق کرے۔ رحم نے عرض کیا کیوں نہیں میرے پروردگار۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا بس یہ تجھے حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ [2] دیکھا عجیب ہے کہ اگر تم مالک بن جاؤ زمین کے تو اس میں فساد کرنے لگو اور رشتہ داریوں کو کاٹنے لگو۔ اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع رحم اور رشتوں کے حقوق توڑنا کی مذمت بیان کرتے ہوئے اس پر قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی جس میں قطع رحم کی برائی مذکور تھی۔ کیا اس میں آنحضرت نے اپنے بیان پر قرآن کریم سے شہادت پیش نہیں فرمائی؟ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث، قرآن کے خلاف ایک مستقل بنیاد کھڑا کرتا تھا؟ کچھ تو غور کیجئے اور حدیث کی اہمیت سے انکار نہ کیجئے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حد مارنے کیلئے لایا گیا۔ حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر کچھ غبار کے سے آثار ظاہر ہوئے۔ گویا کہ آپ پریشان ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ پر یہ صورت کیا گراں گزری؟ آپؐ نے فرمایا:

وَمَا يَمْنَعُنِي وَاَنْتُمْ اَعْوَانُ الشَّيْطَانِ عَلٰى اَخِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ يُحِبُّ الْعَفْوَ وَاِنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ لِوَالٍ اَنْ يُؤْتٰى بِحَدٍّ اِلَّا اَقَامَهُ [3]

ترجمہ: اور اس سے مجھے کونسی چیز روک سکتی ہے؟ اور تم اپنے بھائی پر شیطان کے مددگار بن رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالے ہیں اور معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور والی یعنی حاکم کیلئے جائز نہیں کہ اس کے پاس حد کا کوئی معاملہ لایا جائے مگر یہ کہ وہ اس حد کو قائم کرے۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (حضرت عبدالرزاق ۱۱۴۰ ہجری روایت کرتے ہیں) "وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا" [4] (اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طبعی رجحان کا اظہار فرمانے کے بعد اس پر قرآن کریم کی آیت سے استشہاد فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا اس حدیث پر قرآن کریم کا صحیح

---

[1] صحیح بخاری ص ۸۸۶ مطبوعہ دہلی [2] پ ۲۶ سورہ محمد ع ۳ [3] المصنف ج ۷ ص ۴۳۷، مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۸، سنن کبریٰ بیہقی ج ۸ ص ۳۳۱ - ص ۳۳۲

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے لیکن جب گرفت فرماتا ہے تو اس کی کوئی صورت رہائی کی نہیں پاتی۔ جس پر بطور استدلال کے یہ آیت تلاوت فرمائی "وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ"[1] کہ تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی سخت ہے۔ جب وہ بستیوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑ لے[1]

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدَّوَاوِيْنُ ثَلَاثَةٌ دِيْوَانٌ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ الْاِشْرَاكَ بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ... الحدیث[2]

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا اعمال کے تین دفتر ہیں ان میں ایک دفتر میں کسی قسم کی بخشش نہ ہوگی۔ وہ وہ دفتر ہے جس میں شرک کے مقدمے فیصل ہوں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ[3]
کہ بے شک اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں فرمائیں گے۔

(۱۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَاِذَا طَلَعَتْ وَرَاٰهَا النَّاسُ اٰمَنُوْا اَجْمَعُوْنَ فَذٰلِكَ حِيْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا[4]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہو۔ اور جب لوگ آفتاب کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھ لیں گے تو روئے زمین کے سب لوگ فوراً ایمان لے آئیں گے۔ سو یہ وہ وقت ہوگا جب کسی شخص کا ایمان لانا اسے نفع نہ دے پائیگا۔ جب تک پہلے سے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔

آپ نے اپنے اس بیان پر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا[5]

دیکھئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث اور قرآن میں کس گہرے ربط کا اظہار فرما رہے ہیں گویا حدیث منبع قرآن سے ہی ایک چشمہ پھوٹ رہا ہے۔ اور اس میں قرآن مجید اپنی جملہ اپنی لہریں دکھا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن و حدیث کا جو ربط بیان فرما رہے ہیں وہ اس حدیث سے واضح ہے

---

[1] سورۃ ہود پ ۱۲ آیت ۱۰۲ [2] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۴۸ [3] سورۃ نساء پ ۵ آیت ۴۸
[4] مسند احمد [illegible] [5] پ الانعام [illegible]

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ اگر ایسا ہوتا حدیث پر قرآن کے اتنے وسیع سائے ہرگز نہ پھیلتے۔

(۱۰) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجود میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي بہت پڑھتے ہیں تو آپ کی نظر قرآن مجید کی اس آیت پر گئی: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا [1] (ترجمہ) سو آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے بے شک وہ توبہ قبول کرنے والے ہیں۔ اس میں تسبیح تحمید اور طلب مغفرت تینوں کا ذکر ہے۔ اور حضور کی مذکورہ دعا میں بھی یہ تینوں باتیں موجود ہیں۔ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ۔ [2]

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجود میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي بہت پڑھتے تھے۔ آپ اپنے اس عمل سے گویا قرآن پوری فرماتے تھے جو سورۂ نصر میں مذکور ہے، "آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کریں اور اس سے مغفرت چاہیں" —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کو اسلام کی مرکزی ہدایت نہ مانا ہوتا تو آپ کا عمل اس طرح قرآن کی عملی تشکیل نہ کرتا، آپ کے عمل اور قرآن پاک کی مذکورہ ہدایت میں تطبیق کس نے رکھی؟ حضرت ام المومنین نے .... معلوم ہوا ان کے عقیدے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال قرآن ہی کی عملی تشکیل تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی ایسی بات روایت کرتا ہے جو بظاہر مضمون قرآن سے ٹکراتی ہے تو وہ بات ہرگز حضور نے کہی نہ ہوگی۔ سو ایسی صورت میں وہ راوی ایسی غلط بات کہہ رہا ہوگا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا:- قَالَتْ مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ قَالَ وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَنْظِرِينِي وَلَا تَعْجَلِينِي أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ تَعَالَى وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۔ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى۔ فَقَالَتْ أَنَا أَوَّلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ أَرَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَقَالَتْ أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ

۱؎ پ ۳۰ سورۃ النصر ۲؎ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۰۴

کہا گیا ہے کہ لوگوں تک پہنچا دیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو آپ نے فریضۂ رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔
پھر فرمایا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل آئندہ کے بارے میں خبر دے سکتے تھے اور کیا ہونے والا ہے یعنی عالم الغیب تھے، تو وہ بھی غلط یا جھوٹ باندھتا ہے، کیونکہ رب العزت فرماتے ہیں قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ زمین و آسمان میں غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ——— تو دیکھیں غور فرمائیں کہ حضرت ام المؤمنینؓ کس طرح ایک ایک قدم پر قرآن کریم کی رہنمائی کی طرف متوجہ فرما رہی ہیں۔ گویا احادیث قرآن کریم کی توضیح و تشریح ہے وہ الگ کوئی ایک بھی سا نہیں ہے۔

(۱۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک سے اس طرح وابستہ رہے کہ ایک آیت جو کسی خاص موضوع پر آتی ہو اور اسی طرح کا کوئی دوسرا حکم اس کے علاوہ موجود ہو۔ تو آپ کو اس آیت سے وہ دوسرا حکم بھی یاد آ جاتا تھا۔
ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں:
لَمَّا نَزَلَتِ الْآيَاتُ الْأَوَاخِرُ مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَحَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ [1]
جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر تشریف لے جا کر شراب کی تجارت کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے۔ باب قول يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ——— سورۃ البقرہ کی آخری آیات سود کے بارے میں ہیں۔ سود کی حرمت سے شراب کی حرمت کی طرف متوجہ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوق قرآنی اور قرآن کریم کے وسیع پیمانے پر سامنے رکھنے کی خبر دیتا ہے۔ (۱۸) عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ [2]

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں لکھا جا چکا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر ہم اپنے لکھے ہوئے پر اکتفا کر لیں اور عمل کو چھوڑ دیں؟ ارشاد فرمایا نہیں، عمل کرو، ہر ایک شخص کو اسی چیز کی توفیق ہوگی جو اس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استشہاد فرمایا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ثم قرأ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى [3]

---
۱ بخاری ج ۱ ۲ صحیح بخاری جلد ۲ متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۲۱ ۳ پ ۳۰ اللیل

ترجمہ: مومن شہید ہے۔ آپ نے اس پر یہ آیت تلاوت کی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ۔ ترجمہ: اور وہ لوگ جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی سچے ایمان والے اور شہید ہیں۔

حضرت مجاہدؒ کا یہ لطیف استدلال آپ کے سامنے ہے۔ دیکھا تابعین حضرات کس طرح بات بات پر قرآن کریم سے تمسک کرتے تھے۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی۔

(۳) حضرت ابن جریجؒ نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا

اَلرَّجُلُ يُطَلِّقُ وَلَا يَبِيْتُهَا اَيْنَ تَعْتَدُّ؟ مرد طلاق دے عورت کو اور رات گزارنے کی جگہ نہ دے تو عورت عدت کہاں گزارے۔ آپ نے فرمایا فِيْ بَيْتِهَا الَّذِيْ كَانَتْ فِيْهِ اپنے خاوند کے گھر جہاں وہ رہتی تھی۔ ابن جریجؒ نے پوچھا اگر خاوند یہ اجازت دے دے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ہاں رہ سکے آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا [illegible] اِلَّا مُغَيَّرٍ اس حالت میں اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس گناہ میں وہ خاوند بھی شریک ہوگا۔ یعنی وہ اپنے گھر والوں کے ہاں نہ جائے۔ اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ثُمَّ تَلَا ــــــ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔

پھر آیت پڑھی۔ وہ ان عورتوں کو نہ نکالو جنہیں طلاق ہوئی۔ ان کے گھروں سے نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ بے حیائی۔

ابن جریجؒ نے پوچھا کیا یہ آیت اس باب میں ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ دونوں طرح کے مسائل ہیں۔

آپ نے دیکھا تابعین حضرات اپنی اپنی احادیث میں کس طرح قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ حدیث پر قرآن کے مقابلے سے بہت اعتراض کئے گئے ہیں۔ اور صحابہؓ و تابعینؒ نے حدیث کو ہمیشہ قرآن کریم کے تحت سمجھا۔ حدیث قرآن کے خلاف کوئی متوازی ماخذ علم ہرگز نہ سمجھی گئی تھی۔

(۴) حضرت مجاہدؒ نے فرمایا عیسائی باندی سے نکاح نہ کیا جائے اور اس پر آیت سے استشہاد فرمایا۔ محدث عبدالرزاقؒ روایت کرتے ہیں۔

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ فِي الْاَمَةِ النَّصْرَانِيَّةِ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا الْمُسْلِمُ
اَلَمْ تَسْمَعِ اللّٰهَ يَقُوْلُ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ

ترجمہ: حضرت مجاہدؒ سے عیسائی باندی کے بارے میں مروی ہے کہ اس سے مسلمان نکاح نہ کرے۔ اس پر آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی اور کہا کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وہ کہتا ہے

مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ تمہاری باندیوں میں سے مسلمان۔ پوری آیت یہ ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

۱؎ پ ۲۸ سورۃ الطلاق ع ۱ ۲؎ المصنف جلد ۷ ص ۲۲ ۳؎ المصنف جلد ۷ ص ۱۷۶ ۴؎ پ ۵ سورۃ النساء

ولاجناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء ص ۲۵

ہم کہاں تک اس باب کا استقصاء کریں جگہ جگہ احادیث کو قرآنی آیات کے تابع بنانے لگتے ہیں۔ صحیح بخاری کا پورا سلسلہ اسی طرح قرآن کے سائے میں آگے تک پھیلا گیا ہے کتاب التفسیر اس کا ایک مستقل بڑا باب ہے جس میں تقریباً ہر سورت کے تحت کچھ روایات پیش کی گئی ہیں۔ کیا اب بھی کوئی صاحب علم و دیانت یہ بات کہہ سکتا ہے کہ تدوین حدیث دراصل قرآن کے خلاف ایک بھی سازش تھی۔ جس کا مقصد لوگوں کو قرآن کریم سے دور کرنا تھا

——— سبحانک ھذا بہتان عظیم۔

حضرت امام مسلم نے اپنی صحیح کے باب خود نہیں باندھے اس لیے اب ہم سنن نسائی (م ۳۰۳ھ) کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (پ ۹ الاعراف آخری)

ترجمہ: قرآن کریم جب پڑھا جائے تو اس کی طرف پوری طرح کان دھرو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس میں کافروں کو بھی تنبیہ کی گئی ہے جو قرآن پڑھے جانے پر شور کرتے تھے اور لغو کلامی کرتے تھے کہ چپ رہو اور اسے سنو۔ ہو سکتا ہے تم رحمت خداوندی (دائرہ اسلام) میں آجاؤ۔ لیکن آیت چونکہ نماز کے بارے میں اتری تھی۔[1]

اس لیے مسلمانوں کو پابند کیا گیا کہ جب امام قرآن پڑھے (سورۃ فاتحہ ہو یا اس کے بعد کی سورت) تو مقتدی امام کی طرف کان لگائے رہیں خود نہ پڑھیں چپ رہیں ——— امام نسائی اس آیت سے باب باندھتے ہیں اور اس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب امام پڑھے تو تم چپ رہو، اذا قرأ فانصتوا۔ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت

---

[1] حافظ ابن تیمیہ حضرت امام احمد سے نقل کرتے ہیں۔ قال احمد اجمع الناس علی انہا نزلت فی الصلوۃ (فتاوی ابن تیمیہ جلد ۲ ص ۴۱۲) امام تفسیر عبید بن عمیر (م ۴۸ھ) اور حضرت عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ انہا کانت فی الصلوۃ تفسیر ابن جریر جلد ۹ ص ۱۰۳ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۸۰

تو مخالف حدیث کی ترتیب اسی انداز میں نہ ہوتی جس کی بحثیں تھا تو صحیح بخاری کی سے بارہ نقل کر
سنن نسائی سے اور تفسیر امام بغوی سے ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں ——

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں کئی دفعہ کتاب اللہ کی اہمیت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ احادیث انہی محدثین نے روایت کی ہیں، جن کے خلاف عجمی سازش کے کردار ہونے کا الزام ہے۔ سو خفت عقل زہریت کو ایک چیز بڑا عجیب ہے ۔ امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) کی شہادت بھی دیکھئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی دو رکعتوں سے فارغ ہو کر سعی کے لئے نکلے تو آیت ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ۔ ورد زبان تھی، آپ نے صفا سے سعی کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

نبدأ بما بدأ اللہ بہ فبدأ بالصفا ورقی علیہ حتی رای البیت
وکبر اللہ ووحدہ[1]

ترجمہ: ہم سعی وہاں سے شروع کرتے ہیں، جہاں سے خدا تعالیٰ نے اس (حکم) کو شروع کیا۔ آپ نے صفا سے شروع کیا کہ صفا پر چڑھے اور آپ نے بیت اللہ شریف کو دیکھا اور تکبیر کہی اور اللہ رب العزت کی توحید کا کلمہ (لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ) کہا۔

اب آپ ہی کہیں حدیث کا یہ طرز بیان اور محدثین کا یہ انداز روایت قرآن کریم کو ساتھ لے کر چلنا ہے یا یہ قرآن کریم سے دور کرنے کی ایک سکیم ہے، روایات میں ترکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانی قد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ[2]

ترجمہ: اور میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صہ ۲۶۲ [2] ایضاً ج ۱ صہ ۲۶۴

کیسے احادیث میں بھی قرآن کریم کی طرف رغبت دلائی گئی ہے یا ان میں مسلمانوں کو قرآن سے دور کیا گیا ہے ؟

سنن ابن ماجہ کو دیکھئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا۔ دو لکیریں اس کی دائیں طرف لگائیں اور دو بائیں طرف اور خط اوسط (درمیانی لکیر) پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا۔ یہ اللہ کی سیدھی راہ ہے اور پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔[1]

ترجمہ: اور یہ ہے میری سیدھی راہ سو تم اسکی پیروی کرو اور دوسری راہوں پر مت پڑو کہ وہ تجھے اس کی راہ سے بھٹکا نہ دیں۔

ان روایات کے ہوتے ہوئے کیا کوئی سمجھدار شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ محدثین حدیث جمع کرنے میں لوگوں کو قرآن کریم سے دور کرنے کی سازش کئے ہوئے تھے۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) کی شرح معانی الآثار کو لیجئے۔ آپ کو اس کے خطبہ میں یہ الفاظ ملیں گے۔ لما یشھد لہ من کتاب اللہ الناطق والسنۃ المجتمع علیہ۔[2]

کیا اس میں کتاب اللہ اولین درجے میں تسلیم نہیں کی گئی اور کیا سنت متواترہ اس کے ساتھ لازم نہیں رکھی گئی۔ حدیث کی تعلیم ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ دین کے اصل ماخذ کتاب اللہ و سنت نبوی ہی ہیں۔

امام بیہقی (۴۵۸ھ) کی سنن کبریٰ کو لیجئے یہ کتاب الطہارت سے یوں شروع ہوتی ہے۔[3]

قال اللہ جل ثناءہ وانزلنا من السماء ماءً طہورا ۔ وقال فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیبا۔ (پ ۵ المائدہ ع ۲)

حدیث کے داخلی مطالعہ میں آپ جتنے دور تک چلے جائیں گے۔ یہ حقیقت آپ کے ایک

[1] پ ۸ الانعام ع ۱۹ [2] طحاوی شریف جلد ۱ ص ۹ [3] سنن کبریٰ جلد ۱ ص ۲

مجھ کے لئے اشکال نہیں رہ سکتی کہ حدیث کتاب اللہ کی ہی ایک تدبین اور اسی اجمال کی ایک تفصیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے قرآن کریم کو ہمیشہ شریعت کا پہلا ماخذ اور حدیث کو اس کا دوسرا ماخذ سمجھا ہے۔ اور حدیث ہمیشہ قرآن کریم میں ہی جلوہ پیرا رہی ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں کا مبداء ذات الٰہی ہے۔ وحی متلو اپنے ثبوت میں قطعی ہے اور وحی غیر متلو اگر متواتر نہ ہو تو یہ اپنے ثبوت میں ظنی ہے۔ ظنی کا حق ہے کہ وہ قطعی کے سایہ میں چلے اور تاریخ رسالت میں اس کے شواہد بے شمار ہیں۔

صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی دین کی بات سنتے یا آپ کو کوئی کام کرتے دیکھتے تو ان کے نزدیک یہ وحی غیر متلو اسی طرح قطعی ہوتی تھی جس طرح وحی متلو قطعی ہے۔ لیکن جب یہ وحی غیر متلو خبر واحد کے طور پر آگے نقل ہوئی تو اس میں من حیث الثبوت ظنیت آگئی۔ اب اس کا مقام ماخذ شریعت میں بیشک دوسرا ہوگا تاہم اس میں کسی شک اور تردد کی گنجائش نہیں کہ حدیث ہمیشہ قرآن کے سائے میں رہی ہے اور اسی کے سائے میں اب تک چل رہی ہے۔ والحمد للہ علی ذلک ——

قرآن الحدیث سے ہماری مراد یہی ہے کہ حدیث کے موجود لٹریچر میں قرآن کریم کے بارے میں کیا تصور ملتا ہے اور کتب حدیث میں کیا باعتبار فن حدیث اور کیا باعتبار درجہ قرآن کریم کو کس مقام پر رکھا گیا ہے —— تمت بالخیر۔

———

حجیت حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد۔

آج کے عنوان میں لفظ حدیث سے مراد تحریرات حدیث Documents of hadith نہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور تعلیمات محفوظ کی گئی ہوں۔ یہ تعبیر متاخرین کی اصطلاح ہے۔ اور اس سے مراد وہ مرویات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقہ راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ ثقہ راویوں کا نقل کردہ سرمایہ اپنی جگہ مستند اور حجت ہے۔ اور ہم اس موضوع پر ان شاء اللہ العزیز آئندہ گفتگو کریں گے۔ آج کا موضوع حدیث کی قانونی حیثیت Authoritative position سے بحث کرنا ہے۔

حجیت حدیث میں حدیث سے مراد

اس وقت موضوع کلام تحریر اور روایت سے قطع نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا متن ہے۔ اور حجیت حدیث کے عنوان میں ہم حدیث کو اس کے بالکل اسی کے ابتدائی معنوں میں لے رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اسے اپنی تعلیم کے لیے استعمال فرمایا ہے[2] اور اس معنی میں یہ لفظ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی

---

[1] آج کل حدیث کا لفظ حدیث کی کتابوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور اس سے مراد ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات حدیث اسی کی Narration ہے۔ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا: لقد ظننت یا ابا ہریرۃ ان لا یسألنی عن ہذا الحدیث احد اول منک لما رأیت من حرصک علی الحدیث (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۰) بقیہ اگلے صفحہ پر۔

استعمال ہوتا رہا ہے۔[1] صحابہ کرامؓ اسے ان معنی میں عام استعمال کرتے تھے۔[2] اور آج اسی معنی
کے اعتبار سے ہم حجیت حدیث پر گفتگو کریں گے۔ آج کے موضوع میں حدیث اور سنت دونوں

---

۱ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نضر اللہ امرأ سمع منا
حدیثا فحفظه حتى يبلغه غيره (جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۰) حضرت مقدام بن معدیکرب کہتے
ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یوشك الرجل متكئا على اريكته يحدث بحديث
من حديثي فيقول بيننا وبينكم كتاب الله (سنن ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۳) مشہور شیعہ محدث شیخ
صدوق (م ۳۸۱ھ) ایک سوال کے جواب میں آنحضرت سے روایت کرتے ہیں۔ الذین
یاتون من بعدی ویروون حدیثی وسنتی (معانی الاخبار ص ۳۷۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو احد الکاذبین (صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۷
جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۱) ان روایات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی تعلیم کے لیے لفظ حدیث
استعمال فرمانا بصراحت مذکور ہے۔

۲ حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی۔ انی اسمع منك حدیثا
کثیرا (صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۲) حضرت ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون نے حضور اکرم کی
کی خدمت میں گزارش کی۔ ذهب الرجال بحدیثك فاجعل لنا من نفسك یوما ناتیك فیه تعلمنا
مما علمك الله (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی تعلیمات کے
لیے لفظ حدیث کا یہ استعمال عام تھا۔ شیعہ روایات میں بھی مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی: عد علی حدیثك یا رسول الله (اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۲۰)
اے اللہ کے رسول آپ اپنی حدیث میرے لیے ایک بار پھر بیان فرمادیں ———— ان تصریحات
سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات کے لیے لفظ حدیث کا استعمال دور اول میں عام تھا۔

۳ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ انه لیمنعنی ان احدثکم حدیثا کثیرا ان النبی قال من
تعمد علی کذبا فلیتبوأ مقعده من النار (صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۱) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ انا کنا
نحفظ الحدیث والحدیث یحفظ من رسول الله (سنن ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
کہتے ہیں کہ اذا حدثتم بالحدیث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فظنوا به الذی هو اهیأ

سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہوگی اور اس اعتبار سے یہ موضوع آپ کی ہر سنت کو شامل ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات کے لئے سنت کا لفظ بھی عام استعمال فرماتے تھے۔[1] سو اس وقت حدیث اور سنت کو ہم ایک معنی میں لے کر حجیت حدیث پر بحث کر رہے ہیں۔ پس حجیت حدیث کے عنوان میں ہماری مراد خود حجیت پیغمبر AUTHORITY OF THE PROPHET ہے۔ جس کا حاصل آپ کی ذات گرامی کا قولاً و فعلاً دین کا ماخذ اور سند ہونا ہے۔ سنت امر ہے کہ آپ کے نقش پا سے زندگی کی راہیں تلاش کرے۔

اس تنقیح سے وہ شکوک و شبہات ایک طرف رہ جاتے ہیں جو بعض گوشوں میں کتب حدیث اور ان کی تدوین پر کئے جاتے ہیں۔ کتب حدیث کا سند AUTHORITY ہونا خبر واحد SINGLE REPORT کا اعتبار اور عدم اعتبار اور سند متصل اور سند مرسل کی تفصیل یہ سب علمی موضوعات ہیں اور ان پر آئندہ کسی وقت گفتگو ہوگی۔ یہ موضوعات اعتقادی نہیں۔ فقط ایک علمی درجہ رکھتے ہیں۔

والذی هو احمدی و بیدی هو حق (سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۴۱) حضرت علی المرتضیٰ سے بھی یہ لفظ اس طرح منقول ہے۔ شیعہ روایات میں حضرت علیؓ کا ارشاد مذکور ہے۔ اذا حدثتم بحدیث فاسندوه الی الذی حدثکم۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۵۲)

[1] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة نبیه۔ (موطا امام مالک صفحہ ۳۶۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اصوم و افطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ)
ایک حدیث میں فرمایا۔ من احیی سنة من سنتی قد امیتت بعدی کان له من الاجر مثل من عمل بها (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین رواه ابوداؤد (معالم السنن للخطابی جلد ۴ صفحہ ۳۰۱) شیعی محدث شیخ صدوق بھی روایت کرتے ہیں اور اس میں لفظ سنت اس طرح ہے۔ جید لا عند ولکم فی ___ ترک سنتی۔ (معانی الاخبار صفحہ ۸۰) علامہ کلینی نے بھی روایت کیا ہے۔ من رغب عن سنتی فلیس منی (اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۸۰) جس نے میری سنت سے گریز کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حجیت پیغمبر ایک اعتقادی مسئلہ ہے۔

حجیت پیغمبر یعنی پیغمبر کی اتھارٹی Authority ایک اساسی اور اعتقادی موضوع ہے۔ قرون اولیٰ کے معتزلہ کا انکار حدیث بھی محض ایک علمی اختلاف تھا کہ خبر واحد حجت ہے یا نہیں؟ حجیت پیغمبر کے اساسی اور اعتقادی موضوع کا انکار نہ تھا۔ قرون اولیٰ کے ان اختلافات میں خود پیغمبر کی ذات گرامی کبھی زیر بحث نہیں آئی تھی نہ حجیت پیغمبر سے اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں کبھی کسی مسلمان نے انکار کیا تھا۔ حافظ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

> اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرتؐ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابل حجت سمجھتے رہے یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا۔[1]

معتزلہ کا انکار حجیت پیغمبر کا انکار نہ تھا

معتزلہ کا یہ خلاف سرمایہ حدیث کی اخبار احاد Single reports سے اختلاف تھا حجیت پیغمبر کا انکار نہ تھا۔ ان کے شیخ ابو علی جبائی نے حدیث کی صحت کے لیے مزید جو شرط لگائی ہے[2] اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اصولاً حجیت پیغمبر کے قائل تھے۔ ہاں عقلی فکر و نظر کو زیادہ سے زیادہ راہ دینے کے لیے خبر واحد کے انکار کی آزادی ان کا ایک علمی حربہ تھا۔ بعض اوقات یہ اس تاویل سے حدیث کا انکار کر جاتے تھے کہ یہ مضمون ان کے زعم میں قرآن پاک کی فلاں آیت کے خلاف ہے[3] لہٰذا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں

---

[1] الاحکام جلد ۱ ص ۱۱۴ [2] دیکھئے تدریب الراوی للسیوطی ص ۲۱۔ البتہ معتزلی متکلم جناب ابو الحسین مصری از روئے عقل عبادات میں خبر واحد کی پیروی کے قائل تھے۔ (الاحکام للآمدی جلد ۲ ص ۶۶)

[3] گنہگار مسلمانوں کی شفاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب سے صحیح اور محکم روایات سے ثابت ہے۔ مگر معتزلہ نے یہ کہہ کر ان سب احادیث کا انکار کر دیا کہ یہ سب احادیث قرآنی ارشاد فما تنفعهم شفاعة الشافعين (پ ۲۹ المدثر ع ۲) کے خلاف ہیں۔ حالانکہ یہ آیت اپنی جگہ خود متشابہ

ہو سکتا۔ اس انداز فکر سے ہمیں علمی سطح پر بہت اختلاف ہے لیکن ہم یہ بات پورے وثوق
سے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں پیغمبر کی Authority حیثیت کا ہرگز انکار نہیں۔ حجیت
پیغمبر کا موضوع کبھی بھی اور کہیں بھی اسلام میں اختلافی نہیں رہا۔

حجیت پیغمبر صرف نظام حیات تک نہیں

جہاں تک لفظ حجیت کا تعلق ہے یہ ایک قانونی تعبیر ہے۔ حجیت پیغمبر سے مراد یہ
ہے کہ پیغمبر کی ذات بحیثیت قانونی Legal position کے حجت سند ہے۔
لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پیغمبر خدا کی ہر بات ماننے بغیر صرف اسلامی نظام کی تکمیل
نہ ہوگی۔ بلکہ پیغمبر خدا کی ہر بات معمولاً تسلیم کئے بغیر ایمان بھی قائم نہیں رہتا۔ پیغمبر خدا کی ہر
بات کو حجت اور سند تسلیم کرنا صرف ایک نظام کی تکمیل ہی نہیں تقاضائے ایمان بھی ہے۔
اور اس کا اصولاً انکار کرنا کفر ہے۔ یہیں لفظ حجیت نظام حیات سے آگے بڑھ کر نجات
آخرت تک کو موضوع بناتا ہے۔ آپ اگر ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہوں۔ جہاں ا
سلامی نظام حیات نافذ نہیں اور وہاں آپ تعلیمات حضور کی تعلیمات کو حجت اور سند نہیں
مانتے تو آپ مسلمان نہیں رہ سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو حجت اور
سند ماننا اساسی ایمان ہے اور اس کے بغیر آخرت میں کسی کی نجات نہیں۔ یہاں آپ کی
OBEDIENCE محض ایک حاکم کی ہدایت کی اطاعت نہیں۔ اس سے مختلف ہوگی۔ ایک
حاکم کی تعمیل احکام محض ایک انتظامی مسئلہ ہے۔ مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد
ایک ایمانی مسئلہ بھی ہے۔ جس سے اعراض حد تغییر تا کفر ہوگا۔ قرآن پاک نے اسے متعدد

اور محتاج نا دلیل تھی۔ اس سے کئی مواد لئے جا سکتے ہیں۔ کافر کے حق میں کسی کی شفاعت قبول نہ ہو
گی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اعلام الموقعین ابن القیم جلد ۲ ص۲۹۰ قرآن کریم میں شفاعت بالاذن
کا اقرار پوری صراحت سے دوسری جگہ موجود ہے۔ من ذا الذی یشفع عندہ الا
باذنہ (پ ۳ البقرہ ع ۲) کون ہے جو اس کے ہاں کسی کی شفاعت کر سکے؟ ہاں اس کے اذن سے
کر سکے گا۔ یہ صورت مستثنیٰ ہے اور یہ اذن بھی صرف مسلمانوں کے لئے ہو سکے گا۔

عنوانوں سے پیش کیا ہے۔ ہم یہاں اسے صرف دس عنوانوں سے ذکر کرتے ہیں۔

قرآن کی پہلی شہادت کہ پیغمبر سے روگردانی کفر ہے

① قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین[1]

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے اس خاص رسول کی اطاعت کرو۔ سو اگر یہ منہ پھیریں تو بے شک اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت صرف ایک حاکم کی حیثیت سے نہیں، ایک پیغمبر کی حیثیت سے ہے۔ حاکم کی اطاعت نہ کرنا ایک جرم تو ہے لیکن کفر نہیں لیکن قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ پھیرنے کو کفر قرار دے رہا ہے۔ پس یہ آیت ایک حکم حاکم کی حجیت کا سبق نہیں دے رہی حجیت پیغمبر کا عقیدہ بیان کر رہی ہے اور حق یہ ہے کہ آپ کی اطاعت امت پر اس اعتبار سے فرض ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور اللہ کے بندوں پر اللہ کی حجت ہیں اور آپ سے روگردانی اللہ کے ہاں کفر ہے۔

اللہ کے پیغمبر کی اطاعت شرک نہیں

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ پیغمبر کی اطاعت صرف اس بنا پر حجت نہیں کہ آپ کو اللہ کا پیغمبر مان لیا جائے۔ آپ کو پیغمبر ماننا دراصل اللہ کی ہی اطاعت ہے کہ اس نے پیغمبر بھیجا اور امت نے اسے مانا۔ پیغمبر کی اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی ہدایات کو اصولاً اپنے لیے حجت اور مستند سمجھا جائے اور اس سے اصولاً منہ پھیرنا کفر تسلیم کیا جائے۔ قرآن کریم کی اس آیت نے امت پر دو اطاعتیں فرض کی ہیں، ایک اللہ کی اور دوسری پیغمبر کی۔ جو پیغمبر کی اطاعت کرتا ہے وہ آپ کو پیغمبر خدا مان کر پہلے اللہ کی اطاعت کر چکا اور اس اعتبار سے آپ کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے۔ اس کی اطاعت کے ساتھ شرک نہیں۔ پیغمبر کو ہر بات میں اگر خدا کا نمائندہ Allah's representative تسلیم کیا جائے تو اس کی اطاعت میں

---

[1] پ ۳ آل عمران ع ۴۔

شرک کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کی ہر بات خدا کی بات شمار ہوگی۔ لیکن شریعت کو اگر خدا اور اس کے رسول میں تقسیم کیا جائے کہ کچھ باتیں خدا نے فرض کیں اور کچھ اس کے پیغمبر نے۔ کچھ چیزیں خدا نے حلال کیں اور کچھ اس کے پیغمبر نے کچھ چیزیں اللہ نے حرام کیں اور کچھ اس کے پیغمبر نے، اور ان تصریحات میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ آپ اپنی طرف سے تحلیل و تحریم کا اختیار رکھتے تھے کہ جسے چاہیں حرام کردیں اور جسے چاہیں حلال کردیں تو اس قسم کے عقیدہ سے اطاعت رسول بے شک شرک قرار پائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں موضوع اطاعت صرف اللہ کا حکم نہیں رہا۔ ایک مقابل کا حکم بھی یہاں جگہ پا گیا ہے۔

قرآن کریم کی دوسری شہادت کہ رسول کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے:

(۲) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناک علیہم حفیظا۔[1]

ترجمہ۔ جو اس رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ بے شک اللہ کی اطاعت کر چکا، اور جس نے روگردانی کی سو ہم نے آپ کو اس پہ نگران نہیں بھیجا۔

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے۔ اللہ ہی نے رسول کو ہدایات دیں کہ وہ انہیں اس کے بندوں تک پہنچائیں اور اسی نے حکم دیا کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ سو ہر پہلو میں حلال و حرام اور امر و نہی کا مصدر خدا کی ہی ذات رہی اور پیغمبر اس کے ترجمان ہوئے۔ سو اس میں شرک کا کوئی پہلو ہرگز نہیں ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہاں اطاعت رسول کو مضارع میں اور اطاعت خداوندی کو ماضی میں لایا گیا ہے کہ ہر دو اطاعتیں مستقل ہیں۔ سو ہمیں یہ حق نہیں کہ پیغمبر کے احکام کی اصل قرآن کریم میں تلاش کرتے رہیں کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو یہ حکم کہاں اور کیسے دیا تھا۔ اس لیے کہ پیغمبر خدا کی بات آگے پہنچانے میں بالکل معصوم ہیں۔ ان سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ پس ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ پیغمبر کی کسی بات کی پڑتال کے درپے ہوں۔ یہ قرآن کا کھلا حکم ہے

[1] پ ۵ النساء ع ۱۱

گا۔ آپ کی اطاعت صرف بایں معنی نہیں کہ آپ کو اللہ کا پیغمبر مان لیا جائے۔ بلکہ آپ کی اطاعت آپ کی ہر بات کو صراحتاً خدا کی بات ماننا ہے اور اپنے جھگڑے اس سے چکانا ہے۔

قرآن کی تیسری شہادت کہ امرِ رسول کی مخالفت کرنا عذابِ خداوندی کو دعوت دینا ہے

قرآن پاک مومن کی اس ذمہ داری کو ایک دوسرے مقام پر اطاعتِ رسول کی بجائے امرِ رسول کے واجب التسلیم ہونے کے عنوان سے ذکر کرتا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ اطاعتِ رسول کا اصل یہ ہے کہ ہر امرِ رسول کے آگے تسلیم و انقیاد ہو۔ محض اطاعتِ رسول کو صرف تسلیم کرنا کافی نہیں۔ امرِ رسول کو تسلیم کرنا اس کے ساتھ لازم ہے اور امرِ رسول کی مخالفت کرنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے:۔

(۳) فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔[1]

ترجمہ۔ سو ڈریں وہ لوگ جو آپ کے امر کا خلاف کرتے ہیں کہ آپڑے ان پر کچھ خرابی یا آئے ان کو عذاب دردناک۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ امرِ رسول کی اطاعت حکمِ حاکم کی اطاعت سے اصولاً مختلف ہے۔ حکمِ حاکم کی مخالفت سے صرف قانون کی گرفت سخت ہوتی ہے کوئی عذاب نہیں اترتا لیکن امرِ رسول کی مخالفت سے بسا اوقات عذاب بھی نازل ہوتے ہیں۔ قرآن کریم آپ کی ہر بات تسلیم کرنے کو اور دل سے تسلیم کر لینے کو تقاضائے ایمان قرار دیتا ہے۔

قرآن کی چوتھی شہادت کہ مومن کو امرِ رسول کی مخالفت کا حق نہیں

(۴) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا۔[2]

ترجمہ۔ اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب مقرر کردے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام تو انہیں اپنے کام کا کوئی اختیار

---

[1] پ ۱۸ النور ع ۹ [2] پ ۲۲ الاحزاب ع ۵

باقی رہے اور میں نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی سو وہ
بھولا راہ سے صریح چوک کر۔

یہاں قضاء رسول کے تسلیم کرنے سے یہ مراد نہیں کہ پیغمبر کو پیغمبر مان لیا جائے۔ پیغمبر مان لینے کا اقرار خود لفظ مومن اور مومنہ میں پہلے سے موجود تھا۔ یہاں اس پیغمبر کے ہر فیصلے کو تسلیم کرنا ہر مومن کے لیے تقاضائے ایمان قرار دیا جا رہا ہے۔ امر رسول کی اطاعت نہ صرف اقرار رسالت ہے اور نہ یہ حاکم کی اطاعت ہے۔ بلکہ اس کا تعلق اولی ایمان کے ساتھ ہے۔ حاکم کی اطاعت بنا پر حکومت ہوتی ہے۔ لیکن امر رسول کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت اور آخرت کی مغفرت کے لیے ہے اور یہ ایمان کا تقاضا ہے۔

قرآن کی پانچویں شہادت کہ اللہ سے تعلق اطاعت رسول سے ہی قائم ہو سکتا ہے

(۵) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم۔[1]
ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو
اللہ تم سے محبت کرنے لگا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت ایمان کا جزو لازم ہے۔ ایمان والوں کی علامت یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے بہت محبت ہوتی ہے۔ والذین آمنوا اشد حبا للہ۔[2] اس محبت کو قرآن کریم نے اطاعت رسول سے وابستہ کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا پر ایمان اطاعت رسول کے جذبہ صادقہ کے بغیر کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ایمان کے لیے صرف آپ کو رسول مان لینا ہرگز کافی نہیں ہر ہر بات میں آپ کی اطاعت کا ارادہ شرط ہے۔

اطاعت پیغمبر کی ذمہ داری صرف اس کی تصدیق سے ادا نہیں ہوتی۔ آپ کے ساتھ مومنین کسی مجلس میں جمع ہوں تو آپ کی اجازت کے بغیر انہیں مجلس سے اٹھنے تک کی اجازت نہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

---

[1] پ ۳ آل عمران ع ۴۔ [2] پ ۲ البقرہ ع ۲۰۔

قرآن کی پہلی شہادت کہ ہر گوشہ زندگی میں اذن رسالت درکار ہے۔

انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر
جامع لم یذہبوا حتی یستاذنوہ ان الذین یستاذنونک اولٰئک
الذین یؤمنون باللہ ورسولہ فاذا استاذنوک لبعض شانہم فاذن
لمن شئت منہم واستغفر لہم اللہ ان اللہ غفور رحیم۔[1]

ترجمہ: ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ اور
جب ہوں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے،
اس کی اجازت کے بغیر - بے شک جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے
ہیں سو وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ــــ پھر جب وہ
آپ سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیے تو آپ اجازت دے دیا
کریں ان میں سے جس کو چاہیں اور استغفار چاہیں اللہ سے ان کے لیے
بے شک وہ ہے بخشنے والا بہت رحم کرنے والا۔

حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:۔
جب اللہ تعالیٰ نے بھی ایمان کے لیے لازم قرار دیتے ہیں کہ مومن جب
آپ کے ساتھ کسی مجلس میں جمع ہوں تو آپ سے اجازت لیے بغیر کہیں
نہ جائیں تو یہ بات ایمان کے لیے بدرجہ اولیٰ لازم ہوگی کہ مومنین کوئی بھی
قول اور کوئی علمی مسلک آپ کی اجازت کے بغیر اختیار نہ کریں اور ظاہر
ہے کہ آپ کی اجازت کا علم انہی احادیث سے ملے گا جو آپ سے مروی
ہیں کہ آپ نے کسی بات کی اجازت دی ہے یا نہ۔[2]

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب آپ کے حکم کے بغیر کسی امر جامع سے جانا
بھی درست نہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر محض اپنی رائے سے کوئی شرعی حکم اختیار کرنا کیسے

۱؎ پ ۱۸ النور ع ۹ ۲؎ اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۴۳

درست ہو سکے گا۔ آپ کی اطاعت کو لازم جاننے کا اقرار ایمان کے لوازم میں سے ہے۔ حافظ ابن قیم ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

> جو شخص کتب سیرت اور روایات پر غور کرے گا، یہودی اہل کتاب اور مشرکین کے آپ کی رسالت کی شہادت دینے اور آپ کو سچا کہنے اور اس شہادت کے انہیں داخل اسلام نہ کرنے کے واقعات پر غور کرے گا۔ وہ جان لے گا کہ اسلام صرف آپ کے پہچان لینے یا صرف پہچان لینے اور اقرار کرنے کا نام نہیں بلکہ اسلام اس معرفت اور پہچان، اقرار، انقیاد و فرمانبرداری کے لیے جھکنا اور آپ کی اطاعت اور آپ کے دین کا ظاہراً اور باطناً لازم پکڑنے کا نام ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ ایمان میں تصدیق و اقرار کے ساتھ انقیاد اور التزام طاعت ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو ایمان و کفر کے مابین ایک حد فاصل ہے۔ جسے عبور کیے بغیر خدا کی بادشاہی میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ انقیاد اور التزام طاعت کسی شرط سے مشروط نہیں۔ رسول بھیجے ہی اسی لیے جاتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔

> وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔[2]
>
> ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسی لیے کہ اس کی حکم الٰہی کے تحت تابعداری کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول معصوم ہوتے ہیں۔ پیغمبر معصیت کرے تو وہ معصیت امت کے لیے شریعت بنے گی۔ یہ بات منظور باری تعالیٰ نہیں کہ معصیت شریعت بنے۔ اسی لیے حکمت باری متوجہ ہوئی کہ پیغمبروں سے معصیت صادر نہ ہو اور نہ کوئی لغزش باقی رہے۔ پس اس نے ان برگزیدہ ہستیوں کو شان عصمت بخشی اور مقام رسالت سے بعید ٹھہرایا کہ ان سے کوئی خیانت سرزد ہو۔

وما کان لنبی ان یغل۔[3] کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ کسی قسم کی خیانت کرے۔

یہ آیت مقام نبوت کو ہر قسم کی خیانت سے نیت کی ہر یا اصل میں پاک قرار دے رہی ہے۔

---

[1] زاد المعاد جلد ۳ صفحہ۔ [2] پ ۵ النساء ع ۹ [3] پ ۴ آل عمران ع ۱۷ آیت ۱۶۱

عصمت رسالت تقاضا کرتی ہے کہ رسول جس بات کا حکم دے وہ یقیناً بھلی ہو اور جس کام سے روکے وہ یقیناً بُرا ہو، جس چیز کی اباحت دے وہ طیب ہو اور جس چیز کو حرام ٹھہرائے وہ خبیث ہو۔ قرآن کریم اسی حقیقت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں ذکر کرتا ہے۔

يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث. پ ۹ الاعراف ع ۱۹

ترجمہ۔ وہ حکم کرتا ہے ان کو نیکی کا اور روکتا ہے ان کو بُرے کاموں سے اور حلال ٹھہراتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر سب ناپاک چیزیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول کی اطاعت مستقل ہے کسی شرط سے مشروط اور کسی قید سے مقید نہیں۔ ہاں یہ نسبت ضرور ہے کہ آپ کی ہر بات اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر آپ کی ہر بات امت کے لیے حجت اور سند ہے، خواہ اس کی اصل قرآن کریم میں ملے یا نہ۔ امت اس بات کی مکلف نہیں کہ امر رسول کی اصل قرآن کریم میں تلاش کرے۔ آپ کی ہر بات کے لیے کسی اور دلیل کی تلاش اور ضرورت نہیں ہے۔

مجتہدین اور اولی الامر کی اطاعت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہو۔ کیونکہ وہ حضرات بذات خود حجت اور سند نہیں ہوتے اور ان سے بحالات اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلے سے اختلاف کیا، اس کی گرانی بھی دل میں رکھنا انسان کو خدا کی بادشاہی سے باہر کر دیتا ہے۔ قرآن پاک میں اولی الامر کی اطاعت اطاعت رسول کے تابع ہے کیونکہ اولی الامر معصوم نہیں مگر اطاعت رسول اطاعت خداوندی سے مشروط نہیں، رسول خود معصوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بذات خود حجت اور سند بنایا ہے اور ان کی اطاعت مستقل ٹھہرائی ہے۔

قرآن کی ساتویں شہادت کہ رسول کی اطاعت حاکم کی اطاعت سے مختلف ہے

(۱) اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر. پ ۵ النساء ع ۸

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اُن کا جو تم
میں سے اولی الامر ہوں ______ پھر اگر کسی بات میں جھگڑ پڑو تو اس کو لوٹاؤ
اللہ کی طرف اور رسول برحق کی طرف، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔

یہاں تین اطاعتیں فرض کی گئی ہیں: ۱۔ اللہ کی اطاعت۔ ۲۔ رسول پاک کی اطاعت۔
۳۔ اولی الامر کی اطاعت ______ مگر لفظ اطیعوا صرف دو بار آیا ہے۔ الرسول کے لیے لفظ
اطیعوا مستقل طور پر وارد ہوا۔ مگر اولی الامر کی اطاعت اسی اطیعوا کے ماتحت رکھی گئی۔ جو
الرسول پر داخل تھا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت میں تو شرط ہے کہ خدا اور
اس کے رسول کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ ان کی اطاعت کے تابع ہو۔ لیکن رسول کی اطاعت میں
یہ شرط نہیں لگائی گئی۔ کیونکہ اس کی ہر بات اللہ کے حکم سے ہوگی اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔
رسول کی ہر ہر ادا اور ہر ہر بات پر خدا کی حفاظت کا پہرہ ہوتا ہے۔ سو پیغمبر کی اطاعت اور ایک
حاکم کی اطاعت میں جوہری فرق ہے اور یہ بات آیات گذشتہ کے ضمن میں بھی اجمالاً ذکر کر
دی گئی ہے۔ اطاعت رسول کی اس حیثیت کو ہم ذرا اور واضح کرتے ہیں۔

① حاکم کی اطاعت آخرت کی رحمت کو لازم نہیں۔ پیغمبر کی اطاعت سے آخرت کی رحمت ملتی ہے۔ [1]

② حاکم کی اطاعت گناہوں کی بخشش کا سبب نہیں۔ پیغمبر کی اطاعت سے گناہ بھی بخشے جاتے ہیں۔ [2]

③ حاکم کی اطاعت نہ کرنے سے عذاب نہیں ہوتا۔ پیغمبر کی اطاعت نہ کرنے سے عذاب اترنے کا اندیشہ ہے۔

④ حاکم کی اطاعت ایک دستور انتظامی ہے۔ مگر پیغمبر کی اطاعت کا اقرار تقاضائے ایمانی ہے۔

⑤ حاکم کی اطاعت صرف انتظامی امور تک محدود ہے۔ مگر پیغمبر کی اطاعت زندگی کے ہر دائرے میں لازم ہے۔

۱؎ پ۱۸ النور آیت ۵۲ ۲؎ پ۱۸ النور ع ۹ آیت نمبر ۶۲ ۳؎ پ۲۲ الاحزاب ع ۵

(۶) حاکم کی اطاعت اس کی موت کے بعد لازم نہیں، پیغمبر کی اطاعت اس کی موت کے بعد بھی لازم رہتی ہے۔

(۷) حاکم کی اطاعت خدا کی اطاعت شمار نہیں ہوتی مگر پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت کہلاتی ہے۔[۱]

(۸) حاکم کی اطاعت ضروری نہیں کہ وہ صواب اور صحیح راہ ہو۔ مگر پیغمبر کی ہر بات لازماً درست اور با صواب ہے۔

(۹) حاکم کے ہر فیصلے کے خلاف اپیل ہو سکتی ہے مگر پیغمبر کے فیصلے کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی۔[۲]

(۱۰) حاکم سے اس کے فیصلے کی دلیل پوچھی جا سکتی ہے، مگر پیغمبر سے اس کے فیصلے کی دلیل مانگی نہیں جا سکتی، پیغمبر کا فیصلہ خود ایک دلیل ہے۔ ہاں آپ سے کسی بات کی تشریح کی درخواست کی جا سکتی ہے مگر یہ طلب علم ہے، پیغمبر کی بات سے ٹکراؤ نہیں، نہ اس کے حق ہونے میں کوئی تردد ہے۔

قرآن کی آٹھویں شہادت کہ بدون انقیاد ایمان ہی قائم نہیں ہوتا

(۸) فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما[۳]

ترجمہ: سو قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ کبھی ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک تجھے ہر اس بات میں جو ان میں اختلاف پکڑے، اپنا منصف نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلے کے بارے میں نہ پائیں اپنے جی میں کوئی تنگی اور قبول کریں اسے خوشی سے۔

اس آیت نے واضح طور پر بتا دیا کہ پیغمبر کی اطاعت صرف ایک حکم اور منصف Arbiter کی حیثیت سے نہیں، پیغمبر کی حیثیت سے ہے۔ حکم کے فیصلے کو ماننا ایک قانونی تقاضا ہے۔ اس پر ایمان موقوف نہیں، مگر پیغمبر کے فیصلے کو ماننا ایمان کا تقاضا ہے۔

---

[۱] پ۵ النساء ع ۱۱ [۲] پ۲۲ الاحزاب ع ۵ [۳] پ۵ النساء آیت نمبر ۶۵

۳۔ حکم کے فیصلے کے بارے میں دل میں گرانی ہونی کوئی عیب نہیں۔ مگر پیغمبر کے فیصلے کے خلاف دل میں گرانی رکھنا ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔ مہر پیغمبر کی ہر بات میں پیغمبر کو حکم تسلیم کرلینا یہ بنا بر حکومت نہیں بنا بر رسالت ہے۔ آپ کے ہر فیصلے کے آگے تسلیم و انقیاد لازم ہے۔ آیت ہذا اپنے سیاق و سباق کے مطابق اطاعت رسول کی فرع ہے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔

ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی بات حکم الٰہی سے مانی جائے۔ اگلی آیت میں اس مطلب کو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لازم ہونے پر منطبق کیا گیا ہے اور پھر اس ذکر کا اختتام ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم پر کیا گیا ہے۔ جس میں ان لوگوں کی رحمت پر اللہ کا انعام ہے اور یہ صفت ذکر کی گئی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ پیغمبر کا حکم ہونا محض کسی قاضی ہونے کی حالت میں محدود نہیں Judge in his Chair بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہر فیصلے کو حجت اور سند قرار دیا ہے اور آپ کی اطاعت کو مستقلاً فرض ٹھہرایا ہے۔ امام شافعیؒ اس آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیتے ہیں۔[1] مشہور شیعہ محدث علامہ کلینی بھی امام جعفر صادقؒ سے اس آیت کا عموم اسی طرح روایت کرتے ہیں۔[2]

اگر لوگ ایک اللہ کی عبادت کریں نمازیں قائم کریں زکوٰۃ دیں بیت اللہ شریف کا حج بھی کریں اور رمضان کے روزے بھی رکھیں پھر کسی چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول نے مقرر کیا ہو۔ کہیں کہ صحیح بات اس کے برعکس ہے یا یہ بات اپنے دل میں رکھیں تو وہ اس بات سے مشرکین ٹھہریں گے۔ پھر اس پر حضرت امام نے یہ آیت تلاوت کی۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً

---

[1] کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۱۵۱ [2] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۹

مما قضیت و یسلموا تسلیما۔[1]

معلوم ہوا کہ رسول پاکؐ کا ہر ہر فیصلہ حجت اور سند ہے۔ آپ جس چیز کی اجازت دیں اسے اپنانا اور جس چیز سے روکیں اس سے رکنا ضروری ہے۔

قرآن کی نویں شہادت کہ پیغمبر کا ہر حکم واجب القبول ہے۔

(۹) ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا۔[2]

ترجمہ۔ جو چیز تمہیں اللہ کا رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔

اتاکم الرسول صرف مادی چیزوں خاتم و غیرہ کے لیے ہی نہیں۔ علم دینے۔ بات کہنے اور دوسرے احکام دینے کو بھی ایتاء سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت۔[3]

ترجمہ۔ اللہ بلند کرتا ہے ان کے لیے جو تم میں سے ایمان لائے اور دیئے گئے علم، درجات۔

اوتوا العلم کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں۔ اتیناہ الحکمۃ کے الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب۔[4]

ترجمہ۔ ہم نے اسے تدبیر اور بات کی قوت فیصلہ دے رکھی تھی۔

کیا یہاں قول پر ایتاء کا لفظ نہیں آیا۔ گر یہاں آ سکتا ہے تو ما اتاکم الرسول میں رسول کی ساری باتیں کیوں نہیں آتیں۔ و من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا میں کیا عطائے حکمت کے لیے ایتاء کا لفظ نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون کی جب حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تو اسے یوں ذکر فرمایا:

---

[1] پ النساء آیت ۶۵ [2] پ الحشر آیت ۷ [3] پ المجادلہ آیت ۱۱ [4] پ ص آیت ۲۰

فوجدا عبداً من عبادنا آتیناه رحمة من عندنا و علمناه من لدنا علماً[1]

ترجمہ: پھر ان دونوں نے پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جس کو ہم نے حکمت و توفیق دی اور اسے اپنے پاس سے علم دیا تھا۔

تو یہاں حکمت کو لفظ آتینا سے بیان نہیں کیا گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وآتیناه الحکم صبیاً وحناناً من لدنا وزکوة وکان تقیاً[2]

ترجمہ: اور ہم نے اس کو بچپن ہی میں حکم کرنا دیا اور اپنی طرف سے شوق دیا اور دی پاکیزگی اور تھا وہ بچنے والا۔

کیا یہاں حکم کی بات طبیعت کے شوق و مزاج کی پاکیزگی کو لفظ آتینا سے بیان نہیں کیا ہے؟

یہ آیات اس بات کے شواہد ہیں کہ آتاکم کے لفظ کو مادی چیزوں سے ہی خاص نہیں۔ علم حکمت توفیق اور بات کہنے کو بھی اس سے تعبیر کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح زر و مال تقسیم فرماتے تھے علم بھی بانٹتے تھے اور ہر کسی کو اس کے اپنے ظرف کے مطابق عطا تھا۔

محدثین حدیث انما انا قاسم واللہ معطی کو باب العلم میں بیان کرتے ہیں تو وہ اسے باب علم میں ہی لاتے ہیں۔ اسے باب الرزق میں اسے کسی نے روایت نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رض (۳۲ھ) وہ اس طبقے کے استاد تھے جنہیں حضرت عمر نے راس العرب رجمجمتہا کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ صرف مادی عربی امور سے آشنا تھے؟ نہیں ــــ آپ نے آیت آتاکم الرسول سے حدیث پر [illegible] میں استدلال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ[3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ لعنت کرے گودنے والی اور گدوانے والی بالوں کو نچوانے والی اور دانتوں میں حسن کے لئے دانتوں کو ریتی سے رگڑنے والی عورتوں پر لعنت کرے۔

آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ فلاں فلاں

---

[1] پ ۱۵ الکہف آیت ۶۵ [2] پ ۱۶ مریم آیت ۱۲ [3] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۳۱۲ مشکوٰۃ ص ۳۸۱

قرآن کریم میں یہاں مثبت اور منفی دونوں پیرائے ہیں مثبت کو آتاکم سے اور منفی
کو نھاکم سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ معلوم نہیں نہی کا لفظ امر کے مقابلہ میں آتا ہے۔ یامرون
بالمعروف وینہون عن المنکر کس نے نہیں پڑھا۔ قرآن کریم نے یہاں ما آتاکم الرسول کو ما
نھاکم عنہ کے مقابل اور فخذوہ کو فانتہوا کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے۔ سو اس بات میں کسی تردد
کی گنجائش نہیں ہے کہ ما آتاکم یہاں ما امرتکم بہ کے معنی میں ہے۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی جملہ تعلیمات کو شامل ہے۔ یہ وہ ہدایت ہے جو آپ اللہ کی طرف سے لائے اور یہی وہ
پیغام ہے جو آپ نے امت کو دیا۔ قرآن کریم نے اسی کی تاکید کی اور فرمایا ما آتاکم الرسول
فخذوہ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں آتاکم کو امرتکم بشیء سے ذکر کیا ہے
اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس آیت میں آتاکم واقعی امرتکم کے معنی میں ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اقرع بن حابس نے حضور سے سوال
کیا کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ حج زندگی میں ایک دفعہ فرض ہوتا ہے۔
اس نفلی حج اس کے علاوہ ہے وہ پھر بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایسے ہی ایک
سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاذا امرتکم بشیء فأتوا منه ما استطعتم وما نهيتكم عن
شیء فدعوه[1]

ترجمہ: جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو تم اس پر جہاں تک تم سے ہو سکے
عمل کرو اور جب کسی چیز سے تمہیں روکوں تو تم اسے چھوڑ دو۔

قرآن کریم میں جہاں ما آتاکم الرسول میں ما کو نکرہ لایا گیا اور حدیث میں بھی واذا امرتکم
بشیء میں بشیء کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے احکام آ گئے اور
ان میں سے ہر ایک کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ آیت کے عموم نے
ہر اس بات کو جو حضور نے کر کے اپنے اندر سمو لیا اور شیء کا نکرہ ہونا ہر حکم نبوی کو شامل
ہو گیا ____ حاصل اینکہ یہ حدیث اور یہ آیت ایک کلیدی درجہ رکھتی ہیں جس سے احادیث

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۳۲

سکے ہر عمل کو شامل ہے اور آپ اپنے تمام اقوال و اعمال میں ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کی بے شمار شہادتیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

۱۔ حضرت قتادہؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ریشم پہننے سے منع کرنا چاہا۔ ایک شخص نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ؟ فرمایا ہاں۔ کیوں نہیں؟ — (آپ اس کپڑے کو کسی مصلحت سے منع کرنا چاہتے تھے، یہ نہیں کہ اسے ناجائز سمجھتے تھے) اس پر آپ نے اس ارادے کو ترک فرما دیا۔ روایت میں ہے۔ فترکہا عمرؓ۔[1]

۲۔ یعلیٰ بن امیہ حنظلی صحابی کہتے ہیں میں حضرت عمرؓ کے ساتھ طواف کر رہا تھا۔ آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ میں بیت اللہ کی جانب تھا۔ حضرت عمرؓ میرے ساتھ ساتھ تھے جب ہم رکن غربی کے پاس پہنچے۔ میں نے آپ کا ہاتھ کھینچا کہ آپ رکن غربی کا استلام کریں۔ آپ نے پوچھا تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا کیا آپ استلام نہیں کریں گے؟ آپؓ نے فرمایا کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ میں نے کہا ہاں (کیوں نہیں) انہوں نے کہا کہ تو نے آپ کو ان غربی رکنوں کا استلام کرتے دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں — آپ نے فرمایا:

الیس لک فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوۃ حسنۃ وقلت بلی — قال فابعد عنک۔[2]

ترجمہ۔ کیا تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں اسوۂ حسنہ نہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں — آپ نے فرمایا پھر اس سے دور رہو۔

۳۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ قرآن سمجھنے والا کون ہو گا۔ آپ سے زیادہ قرآن کریم کے سیاق و سباق پر کس کی نظر تھی۔ آپ نے جب یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ اپنے اوپر وہ چیز حرام کرے جو اللہ نے اس کے لیے حرام نہیں فرمائی تو اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہو گا یہ کفارہ دینے سے وہ چیز اس پر حرام نہ ہو سکے گی — اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[3]

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱ صفحہ ۔۔ [2] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۔۔ [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۔۔ صحیح مسلم جلد ۔۔

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا۔

من نذر ان ینحر نفسه او ولده فليذبح كبشا ۔ ثم تلا لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة۔[۱]

ترجمہ: جس نے نذر مانی کہ اللہ کے لیے اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے کو ذبح کرے گا اسے اس کے لیے ایک مینڈھا قربانی میں دینا ہوگا۔ اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے کو ذبح نہ کرے۔ اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ــــــ

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة۔

۵۔ صلاۃ مسافرین میں عمدۃ العارفین حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں تھے۔ آپ نے بعض لوگوں کو سفر میں سنتیں پڑھتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ عرض کیا گیا سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے کہا اگر مجھے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو فرض نماز میں قصر کا حکم کیوں ہوتا؟

صحبت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان لا يسبح بالنهار وصحبت مع ابي بكرؓ فكان لا يسبح بالنهار وصحبت مع عمرؓ فكان لا يسبح بالنهار وصحبت مع عثمانؓ فكان لا يسبح بالنهار ثم قال ابن عمرؓ لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة[۲]

ترجمہ: میں نے حضورؐ کے ساتھ سفر حج کیا ہے۔ آپ دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی حج کیا ہے۔ آپ بھی دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کیا۔ وہ بھی دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی حج کیا۔ وہ بھی دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة۔[۳]

صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يزد على ركعتين في السفر حتى قبضه الله ثم صحبت ابا بكرؓ فلم يزد على ركعتين ثم صحبت عمرؓ فلم يزد على ركعتين ثم صحبت عثمانؓ فلم يزد على ركعتين حتى قبضهم الله وقد قال الله لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة۔ سنن ابن ماجہ صلاۃ

۱؎ المصنف عبد الرزاق ج۸ ص۴۵۸ ۲؎ المصنف عبد الرزاق ج۲ ص۵۶۰ ۳؎ صحیح مسلم ج۱ ص۲۴۲ ۴؎ صحیح البخاری ج۱ ص۱۴۹

آپ نے فرمایا، نہیں حضورؐ نے طواف کے بعد دو رکعت پڑھیں اور ساتھ ہی صفا و مروہ کی سعی کی۔

۸۔ ایک شخص نے حجرِ اسود کے بوسہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ اس نے پوچھا اگر ہجوم زیادہ ہو جائے اور استلام مشکل ہو؟ ــــ آپ نے فرمایا:۔

اجعل ارأیت بالیمن رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستلمہ ویقبلہ[1]

ترجمہ: "اگر" کو تو یمن میں پھینک، میں نے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرِ اسود کا استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے۔

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا۔ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھے گا اتفاق سے اس کے بعد فوراً عید آگئی۔ کیا وہ عید کے دن بھی روزہ رکھے۔ آپ نے فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید کا روزہ نہ رکھتے تھے نہ اسے پسند فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس موقع پر پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ــــ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[2]

۱۰۔ امام زین العابدینؒ نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے کر دیا اور اپنی ایک کنیز کو آزاد کرکے خود اس سے نکاح کر لیا۔ خلیفہ عبدالملک نے انہیں ایک خط لکھا اور خاندانی شرافت یاد کرائی۔ آپ نے لکھا:

ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ قد اعتق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفیۃ بنت حیی وتزوجہا واعتق زید بن حارثۃ و زوجہ ابنۃ عمہ زینب بنت جحش۔[3]

اس قسم کی متعدد مثالیں کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ و تابعین نے اس آیت کو کسی ایک واقعہ یا صورتِ حال سے خاص نہیں کیا، بلکہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات و ہدایات کے لیے ایک کلیدی آیت سمجھا ہے۔ آپ کی ساری شریعت اور جملہ اوامر و نواہی اس آیت کے تحت امت کے لیے ایک نمونۂ عمل ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کو اپنے لیے دلیل قرار دیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۹ [2] ایضاً صفحہ ۲۶۴ [3] طبقات ابن سعد جلد ۔۔ صفحہ ۔۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا حجر اسود کو بوسہ دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں میں نے اگر حضورؐ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔[1]

زیاد بن جبیر کہتے ہیں ایک شخص اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وہاں سے گزرے تو آپ نے اسے ایسا کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا اسے کھڑا کر کے نحر کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا ـــــ سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

قرآن کریم کے اس کھلے حکم، کہ حضورؐ کی ذات گرامی میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ اور قابل اتباع نمونہ ہے، سے تنگ آ کر منکرین حدیث ایک نئی چال چلے اور عمل رسول اور اسوۂ رسول میں فرق کر دیا۔ اس مسلک کا مبلغ جناب حافظ اسلم جیراجپوری ہیں۔ وہ کہتے ہیں اسوۂ رسول متواتر ہے اور عمل رسول کے لیے متواتر ہونا ضروری نہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کو جس طرح صحابہؓ سمجھے اس کے تحت حضورؐ کا ہر ہر عمل امت کے لیے قابل اتباع نمونہ ہے۔ قرون خلافت مشہود لہا بالخیر میں بھی اس میں کسی قسم کی تفریق نہ کی گئی۔ تمام امور میں آپ کو اسوۂ حسنہ سمجھا گیا ہے۔ جو کام عمل سے، حضورؐ اپنے عمل میں ان کے تشکیل دہندہ تھے۔ ان تفصیلات کے ثبوت میں تو درجے ہو سکتے ہیں کہ متواتر ہے یا خبر واحد۔ مگر اس میں کہیں کوئی فرق نہیں مثلاً کہ فلاں امور میں عملی تشکیل حضورؐ کے ذمہ تھی اور فلاں فلاں؛ تو ان کی تفصیل اب ملت کی مرکزی اسمبلی طے کرے گی۔ حافظ اسلم صاحب خود لکھتے ہیں:

> بے شک قرآن کریم نے ان تفصیلات کو اپنے ذمہ نہیں لیا۔ مگر اس نے اپنے احکام کی عملی تشکیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی ہے ----
> وہ عملی نمونے مسلسل تواتر سے چلے آ رہے ہیں اور بالکل یقینی ہیں۔[3]

یہاں سوال یہ ہے کہ جن احکام کی تشکیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی گئی تھی وہ شریعت کے کسی خاص باب سے متعلق تھی یا تمام ابواب سے ـــــ پہلی صورت میں بتلایئے کہ بقیہ ابواب کی تشکیل آخر کس کے سپرد تھی ـــــ جس موضوع کی تشکیل آنحضرت

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ [3] علم حدیث صفحہ ۲۰۳

صلی اللہ علیہ وسلم سے لی رہی ہیں جیسا کہ اسلم صاحب کا خیال ہے نماز وغیرہ کی۔ تو کیا یہ تمام تشکیل جاریہ
تواتر عملی کے ساتھ منقول ہے ؟ اگر نماز کی تمام جزئیات تواتر سے منقول نہیں تو جو رہ گئی اس کی تکمیل کی اب
کیا صورت آپ تجویز کریں گے ؟ کیا یہ حق آپ مرکزی اسمبلی کو دیں گے ؟ اور کیا ہر ملک کی قومی اسمبلی
اپنے اپنے ہاں ایک سنت کے علیحدہ علیحدہ فیصلے کرے گی ؟ ——— دوسری صورت میں اگر تمام
ابواب عمل کی تشکیل آپ ہی کے سپرد تھی تو پھر یہ اسی تفصیل کو تواتر کے ساتھ منقول ہونا
چاہیے تھا۔ اگر یہ تشکیل ہم تک بطریق تواتر نہیں پہنچی تو پھر آپ سوچیں کہ آپ کا مفروضہ ہی تو
کہیں غلط نہیں ہو گیا جو اسوہ حسنہ کو تواتر سے خاص کر رہا ہے۔ ہمارے نزدیک شریعت
کے ہر ہر باب کی عملی تشکیل کا تواتر بہت زیادہ تامل کا محتاج ہے۔ تمام ابواب تو درکنار
ایک نماز ہی کو لیجئے۔ رکعات، فرائض اور قیام و رکوع و سجود کی ترتیب کے علاوہ اس کی
کسی ایک صورت عمل کے متعلق تواتر کا دعوے نہیں کیا جا سکتا ہے۔

محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم مدنی [۳۲] اس کے بعد لکھتے ہیں :-

نماز کو چھوڑ کر اب ذرا زکوۃ کی طرف توجہ فرمائیے۔ یہاں وہ کون سی تشکیل
ہے جس کو عہد نبوت سے لے کر آج تک برابر متواتر کہا جا سکتا ہے۔ وہ تمام
گئیں کہ حیوانات کی زکوۃ۔ عشر و خراج کے مسائل کا علم ہی ختم ہو چکا ہے حتیٰ کہ
آج ہندوستان میں کسی کو یاد نہیں رہا کہ شریعت میں کبھی حیوانات کی زکوۃ
بھی لی گئی تھی۔ اکثر مسائل طلاق، عدت، نفقہ، سکنیٰ اور ایلاء کی عملی تشکیل
کا حال بھی یہی ہے۔ اسی طرح جہاد کا تمام باب غنائم کی سب تفصیلات فدیہ
اور قیدیوں کے جملہ احکام، تدبیر و کتابت، ام ولد اور عتق کے سب مسائل
کا ہندوستان میں نام و نشان تک نابود ہو چکا ہے تواتر تو کیا ——— یہی
حال معاملات میں بیع و شراء، رہن و وقف کا ہے۔ حدود و تعزیرات کا تو
(ماسوائے سعودی عرب کے) دنیا کے کسی خطہ میں نفاذ ہی نہیں۔ بلکہ خود مسلمان
کہلانے والوں کو آج کی تاریخ میں ان کی مشروعیت پر اعتراض ہے۔ مسلم
صاحب تو دین کی بنیاد متواتر اسوہ حسنہ پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہاں ابھی

تن دہی کی بدولت آج اس کا وجود ہی نظر نہیں آتا۔ کاش امت محمدیہ ﷺ اس اسوۂ
حسنہ پر تواتر کے ساتھ نہ سہی عملاً ہی عمل کرتی تو مسلمانوں کو اپنے زوال کا یہ
روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا —— پس یا تو اسلم صاحب کو یہ کہنا چاہیئے
تھا کہ قرآن خود اپنا بیان آپ ہے۔ اس کو کسی اور بیان کی احتیاج ہی نہیں
اور اگر یہ احتیاج مسلم ہے تو پھر اس کو کسی ایک باب کے ساتھ مقید کرنا صحیح
نہیں اور اگر مخصوص کیا ہے تو اس کے تواتر کا دعویٰ صحیح نہیں —— جو شخص
دین کی تشکیل کے متعلق تواتر کا دعوے کرنا چاہتا ہے اس کے یہ خوشنما اور
خوش کن الفاظ موجودہ دین کی صورت حال کے لیے تخریب کا کام تو کر سکتے
ہیں لیکن مسلمانوں کے لیے کسی اتحاد فکر و عمل کا باعث نہیں ہو سکتے۔ ؎
اسلم صاحب جیراجپوری نے عمل رسول اور اسوۂ رسول میں فرق کر کے مسلمانوں کو کوئی
فائدہ نہیں پہنچایا۔ بلکہ دین کے ثبوت میں تشکیک کے ایسے کانٹے بکھیرے ہیں کہ مسلمانوں کے اس
خصوصی امتیاز کو ہی ختم کر دیا ہے۔ جو بقول اسپنگر اس امت کو دوسری امتوں کے بالمقابل حاصل تھا

(۱۱) قرآن کریم کی گیارہویں شہادت کہ پیغمبر کی مخالفت اسکے طریقہ پر نہ چلنا ہے

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين
نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا

ترجمہ۔ اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق راہ اس پر واضح
ہو چکا اور وہ مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر کسی اور طرف ہولے تو ہم (دنیا میں) اسے
جانے دیں گے جدھر وہ جاتا اور (آخرت میں) اسے جہنم پہنچا دیں گے اور
بری جگہ ہے جانے کی
یہاں رسول کے حکم کی جگہ سبیل مومنین کی راہ بتائی ہے —— وہ کیا ہے؟ جس پر صحابہ کرامؓ چل چکے
تعلیم رسول عملی تشکیل پا گئی جو شخص اس عملی تشکیل کے خلاف چلے گا وہ رسول کی مخالفت کا

؎ ترجمان السنۃ جلد ا صفحہ [illegible] تفسیر کبیر [illegible] اقتباس آیت [illegible]

مجرم ٹھہرے گا اور آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہے — جب صحابہؓ کی راہ کے خلاف چلنا مخالفت رسول ہے۔ تو خود حضورؐ کے حکم کو نہ ماننا کس درجے کی مخالفت رسول ہو گا۔ یہ آپ سوچیں — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات مسلمانوں کے لیے واجب التسلیم ہے۔ کسی ایک بات کا انکار مخالفت رسول کو مستلزم ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ اس آیت پر لکھتے ہیں :۔

جب کسی کو حق بات واضح ہو چکے۔ اس کے بعد بھی حکم رسول کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جدی راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا بیان ہے اور اسے اتباع غیر سبیل المؤمنین کے مقابل ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا یہاں مخالفت سے مراد آپ کے رستے کو اتباعاً چھوڑنا ہے اور آپ کی مخالفت خود اللہ رب العزت کی مخالفت ہو گی۔ سبیل مومنین کو اس لیے حجت ٹھہرایا ہے کہ یہ حضرات خود عمل رسالت کے گواہ تھے اور ذات رسالت خود ان کے لیے رضائے الٰہی کا نشان تھی۔

یہی مضمون اس آیت میں مذکور ہے :۔

وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس — ویکون الرسول علیکم شھیدا۔[1]

ترجمہ۔ اور ہم نے تمہیں ایسی جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے) متابعت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر حق کے گواہ رہو اور تمہارے لیے یہ رسول حق کے گواہ ہوں۔

⑭ قرآن کریم کی بارہویں شہادت کہ حضورؐ کے بیان پر حلال و حرام کے فیصلے ہیں۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات و

---

[1] پ البقرہ ع ۱۷ آیت ۱۴۳

حفاظتِ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد!

لفظ حفاظت سے مراد

قرآن کے عنوان میں حفاظت سے مراد یہ نہیں کہ اس میں کوئی غلطی نہ لگے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس میں غلطی رہ نہ پائے۔ جب بھی غلطی لگے یا کوئی بات رہ جائے تو اس کی اصلاح و اتمام کے تمام ذرائع اور وسائل موجود ہوں۔ اور وہ وسائل ضرورت کے موقع پر میسر بھی آسکیں۔ حفاظت حدیث کے موضوع کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات ذہن میں صاف ہونی چاہئے۔ کہ قرآن کریم کی حفاظت کس طرح سے ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت کس طرح سے ہے

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے۔ لیکن کیا آپ نے کسی حافظ یا قاری کو تلاوت میں بھولتے یا متشابہ لگتے نہیں سنا؟ کیا بعض نادان قرآن کریم کو غلط نہیں پڑھتے؟ کیا کسی کاتب سے قرآن پاک کی کتابت میں کبھی کوئی غلطی نہیں ہوئی؟ اور کیا کسی پریس میں کوئی زیر وزبر کی فروگذاشت نہیں پڑ گئی؟ ان سب سوالوں کا جواب ایک ہی ہے کہ غلطی لگ جانا اور بات ہے اور غلطی کا رہ پا جانا اور بات ہے۔ جب تک کوئی غلطی راہ نہ پا جائے [illegible] ہو جائے ہم نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کی حفاظت نہیں رہی یا قرآن کریم سے ضرور حفاظت کا ذمہ اب اٹھ گیا ہے۔ (معاذ اللہ) بلکہ جب کوئی غلطی کرتا ہے تو اسے روک دیا جاتا ہے۔ ٹوک دیا جاتا ہے۔ اور اس غلطی کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ کوئی بدنیت ہو تو اس کی تردید کر دی

دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کو صحیح پڑھنے والے، صحیح لکھنے والے، صحیح یاد رکھنے والے اور صحیح بیان کرنے والے ہمیشہ غالب اور واضح رہے ہیں۔ تلاوت ہو یا قرأت، کتابت ہو یا طباعت کہیں کوئی غلطی قائم نہیں رہی۔ نہ رہ پا سکتی ہے۔ قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا خود اللہ رب العزت نے تکفل فرمایا ہوا ہے۔

حدیث کی حفاظت کس طرح ہوئی

جب تلاوت و قرأت میں بھول چوک حفاظت قرآن کو مجروح نہیں کرتی۔ تو نقل و روایت کی کسی غلطی سے یا راوی کی بھول چوک سے بھی حفاظت حدیث مجروح نہیں ہوتی۔ جس طرح غلط تلاوت پر ٹوکنے اور لقمہ دینے والے ہر جگہ اور ہر دور میں ملتے ہیں ضعیف اور نامکمل روایات پر راویوں کی بھول چوک کی نشاندہی کرنے والے محدثین بھی ہر دور میں حفاظت حدیث کی خدمت سرانجام دیتے آئے ہیں۔ مبتدعین اور ملحدین نے جب بھی موضوع و منکر اور شاذ و متروک روایات کا سہارا لیا اور عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ کو ان کا پانی ملا۔ تو محدثین کرام نے کبھی ان خود ساختہ دیواروں کو سہارا نہیں آنے دیا۔ اہل حق باطل پر جاء الحق وزهق الباطل کی ضرب سے ٹوٹ پڑے۔

سو جو شخص ضعیف و منکر روایات کے سہارے کل ذخیرۂ احادیث کو مشکوک سمجھتا ہے۔ وہ اس شخص سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں، جو تلاوت اور قرأت کی بعض عام غلطیوں کے باعث حفاظت قرآن ہی سے منکر ہو یا اس میں شک کرنے لگے۔ قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا تکفل خود قرآن پاک میں مذکور اور آیت کریمہ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون[1] میں مذکور ہے۔ اس کا ترجمہ ہے:- بے شک ہم نے ہی ذکر نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہاں قرآن کریم کو لفظ ذکر سے ذکر کیا گیا ہے۔ الفاظ معنی سے ہی نصیحت بنتے

---

[1] پ ۱۴ سورۃ الحجر ع ۱

قرآن کس چیز کا نام ہے

قرآن کریم کس چیز کا نام ہے؟ الفاظ کی اس خاص ترکیب کا جو وحی کی گئی ہے۔ اور قرآن اس مجموعے نظم و معانی کا نام ہے۔ اس نظم الفاظ میں جو معنی مراد ہیں وہ بھی قرآن کی ذات ہیں۔ اصولیوں کی مشہور کتاب نور الانوار میں ہے:۔

هو: (القرآن) اسم للنظم والمعنى جميعاً۔

ترجمہ: قرآن ایک خاص ترتیب الفاظ اور ان کے معنی مراد کے مجموعے کا نام ہے۔

اس کے یہ معنی تمام قرآن پاک کی ذات میں اور اسی سے ایمان، سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت خود کی۔ اس وقت تصور یہ نہیں ہو سکتا کہ حفاظت قرآن کا ہاں وعدہ اس کے معنی مراد کو شامل نہ ہو۔

حفاظت قرآن کا مطلب

قرآن پاک کی یہ حفاظت کیا الفاظ قرآن پاک تک محدود ہے؟ یا قرآن پاک کے مطالب بھی اس آیت کی رو سے پوری طرح محفوظ ہیں؟ جواب یہ ہے کہ قرآن پاک ہر پہلو سے محفوظ ہے۔ یہ نظم و معنی کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کا نظم مراد اور معنی مراد ہر دو خدا کے زیر حفاظت ہیں۔ پورے قرآن پر خدا کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ کوئی کتنی ہی غلط تفسیریں نہ کرے یا غلط مطالب کیوں نہ بیان کرے، اس پر صدیاں گزر گئیں اور لاکھوں راسخ اہل علم ہر دور میں موجود رہے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ مخالفین کے ہاتھوں یہ کتاب عزیز معنوی تحریف کا شکار ہو جائے اور وہ تحریف اس میں راہ پا جائے۔ اس کتاب کی کلی ابدی حفاظت خدا کے ذمہ ہے اور وہی اس کا محافظ ہے۔ حفاظت سے یہی مراد ہے۔ اور حفاظت ہمیشہ سے اس کے الفاظ و معانی کو شامل رہی ہے۔

صرف الفاظ کی حفاظت بے معنی ہے

قرآن کریم میں اگر معنوی تحریف کر دی جاتی اور حفاظت صرف نقوش کتابت کے تحفظ تک محدود ہوتی تو قرآن کی ابدی حفاظت کی بشارت ایک بے معنی بات ہو کر رہ جاتی۔ الفاظ کی حفاظت خود مقصود نہیں ہوتی۔ ان کا تحفظ محض اس لیے ہوتا ہے کہ وہ معانی و مطالب کی حفاظت کا ذریعہ بن سکیں۔ الفاظ کا تحفظ معانی کی خدمت کے لیے ہے۔ اور حق یہی ہے کہ الفاظ کی ابدی حفاظت کی طرح اس کے معانی و مطالب کا تحفظ بھی اس وعدۂ الٰہی اور پیشگوئی میں شامل ہے۔ اسی لیے اس وعدۂ الٰہی میں اسے لفظ ذکر سے ذکر کیا گیا ہے جو ساتھ ساتھ معانی پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

حفاظت قرآن کا ایک اہم پہلو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تشریح و توضیح کرنے کے خدا کی طرف سے مامور تھے۔[1] قرآن پاک میں بہت سے احکام ہیں جو بہت مجمل صورت میں بیان ہوئے جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و توضیح کو ان مجمل احکام کے ساتھ نہ ملایا جائے، اس وقت تک ہم معلوم نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس چیز کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ ان مجمل احکام کی وہ تفصیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اختیار کی، اگر محفوظ نہ رہی ہو اور اسباب بیان و سماع کے محفوظ رہنے کی کہیں کوئی ذمہ داری نہ ہو، تو ان صورتوں میں قرآن پاک کی ان آیات سے جو کہ مجمل ہیں، ہرگز [illegible] نہیں کبھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور قرآن کریم کے بہت سے احکام جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکلف کیا ہے یکسر معطل ہو کر رہ جائیں گے۔ نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ ہم ان مقامات میں خدا تعالیٰ کی صحیح مراد نہ جان سکیں گے۔[2] کیا اس سے حفاظت قرآن سے امان نہ اٹھ گئی اور حفاظت قرآن مجروح نہ ہوئی۔

---

[1] وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم پ ۱۴ النحل ع ۶، [2] الاحکام لابن حزم جلد ۱ ص [illegible]

محدود نہیں۔ الفاظِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس بیانِ قرآن کو بھی شامل ہے۔ جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے مامور تھے ۔۔۔۔۔ قرآن کریم واضح کرتا ہے کہ الذکر قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس تبیین و توضیح کو بھی شامل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تفصیل و تشریح کے لیے بالعمل اختیار فرمائی۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم۔[1]

ترجمہ۔ اور اتارا ہم نے آپ کی طرف الذکر کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کر سکیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔

یہاں ما نزل الیہم سے مراد تو قرآن پاک ہے اور بیانِ پیغمبر سے مراد قرآن پاک کی وہ تفصیل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان اور عملاً اختیار فرمائی تھی۔ اور اسے ہی حدیث کہتے ہیں۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ الذکر قرآن پاک کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کی تبیین کو بھی شامل ہے۔ اور اس کی وہ تفصیل و تشریح جو حضور کے ذریعہ ہوئی وہ بھی ایک عطیہ ربانی اور نزول آسمانی ہے اور اللہ رب العزت نے ہی اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے۔ حافظ ابن حزم (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

تمام اہل لغت اہل شریعت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو وحی بھی (خواہ وہ متلو ہو یا غیر متلو جیسا کہ انزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ میں دونوں کو ذکر فرمایا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی وہ اللہ کی طرف سے اتارا ہوا ذکر ہے اور یہ پوری وحی الٰہی اللہ کی حفاظت میں ہے ...... جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت حفاظت میں الذکر کا مصداق صرف قرآن کریم ہے اور وہ بھی الفاظ کی حد تک ان کا دعوے یہ بالکل غلط ہے۔ جس پر کوئی دلیل نہیں ..... لفظ الذکر کا مصداق ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ الفاظ ہوں یا معنی۔ قرآن ہو یا سنت دونوں وحی الٰہی ہیں۔ قرآن کی مراد سنت ہی سے تو واضح ہوتی ہے۔[2]

---

[1] پ ۱۴ النحل ع ۶ [2] پ ۵ النساء ع ۱۷

قرآن وسنت کا علم رکھنے والے ہی اہل ذکر ہیں اور وہی اس آیت میں مراد لیے گئے ہیں، اور انہی کا حق ہے کہ امت قرآن پر عمل پیرا ہونے میں ان سے ہدایت پائے۔ قرآن حکیم میں ہے:

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون[۱]

ترجمہ: تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو، اگر تم کسی بات کو نہ جانتے

کیا یہاں ہدایت کا سبب اہل ذکر کو نہیں ٹھہرایا گیا؟ کیا اہل ذکر سے مراد صرف الفاظ قرآن کے حافظ ہیں؟ اور کیا صرف حافظ ہی دین میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا جواب دے سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو یقین کیجئے کہ ذکر سے مراد یہاں صرف متن الفاظ نہیں، الفاظ اپنی تمام گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مراد ہیں، اور بس پورے قرآن کی خدائی حفاظت شامل ہے۔ مختصر یہ کہ حفاظت ذکر کا یہ وعدہ حفاظت قرآن کے پہلو سے حفاظ و قراء و مفسرین اور اہل حق کے ذریعہ پورا ہوا اور حفاظت حدیث کے پہلو سے شارحین حدیث اور فن حدیث کے ناقدین کے ہاتھوں تاریخ کے ہر دور میں پورا ہوتا رہا۔ فجزاہم الله عنا احسن الجزاء۔

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا — لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

(حالی)

حدیث کی حفاظت کا لازمی وعدہ

حفاظت ذکر کے عنوان میں الفاظ قرآن اور بیان قرآن ہر دو کی حفاظت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ بیان قرآن کی حفاظت کے ضمن میں حدیث کس طرح محفوظ رہی، اسے سمجھنے کے لیے حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کے اس بیان پر غور کیجئے:

سنت کا سب ذخیرہ مجموعی طور پر محدثین کے پاس موجود ہے۔ گو

---

[۱] پ۱۴ النحل ع۶، پ۱۷ الانبیاء ع۱

بعض محدثین کے ہاں زیادہ اور بعض کے ہاں کم۔ لیکن اگر تمام محدثین کی
حدیثوں کو یکجا کیا جائے تو سنت کا پورا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے۔ اِن ہر
محدث کی جمع کردہ ذخیرہ احادیث کو الگ الگ لیا جائے تو ہر محدث
سے کچھ نہ کچھ حدیثیں رہ گئی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو حدیثیں ایک
محدث سے رہ جاتی ہیں وہ دوسرے کے ہاں مل جاتی ہیں۔[1]

حضرت امام شافعیؒ کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث مجموعی حیثیت سے
ہمیشہ سے محفوظ رہی ہے۔ اور بعض روایات اور جزئیات میں اختلاف اس مجموعی حفاظت
میں کبھی حارج نہیں ہوا۔ یہ دوسری صدی کے آخری دور کی شہادت ہے۔ اور اس وقت
تک ابھی امام بخاری اور امام مسلم جیسے ائمہ فن نے اپنی نادر روزگار کتابیں تالیف نہ کی تھیں
تیسرے دور میں جب صحاح ستہ جیسی گرانقدر تالیفات مرتب ہو گئیں۔ تو حدیث
اس وقت ایک ایسے دورِ حفاظت میں داخل ہو چکی تھی کہ اس پر قطعی حفاظت کا لفظ
بغیر کسی تاویل کے پورا اترتا تھا۔

اگر یہ قطعیت ان ائمہ صحاح سے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہو (یعنی
حضورؐ کی کچھ احادیث امت کو اسی تواتر یقین سے پہنچی ہوں جس طرح صحابہ کرامؓ
کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ عمل قطعی و یقینی تھا) تو بے شک اس پر اسی
طرح ایمان لانا ضروری تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ حدیث بھی ایک پہلو سے قرآن ہی ہے
کیونکہ یہ قرآن کا عملی بیان اور اس کے مجملات کی پوری توضیح و بیان ہے۔

حضرت قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

وکذالک نقطع بتکفیر کل من کذب وانکر قاعدۃ من
قواعد الشرع وما عرف یقینا بالنقل المتواتر من فعل الرسول
ووقع الاجماع المتصل علیہ کمن انکر وجوب الصلوات الخمس
وعدد رکعاتہا وسجداتہا[2]

---

[1] رسالہ امام شافعیؒ ص ۴۲ [2] الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ مصر

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کو جو شریعت کے قواعد میں سے کسی
قاعدے کا انکار کرے اور حضورؐ کے اس فعل کا انکار کرے جو یقین
اور تواتر سے معلوم ہو چکا ہو، اور اس پر اجماع ہو، وہ تسلسل سے چلا آیا
ہو قطعی طور پر کافر جانتے ہیں۔ جیسے وہ شخص جو پنجگانہ نمازوں کی فرضیت
اور ان کے عدد رکعات کا منکر ہو کافر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے ذریعہ یہ وحی الٰہی کی حفاظت ہے۔ حدیث
کی حفاظت نے اور کتنے پیرائے اختیار کیے اور عمل دوام کن کن راہوں سے وقت کے
لیے کچھ نہ کچھ بنا رہا اور سنت کے تقاضے کس طرح سے امت راہ پر چلتے رہے۔ اب
اس کی کچھ تفصیل کی جاتی ہے۔

حفاظتِ حدیث کی عملی صورتیں

ہم مسلمان قرآن کریم میں حفاظت حدیث کا وعدہ دیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ
بے شک اپنے اس وعدہ کو پورا کیے ہوئے ہیں۔ یہ اس کا تکوینی فیصلہ ہے اور قرآن میں
اس کی تشریعی خبر موجود ہے۔ بے شک ہم اللہ کے اس وعدے پر قائم ہیں۔ لیکن جو
اسباب اس کے لیے عملاً واقع ہوئے، اور ان کے ذریعہ یہ ارادہ الٰہی پورا ہوا وہ امور
ہمارے لیے سنگ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔

① قرآنی ہدایت میں

قرآن کریم نے ہدایت فرمائی کہ مسلمانوں کو ہر وہ بات قبول کرنی چاہیے، جو
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور ہر اس بات سے مجتنب رہنا چاہیے جس سے حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہو ——— ارشاد ہوتا ہے:
ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔[1]

---

[1] پ ۲۸ ما آتاکم الرسول ۔ الحشر ع ۱

ترجمہ۔ جو کچھ تمہیں یہ رسول دیں اسے لے لو اور جس بات سے بھی وہ
تمہیں روکیں تم ترک کر دو۔

اور یہ بھی فرمایا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا
اللہ والیوم الآخر۔[1]

ترجمہ۔ بے شک تمہارے لیے رسول اللہ میں ایک اچھا نمونہ ہے۔ یہ اس
اس کے لیے جو اللہ سے ملنے اور آخرت کا یقین رکھتا ہو۔

ان آیات کی روشنی میں صحابہ کرام نے پوری شدت سے محسوس کر لیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کا کوئی امر آپ کی کوئی نہی — اور آپ کا کوئی اسوہ ان سے اوجھل نہ رہنے پائے
قرآن پاک کی اس ہدایت سے حفاظت حدیث کی عملی فکر پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ
ایک اور ہدایت اتری جس نے امت کے لیے تحقیق رجال کی راہیں کھول دیں
ارشاد ہوا: —

یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا۔[2]

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی غلط کار شخص کوئی خبر
لے کر آئے تو اسے اچھی طرح معلوم کر لیا کرو۔

اس میں بتایا گیا کہ ہر کس و ناکس کی روایت قابل قبول نہیں۔ فاسق کوئی بات
کرے تو اسے مزید تحقیق کے بغیر قبول نہ کر لیا کرو۔ اسے بلا تحقیق ہرگز نہ
لیا جائے۔

یہاں یہ بھی نہیں فرمایا کہ اسے رد کر دیا کرو — کسی راوی کے کمزور
ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے کلیۃً رد ہی کر دیا جائے بلکہ دوسرے توابع اور
قرائن سے اس کی مزید تحقیق لازم ہوگی اور بسا اوقات ایسا بھی ہوگا کہ ان دوسرے
شواہد سے اس کمزور راوی کی روایت بھی قابل قبول ٹھہرے — ہاں اسے

---

[1] پ ۲۱ الاحزاب ع ۳ [2] پ ۲۶ الحجرات ع ۱

بلاتحقیق قبول کرلینا ہرگز درست نہیں۔ یہ آیت اگرچہ ایک دوسرے واقعہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن الفاظ کا عموم اسے ایک اصول ہدایت کے طور پر پیش کرتا ہے اور حق یہ ہے کہ یہی قرآنی ہدایات آگے حفاظت حدیث کا عملی سبب بنیں۔

④ نقل و روایت میں

کسی بات کی صحیح نقل و روایت کے لیے کون سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ کہ بات اس نقل و روایت میں پوری طرح محفوظ رہے اور اس میں کوئی تبدیلی ہونے نہ پائے۔ یہاں تک کہ اس پر پورا اعتماد کیا جا سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے وہ تمام انداز اختیار کیے۔ جو عملی طور پر اس باب میں اختیار کیے جا سکتے تھے۔

① آپ نے صحابہ کے ذمے لگایا کہ وہ آپ کی باتیں آگے لے جاتے رہیں۔ گو ایک بات ہی کیوں نہ ہو۔

② آپ نے چند صحابہ کے ذمہ تبلیغ حدیث کی محنت نہ لگائی۔ بلکہ ہر ایک حاضر صحابی کے ذمہ لگایا کہ وہ غائبین تک آپ کی باتیں لے جائیں۔ اور تبلیغ حدیث کریں۔

③ ہر نقل و روایت میں آپ کی خواہش رہی۔ کہ بات ان لوگوں کے ذریعے آگے پہنچے۔ جو اسے زیادہ سمجھنے کے اہل ہوں۔ تاکہ بات کا مفہوم برقرار رہے۔

④ آپ نے اس پر شدید نکیر فرمائی۔ کہ کوئی شخص جان بوجھ کر آپ کے ذمہ کوئی ایسی بات لگائے جو آپ نے نہ کہی ہو۔

⑤ آپ نے اس پر بھی شدید نکیر فرمائی۔ کہ کوئی شخص آپ کی کسی بات کو چھپائے۔ شریعت میں کتمان علم کو اصولی درجے میں ایک بڑا گناہ قرار دیا گیا۔

⑥ بعض صحابہ کو ان کی طلب پر احادیث لکھنے کی بھی اجازت دی۔ تاکہ انہیں یاد رہے اور وہ آگے پہنچا سکیں۔

⑦ عورتوں کے لیے مستقل تعلیم کا اہتمام فرمایا۔ تاکہ ان میں بھی نقل و روایت کا سلسلہ چلے۔ اور تاریخ گواہ ہے۔ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے

کس قدر روایات کا بوجھ اٹھایا اور کس محنت سے یہ ذخیرۂ علم آگے امت تک پہنچایا۔

ذخیرۂ حدیث میں ان تمام پہلوؤں پر مشتمل روایات ملتی ہیں ــــ اور ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت کو کس اہتمام سے حفاظت حدیث کی فکر تھی دنیا نے پھر خود دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو کس اخلاص اور جانفشانی سے اپنی زندگیوں کا موضوع بنایا۔ اب ہم ساتوں امور کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات پیش کرتے ہیں۔

① حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بلغوا عنی ــــ ولو آیۃ۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک ایک بات کے بارے میں چاہتے تھے کہ آگے پہنچ جائے۔ یہاں عنی کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی تھیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں کہ حضورؐ کو تعلیم امت کی اتنی فکر تھی کہ آپ نے صحابہ کو وصیت فرمائی۔

ان الناس لکم تبع وان رجالاً یاتونکم من اقطار الارض
یتفقھون فی الدین واذا اتوکم فاستوصوا بھم خیراً۔[2]

ترجمہ: آئندہ آنے والے لوگ تمہارے پیچھے لگنے والے ہوں گے اور
بے شک لوگ تمہارے پاس دنیا کے کناروں سے دین سیکھنے کے لیے
پہنچیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں بھی اچھا بتلانا۔

یہ بات تو طالبین کے بارے میں ہوئی۔ رہی یہ بات کہ خود پہنچ کر تعلیم دینا۔ اس کے بارے میں مالک بن حویرث (۷۴ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ارجعوا الی اھلیکم فعلموھم۔[3]

ترجمہ: اپنے گھروں کو جاؤ تو انہیں تعلیم دو۔

② حضرت ابوبکرہؓ (۵۱ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع

---

[1] مشکوٰۃ ص۳۲ عن البخاری [2] جامع ترمذی جلد ۲ ص۹۳ [3] صحیح بخاری جلد ۱ ص۱۴

کے دن میدان عرفات میں انسانی حقوق کا جو چارٹر پیش کیا اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:

الا لیبلغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو اوعی له منه[1]

ترجمہ: خبردار! چاہیے کہ جو میرے پاس حاضر ہے وہ میری باتوں کو اس تک پہنچائے جو اس وقت مجھ سے غائب ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حاضر اسے اس شخص تک پہنچا دے جو اس سے بھی زیادہ اسے یاد رکھنے والا ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر صحابی آپ کے سامنے ہر وقت حاضر نہ ہوتا تھا کبھی کوئی حاضر ہوتا اور کبھی غائب۔ حاضرین غائب تک آپ کی تعلیمات پہنچاتے تھے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

نضر الله امرأ سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه غیره فرب حامل فقه الی من هو افقه منه ورب حامل فقه لیس بفقیه[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز فرمائے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی اسے یاد رکھا یہاں تک کہ اسے کسی اور تک پہنچا دیا۔ کئی ایسے بھی علم کو اٹھانے والے ہوتے ہیں جو اسے ان تک پہنچا دیں جو ان سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے ہوں اور کئی ایسے بھی علم کو اٹھانے والے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے۔

حضرت انس بن مالکؓ (م ۹۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے تو آپ کی پوری کوشش ہوتی کہ لوگ اچھی طرح سمجھ جائیں۔

(۴) اذا تکلم بکلمة اعادها ثلثاً[3]

ترجمہ: آپ جب کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو اسے تین تین دفعہ دہراتے۔

تین دفعہ دہرانے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی احادیث

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۰ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰

کرامت نقوش کی طرح چھوڑنا چاہتے تھے۔ جس کے سے بھولی نہ جاسکیں اور صفحۂ قلب سے مٹائی نہ جاسکیں۔

(۴) حضرت زبیرؓ (۳۶ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من کذب علی فلیتبوأ متعمدًا من النار۔[1]

ترجمہ: جو شخص (جان بوجھ کر) مجھ پر کوئی جھوٹ باندھے اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (یعنی یہ کام وہ جہنم میں جانے کے لئے کر رہا ہے)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ پر جھوٹ لگانا ایسا نہیں جیسے تم میں سے کسی پر کوئی جھوٹ لگائے ۔۔۔۔۔۔ اگر آپ کی حدیث ہمیشہ کے لئے سند اور حجت نہ ہوتی۔ تو آپ پر جھوٹ باندھنا اتنا بڑا گناہ نہ ہوتا ۔۔۔۔۔۔ اور حدیث کو اس کی اصل صورت میں نقل کرنے کا یہ اہتمام نہ ہوتا۔

(۵) حضرت ابوہریرہؓ (۵۸ھ) کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

من سئل عن علم ثم کتمه الجم یوم القیٰمة بلجام من نار۔[2]

ترجمہ: جس سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام میں جکڑا جائے گا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں:۔

لو وضعتم الصمصامة علی ھذہ (و اشار الی قفاہ) ثم ظننت انی انفذ کلمة سمعتھا من النبی صلی اللہ علیه وسلم قبل ان تجیزوا علی لانفذتھا۔[3]

ترجمہ: اگر تم تلوار میری اس گردن پر رکھ دو پھر بھی مجھے پتہ ہو کہ پیشتر اس کے کہ تم اسے مجھ پر چلا دو، میں ایک ایسی بات جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی بیان کر سکوں گا تو میں اسے ضرور کہہ دوں گا (یعنی اسے نازک وقت میں بھی روایت حدیث سے نہ رکوں گا)

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۳ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶

(۴) ایک انصاری حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استعن بیمینک۔[1] اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لیا کرو یعنی لکھ لیا کرو۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ واوما بیدہ للخط کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ بھی فرمایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث کی حفاظت کا کس قدر اہتمام فرمایا ہے۔

(۵) حدیثیں امت کا نہایت لائق احترام حصہ ہیں۔ حدیثی نسخوں کی بھی بستہ ذ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی نقل روایت میں شرف تلمذ بخشا۔

(۳) صحابہؓ کی درایت میں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۵ھ) نے حفاظت حدیث کی عملی صورت یہ بیان کی کہ راوی اپنی ذات میں راست ضبط ہیں، اور دین میں راستی دیانت میں قابل بھروسہ ہونا چاہئے۔ آپ سے پوچھا گیا: کیف یجب ان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ: راوی کے بارے میں کہ وہ حدیث رسول بیان کرے کیا ہونا چاہئے)، تو آپ نے فرمایا:

ما انظر تموہ ممن تامنونہ علی نفسہ و دینہ فاعقلوہ۔[2]

ترجمہ: جو تم ایسے شخص سے لو جسے تم اس کی ذات (اہلیت) میں اور اس کے دین و دیانت میں لائق بھروسہ سمجھتے ہو تو اسے جان لیا کرو۔

اس سبب عقائد میں بدعت تیار ہونے پائے تو پھر اخبار آحاد سے پرہیز کیا جائے۔ اس لیے کہ عقائد دلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیے قرآن کریم اور حدیث متواتر ہی روشنی کے دو مینار ہیں۔ بدعت والوں کے اندھیروں میں ٹھہرنا سے بچنا صحابہ کرامؓ کی درایت کے خلاف تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) فرماتے ہیں:

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۱ [2] الکفایہ صفحہ ۳۱

انا کنا نحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ لم یکن یکذب علیہ فلما رکب الناس الصعب والذلول ترکنا الحدیث عنہ۔[1]

ترجمہ۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اور ان دنوں حضورؐ پہ جھوٹ نہ باندھا جاتا تھا جب لوگ آپ پر رطب ویابس کہنے لگے تو ہم نے آپ سے روایات لانا چھوڑ دیا۔ کہ کہیں غلط کار لوگ بھی اس طرح حضورؐ کا نام لے کر اپنی باتیں نہ کہنے لگیں۔

حضرت ابوہریرہؓ (۵۸ھ) نے فرمایا:

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونہ۔[2]

ترجمہ۔ بے شک یہ علم، دین ہے سو تم دیکھو کہ تم کن لوگوں سے دین لے رہے ہو۔

حضرت امام سیرینؒ نے بھی یہی بات کہی:

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔[3]

راوی میں نظر کرنا مقدمۃ الواجب واجب کے قبیل سے خود دین ہے۔
پھر بڑا جذبہ یہی کارفرما رہی کہ کسی غیر محتاط آدمی سے حضورؐ کے نام پر کوئی بات قبول نہ کی جائے۔

حضرت عقبہ بن نافع (ھ) اپنے بیٹوں کو نصیحت فرماتے تھے۔

یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا من ثقۃ۔[4]

ترجمہ۔ اے میرے بیٹو! تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی بات کسی سے نہ لو۔ بجز کہ وہ شخص قابل اعتماد ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) نے بھی کہا:

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔[5]

ترجمہ۔ سند لانا بھی دین کا ہی کام ہے اگر سند لانا نہ ہو تو جو شخص جو چاہے کہتا رہے۔

---

[1] تمہید ص۳۳ [2] تمہید ص۴۵ [3] صحیح مسلم جلد۱ ص۱۱ [4] تمہید ص۴۷، کفایہ ص۲۲ [5] صحیح مسلم ص۱۲

صحابہ کی یہ روایت دین کے حقیقی پہلوؤں میں تھی۔ حضورؐ نے کیا فرمایا اور کیا کیا۔ اس
بارے میں ان کی پوری کاوش تھی کہ صحیح نتائج ان کے ہاتھ لگیں۔ اصول روایت ان کے
ہاں اصول درایت پر مبنی تھے۔ جہاں تک متن حدیث کا تعلق ہے اسے وہ اپنی درایت
میں نہ آزماتے۔ صرف اکابر صحابہ جو اپنے علم و فہم میں نہایت ممتاز سمجھے جاتے۔ وہ بھی
روایات کو قرآن سے منطبق کرتے اور ان پر درایۃ بحث کرتے۔ لیکن یہ مقام ہر ایک
صحابی کا نہ تھا۔ نہ ہر ایک کا اجتہاد اس درجے کا تھا کہ وہ حضورؐ کے ارشادات میں ان
دقیق مباحث میں پڑیں۔ ایسے مباحث کہیں کہیں حضرت عمرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور
حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاں ملتے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵۸ھ) فرماتی ہیں:

این انت من ثلاث من حدثکهن فقد کذب، من حدثك
ان محمدا صلی الله علیه وسلم رأی ربه فقد کذب ثم قرأت
لا تدرکه الابصار وهو یدرك الابصار وهو اللطیف الخبیر
وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب ومن حدثك
انه یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذا
تکسب غدا ومن حدثك انه کتم فقد کذب ثم قرأت
یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك الآیة۔[1]

ترجمہ: تم ان تین باتوں میں کہاں ہو؟ جو کوئی تمہارے پاس یہ بیان کرے
اس نے درست نہیں کہا۔ جو تمہیں یہ کہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا
ہے اس نے صحیح نہیں کہا۔ حضرت ام المؤمنین نے اس پر یہ آیت پڑھی:
"آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور وہ آنکھوں کو پانے ہوئے ہے اور
وہ بے حد باریک بین خبردار ہے۔" ——— اور پڑھا: "اور یہ کسی انسان کے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱ مصر

لیئے نہیں کہ خدا اس سے ان تین صورتوں کے علاوہ کلام کرے (۱) اشارہ سے ذریعہ (۲) پردہ کے پیچھے سے (۳) کسی فرشتے کو بھیج کر ———— اور جو کوئی تم سے یہ بیان کرے کہ آپ جانتے تھے کل کیا ہونے والا ہے۔ اس نے بھی درست نہیں کہا اور آیت پڑھی "اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا۔" ———— اور جو کوئی تم سے یہ بیان کرے کہ آپ نے دین کی کوئی بات چھپائی (تقیہ کرتے رہے) اس نے بھی غلط کہا اور آیت پڑھی "اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے آگے ضرور بیان کر دیا۔"

آپ نے دیکھا حضرت ام المومنین کس طرح حدیث کو قرآن کے سامنے میں لا رہی ہیں۔ حدیث وہی صحیح ہے جو قرآن سے نہ ٹکرائے۔ اکابر صحابہ کئی دفعہ حدیث بیان کرتے ہوئے اس پر قرآن کریم کی آیت پڑھ دیتے تھے۔ اس قسم کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ نے حدیث کی حفاظت کا ایک یہ بھی انداز اختیار کیا تھا کہ وہ قرآن سے نہ ٹکراتی ہو۔

ایک اصولی نکتہ

یہ کن لوگوں کا مقام ہے کہ روایت کو درایت پر پرکھیں؟ جن کا قرآنی علم اس کے مبادیات کے ساتھ نہایت اونچا ہو۔ مختلف اقسام آیات پر مجتہدانہ نظر رکھتے ہوں۔ تاریخ قرآن سے پورے واقف ہوں اور فہم امت کی روشنی میں انہوں نے قرآن پاک سمجھا ہو ———— ان کے لیئے ضروری ہے کہ عربیت اور اسلوب عرب میں ملکہ راسخ رکھتے ہوں اور صحابہ کرام اور اکابر تابعین کی تفسیرات پر بھی ان کی پوری نگاہ ہو ————

درایت محض عقلی توجیہات کا نام نہیں، یہ خود ایک فن ہے جس کے اپنے آداب ہیں۔

جہاں تک ہمارے تجربے کا تعلق ہے۔ اس زمانے میں کوئی ایسا شخص نہیں پایا گیا جو علمی طور پر اس درجے میں ہو کہ قرآنی درایت سے روایات حدیث کو پرکھ سکے۔ ہم اپنے

گے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے۔ فرمایا ما انا علیہ و اصحابی۔
(یعنی جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہوں) معلوم ہوا کہ اعمالِ صحابہ حفاظتِ حدیث کے
عملی پیمانے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی باب میں روایات مختلف منقول ہوں۔
تو صحابہ کے عمل سے ہی صحیح راہِ عمل کا تعین ہو سکے گا۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) نے امام مالک (۱۷۹ھ) اور امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کا
یہ فیصلہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

روی محمد بن حسن عن مالک بن انس انه قال اذا جاء عن
النبی صلی الله علیه وسلم حدیثان مختلفان و بلغنا ان ابا بکر
وعمر عملا باحد الحدیثین وترکا الآخر کان فی ذلک دلالة
ان الحق فیما عملا به۔[1]

ترجمہ: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف روایتیں
پہنچیں اور ہمیں یہ بات بھی پہنچے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت
عمرؓ نے ان میں سے ایک پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑا ہے۔
تو اس میں یہ راہ ملتی ہے کہ سنت قائمہ وہ ہے جس پر ان
دونوں نے عمل کیا ہے۔

امام ابوداؤد السجستانی (۲۷۵ھ) صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن ابی داؤد میں لکھتے ہیں۔

اذا تنازع الخبران عن النبی صلی الله علیه وسلم نظر الی ما عمل
به اصحابه من بعده۔[2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دو حدیثیں مختلف منقول ہوں تو
دیکھا جائے گا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے عمل کس پر کیا؟

حافظ عبدالرحمن ابوزرعۃ الدمشقی (۲۸۱ھ) امام وکیع بن الجراح سے روایت کرتے

---

[1] التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید جلد ۲ صفحہ ۲۳۰ [2] سنن ابی داؤد مع البذل جلد ۱ صفحہ ۲۵

ہیں کہ حدیث کے یاد کرنے اور اسے محفوظ رکھنے پر عمل سے بھی مدد لی جاتی تھی۔ کہ اس پر عمل کیا گیا اور وہ یاد رہ گئی، یہ عمل امت میں مسلسل رہا تو حدیث بھی مسلسل رہی۔ وکیع روایت کرتے ہیں:۔

کان یستعان علی حفظ الحدیث بالعمل بہ۔[1]

ترجمہ: حدیث کے حفظ کرنے میں عمل سے بھی مدد لی جاتی رہی ہے۔

امام ابوبکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ احادیث کے اختلاف کا حل سلف کی روشنی میں کیا جانا چاہیئے۔ فرماتے ہیں:۔

اذا کان متی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبران متضادان وظہر عمل السلف باحدہما کان الذی ظہر عمل السلف بہ اولی بالاثبات۔[2]

ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف حدیثیں منقول ہوں اور سلف (صحابہ کرام) کا عمل ایک پر ہو تو جس پر سلف کا عمل پایا گیا وہ حدیث اثبات مسئلہ میں مقدم ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے کل اعمال حسنہ کو ستاروں کی روشنی بتا کر انہیں اپنی ذات گرامی سے وابستہ کر لیا۔ اب گویا ان کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے گرد حفاظت کا پہرہ دے رہے ہیں اور ان کی پیروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اہتدیتم۔[3]

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی تم نے اقتدا کی ہدایت پائی۔

محدثین کے ہاں یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے اور تلقی بالقبول میں تو یہ اول درجہ کی روایات میں سے ہے۔

آثار صحابہ سامنے نہ ہوں تو محدثین جمع حدیث کی جملہ کوششوں کو ضائع سمجھتے تھے۔ حضرت صالح بن کیسان کہتے ہیں۔ میں اور زہری جمع حدیث کی محنت میں اکٹھے تھے

[1] تاریخ ابی زرعہ جلد ۱ صفحہ ۲ [2] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳ طبع ۱۳۴۷ھ البہیۃ المصریہ [3] مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۴ دہلی

جب ہم نے مرفوع احادیث لکھیں تو زہری کہنے لگے ہم آثار صحابہ بھی لکھیں گے وہ لکھتے گئے اور میں نے انکار کر دیا۔ وہ کامیاب ہو گئے اور میری محنت ضائع ہوئی۔

فکتب ولم اکتب فانجح وضیعت [1]

ترجمہ۔ وہ لکھتے رہے اور میں نہ لکھ سکا وہ کامیاب رہے اور میں ضائع ہوا۔

⑤ فروع فقہیہ میں

احادیث احکام جس طرح فروع فقہیہ میں محفوظ ہوئیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ مجتہدین کی پوری کوشش ہوتی کہ احادیث احکام میں راویوں کی پڑتال اور دیکھ بھال کچھ سخت رہے۔ حفاظت حدیث میں یہ فکر ہر باب میں کارفرما رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عالمگیر ہے اور قیامت تک کے لیے ہے اور زندگی کے ہر دور کو شامل ہے قرآن کریم کی آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں لاکھوں ایسے مسائل اصولی طور پر لیے ہوتے ہیں جن تک مجتہدین کی نظر ہی پہنچ سکتی ہے ہر ایک کی نہیں۔ مجتہدین کرام کتاب و سنت کی اسی گہرائی میں غوطے لگاتے رہے اور آیات و احادیث کی روشنی میں ان جزئیات کا حل تلاش کرتے رہے۔ جو واضح اور صریح الفاظ میں پہلے سے مروی نہ ہوں۔ اجتہاد یعنی اصل سے فرع تک حکم پہنچانے میں ان کی پوری محنت کارفرما ہوتی تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ احادیث کے معانی و محامل اور ان کی دلالتوں اور تقاضوں کی حفاظت فروع فقہیہ میں ایک عجیب شان سے جلوہ گر رہی۔ احادیث کی حفاظت جس طرح محدثین کے ہاں نقل و روایت کے ذریعہ جاری رہی۔ فقہائے کرام کے ہاں فروع و احکام کے ضمن میں جاری ہے۔ امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

وکذلک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث۔ [2]

ترجمہ۔ اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور یہ لوگ زیادہ ماہر ہیں حدیث کے

---

[1] المصنف عبد الرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۸ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۱۸

مسئلوں کو زیادہ جانتے ہیں۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) محمد بن محمد بن خالد العراقی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حلال و حرام سے متعلق ایک مسئلے میں استفسار کیا۔ حضرت امام نے اس مسئلے میں اسے فقہاء کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کا حاصل فقہاء سے ہی ملتا تھا۔ حضرت امام نے اسے فرمایا:-

سل عافاک اللہ غیرنا سل الفقہاء، وسل ابا ثور۔[۱]

ترجمہ: اللہ تجھے عافیت بخشے کسی اور سے پوچھ، فقہاء سے سوال کر، ابو ثور سے پوچھ لے۔

(۴) مسالک کی وسعت میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عقائد و اصول کو قطعیت بخشی ہے کہ ان میں کسی دوسرے معنی و مفہوم کی گنجائش نہیں، اسی طرح آپ نے فروعِ اعمال میں بھی پوری وسعت اختیار فرمائی۔ بعض دفعہ ایک ایک موضوع پر کئی کئی طرح عمل فرمایا۔ فروع میں توسع اختیار کیا یا زمانے کے اختلاف سے اعمال کے مختلف پیمانے اختیار فرمائے بعض لوگوں نے اسے تعارض سمجھا اور ان میں ترجیح کے درپے ہوئے۔ بعض نے دونوں کے علیحدہ علیحدہ محل تلاش کیے اور تطبیق کی راہ اختیار کی۔ اسی سے مختلف مسالک عمل بنے اور ہر مسلک کے لیے کوئی نہ کوئی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے مل گئی۔

اسلام کی اس وسعت عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا اور ہر ہر عمل کے گرد محنت ہونے لگی۔ مختلف ائمہ کے مسالک میں مختلف احادیث زیر عمل ہیں۔ ان کی اسانید اور رواۃ پر کلام بھی ہوتا رہا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان فروع تعبیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کچھ اس طرح ہوئی کہ ان کا کوئی ذخیرہ بھی نظر انداز

۱؎ بغدادی جلد ۲ صفحہ ۲

نہ ہونے پایا۔ ہر امام نے اور اس کے پیرؤں نے سے اپنے مسلک کو زیادہ مرجح اور مرتجح کرنے کے لیے احادیث احکام پر بہت محنت کی اور ان ابواب میں تنقید و تفحص اور بڑھتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن و آثار اور زیادہ نکھریں اور آپکے زیادہ اعمال کی وسعت میں حدیث ہر پہلو سے منضبط اور محفوظ ہوتی چلی گئی۔

⑦ دین کے تسلسل میں

آپ نہیں آئے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیشہ دین کی حفاظت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ دین کی یہ حفاظت مسلسل ہے اور ہم ہر دور قرآن اور ہر ہر دور حیات میں اللہ کے اسی وعدہ پر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا تزال طائفة من امتی قائمة بامر الله لا یضرهم من خذلهم او خالفهم حتی یاتی امر الله[1]

ترجمہ: میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اس کی مخالفت کرنے والے اسے کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے

اس حدیث میں دین اسلام کا تسلسل قیامت تک ممتد بتلایا گیا ہے۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح متصل ہیں۔ بعثت انا والساعة کہاتین۔ اور ساتھ دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام اور اہل اسلام قیامت تک رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الجهاد ماض مع البر والفاجر الی یوم القيمة۔ جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ دین قیامت تک رہے گا۔ اور یہ کہ دین کے ماننے والے بھی قیامت تک رہیں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

وفیه ایضا بشرى ببقاء الاسلام واهله الی یوم القيمة لان من لازم بقاء الجهاد بقاء المجاهدين وهم المسلمون وهو مثل

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۱۸

الحدیث لا تزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ۔ الحدیث[1]

ترجمہ۔ اس حدیث میں اسلام اور مسلمانوں کے قیامت تک باقی رہنے کی بشارت ہے۔ جہاد کا قیامت تک باقی رہنا اس بات کو لازم ہے کہ مجاہدین بھی اس وقت تک موجود ہوں گے اور ظاہر ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو سکتے ہیں یہ اس حدیث کی طرح ہے جس میں اس امت کے ایک طبقہ کے حق پر رہنے کی قیامت تک کے لیے بشارت ہے۔

دین کا یہ تسلسل ایک تکوینی سبب ہے جس کے ذریعہ دین کی حفاظت اور یہ تسلسل امت کے اعمال میں رہا ہے۔ جس کی جزئیات بدون احادیث کوئی شکل اختیار نہیں کرتیں۔ سو حدیث کی حفاظت ان اسباب سے ہوئی۔ ان میں دین کا تسلسل اور تعامل امت ایک نہایت مؤثر ذریعہ بنا رہا ہے۔

(۸) عشق رسول کے سائے میں

صحابہؓ کا عشق رسولؐ بھی حفاظت حدیث میں بڑا مؤثر عامل رہا ہے۔ جمہور اول میں عشق رسالت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو علم و عمل کے پیمانوں میں محفوظ رکھا اور عقیدت و جذبات کے اس تعامل نے بھی حفاظت حدیث میں ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ قرآن کریم نے حضورؐ کے بارے میں تعلیم دی تھی:۔

تؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ۔

ترجمہ۔ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔ اور اس رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تعظیم و توقیر کے اس دربار میں حضورؐ کے سامنے نیچی آواز سے بات کرتے۔ یہ دربار رسالت کا اجلال و احترام تھا۔

ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۳ کتاب الجہاد ۔

امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ۔[1]

ترجمہ۔ بیشک جو لوگ اپنی آوازیں حضورؐ کے سامنے پست رکھتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے۔

ادھر سے تعظیم و توقیر تھی اور اُدھر سے رحمت و معرفت کا ہاتھ ہر ایک کے لیے بڑھ رہا تھا۔ رحمۃ للعالمین کا دامن رحمت ہر صحابی پر سایہ فگن تھا۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لہم۔[2] یہ خدا کی مہربانی ہے کہ آپ ان کے لیے نرم دل ہوگئے۔

تعظیم و اکرام کا جواب جب رحمت و رأفت سے ملے تو محبت جذبات پیدا ہوتی ہے۔ عقلی محبت جذبات کے سانچوں میں عشقِ رسالت کا عنوان تیار کرتی ہے۔ یہ خدا کی شانِ کریمی ہے کہ اس نے صحابہ کے دلوں میں اس راہ سے حضورؐ کی محبت پیدا کردی اور اس جذبۂ محبت نے نہ صرف حضورؐ کی پیروی امت کے لیے آسان کردی بلکہ حضورؐ کا ہر عمل عشق و محبت کے اس سانچے میں ڈھلنے لگا۔ آپ کا ہر عمل ان کی زبانوں پہ بھی آتا، اور ان کے عمل میں بھی ڈھلا۔ اور اس سے حفاظتِ حدیث کے مختلف اسباب پیدا ہوتے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت سے طلب محبت کی ہرگز کوئی ضرورت نہ تھی۔ آپ ان سے دینی محبت اسی لیے چاہتے تھے کہ آپ کی پیروی اُن کے لیے آسان ہو جائے۔ جس سے محبت ہو، انسان اس کی اداؤں کی نقل میں بھی لذت محسوس کرتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

ان المحب لمن یحب مطیع۔

ترجمہ۔ محبت کرنے والا محبوب کے نقش پا پر چلتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جذبۂ محبت کو اور جلا بخشی اور کھل کر فرمایا۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔[3]

ظاہر ہے کہ یہ تجویز بھی امت پر مشقت پیروی کو آسان کرنے کے لیے تھی۔ محبت ایک ایسا سلسلہ ہے جس سے پہاڑ کھودنے میں بھی مشقت نہیں لذت ملتی ہے۔ دل میں

---

[1] پ ۲۶ الحجرات ع ۱ [2] پ ۴ آل عمران ع ۱۷ [3] مشکوٰۃ ص ۱۲ عن بخاری و مسلم

کسی کا بسیرا ہے۔ تو اس کے لیے یہ شفقت چلی جا رہی ہے۔

سہ کسی کی یاد میں پیچ و خم سے ستم کے لیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی بھی سفر کے دوران مختلف مقامات پر جو نماز پڑھی صحابہ نے ان مواضع و اماکن کو بھی اپنی یادوں میں محفوظ رکھ لیا۔ حالانکہ نماز نماز ہے وہ جہاں بھی ادا ہو۔ لیکن خدام آقا کے عشق و محبت میں اس قدر رنگے جا چکے تھے۔ کہ آپ نے اگر کہیں اتفاقاً بھی پڑاؤ ڈالا تو اس جگہ کی یاد صحابہ کے دلوں میں کبھی بھی محو نہ ہو سکی۔ امام بخاریؒ نے الصحیح میں اس پر باب باندھا ہے

باب المساجد التی علی طرق المدینة والمواضع التی صلی فیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ۔ وہ مسجد گاہیں جو مدینہ کی راہوں میں بنیں اور وہ مقامات جہاں اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔

موسیٰ بن عقبہؒ کہتے ہیں میں جلیل القدر تابعی حضرت سالمؒ کو دوران سفر ان مقامات کو تلاش کرتے دیکھا جہاں وہ نماز پڑھتے۔ اور بیان کرتے تھے کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ان مقامات پر نماز پڑھتے تھے اور فرماتے تھے۔

انہ رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی تلک الامکنة۔[2]

ترجمہ۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا ہے

ان مقامات پر نماز کی تخصیص کے لیے نہ تھی۔ حضور ان مقامات پر اتفاقاً اترتے رہے۔ لیکن صحابہؓ کے جذبات محبت کو دیکھیے۔ کہ انہوں نے آپ کی ان یادوں کو بھی تاریخ میں محفوظ کر دیا۔ جہاں تک کہ کبار تابعین بھی پھر ان راہوں میں اترتے گئے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ حدیث کی حفاظت میں عشق رسالت نے بھی ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] ایضاً

(۹) سند کے اہتمام سے

تابعین کے آخری دور میں جب نئی سنائی باتیں چلنے لگیں تو علماء تابعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی بات کو آگے بیان کرنے میں سند لانے کا پورا اہتمام کیا اور دین کی بات لانے کے لئے سند لانے کو بھی دین ٹھہرایا۔ امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) نے کہا نقل کرنے والوں کی پہچان رکھنا بھی دین ہی سے ہے۔ دیکھ لیا کرو کہ بات کس سے لے رہے ہو۔ اس اہتمام نے علم اسناد کو بہت اہمیت دی۔ اسی سے علم اسماء الرجال پیدا ہوا۔ سند کے اس اہتمام نے بھی حفاظت حدیث میں ایک بڑا کردار ادا کیا ہے۔

حفاظت حدیث کے مختلف پیرایوں میں ان نو (۹) امور کا بہت دخل رہا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ امت کے پاس حدیث کا ناقابل شمار ذخیرہ انہی وجوہ سے موجود اور زیر عمل رہا ہے اور اس کی حفاظت ہر دور میں خود دین کی حفاظت سمجھی گئی ہے۔

شیعہ کے ہاں حفاظت حدیث

شیعہ کے ہاں نبوت کے بعد امامت خدا کے بندوں پر خدا کی حجت سمجھی گئی ہے۔ امام وحی باطنی : وحی غیر متلو : سے خدا کی رضا اور عدم رضا پر مطلع ہوتا ہے اور معصوم ہوتا ہے۔ شیعہ کے جب تک بارہ امام زندہ رہے حضورؐ کی تعلیمات ان کے ہاں ائمہ کے ذریعے محفوظ رہیں ــــ ان کے عقیدہ میں ائمہ معصومین کو تقیہ کے ذریعے بھی گزرنا ہوتا تھا۔ اور اس صورت حال میں ان کے اقوال و اعمال مختلف اور متعارض رہتے تھے لیکن ائمہ کی اصل تعلیمات تک ان کا ایک مخفی تواتر قائم تھا جسے ان کے خاص خاص حضرات ہی پہچانتے تھے گیارہویں امام کی وفات (۲۶۰ھ) کے بعد بارھویں امام کسی غار میں جا چھپے پھر ان کے اور شیعہ علماء کے مابین سفراء کام کرتے رہے ــــ وقت کے انقطاع سے پھر یہ سلسلہ سفارت بھی ٹوٹ گیا اور بقول علامہ مجلسی (۱۱۱۰ھ) ان روایات کا تواتر جاتا رہا ــــ پھر ان کے محدثین تھے جو راویوں کی جانچ پڑتال سے اپنی روایات کو جمع کرنے لگے ــــ سو ان کے ہاں حفاظت حدیث ان تین مرحلوں سے گزری ہے۔

تدوینِ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد:

حدیث کی ضرورت اور حجیت سے ہم فارغ ہو چکے ہیں اور یہ موضوع تفصیل سے آپ کے سامنے آ گئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قابلِ اعتماد علمی ذخیرہ کہاں موجود ہے اور یہ ذخیرہ کن کن مراحل سے گزر کر اس مقام پر پہنچا ہے کہ اس پر علمی حضرات سے اعتماد کیا جا سکے۔

تدوین کی ضرورت

حجیتِ حدیث کا تقاضا تھا کہ حدیث مدون کی جائے اسے محفوظ کیا جائے، اس کے مطالب کھلے کھلے رکھے ہوں، اس سے استفادہ کے چشمے جاری ہوں اور ان سے استفادہ نہایت آسان معلوم ہو سکے۔ علاوہ ازیں آنحضرت کی آخری نبوت اور شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پورے نوعِ انسان کے لیے آخری شریعت ہے تو اس دین و شریعت کا قیامت تک کے لیے باقی رہنا بھی ضروری ہے۔ پس لازم تھا کہ جوں جوں یہ تقاضا شدید ہوتا جائے تدوینِ حدیث کے علمی اسباب سامنے آتے جائیں اور حدیث جمع ہوتی جائے۔

قرآن کریم کے لکھا جانے سے یہ بات ازخود واضح ہے کہ لفظی پوری حفاظت لکھے جانے سے ہی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت اترتی تو آپ کاتب کو بلا کر ارشاد فرماتے: یہ آیت فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھو۔ قرآن کریم اسی ترتیب سے پڑھا جاتا اور لکھا جاتا تھا جس ترتیب سے حضور اس کے لکھنے کی ہدایت فرماتے۔ قرآن کریم کی کتابت نے تحریرِ حدیث کی فکر بھی پیدا کر دی تھی۔ اگرچہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ہر لمحہ آپ کا ہر ارشاد اور آپ کی ہر ادا حدیث تھی۔ تاہم ان دنوں
اندیشہ تھا کہ تحریر حدیث کے اہتمام میں کہیں تحریر قرآن دب کر نہ رہ جائے اور ہو سکتا تھا کہ
ایسے حالات میں جب کہ عرب ابھی ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں تعلیم و تعلم کا عام رواج نہیں
تحریرات قرآن اور تحریرات حدیث آپس میں کہیں خلط ملط Mix نہ ہو جائیں اور کہیں ایسا نہ
ہو کہ تحریرات قرآن کی طرح تحریرات حدیث کی بھی عبادت کے طور پر تلاوت ہونے لگے۔ یہ مصلحت
کا تقاضا تھا کہ تحریر قرآن کے دور تک تحریر حدیث پر عام حلقوں میں پابندی ہے۔ صرف ان ہی
حضرات کو اجازت ہو جو ان حدود و فروق میں پورے طور پر محتاط ہیں۔ علم کی حدود اور زبان
کو پہچانتے ہوں اور انہیں محفوظ رکھنے کا پورا اہتمام ملحوظ رکھ سکیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب حدیث اسلام میں قانونی طور پر حجت ہے، تو
اسے محفوظ بھی ہونا چاہیئے تھا اور دیگر مصالح کتنی ہی کیوں نہ ہوں اصولاً تحریر حدیث کی اجازت
ہونی چاہیئے تھی۔ عمومی اجازت نہ سہی لیکن جن صحابہ کے علمی حلقوں میں ان تحریرات کے خلط ملط
ہونے کا اندیشہ نہ ہو انہیں تحریر حدیث کی اجازت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریر قرآن کے
دور تک تحریر حدیث پر پابندی ہونے کے باوجود یہ تقاضا اصولاً باقی رہا اور اس احساس کے
تحت بعض صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تحریر حدیث کی اجازت بھی مانگی اور آپ نے
انہیں یہ اجازت مرحمت فرمائی۔

تحریر حدیث کی اجازت

(۱) ایک انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ
سے حدیث سنتا ہوں تو بھول جاتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استعن بیمینک[1]
"اپنے ہاتھ سے مدد لو" یعنی لکھ لیا کرو۔ ایک روایت میں ہے۔ واومأ بیدہ للخط۔ کہ آپ نے ہاتھ
سے لکھنے کا اشارہ فرمایا ——— یہ آپ کی طرف سے حدیث لکھنے کی اجازت تھی۔

(۲) یمن کا ایک شخص ابوشاہ فتح مکہ کے موقع پر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا جب اس

۱؎ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان سُنا تو گذارش کی کہ حضور مجھے لکھ دیجئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہ بیان ابوشاہ کے لیے تحریر کر دو۔

اکتبوا لابی شاہ[1]   ابوشاہ کے لیے یہ باتیں لکھ دو۔

حضورؐ نے اس روایت میں صریح طور کتابت حدیث کا اہتمام فرمایا اور اس کے لیے صحابہ کرام کو امر کیا۔[2]

(۳) حضرت ابو رافع نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تھی۔ آپ نے انہیں بھی اجازت دے دی تھی۔ آپ کا یہ مجموعہ حدیث اتنا مستند تھا کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی اس مجموعہ سے روایات نقل کر لیا کرتے تھے۔ حضرت سلمیٰ کہتی ہیں:-

رأیت عبداللہ بن عباس معہ الواح یکتب علیھا عن ابی رافع شیئاً من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3]

ترجمہ: میں نے عبداللہ بن عباس کو دیکھا۔ لکھنے کی تختیاں ان کے پاس تھیں۔ ان پر وہ ابی رافع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ افعال لکھ رہے تھے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ میں آپ کی احادیث روایت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں۔ تو میں اپنے دل کے ساتھ ساتھ کچھ مدد اپنے ہاتھ سے بھی لے لوں (یعنی لکھ لوں) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اجازت دے دی۔[4]

وہ کہتے ہیں قریش نے مجھے حدیث نہ لکھنے کا مشورہ دیا اور کہا

انما ھو بشر یغضب کما یغضب البشر۔[5]

ترجمہ: حضورؐ بھی تو انسان ہیں کبھی غصے میں ہوتے ہیں جیسا کہ انسان غصے میں آتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲، جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ [2] مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ صفحہ ۳۲ [3] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ [4] دیکھئے سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ وطبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۲۶۲ [5] سنن ابی داؤد ص[illegible]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جب حضورؐ کو یہ بات بتلائی تو آپ نے فرمایا:۔

والذی نفس محمد بیدہ ما یخرج مما بینھما الا حق فاکتب۔[1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ان دو ہونٹوں کے درمیان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ سو تم لکھتے رہو۔

(۵) حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں تو کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا:۔

اکتبوا ولا حرج۔[2] ترجمہ: لکھ لیا کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۶) حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

قیدوا العلم بالکتاب۔[3] ترجمہ: علم کو قید کتابت میں لاؤ۔

علم سے مراد علم منقول ہے۔ اس کے مقابلہ میں لفظ رائے کا ہے۔ لفظ علم سے اس دور میں حدیث مراد لی جاتی تھی۔ امام ابوحنیفہ کے استاد امام تفسیر حضرت عطاء بن ابی رباح جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو لوگ پوچھتے۔ علمؒ او رایؒ؟ یہ علم ہے یا رائے ہے؟ اگر وہ بات منقول ہوتی تو آپ فرماتے۔ علم ہے۔ اور اگر وہ اجتہادی ہوتی تو فرماتے یہ رائے ہے۔

فان کان اثراً قال علم وان کان رایا قال رای۔[4]

ترجمہ: سو اگر وہ بات روایت ہوتی تو فرماتے یہ علم ہے اور اگر وہ ذاتی ہوتی تو اسے رائے کہتے۔

سو حضرت انس بن مالکؓ کی مذکورہ بالا روایت قیدوا العلم بالکتاب میں علم سے مراد حدیث ہی ہے۔ سو آنحضرتؐ نے امر فرمایا ہے کہ حدیثیں لکھ لیا کرو ۔۔۔۔۔۔ یہ صرف اجازت نہیں بلکہ امر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ نہ صرف حضورؐ سے حدیثیں لکھتے رہے بلکہ لکھ کر بعض دفعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا بھی دیا کرتے تھے۔ سعید بن ہلال آپ کے معروف شاگرد بیان کرتے ہیں:

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالکؓ فاخرج لنا مجال عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکتبتھا وعرضتھا۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۵۸ [2] تدریب الراوی ص ۲۸۶ [3] جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۳ [4] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۶۶

ترجمہ: ہم جب حضرت انس بن مالکؓ سے زیادہ روایات پوچھتے تو وہ مجلات
بیاضیں نکال لیتے اور کہتے یہ وہ روایات ہیں جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم سے سنیں اور میں نے انہیں لکھا اور انہیں آپ کو پڑھ کر بھی سنا دیا۔[1]

قاضی الحسن بن عبد الرحمٰن الرامہرمزی (۳۶۰ھ) نے حضرت انسؓ کی یہ روایت ہبیرہ بن عبد الرحمٰن سے بھی نقل کی ہے۔[2]

حضرت انسؓ نے اپنے شاگرد خالد بن خداش بغدادی کو نصیحت فرمائی کہ اہل علم سے احادیث لکھ لیا کریں، فرمایا:

عليك بتقوى الله في السر والعلانية والنصح لكل مسلم وكتابة العلم من عند اهله[3]

ترجمہ: ان چیزوں کو لازم پکڑو: ۱۔ ظاہر اور باطن میں اللہ کا خوف ۲۔ ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی ۳۔ اہل علم سے احادیث لکھنا۔

آپ اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے کہ حدیثیں لکھ لیا کرو۔[4]

اس دور اول میں حضرت انسؓ اور ان کی اولاد کا حدیث لکھنے کا یہ اہتمام بتلاتا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے ہاں حدیث کا کافی مواد جمع ہو چکا تھا۔

حدیث آگے پہنچانے کی اصولی ہدایات

تبلیغ شریعت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصولی ہدایت جاری کی کہ آپ کی تعلیم ہر شاہد و غائب تک پہنچے۔ آپ نے ارشاد فرمایا لیبلغ الشاھد الغائب[5] سو جب تک ایک بات بھی کسی کے پاس ہو تو ضروری تھا کہ وہ اسے آگے پہنچائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:
بلغوا عنی ولو آیۃ[6] میری ایک بات بھی تمہیں یاد ہو تو اسے آگے پہنچاؤ ___ یہ پہنچانا

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۷۴، معرفۃ الصحابہ جلد ۱ ص ۲۶ [2] المحدث الفاصل ص ۳۶۸ [3] جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۲
[4] دیکھیے مسند جلد ۱ ص ۲۲ سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۲۷ المحدث الفاصل ص ۳۶۸ [5] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۱ جلد ۲ ص ۲
صحیح مسلم جلد ۲ ص ۶۰ [6] رواہ البخاری کذا فی المشکوٰۃ ص ۳۲

زبانی پہنچائی تحریری اور تعلیمی جس طرح بھی ہو سکے صحابہ کے ذمہ ٹھہرا۔ حدیث کے آگے پہنچانے کا یہ حکم عام تھا جو اپنی تمام صورتوں کو شامل رہا۔ آپ نے سے لفظ حدیث سے بھی ذکر فرمایا۔ ارشاد فرمایا: حدثوا عنی [1] مجھ سے حدیث آگے پہنچاؤ۔ اس حکم اور تاکید کا تقاضا تھا کہ علم نبوی ہر طرح سے محفوظ رہے اور آگے پہنچایا جائے۔ آپ نے اس پر عمل کرنے والوں کو دعا بھی دی۔

نضر الله امرأ سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه [2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز رکھے جو ہم سے کچھ سنے تو اسے آگے پہنچائے اور اسی طرح پہنچائے جیسا اس نے سنا ہو۔

عربوں کی قوی یادداشت

یہ حقیقت ہے کہ عربوں میں ان دنوں زبانی یادداشتوں کا بہت رواج تھا۔ ان میں حفظ کی زبردست صلاحیت موجود تھی۔ صدیوں سے یہ لوگ اپنے قبائل کی تاریخ یاد رکھتے اور اسے بار بار دہرانے کے خوگر تھے اور روایات کا تحفظ ان کے ہاں پہلے سے موجود تھا جب دین قیم کا یہ علم اس زمین میں ہیرا ہوا تو سوال پیدا ہوا کہ علوم نبوت کا حفظ و نشر کس طرح کیا جائے۔ اسے صرف اسی طریقے سے باقی رکھا جائے یا اس میں مزید تحریر و نشر کی بھی کوئی ضرورت ہے۔

یہ بڑا نازک دور تھا کہ کب تک چل سکتا تھا ایک ایسے دین میں جسے قیامت تک باقی رہنا ہے اس میں زبانی حفظ و روایت کی کڑیاں کب تک ساتھ دے سکتی تھیں۔ اسی فکر کے تحت حضرت ابوہریرہؓ (م ۵۹ھ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی یادداشت کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ۔ آپ نے ہاتھ سے لپ دی۔ بس میں نے وہ لی تو جہ فرمائی اور حضرت ابوہریرہؓ بے نظیر حفظ کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے حدیث کی وہ خدمت لی کہ جو سنا پھر کبھی نہ بھولے اور جو دیکھا وہ ہمیشہ کو یاد رہ گیا۔ خود فرماتے ہیں۔

فضممته فما نسيت شيئا بعده [3]

ترجمہ: میں نے وہ چادر سمیٹ لی۔ اس کے بعد میں کبھی کچھ نہ بھولا۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۱۴ [2] رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۵ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲

تدوین وقت کا تقاضا تھا

فتنوں و فکر کے اس دور کے جلد ہی بعد ضروری تھا کہ حدیث باقاعدہ مرتب اور مدون ہو جائے
اور اس تحریر و تدوین کی ابتداء خود ذاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ہی ہو صحابہ کے شاگرد
اپنے اساتذہ سے روایت حدیث کے ساتھ ساتھ تحریر حدیث کی طرف بھی توجہ دینے لگے۔
یہاں تک کہ تابعین کے بعد علم حدیث باقاعدہ ترتیب کی منزل میں داخل ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا
جب اسلامی تہذیب عجمی ممالک میں پھیل چکی تھی اور یہی وہ تین دور تھے جن کے بارے میں
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر اور بھلا ہونے کی شہادت دی تھی۔ امیر المومنین سیدنا حضرت
عمرؓ (۲۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اکرموا اصحابی فانہم خیارکم ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم یظہر الکذب۔[1]

ترجمہ: میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تم میں سے بہتر ہیں پھر وہ لوگ جو انہیں ملیں پھر جو انہیں ملیں
پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

تابعی کبیر حضرت قتادہ بن دعامہ (۱۱۸ھ) کا حافظہ حیرت انگیز تھا جو بات ایک مرتبہ سن لیتے
ہمیشہ کے لیے یاد ہو جاتی۔ پھر امام زہری اور امام شعبہ۔ ان کے حافظے تاریخ اسلام میں شہرہ آفاق
ہیں۔ ان کی نظیر دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ نہ ان جیسا کوئی اور جیتا ان کے بعد دیکھنے میں آیا صحابہ
تابعین اور تبع تابعین بہترین ایام تھے۔ ان میں خیر غالب تھی۔ ان کے بعد فتنۂ کذب کا دور
شروع ہوا۔ حدیث کے آخری جملے پر غور کریں ثم یفشو الکذب۔ (پھر جھوٹ پھیل جائے گا)
اس میں خبر دی گئی ہے کہ اس وقت میں جھوٹ عام ہو جائے گا۔

قرونِ ثلٰثہ کے بعد دورِ کذب

جھوٹ خبر و روایت میں ہی چل سکتا ہے ذکر و تلاوت میں نہیں۔ قرآن کریم خود عہد
رسالت میں ہی متواتر اللفظ تھا۔ اس کی سورتیں اور آیات معین تھیں۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں
لوگوں کی زبانوں پر جاری اور محفوظ تھا۔ اس کے پڑھنے میں نفی اور اشتباہ ترک ہو سکتا تھا لیکن

---

[1] مشکوٰۃ ص۵۵۴ بحوالہ نسائی ۔ تفصیل کے لیے دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ۔ تہذیب التہذیب جلد ۸ ص۳۵۱

منتج ہو رہے۔ ان تین زمانوں کے بعد بدعات کھلے طور پر پھیلنے لگیں۔ معتزلہ نے اپنی زبانیں کھولیں اور فتنہ معتزلہ نے اپنے سر اٹھائے۔ اہل سنت کی خلق قرآن کے مسئلہ میں آزمائش ہوئی۔ لوگوں کے دینی حالات بدلنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "پھر جھوٹ پھیل جائے گا" تصدیق بن کر سامنے آگیا۔ تاہم شکر درگاہ ایزدی ہے کہ تدوین حدیث کے ابتدائی اور وسطانی مرحلے ان قرون مشہود لہا بالخیر ہی میں سر انجام پاچکے تھے اور پھر جب جھوٹ کا دور دورہ ہوا تو محدثین نے حدیث کے گرد تحقیق و تنقید کے کڑے پہرے بٹھا دیے اور تاریخ بتاتی ہے کہ حدیث کے بڑے بڑے ذخیرے تیسری صدی ہجری تک مرتب ہو چکے تھے۔ اب ہم ابتدائی تحریرات حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں جو کسی باقاعدہ تدوین کی اساس تھیں اور جن کی اعتمادی حیثیت کسی پہلو سے مجروح قرار نہیں پاسکی۔

تدوین کی ابتدائی صورت

یہ تدوین بعد والوں کے لیے بطور یادداشت کے تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے کی اجازت بھی دے رکھی تھی۔ خود بھی بعض احکام ہمیشہ لکھوا دیتے تھے۔ صحابہ کرام نے بھی احادیث کی کچھ یادداشتوں کو محفوظ کر رکھا تھا۔ موجودہ ذخائر حدیث میں ان یادداشتوں کی کہیں کہیں نشاندہی ملتی ہے۔ بعض صحائف حدیث کا بھی کہیں کہیں ذکر آتا ہے۔ ہم یہاں صحیفہ صادقہ، کتاب الصدقہ، صحیفہ علی، صحیفہ عمرو بن حزم، صحیفہ جابر، صحیفہ سمرہ بن جندب، کتاب معاذ بن جبل، کتاب ابن عمر، کتاب ابن عباس، کتاب سعد بن عبادہ کا تذکرہ کریں گے۔ ان کے علاوہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کے جمع کردہ مجموعوں کا ذکر بھی کہیں کہیں کر دیا جائے گا۔ یہ پہلے دور کی حدیثی تحریرات تھیں۔

(۱) الصحیفۃ الصادقۃ

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا جمع کردہ صحیفہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ [illegible] کہتے ہیں:

ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر حدیثا عنہ منی الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب[1]

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ حضور کی حدیثیں رکھنے والا بجز عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اور کوئی نہ تھا اور اس کی بھی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن عمرو حدیثیں لکھتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو جو لکھنے کے موقف ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں:

حفظت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الف مثل[2]

ترجمہ: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار مثالیں یاد کی ہیں۔

جب امثال کی احادیث ایک ہزار کے قریب تھیں تو عام احادیث کا ذخیرہ کس قدر ہوگا جو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہوگا اور وہ آپ کے پاس محفوظ ہوگا؟

حضرت عبداللہ بن عمرو کو جو حدیثیں لکھنے کی اجازت ملی تھی جیسا کہ ہم تحریر حدیث کی بحث میں کہہ آئے ہیں، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دی تھی۔ محدث شہیر عبدالرزاق بن ہمام

---

۱ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲ المصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۹ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۵

حضرت ابوہریرہ کا یہ عمل عہد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تک تھا۔ آپ کے بعد حضرت ابوہریرہ نے بھی حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ آپ کے شاگرد حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی آپ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ میں نے کہا میں نے یہ حدیث تو آپ سے ہی سنی تھی۔ آپ نے فرمایا: ان کنت سمعتہ منی فہو مکتوب عندی۔ (جامع بیان العلم صفحہ ۷۴ و فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۸۴) ترجمہ: اگر تم نے یہ مجھ سے سنی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔

پھر آپ حسن بن عمرو کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے اور انہیں وہ ساری تحریرات دکھائیں اور ان میں وہ حدیث مل گئی۔ آپ نے کہا میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے تمہیں سنائی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد جب مصر کے گورنر تھے تو ان کے پاس بھی حضرت ابوہریرہ کی احادیث کا ایک مجموعہ موجود تھا۔ دیکھئے طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۱۵۷۔ ۲ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۳

الصنعانی (۲۱۱ھ) حضرت عطاء الخراسانی سے روایت کرتے ہیں:-

ان عبد الله بن عمرو بن العاص قال یا رسول الله انا نسمع منك احادیث افتأذن لی فاکتبها؟ قال نعم فکان اول ما کتب به النبی صلی الله علیه وسلم الی اهل مکة کتابا۔[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے احادیث سنتے ہیں، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں انہیں لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ سو اس میں پہلی تحریر وہ تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی طرف لکھی تھی۔

سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم، معالم السنن اور طبقات ابن سعد[2] میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ امام المفسرین تابعی کبیر حضرت مجاہد (۱۰۴ھ) کہتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کے ہاں ایک صحیفہ گدے کے نیچے چھپا دیکھا تو اٹھا لیا۔ آپ نے مجھے ہاتھ لگانے سے روکا اور فرمایا:-

هذه الصادقة ما سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس بینی و بینه احد اذا سلمت هذه وکتاب الله والوهط فلا ابالی علی ما کانت علیه الدنیا۔[3]

ترجمہ: یہ صحیفہ صادقہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، میرے بیچ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی شخص واسطہ نہیں ہے جب تک میرے پاس یہ احادیث اور قرآن ہیں اور وہط کی زمین ہے مجھے فکر نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

یہ صحیفہ صادقہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی اولاد کے پاس سالہا سال رہا۔ آپ کے پڑپوتے عمرو بن شعیب سے باقاعدہ پڑھاتے تھے۔ حدیث کی موجودہ کتابوں میں جو احادیث اس سند سے مروی ہیں۔ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده، وہ اسی مجموعہ سے ماخوذ ہوتی ہیں۔

---

[1] المصنف جلد ۶ صفحہ ۳۳۱ [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ [3] مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۱۰۵؛ معالم السنن للخطابی جلد ۴ صفحہ ۱۸۴؛ طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۸ [4] جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ ۷۲؛ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۳

حافظ ابن حجر عسقلانی یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی کے حوالہ سے اس کی تصریح کرتے ہیں[1] حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے اس صحیفے کا نام الصادقہ تھا، آپ خود فرماتے ہیں:

ھذہ الصادقۃ ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس بینی وبینہ احد۔[2]

ترجمہ: الصادقہ وہ کتاب ہے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھی تھی۔
میرے اور آپ کے مابین کوئی اور راوی نہیں۔

امام ترمذی (۲۷۹ھ) نے بھی اپنی سنن میں اس صحیفہ صادقہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث کے تحت آپ لکھتے ہیں:

وقد تکلم یحیی بن سعید فی حدیث عمرو بن شعیب وقال ھو عندنا واہ ومن ضعفہ فانما ضعفہ من قبل انہ یحدث من صحیفۃ جدہ عبد اللہ بن عمرو واما اکثر اھل العلم فیحتجون بحدیث عمرو بن شعیب ویثبتونہ۔[3]

ترجمہ: عمرو بن شعیب کی حدیث میں یحییٰ بن سعید القطان کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں وہ ہمارے ہاں کچھ نہیں، جس نے ان کی حدیث کو ضعیف کہا ہے وہ اسی اساس پر کہا ہے کہ عمرو بن شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ اکثر اہل علم عمرو بن شعیب کی روایت سے سند لیتے ہیں اور اسے ثابت مانتے ہیں۔

اس وقت یہ بحث نہیں کہ عمرو بن شعیب واقعی اپنے دادا سے روایت کرتے تھے یا صرف اس صحیفے سے۔ اس وقت یہ موضوع زیر بحث نہیں، نہ یہ بحث ہے کہ تحریر سے روایت جائز ہے یا نہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ قرن اول میں واقعی یہ صحیفہ موجود تھا اور حدیث کی یہ تحریر اپنی جگہ بہت قابل اعتماد سمجھی جاتی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۵ھ) کے پاس ان سے زیادہ حدیثیں موجود تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات Reported traditions کی تعداد پانچ ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۳۳۸ [2] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ [3] جامع ترمذی جزء ۱ صفحہ ۴۸، ۸۳

سے بھی زیادہ تعداد میں احادیث جمع کر چکے تھے۔ حدیث کی یہ خدمت اس پہلے دور کی ہے جو حضورؐ اور صحابہؓ کا دور تھا۔ صحابہؓ کے دور کی یہ یادگار آٹھویں صدی تک موجود رہی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس یہ کتاب موجود تھی۔[1] حافظ جمال الدین زیلعی (۷۶۲ھ) نے بھی اس نسخہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا ذکر کیا ہے۔[2]

(۲) کتاب الصدقہ

یہ حضورؐ کے املا فرمودہ احکام کا ایک مجموعہ ہے جو اس پہلے دور میں ہی ترتیب پا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ تحریر کرائی تھی۔ یہ وہ احکام تھے جو آپ نے اپنے گورنروں کے لیے لکھوائے تھے۔ آپ ابھی انہیں بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل کیا اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس پر عمل کرتے رہے۔ محدث شہیر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۲۱۱ھ) لکھتے ہیں:

ان النبی کتب کتابا فیه هذه الفرائض فقبض النبی صلی الله علیه وسلم قبل ان یکتب الی العمال فاخذ به ابوبکر وامضاه بعده علی ما کتب۔[3]

ترجمہ: بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتاب تحریر کرائی تھی جس میں یہ فرائض لکھے گئے۔ پیشتر اس کے کہ حضورؐ سے گورنروں کی طرف بھیجتے، حضورؐ کی وفات ہو گئی۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ تحریر حاصل کر لی اور اسے آپ کی تحریر کے مطابق نافذ فرمایا۔

امام ترمذی نے بھی حدیث کی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کتب کتاب الصدقة فلم یخرجه الی عماله حتی قبض فقرنه بسیفه فلما قبض عمل به ابوبکر حتی قبض وعمر حتی قبض۔[4]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۹ [2] نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ [3] المصنف جلد ۴ صفحہ ۴، سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ [4] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۷۸، صفحہ ۷۹

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ لکھوائی۔ آپ اسے اپنے عمال
کی طرف بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ یہ آپ نے اپنی تلوار سے
لگا رکھی تھی۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل فرمایا یہاں
تک کہ آپ کی بھی وفات ہوگئی پھر حضرت عمرؓ بھی اس پر عمل کرتے رہے یہاں
تک کہ آپ کی بھی وفات ہوگئی۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس پہلے دور میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث کے یہ
ذخیرے یقیناً زیر عمل رہے تھے اور سنت بعد کی نہیں ایک مستقل آثار کے طور پر برابر چلی آرہی تھی
اسی پر باقاعدہ خلفائے راشدینؓ کا عمل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اگر عمل بالحدیث کے قائل نہ
ہوتے تو اس مجموعہ حدیث کو اپنے ہاں اس طرح حفاظت سے نہ رکھتے اور اس طرح اسے نافذ نہ کرتے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ نسخہ کتاب الصدقہ حضرت عمرؓ کی اولاد کے پاس رہا۔ حضرت عبداللہ
بن عمرؓ کے بیٹے سالم بن عبداللہ نے یہ کتاب امام زہری کو پڑھائی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بھی
اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادوں حضرت سالم اور حضرت عبداللہ سے لی تھی
امام زہری (م ۱۲۴ھ) اس کتاب کو دوسروں کو پڑھایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

> یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کتاب ہے جو آپ نے صدقات پر لکھائی
> تھی۔ اس کا اصل نسخہ حضرت عمرؓ کی اولاد کے پاس رہا ہے۔ مجھے یہ حضرت عبداللہ
> بن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالم نے پڑھایا تھا۔ میں نے اسے پورا حفظ کرلیا
> تھا...... حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمرؓ
> کے صاحبزادوں عبداللہ اور سالم سے حاصل کی تھی۔ یہ وہی نقل ہے۔[1]

حضرت امام زہری کو جمع احادیث پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے مامور کیا تھا ظاہر ہے کہ
انہوں نے بھی یہ نقل امام زہری کو دی ہوگی۔

کتاب الصدقہ کی نقول

حضرت ابوبکرؓ نے خود بھی اس تحریر کی نقول کرائیں اور اپنے عمال کو بھیجیں۔ اسی طرح

---

[1] ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۲۴

حضرت عمرؓ نے بھی اس کی نقول لیں، اور انہیں اپنے عاملوں کو دیں۔ بعض حضرات کا گمان ہے کہ یہ اسی کتاب الصدقہ سے جو حضورؐ نے عمرو بن حزمؓ کو دی تھی علیحدہ ہدایات ہیں۔ لیکن حضرت حماد بن سلمہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی کتاب الصدقہ وہی کتاب ہے جس پر حضورؐ کی مہر تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت انس بن مالکؓ کو عامل بنا کر بحرین بھیجا، تو انہیں ایک کتاب الصدقہ دی اور امر فرمایا کہ اس کے مطابق ان سے زکوٰۃ وصول کریں۔ یہ کتاب بعد میں حضرت انسؓ کے خاندان میں رہی۔ حضرت حماد بن سلمہ نے اسے حضرت انسؓ کے پوتے ثمامہ بن عبداللہ کے پاس بھی دیکھا تھا۔[1] وہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت تھی۔ اس کتاب کے کچھ حصے صحیح بخاری میں بھی ملتے ہیں۔[2]

حضرت عمرؓ کے پاس بھی غالباً یہی کتاب الصدقہ نقل ہو گی۔ جس میں حضرت عمرؓ نے اپنی روایت سے کچھ اور احادیث کو جمع کر دیا ہو گا جس کی وجہ سے محدثین اسے حضرت عمرؓ کی کتاب الصدقہ کہنے لگے ہوں گے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:

انه قرأ كتاب عمر بن الخطاب في الصدقة۔[3]

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ کی کتاب الصدقہ میں نے خود پڑھی ہے۔

ان روایات کی روشنی میں آپ اس کتاب کی اہمیت، شہرت اور مقبولیت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس کتاب کے اقتباسات کا بعد کی بڑی کتب معروفہ میں پایا جانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ کس طرح بعد کی تالیفات حدیث ان ابتدائی تحریرات کی بنا پر ترتیب پائی ہیں۔

(۳) صحیفہ علی مرتضیٰ

حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس بھی حدیث کی کچھ تحریرات موجود تھیں جنہیں صحیفہ علی کہتے تھے۔ کتب حدیث میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ اسے کتاب علی کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ امام بخاری نے

---

[1] ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ [2] دیکھئے بخاری کتاب الزکوٰۃ جلد ۱ صفحہ [3] موطا امام مالک صفحہ ...
... صفحہ ... جلد ... صفحہ ...

صحیح بخاری کے کئی ابواب میں اس کا ذکر کیا ہے[۱]۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے مضامین بہت پھیلے ہوئے تھے۔ تاریخ کی اس پر کھلی شہادت موجود ہے کہ پہلے دور میں اس صحیفہ علی کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ شیعہ کتب حدیث میں بھی جابجا کتاب علی کا نام ملتا ہے[۲]۔ حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں:۔

من زعم ان عندنا شيئا نقرؤه الا كتاب الله وهذه الصحيفة فقد كذب[۳]

ترجمہ:۔ جس نے یہ خیال کیا کہ ہمارے پاس قرآن کریم اور اس صحیفہ کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو اس نے جھوٹ کہا۔

اس صحیفہ حدیث میں زیادہ تر مالیات کے مسائل تھے۔ زکوٰۃ، دیت، خونبہا، فدیہ، بدلہ قصاص اور حقوق اہل ذمہ کی روایات تھیں، مدینہ شریف کے حرم ہونے کی احادیث بھی اس میں شامل تھیں۔ اب یہ روایات موجودہ کتب مدونہ میں عام ملتی ہیں۔ ائمہ فن کی مختلف طریقوں پر کیا کیا کلام ہیں ان کا بھی ان روایات میں کچھ ذکر ملتا ہے۔

صحیفہ علم کی نشر و اشاعت

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس صحیفے کے بعض اجزاء کی نقلیں بھی لکھوا رکھی تھیں۔ آپ ہر پڑھنے والے سے ان کے کاغذات کی قیمت ایک درہم لیتے تھے۔ آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا:۔

من يشتري علما بدرهم[۴] ترجمہ:۔ کون ہے جو علم کو ایک درہم میں خرید لے۔

---

[۱] دیکھئے صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱ جلد ۲ صفحہ ۲۳ جلد ۴ صفحہ ۲۶ جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ کتاب العلم، کتاب الحج و فضائل المدینہ، کتاب الجہاد و باب فکاک الاسیر، باب ذمۃ المسلمین، باب اثم من عاہد ثم غدر، کتاب الاعتصام و باب ما یکرہ من التعمق و التنازع) [۲] کافی کلینی جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ صفحہ ۱۴۸ جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ صفحہ ۲۴۶ صفحہ ۲۲۲ جلد ۴ صفحہ ۲۶ صفحہ ۲۶ صفحہ ۳ جلد ۳ صفحہ ۳۱۶ صفحہ ۳۴۸ صفحہ ۳۶۱ جلد ۵ صفحہ ۲۴۱ صفحہ ۲۴۸ صفحہ ۲۵۰ جلد ۷ صفحہ ۲۷۶ صفحہ ۲۷۴ صفحہ ۲۸۵ معانی الاخبار ابن بابویہ صفحہ ۳۴ شرح الفقیہ صفحہ ۳۵ صفحہ ۳۱۰ تہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۶۸ [۳] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ صفحہ ۳۱۲ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۵ المصنف عبدالرزاق جلد ۹ صفحہ ۲۶۳ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵ [۴] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۶۵ [۵] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۲۴۳

علم ان دنوں حدیث کو کہا جاتا تھا۔ حارث الاعور نے ایک درہم میں کچھ ورق خریدے
اور پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں احادیث لکھنے کے لیے آئے۔ فکتب له علما کثیرا۔ آپ نے
ان کو بہت سا علم (بہت سی احادیث) لکھا کر دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے حجر بن عدی نے اور
آپؓ کے بیٹے محمد بن الحنفیہ نے بھی اس صحیفہ علی کی نقلیں لے رکھی تھیں اور اس صحیفہ کی روایت
آگے بھی جاری رہی تھی۔ کسی شخص نے حجر بن عدی سے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا وہ صحیفہ جو
طاق میں رکھا ہے مجھے پکڑا دو۔ اس نے وہ صحیفہ آپ کو دیا۔ اس میں لکھا تھا۔

هذا ما سمعت علی بن ابی طالبؓ یذکر ان الطهور نصف الایمان۔ [1]

ترجمہ: یہ روایات ہیں جو میں نے علی ابن ابی طالب سے سنیں۔ آپ حدیث
بیان کرتے تھے کہ طہارت نصف ایمان ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حجر بن عدی کے پاس صحیفہ علی کی نقل موجود تھی۔ جو ان کے ہاں طاق
میں رکھا رہتا تھا۔

عبداللہ علی غسانی (م ۱۰۰ھ) محمد بن الحنفیہ (۸۰ھ) سے بہت روایات کرتے تھے۔ ان کا
محمد بن الحنفیہ سے سماع ثابت نہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے پاس محمد بن الحنفیہ کی ایک کتاب تھی عبداللہ علی
اس کتاب سے محمد بن الحنفیہ کے نام سے روایتیں کرتے تھے۔ [2]

معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایات محمد بن الحنفیہ نے اپنے والد حضرت علیؓ سے لی ہوں گی۔ حضرت حسینؓ
کے پوتے حضرت امام باقر کے پاس بھی بعض صحف حدیث کا پتہ ملتا ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ
عنہ نے ایک دفعہ حدیثوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔

مما وجدنا فی کتبه [3] کہ یہ روایات ہم نے ان کی (امام باقر کی) کتابوں سے لی ہیں۔

(۴) صحیفہ عمرو بن حزم

یہ تحریر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لیے لکھوائی تھی۔ اس میں زیادہ تر فرائض

[1] طبقات ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۲۲۰ [2] دیکھئے تذکرہ عبداللہ علی [3] تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۰۴

وغیرہ اور دیات کے احکام تھے۔ انہیں صحیفہ عمرو بن حزم اس لیے کہا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحریر حضرت عمرو بن حزم (م ۵۳ھ) کے ہاتھ میں بھجوائی تھی اور آپ نے ہی اسے پڑھ کر سنایا تھا۔ امام نسائی (م ۳۰۳ھ) نے دیات کے سلسلے میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

قال الحارث بن مسکین قراءة علیه وانا اسمع عن ابن القاسم حدثنی مالک عن عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیه الکتاب الذی کتبه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لعمرو بن حزم فی العقول ... الخ[1]

اس حدیث میں صریح طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے۔ اس میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ آپ نے عمرو بن حزم کے لئے یہ تحریر لکھوائی تھی اور یہ کہ اس میں خون بہا اور دیات وغیرہ کے مسائل تھے۔

حضرت عمرؓ اس کتاب پر بڑا اعتماد فرماتے تھے اور اس کی احادیث کو حجت سمجھتے تھے۔ محدث شہیر عبد الرزاق الصنعانی (م ۲۱۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انگلیوں کے بارے میں ایک فیصلہ صادر فرمایا۔ پھر آپ کے سامنے یہ کتاب پیش کی گئی۔ اس میں یہ حدیث تھی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے۔ اس پر آپ نے اپنے فیصلے کو واپس لے لیا اور حدیث کے اس فیصلے کو صادر فرمایا۔ محدث عبد الرزاق لکھتے ہیں:

فقضی عمر بن الخطابؓ فی الاصابع ثم اخبر بکتاب کتبه النبی لآل حزم فی کل اصبع مما هنالک عشر من الابل فاخذ به وترک امره الاول[2]

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں فیصلہ کیا۔ پھر آپ کو اس کتاب کے حوالے سے جو حضور نے آل حزم کے لئے تحریر کروائی تھی یہ حدیث بتلائی گئی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں۔ آپ نے اس حدیث کو لے لیا اور اپنے پہلے فیصلے سے رجوع فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی طرف لکھا تھا:

ان اجمع لنا السنن واکتب بها الیّ[3] ترجمہ: کہ وہ ان کے لئے احادیث جمع کریں

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۹ صفحہ ۳۸۴ [3] ترتیب المدارک جلد ۲ صفحہ ۲۱

دہ انہیں ان کی طرف بھیج دیں۔

انہوں نے احادیث جمع کیں اور پیشتر اس کے کہ انہیں ان کی طرف بھیجا جائے حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی۔ سید التابعین حضرت سعید بن المسیب (۹۴ھ) کہتے ہیں:-

وجدنا کتابا عند آل حزم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاصابع کلھا سواء۔[1]

ترجمہ: ہم نے آل حزم کے پاس ایک کتاب پائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تھی۔ اس میں تھا کہ تمام انگلیاں دیت میں برابر ہیں۔

عن عبد اللہ بن ابی بکر عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب لهم کتابا فیہ: وفی الانف اذا اوعب جدعہ الدیۃ کاملۃ مائۃ ——— مائۃ من الابل۔[2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک تحریر لکھی اس میں تھا کہ ناک جب جڑ سے کاٹی جائے تو اس کی پوری دیت ہو گی سو ——— سو اونٹ

اس میں تصریح ہے کہ حضور نے خود احکام پر مشتمل ایک کتاب لکھوائی۔

جلیل القدر تابعی امام زہری (۱۲۴ھ) بھی کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کتاب کو پڑھا ہے۔ عمرو بن حزمؓ کے پوتے نے انہیں یہ کتاب دی تھی۔ اس کے شروع میں تھا هذا بیان من اللہ ورسولہ۔ یہ کتاب اہل یمن کو پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ یہی نسخہ امام زہری کے پاس تھا۔[3] حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (۱۰۱ھ) نے ایک شخص کو مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ وہ [illegible] کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرے۔ اسے حدیث کی یہ کتاب عمرو بن حزمؓ کے پوتے کے پاس ملی۔[4] امام مالکؒ (۱۷۹ھ) نے بھی موطا میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔[5] حافظ جمال الدین زیلعی (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں:-

---

[1] المصنف جلد ۹ صفحہ ۳۸۴ [2] المصنف جلد ۹ صفحہ ۳۴۴ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے: وفی السن خمس من الابل۔ المصنف جلد ۹ صفحہ ۳۴۵ [3] تقرأ على اهل اليمن۔ هذه نسخته۔ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ [4] سنن دار قطنی صفحہ ۳۸۷ [5] موطا امام مالک صفحہ ۱۰۷ [6] تنویر الحوالک کتاب العقول

قال احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ: کتاب عمرو بن حزم فی الصدقات صحیح
قال و احمد یشیر بالصحۃ الی ہذہ الروایۃ لا یغیرہا من اسبابی، وقال بعض
الحفاظ من المتاخرین ونسخۃ کتاب عمرو بن حزم تلقاہا الائمۃ الاربعۃ بالقبول
وہی متوارثۃ کنسخۃ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وہی دائرۃ علی
سلیمان بن ارقم وسلیمان بن داؤد الخولانی عن الزہری عن ابی بکر
بن محمد بن عمرو بن حزم[1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمرو بن حزم کی کتاب صدقات
صحیح ہے۔ امام احمد کا اشارہ اس کی روایت کی صحت کی طرف ہے۔ دوسری بات
اس کے خلاف نہیں۔ متاخرین کے بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ عمرو بن حزم
کی اس کتاب کو ائمہ اربعہ نے قبول کیا ہے اور یہ اسی طرح متوارث چلا آرہا ہے
جس طرح عمرو بن شعیب کا نسخہ ہے وہ اپنے باپ سے اور پھر اپنے دادا سے
نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کا مدار سلیمان بن ارقم اور سلیمان بن داؤد
پر ہے وہ دونوں امام زہری سے نقل کرتے ہیں اور وہ محمد بن عمرو بن حزم سے۔

اس صحیفہ عمرو بن حزم میں صرف زکوٰۃ کے مسائل ہی نہ تھے۔ عام احکام کی احادیث بھی
اس میں بکثرت موجود تھیں۔ نماز، زکوٰۃ، عشر، عمرہ، حج، جہاد، تقسیم غنائم، جزیہ اور دیات وغیرہ کے
مسائل بھی تھے۔ محدث عبدالرزاق نے طہارت کے سلسلہ میں اس کتاب سے یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

فی کتاب النبی صلعم لعمرو بن حزم لا یمس القرآن الا علی طہر[2]

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمرو بن حزم کے لیے جو کتاب لکھوائی تھی
میں ہے کہ قرآن کریم کو بغیر طہارت نہ چھوئے۔

کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عمرو بن حزم حین وجہہ الی
نجران ان عجل الفطر وذکر الناس وعجل الاضحی[3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو جب نجران بھیجا تو انہیں جو

---

۱ نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۳۴۲ ۲ المصنف جلد ۱ صفحہ ۳۴۲ ۳ المصنف جلد ۳ صفحہ ۲۹۵

احکام لکھ کر دیئے ان میں یہ بھی تھا کہ عید الفطر کی نماز ذرا دیر سے اور عید الاضحیٰ
کی نماز ذرا جلدی پڑھیں اور لوگوں کو خطبہ میں نصیحتیں کریں۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کو حدیث کے اس مجموعے کا بخوبی علم تھا وہ اس کی طرف مشتبہات
مسائل میں مراجعت کرتے تھے اور اس کے سامنے اپنی رائے چھوڑ بھی دیتے تھے۔ حافظ جمال الدین
الزیلعی (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں:

كان اصحاب النبيؐ والتابعون يرجعون اليه ويدعون اليه ويدعون آراءهم۔[1]

ترجمہ: صحابہ کرام اور تابعین عظام اس کی طرف مراجعت کرتے اور اسکی طرف بلاتے اور اپنی آراء کو چھوڑ بیٹھتے۔

المصنف عبد الرزاق میں اس صحیفہ عمرو بن حزم کا بہت تذکرہ ملتا ہے اور ان النبی

المصنف عبد الرزاق میں اس صحیفہ عمرو بن حزم کا بہت ذکر ملتا ہے۔ اور ان النبی

كتب لهم كتابا کے الفاظ کئی جگہ آئے ہیں[2] سنن دارقطنی[3] (۳۸۵ھ) اور سنن بیہقی[4] (۴۵۸ھ)
میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے دوسری کتاب کے طور پر موجود ہے یعقوب بن سفیان الفسوی کہتے ہیں:

لا اعلم في جميع الكتب المنقولة اصح منه واصحاب النبيؐ والتابعون يرجعون
اليه ويدعون آراءهم۔[5]

ترجمہ: جو کتابیں اب تک نقل ہوتی آئی ہیں ان سے زیادہ صحیح کتاب مجھے ان میں نہیں ملی صحابہ کرام
اور تابعین اسی کی طرف مراجعت فرماتے تھے اور اپنی باتیں چھوڑ دیتے تھے۔

صحت روایت اور صحت نسخہ کی اس سے بڑی ضمانت کیا ہو سکتی ہے کہ روایات حضورؐ
کی اپنی لکھوائی ہوئی ہوں اور اس نسخہ کے امین آپ کے ایک صحابی ہوں۔

⑤ صحیفہ جابرؓ

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ (۷۴ھ) مسجد نبوی کے مدرس حدیث تھے آپ
کے پاس بھی حدیث کی ایک دستاویز تھی۔ محدثین کی ایک بڑی تعداد نے ان سے اسکی روایت

---

[1] نصب الرایہ للزیلعی جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ [2] المصنف جلد ۴ صفحہ ۳۰۰ جلد ۱ صفحہ ۳۴۴ صفحہ ۳۴۹ [3] دارقطنی صفحہ ۴۶۵
[4] سنن کبری جلد ۴ صفحہ ۸۹ [5] زیلعی جلد ۲ صفحہ ۳۴۱

جائے تو اس میں سو اونٹ دیت لازم آئے گی۔ اس کا جوہر مردانہ جاتا رہا اور اس کی نسل رکی (راہ) بھی گئی۔

(۲) عن ابی کتاب فیه ذکر من القتل جاء به الوحی الی النبی صلی الله علیه وسلم انه ما قضی به النبی صلی الله علیه وسلم من عقل او صدقة فانه جاء به الوحی [1]

ترجمہ۔ میرے باپ کے پاس ایک کتاب تھی جس میں خون بہا اور دیت کے مسائل تھے۔ یہ مسائل وحی کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے گئے تھے۔ حضور نے خون بہا کی یا صدقہ کی جس بات کا بھی فیصلہ فرمایا وہ وحی خداوندی سے تھا۔

اسی روایت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو بھی اترتی تھی وہاں یہ بات بھی موجود ہے کہ اس دور میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کسی نہ کسی درجے میں کتابی شکل لیے ہوئے تھیں۔ ابن طاؤس ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

(۳) عن ابی کتاب عن النبی صلی الله علیه وسلم فیه وفی الاصابع عشر عشر [2]

ترجمہ۔ میرے باپ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کتاب تھی جس میں لکھا تھا کہ انگلیوں کی دیت دس دس اونٹ ہیں۔

ان روایات میں اس کتاب کا نام مذکور نہیں جو حضرت طاؤس بن کیسان کے پاس تھی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی تھی لیکن محدث عبدالرزاق المصنف باب میں حضرت طاؤس کی روایت سے ایک کتاب کتاب معاذ بن جبل کا ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طاؤس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی کتاب ہوگی جو حضرت معاذ نے مرتب کی تھی۔ حضرت معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت معتمد اور مقرب صحابی تھے اور ان ستر صحابہ میں سے تھے جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں حضور کی بیعت کی تھی۔

---

[1] المصنف جلد ۹ صفحہ ۲۹۲ [2] ایضاً جلد ۹ صفحہ ۳۸۴

ثانیاً۔ امام ترمذیؒ کتاب العلل میں لکھتے ہیں:۔

عن عکرمة: ان نفرا قدموا علی ابن عباس من اهل الطائف بکتاب من کتبه فجعل یقرأ علیهم فیقدم و یؤخر فقال انی بلهت لهذه المصیبة فاقروا علیّ فان اقراری به کقرائتی علیکم[1]

ترجمہ۔ حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ اہل الطائف سے کچھ لوگ حضرت عبداللہؓ کے پاس ان کی تحریروں میں سے ایک کتاب لائے۔ آپ نے اسے ان کے سامنے پڑھنا شروع کیا اور تقدیم و تاخیر فرمائی۔ آپ نے کہا کہ میں اس مصیبت سے پریشان ہو گیا ہوں۔ تم ہی اسے میرے سامنے پڑھو۔ میرا اس کا اقرار کرنے جانا اس طرح ہے کہ گویا میں نے ہی اسے تمہارے سامنے پڑھا۔

اس میں آپ نے تفہیم دی کہ تم میرے اقرار کی بنیاد پر بھی اسے میری طرف سے روایت کر سکتے ہو۔ ضروری نہیں کہ تم نے اس کا لفظ لفظ مجھ سے ہی سنا ہو۔

کتاب ابن عباسؓ کی شہادت صحیح مسلم شریف کی ایک روایت سے بھی ملتی ہے۔ امام مسلم نقل کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے کچھ فیصلے legal decisions درج تھے۔ آپ نے اس سے اپنی کتاب میں کچھ لکھا بھی اور بعض چیزوں کے بارے میں کہا کہ یہ حضرت علیؓ نے ہرگز نہ کہا ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے:۔

فدعا بقضاء علی فجعل یکتب منه اشیاء و یمر به الشیٔ فیقول واللّٰه ما قضی بهذا علی الا ان یکون ضل۔[2]

ترجمہ۔ آپ نے حضرت علی کے فیصلے منگوائے ان میں سے بعض چیزوں کے نوٹ بھی لئے اور کئی باتیں آپ کے سامنے سے اس طرح بھی گزریں کہ آپ کہنے لگے بخدا علیؓ نے یہ فیصلہ نہ کیا ہوگا۔ مگر یہ کہ کہیں بھٹک گئے ہوں۔

اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اپنی کتاب کے بارے میں بہت محتاط تھے، وہاں اس بات کی بھی شہادت ملتی ہے کہ اس دور میں بھی حضرت علیؓ کے نام سے

---

[1] ترمذی شریف کتاب العلل جلد ۲ ص ۲۳۸۔ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۰

افتراءات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ شیعہ حضرت علیؓ کے نام پر جو کچھ کہتے تھے وہ آپ کی تعلیمات نہ تھیں۔ سو علماء اہلسنت حضرت علیؓ کی انہی روایات پر اعتماد کرتے تھے جو کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے منقول ہوں۔ کوفہ میں ایک سند علم ایسی بھی تھی جہاں حضرت علیؓ کی صحیح تعلیمات شیعی تحریف سے محفوظ رہ گئی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ ان پر تنقیدی نظر رکھتے تھے۔

(۱۰) کتاب سعد بن عبادہؓ

حضرت سعد بن عبادہؓ سرداران انصار میں سے تھے قبل از اسلام بھی لکھنا جانتے تھے۔ حدیث کی مدون کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حدیث کا کوئی مجموعہ ترتیب دے رکھا تھا۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۱۳۶ھ) کہتے ہیں کہ انہیں سعد بن عبادہؓ کے ایک لڑکے نے اپنے باپ سعدؓ (۱۵ھ) کی کتاب سے ایک حدیث سنائی۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:

قال ربیعۃ وأخبرنی ابن سعد بن عبادۃ قال وجدنا فی کتاب سعد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی بالیمین مع الشاہد۔[1]

ترجمہ: حضرت ربیعہ (۱۳۶ھ) کہتے ہیں مجھے سعد بن عبادہ کے بیٹے نے بتایا کہ ہم نے حضرت سعدؓ کی (جمع کردہ) کتاب میں یہ حدیث پائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم پر ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

حدیث کی یہ وہ تحریریں، دستاویزات ہیں جو بیشتر عہد نبوی میں ہی قلمبند ہو چکی تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کاتبین حدیث میں آپ کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۵۸ھ)، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۷ھ) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۹۱ھ) کا نام نہ ملے گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے ہاں حدیثوں کو زبانی یاد رکھنا اور آگے روایت کرنا زیادہ اہم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مرویات کو ان کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیرؒ (۹۴ھ) نے حضرت ابوہریرہؓ

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] حضرت عروہ بن الزبیر کے بیان تک مرویات ام المؤمنین جمع کر لی تھیں کہ برملا فرمایا کرتے تھے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات سے چار پانچ سال پہلے دیکھتا کہ [illegible]

کی مرویات کو ان کے شاگرد ہمام بن منبہؒ (۱۰۱ھ) اور بشیر بن نہیکؒ (۹۹ھ) اور حضرت انسؓ کی مرویات کو ان کے شاگرد حضرت ابان بن عثمان (۱۰۵ھ) نے استاد کے سامنے قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا۔ تو پھر یہ مفروضہ اور بھی بہت واضح ہو جاتا ہے۔ خود حضرت انسؓ کے پاس بھی حدیث کی کئی بیاضیں موجود تھیں جن کی شہادت سعید بن ہلال کے بیان میں بہت واضح طور پر ملتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ) اس گمان پر آ چکا تھا کہ اگر آج ان کا انتقال ہو جائے مجھے اس بات پر پشیمانی نہ ہوگی کہ میں نے ان کی روایت کردہ کوئی حدیث محفوظ نہ کی ہو۔ حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن (۱۰۵ھ) حضرت ام المومنین کی بھتیجی تھیں اور قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) بھی حضرت کے بھتیجے تھے۔ یہ دونوں بھی حضرت ام المومنین کے علوم کے وارث تھے۔ مشہور محدث سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایات کا سب سے زیادہ علم عمرہ اور قاسم کے پاس تھا۔ تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۱۸۵، جلد ۹ صفحہ ۳۳۴
عمرہ تو حضرت ام المومنین کی زندگی میں ہی ان کی احادیث لکھ چکی تھیں۔ گویا مجموعہ ان سے فارغ ہو گیا تھا۔ مگر حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن کی روایت کردہ احادیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے پورے اہتمام سے لکھی گئیں۔ آپ نے حضرت عمرہ کے بھانجے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ حضرت عمرہ کی احادیث قلمبند کریں۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۴۳۹۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کی مرویات احادیث بھی ساتھ ہی جمع کی گئی تھیں۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) ۱؎ ہمام بن منبہ کے اس مجموعہ کا نام الصحیفۃ الصحیحۃ تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے انہیں یہ حدیثیں خود قلمبند کرائی تھیں۔ یہ صحیفہ اب صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے بے مثال مقدمے کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب اس وقت حدیث کی قدیم ترین کتاب ہے جو مل سکتی ہے۔ ۲؎ آپ نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث بڑے اہتمام سے جمع کی تھیں۔ آپ کہتے ہیں:

فلما اردت ان افارقہ اتیتہ بکتابہ فقرأتہ علیہ۔

ترجمہ: میں نے جب حضرت ابوہریرہؓ سے الوداع ہونا چاہا تو آپ کے پاس حاضر ہوا اور تمام روایات آپ کو پڑھ کر سنائیں۔ آپ نے ان کی تصدیق فرمائی۔

دیکھئے سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۷، جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ ۷۲، طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۱۶۲

۳؎ دیکھئے مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۔۔۔ معرفۃ الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۴۳۵

اس متاعِ علمی کو سپرد کیا جاتا رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوہریرہؓ اور
حضرت انس بن مالکؓ اور امیر معاویہؓ جیسے بھی احادیث کے مجموعے تیار کیے۔ حضرت
براء بن عازبؓ (۷۲ھ) حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) اور حضرت امیر معاویہؓ کے نزدیک حدیث اور
ان کی روایات کے قلمبند کیے جانے سے کوئی آشنا نہیں۔ عبداللہ بن حنش کہتے ہیں میں نے حضرت
براءؓ کے پاس لوگوں کو ہتھیلیوں پر احادیث لکھتے پایا۔[1] حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت زید
بن ثابتؓ سے ایک حدیث سنی اور اسے فوراً لکھوا لیا۔[2] حضرت زید بن ثابتؓ گو حدیث لکھنے کے
خلاف تھے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کی روایتیں اگر آپ کی مرضی سے نہیں تو قلمبند کی جاتی
رہیں۔ اور جنہیں کا پتہ نہیں ہے کہ روایت کیا تو اس وقت اس بات کا خطرہ کوئی مخفی
باقی نہ رہا تھا کہ قرآن کریم غیر قرآن سے مختلط ہو جائے۔ اس لیے یہ حضرات اس دور میں بڑے
اہتمام اور بڑی محبت سے احادیث قلمبند کرتے رہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس
سلسلہ میں خاص محنت فرمائی تھی۔

تابعین میں تدوینِ حدیث کی کوشش

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) نے اپنے دورِ خلافت میں بعض ائمہ علم کو جو حدیث
کی نقل و روایت میں زیادہ مصروف تھے اسی طرف توجہ دلائی تھی کہ وہ احادیث تحریری طور
پر جمع کریں۔ صحیح بخاری میں ہے۔

① كتب عمر بن عبد العزيز الى ابى بكر بن حزم انظر ما كان من حديث رسول الله
صلى الله عليه وسلم فاكتبه فانى خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا
تقبل الا حديث النبى ولتفشوا العلم ولتجلسوا حتى يعلم من لا يعلم فان
العلم لا يهلك حتى يكون سرا۔[3]

ترجمہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ [illegible] جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ [illegible] دیکھئے سنن دارمی جلد ۱ صفحہ [illegible]
[3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰

دسموں کی: احادیث پر نظر رکھیں اور انہیں لکھ لیں۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے
اور علماء کے اٹھ جانے کا ڈر ہے اور حضورؐ کی حدیث کے سوا اور کسی روایت
کو قبول نہ کرنا اور چاہیے کہ تم علم پھیلاؤ اور بیٹھو یہاں تک کہ جو نہ جانتے ہوں وہ
جان لیں اس لیے کہ علم برباد نہیں ہوتا جب تک کہ اسے مخفی نہ رکھا جائے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ ابوبکر حزمی نے اس حکم کی تعمیل میں
مجموعہ حدیث ترتیب دے لیا تھا۔ ابھی وہ حضرت عمرؒ کے پاس بھیجا نہ تھا کہ آپ کا انتقال ہو
گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امام زہری کو بھی اس طرح کا ایک حکم دیا تھا اور ان سے احادیث
لکھوائی تھیں۔ آپ کے احکام پورے عالم اسلام میں پہنچے کہ جہاں جہاں احادیث ہوں انہیں جمع
کر لیا جائے۔ جو مجموعے احادیث دارالخلافہ دمشق میں جمع ہوئے آپ نے ان کی نقلیں
تمام علاقوں میں پھیلا دیں۔

(٢) حضرت ہمام بن منبہ (١٠١ھ) بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہمعصر تھے۔ آپ نے اپنے
استاد حضرت ابوہریرہؓ سے جو مجموعہ حدیث حاصل کیا وہ آپ نے اپنے شاگرد
معمر بن راشد کو پڑھایا اور روایت کیا اور پھر ان کے شاگرد بھی کر دیا۔ ان سے ان کے شاگرد
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع کو ملا ان سے لے کر حضرت امام احمد بن حنبل نے اسے اپنی مسند میں
جگہ دی۔ یہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے دو قلمی نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں ہیں جو
ان کی مسند امام احمد میں مروی روایات سے حرف بحرف ملتے ہیں۔ پیرس یونیورسٹی کے ڈاکٹر حمید اللہ
صاحب نے اس صحیفہ ہمام بن منبہ پر بہت مفید تحقیقی کام کیا ہے۔

(٣) علامہ ابن شہاب الزہریؒ (١٢٤ھ) نے بھی حضرت عمرؒ کے حکم سے ہی حدیث لکھنی
شروع کی تھی۔ حضرت صالح بن کیسان (١٤٠ھ) بھی حدیث لکھنے میں آپ کے ساتھ تھے۔ فرمایا:

اجتمعت انا وابن شهاب ونحن نطلب العلم فاجتمعنا ان نكتب السنن
فكتبنا كل شيء سمعنا عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم كتبنا ايضا
ما جاء عن اصحابه فقلت لا ليس بسنة وقال هو بل هو سنة فكتب
ولم اكتب فانجح وضيعت

ترجمہ: میں اور زہری لکھتے تھے ہم احادیث کی تلاش کرتے تھے۔ ہمارا اتفاق ہوا کہ ہم سنن لکھیں سو ہم نے ہر چیز جو حضورؐ کے حوالے سے تھی لکھ ڈالی پھر ہم نے صحابہ کی روایات لکھنے کا ارادہ کیا میں نے کہا میں نہیں لکھتا یہ سنت نہیں ہیں، زہری نے کہا یہ بھی سنت ہیں۔ سو انہوں نے لکھیں میں نے نہ لکھیں وہ کامیاب ہوئے اور میں ضائع گیا۔ [1]

(۴) مجموعہ امام شعبیؒ (۱۰۳ھ) امام شعبی نے تیار کیا تھا آپ نے اس کی تبویب بھی فرمائی حدیث کی پہلی کتاب ہے جو ابواب میں مرتب ہوئی۔ اس تالیف کا ذکر خطیب بغدادی نے الکفایہ میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بھی کیا ہے۔

محدثین از اکابر تابعین

حضرات تابعین میں حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) حضرت مکحولؒ (۱۱۸ھ) حضرت سالمؒ (۱۰۶ھ) عطاء بن ابی رباحؒ (۱۱۵ھ) سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) قیس بن ابی حازمؒ (۹۸ھ) اور ہشام بن عروہؒ (۱۴۶ھ) جیسے کئی ائمہ کرام ہیں جنہوں نے اس موضوع پر باہمت قدم اٹھایا اور بہت محنت کی۔ یہ صحیح ہے کہ تدوین حدیث کا باقاعدہ کام تابعین کے آخری دور میں شروع ہوا لیکن تاریخ تابعین کرام کی ان حدیثی محنتوں کو خراج تحسین ادا کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔

دوسری صدی ہجری میں حدیثی خدمات

تابعین کرام کے بعد یہ سعادت تبع تابعین کے تمام اہل علم کو ملی اور ان کی محنتوں سے حدیث مستقل کتابوں میں جمع ہونے لگی۔ جو ائمہ علم اس باب میں کام کرنے میں سبقت لے گئے ان میں موسیٰ بن عقبہ (۱۴۱ھ) صاحب مغازی، ابن جریج مکی (۱۵۰ھ) مکہ مکرمہ میں، معمر بن راشد (۱۵۳ھ) یمن میں، امام اوزاعی (۱۵۷ھ) شام میں، سعید بن عروبہ (۱۵۶ھ) مدینہ میں ابن ابی ذئب (۱۵۹ھ)

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۸، شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ صفحہ

میں ربیع بن صبیح (۱۶۰ھ) اور حماد بن سلمہ (۱۶۷ھ) مدینہ میں امام مالک (۱۷۹ھ) کوفہ میں
سفیان ثوری (۱۶۱ھ) اور امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) اور امام محمد (۱۸۹ھ) ہشیم بن بشیر
(۱۸۳ھ) اور امام عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) معتمر بن سلیمان (۱۸۷ھ) صاحب مغازی جریر بن
عبدالحمید رازی (۱۸۸ھ) امام وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) اور سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) بہت معروف
اور ممتاز ہیں۔

یہ سب حضرات تقریباً ایک دور کے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث کی باقاعدہ کتاب
لکھنے میں ان میں سے کس کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ ان میں سے تین نام سرفہرست ہیں۔
ابن جریج (۱۵۰ھ) کی کتاب الآثار، معمر بن راشد (۱۵۳ھ) کی جامع اور امام مالک (۱۷۹ھ) کی
کتاب موطا مالک۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کی رائے ہے کہ حدیث کی سب سے پہلی باقاعدہ کتاب،
کتاب الآثار ہے۔ جامع معمر کا ایک نسخہ انقرہ میں اور ایک استانبول میں مخطوطات میں موجود ہے۔
معمر حضرت ہمام بن منبہ کے شاگرد تھے۔ ان کی تالیف صحیفہ ہمام بن منبہ اس وقت شائع شدہ ہے اور
حدیث کی جو کتابیں اس وقت ملتی ہیں ان میں اول ترین ہے۔ اس کے بعد حدیث کی جو کتابیں ملتی
ہیں ان میں سے موطا امام مالک حدیث کی پہلی کتاب ہے۔ اس سے پہلے کی جو تحریرات حدیث
اب شائع ہو چکی ہیں، وہ درحقیقت مخصوص ارشادات یا کسی شیخ کی مرویات یا بعض جزئی احکام
کی تحریریں یا یادداشتیں ہیں۔ حدیث کی باقاعدہ کتابی صورت موطا امام مالک سے ہی شروع ہوتی
ہے۔ ان کے بعد یہ شرف امام ابو یوسف اور امام محمد کو حاصل ہے جنہوں نے کتاب الآثار کو
ابواب فقہیہ پر مرتب کیا۔ جس میں مخالف و موافق ہر طرح کی حدیثیں جمع کیں اور تحقیق و اجتہاد کے
نئے ابواب کھولے۔ قاضی ابو یوسف مصنف فی الحدیث کہے جاتے ہیں۔ امام محمد کی کتاب
الحجۃ علی اہل المدینۃ اور موطا امام محمد بھی اس دور کی یادگار کتابیں ہیں۔

اس دور کے بعد مسانید کا دور آتا ہے۔ جس میں صحابہ کے نام پر ان کی مرویات جمع کی
گئیں۔ حدیث کی ان کتابوں کو مسند کہتے ہیں۔ مسند ابی داؤد طیالسی (۲۰۴ھ)، مسند امام شافعی (۲۰۴ھ)
مسند اسد بن موسیٰ الاموی (۲۱۲ھ)، مسند عبیداللہ بن موسیٰ (۲۱۳ھ)، نعیم بن حماد خزاعی (۲۲۸ھ)
اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ)، عثمان ابن ابی شیبہ (۲۳۹ھ) اور امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) سرفہرست ہیں۔

تدوین حدیث کی فنی صورت

اس دور کے بعد پھر ان ائمہ حدیث کا دور آتا ہے جو اس فن کے آفتاب و ماہتاب تھے یعنی حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) حضرت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) اور ان کے تلامذہ میں حضرت امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) ابن ماجہؒ (۲۷۳ھ) جن کی چھ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔ اور ان کی ترتیب و تدوین پر فن حدیث اپنے نقطۂ اظہار کو پہنچ گیا تھا۔ ان کتابوں کی خصوصیات پر بھی کتب حدیث کے عنوان سے آئندہ بھی گفتگو ہوگی۔ ان رجال علم کے دیگر ہمعصر محدثین جو اپنی ترتیب و تدوین میں خود صاحب طرز ہیں۔ اور کسی وجہ سے ان کی کتابیں اس مرکزی درجہ میں نہ آسکیں۔ تاہم ان کی وقت نظر اور افادیت بھی اپنی جگہ مسلم رہی۔ ان میں دارمیؒ (۲۵۵ھ) بزارؒ (۲۹۲ھ) مروزیؒ (۲۹۴ھ) ابویعلی موصلیؒ (۳۰۷ھ) ابن جارودؒ (۳۰۷ھ) ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) علامہ ابوجعفر طحاویؒ (۳۲۱ھ) ابن خزیمہؒ (۳۱۱ھ) ابوعوانہؒ (۳۱۶ھ) بہت مشہور ہیں۔

تدوین حدیث کا چوتھا دور

تدوین حدیث کا چوتھا دور پانچویں صدی ہجری پر ختم ہو جاتا ہے۔ تدوین حدیث کے پچھلے دور کے آثار بھی بعض تالیفات میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے دور کی تمام کتابوں کا سرمایہ تیسرے دور کی کتابوں میں مل جاتا ہے اور پھر ان تمام ادوار کا سرمایہ آج اس فن کے متون و شروح کے ہزاروں صفحات میں پھیلا ہوا ہمارے سامنے ہے۔ چوتھے دور کے نامور محدثین میں ابن ابی العوامؒ (۳۳۵ھ) ابومحمد الفارسیؒ (۳۴۲ھ) ابن حبانؒ (۳۵۴ھ) طبرانیؒ (۳۶۰ھ) ابومحمد حسن بن محمد الرامہرمزیؒ (۳۶۰ھ) ابن عدیؒ (۳۶۵ھ) ابن شاہینؒ (۳۸۵ھ) ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) حاکمؒ (۴۰۵ھ) ابونعیم اصفہانیؒ (۴۳۰ھ) البیہقیؒ (۴۵۸ھ) خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) کی خدمات علم حدیث کا نہایت اہم باب ہیں۔

تدوین حدیث کا پانچواں دور

حدیث لکھنے کی ممانعت — پہلے دور میں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث لکھنے کی اجازت مانگی آپ نے ہمیں اس کی اجازت نہ دی۔ امام ترمذی نے اس پر کراہیۃ کتابۃ العلم کا باب باندھا ہے اور ظاہر ہے کہ علم سے یہاں حدیث ہی مراد لیتے تھے امام ترمذی اس کے بعد یہ باب لائے ہیں باب فی الرخصۃ فیہ (لکھنے کی اجازت کے بیان میں)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ممانعت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا منشاء رسالت یہ تھا کہ لوگ آپ کی باتوں کو عمل میں لائیں اور اس طرح سنت کا تحفظ ہو لیکن اگر اسے لکھنے لگیں گے تو یہ صرف ایک یاد رہ جائے گی علم اعمال میں نہیں استحضار میں آ جائے گا پھر آپ نے جب دیکھا کہ صحابہ آپ کی ایک ایک ادا کو عملاً یاد رکھے ہوئے ہیں تو آپ نے توثیق مزید کے لیے لکھنے کی اجازت بھی دے دی۔

یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں دوسری ارشادات ساتھ نہ لکھے جائیں تاکہ کلام قدیم اور کلام حدیث میں کہیں خلط واقع نہ ہو۔ تمیز نہ ہو سکنے پائے حفاظت قرآن کا تقاضا تھا کہ قرآن کے ساتھ اور کوئی چیز لکھنے میں نہ آئے جب یہ اندیشہ جاتا رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کی اجازت دے دی۔

اور اگر اس ممانعت کا مطلب یہ لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حدیث سرے سے حجت نہ تھی اور آپ امت کو صرف قرآن کے حوالے کرنا چاہتے تھے تو یہ مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے صریح خلاف ہوگا جن میں آپ نے فرمایا

لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ امر مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ (رواہ الترمذی)

اور یہ خیال ان روایات کے بھی صریح خلاف ہوگا جن میں آپ نے صحابہ سے کہا کہ مجھ سے جو چیز بھی سنو اسے آگے پہنچا دیا کرو اور جس نے مجھ پر کذب (جھوٹ) باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ جب وہ اندیشے اٹھ گئے جن کے پیش نظر آپ نے حدیث لکھنے کی ممانعت کی تھی تو صحابہ و تابعین میں تدوین کی شکل نکل آئے۔

①	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	(۳۲ھ)	آپ سے تقریباً	۸۴۸	احادیث مروی ہیں
②	اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	(۵۸ھ)	؍؍	۲۲۱۰	؍؍
③	حضرت ابوہریرہؓ	(۵۹ھ)	؍؍	۵۳۷۴	؍؍
④	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	(۶۸ھ)	؍؍	۱۶۶۰	؍؍
⑤	حضرت عبداللہ بن عمروؓ	(۶۵ھ)	؍؍	۷۰۰	؍؍
⑥	حضرت ابوسعید خدریؓ	(۷۴ھ)	؍؍	۱۱۷۰	؍؍
⑦	حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ	(۷۸ھ)	؍؍	۱۵۴۰	؍؍
⑧	حضرت انس بن مالکؓ	(۹۳ھ)	؍؍	۲۲۸۶	؍؍

ان کے بعد جن صحابہؓ سے زیادہ روایات ہیں، اُن میں حضرت ابوالدرداء (۳۲ھ)، حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ)، سمرہ بن جندبؓ (۶۰ھ)، عبادہ بن صامتؓ (۳۴ھ)، عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۳۲ھ)، معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ)، ابوموسیٰ اشعریؓ (۴۴ھ)، حضرت علیؓ (۴۰ھ)، حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ)، حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ (۳۵ھ) سرِفہرست ہیں۔

علمی حیثیت سے جو صحابہؓ اس دور میں زیادہ ممتاز رہے، وہ مشہور فقیہ تابعی حضرت مسروقؒ (۶۳ھ) کے بیان کے مطابق یہ حضرات تھے۔

عن مسروق قال شاممت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت علمهم انتهی الی ستة عمر وعلی وعبداللہ ومعاذ وابی الدرداء وزید بن ثابت۔[1]

ترجمہ: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے میں نے ان کا علم چھ افراد میں منتہی ہوتے پایا۔ عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذؓ، ابی الدرداءؓ اور زید بن ثابتؓ ہیں۔

دورِ ثانی کے رجال الحدیث

تابعین کرام میں جو حضرات اس میدان میں زیادہ پیش پیش رہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے

[1] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ۱ صہ۲۴۲

ترجمہ: میں نے علامہ شعبی کو کہتے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بعد کوئی طبقہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب سے زیادہ فقیہہ نہیں تھا۔

امام ابوحنیفہؒ اس دور کے اکابر مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فاما اذا انتہی الامر وجاء الی ابراہیم والشعبی وابن سیرین والحسن وعطاء وسعید بن المسیب وعدد رجالاً فقوم اجتہدوا فاجتہد کما اجتہدوا[1]

ترجمہ: جب معاملہ ابراہیم نخعی، علامہ شعبی، امام محمد بن سیرین، حسن بصری، حضرت عطاء بن ابی رباح اور حضرت سعید بن المسیب تک پہنچے اور آپ نے کئی اور بھی نام لیئے، تو یہ وہ لوگ تھے جو مجتہد تھے سو میں بھی اجتہاد سے کام لیتا ہوں جیسا کہ یہ اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

یہ حضرات اپنے دور کے ائمہ علم تھے۔ رجال الحدیث ان کے علاوہ ہزاروں وہ لوگ بھی تھے جو مجتہدین کے درجہ کے نہ تھے لیکن رواۃ حدیث میں خاصے معروف تھے۔ یہاں تک کہ آگے تبع تابعین میں ہزاروں رجال حدیث میدان علم میں آگئے۔ یہی تین طبقے تھے جن کے اہل ہونے کی خود لسان شریعت نے خبر دی تھی۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ ان خیر القرون کے بعد رجال حدیث محض زبانوں پر نہ رہے، کتابوں میں آنے لگے اور حدیث کی کتابیں متون احادیث اور ان کی اسانید کے ساتھ مرتب ہونے لگیں۔

اس دور میں صداقت و ثقاہت غالب تھی اور رجال الحدیث کی باضابطہ جانچ پڑتال کی چنداں ضرورت نہ پڑی تھی۔ لیکن جب فتنے پھیلنے شروع ہوئے اور بدعات کا ظہور ہوا تو اسانید پر باقاعدہ نظر کی ضرورت سمجھی گئی۔ یہاں تک کہ آگے چل کر اسماء الرجال کا علم ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر گیا۔

اسماء الرجال کا امتیاز

یہ وہ علم ہے جس کے موجد خالصۃً مسلمان ہیں اور دوسری کوئی قوم اپنے مذہبی علمی حلقوں میں اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر سپرنگر الاصابہ فی احوال الصحابہ کے مقدمہ کے

---

[1] تاریخ یحییٰ بن معین جلد ۱ صفحہ ۱۹ طبع ۱۹۷۹ مکہ مکرمہ۔

ایڈیشن کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔

کہ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

علم اسماء الرجال کی ضرورت

مولانا عبدالقیوم جو ندوی اس فن کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
یہ تحقیق کی جائے کہ جو حضرات مختلف روایت میں آپ ہیں وہ کون لوگ تھے۔ کیسے تھے۔ ان کے مشاغل کیا تھے۔ ان کا چال چلن کیسا تھا۔ سمجھ بوجھ کیسی تھی۔ سچے الذہن تھے یا کند ذہن، عالم تھے یا جاہل، کم تحقیق اور کم تجربہ کے تھے۔ یہ پیدائش اور سن وفات کیا تھا۔ شروع کر دیئے تاکہ ان کے ذریعے حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جا سکے۔ ان جزئی باتوں کا دریافت کرنا اور ان کا پتہ لگانا سخت تحقیقی محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کیں اور ایک ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے۔ انہی تحقیقات کے ذریعے اسماء الرجال کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہو گیا ہے جس کے ایجاد کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جو کتابیں اسماء الرجال میں لکھی گئی ہیں عام اس سے کہ وہ متقدمین کی ہوں یا متاخرین کی، ان میں تعصبات مذہبی کے علاوہ ذاتی منافسات اور قریبی و سیاسی تعلقات اور ہم عصری لاگ لپیٹ کی بناء پر بزرگوں کی جرح کی گئی ہے۔ بعض حضرات نے تو ایسے امور کو بھی جرح کا باعث قرار دے دیا کہ جو نہ شرعی اور نہ اخلاقی اور نہ عرفی حیثیت سے قابل اعتراض ہیں۔ جیسے کھنکار کر تھوکنا یا بحالت جماعت میں گھوڑے دوڑانا یا معمولی خوش طبعی یا مسلک زہدی یا قلت روایت یا مسائل فقہیہ یا دیگر علوم میں مشغولیت وغیرہ۔ یہاں تک کہ علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) کا دامن بھی اس سے پاک

نہیں ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے اس فن میں جو کتابیں لکھی ہیں
وہ ایک بڑی حد تک افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ لہٰذا ان کتابوں کے مطالعہ کے
وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو جرحیں امور مذکورۂ بالا کے ماتحت کی گئی ہیں وہ
مقبول نہیں، نزدیک قابل التفات نہیں ہیں۔ تنقید رجال کے اصول جنہوں نے
سب سے پہلے قائم کیے وہ شعبہ بن الحجاج (۱۶۰ھ) ہیں جو جرح و تعدیل کے امام
کہلاتے ہیں، لیکن ان سے بھی بعض دفعہ تشدد سرزد ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ حدیث کی صحت و سقم دریافت کرنے کے لیے اصول حدیث کی
اس قدر ضرورت تھی کہ اگر کوئی محدث اس علم سے غافل ہوتا تو اس کو بڑی دقتوں
کا سامنا پیش آتا خصوصاً اس وقت جب کہ فتنوں کے دروازے کھل گئے، بدعات
کا شیوع ہوا، سیاسی انتشار کے علاوہ علماء و متکلمین نے دور رس عقائد میں فرقہ بندی
شروع ہو گئی اور ہر شخص اپنے خیالات کی تائید میں حدیثیں پیش کرنے لگا۔ جس
کا نتیجہ یہ ہوا کہ رطب و یابس حدیثیں ان مجموعوں میں شامل ہو گئیں، جن کے
جانچنے پرکھنے کے لیے اصول کی سخت ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ علامہ ابن سیرینؒ
سے میزان الاعتدال میں منقول ہے کہ اسناد کے جانچنے کی ضرورت واقعات
فتنہ کے بعد ہوئی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ قاضی
ابو محمد رامہرمزی (۳۶۰ھ) نے قلم اٹھایا اور اصول حدیث میں ایک کتاب لکھی۔
جس کا نام المحدث الفاصل ہے۔ لیکن یہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی، اس کے بعد حاکم
ابو عبداللہ النیشاپوری نے قلم فرسائی کی مگر ان کی کتاب غیر مرتب رہی۔ ان کے
بعد ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے حاکم کی کتاب پر حاشیہ تحریر کر کے اس میں بہت سے
اضافے کیے، مگر وہ تشنہ ہی رہی اور وہ بعد کے آنے والوں کے لیے کام چھوڑ گئے
پھر خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) پیدا ہوئے جنہوں نے قوانین روایت میں ایک
کتاب لکھی جس کا نام الکفایہ ہے اور طریق روایت میں دوسری کتاب لکھی جس
کا نام الجامع لآداب الشیخ والسامع ہے۔ بلکہ فنون حدیث میں کوئی فن نہیں چھوڑا

کہ جس میں انہوں نے کوئی مستقل کتاب نہ لکھی ہو۔

لیکن ہم یہ ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خطیب سے بھی بعض امور میں سخت فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ اگر ان میں تعصب کا پہلو کارفرما نہ ہوتا، تو وہ بے شک جلالت قدر کے آسمان پر مثل آفتاب تھے۔

اصول حدیث پر اہم کتابیں

اصول حدیث میں مقدمہ ابن صلاح ایک جامع شامل کتاب ہے۔ ابن صلاح ۶۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ علمائے حدیث نے مقدمہ ابن صلاح کی بڑی خدمت کی ہے اور اس پر کئی شروح لکھی ہیں۔ امام نووی (م ۶۷۶ھ) نے اس کی تلخیص کی جس کا نام تقریب رکھا۔ یہ تقریب نووی کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کی شرح لکھی جس کا نام تدریب الراوی ہے۔ حافظ زین الدین عراقی (م ۸۰۶ھ) نے مقدمہ ابن صلاح کو منظوم کیا ہے جس کا نام الفیۃ الحدیث ہے۔ پھر اس کی شرح حافظ شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے فتح المغیث کے نام سے بہت اہم مفید اور جامع لکھی ہے، جو محدثین میں بہت متداول رہی ہے۔ مولانا عبدالقیوم چوہدری لکھتے ہیں:

> ابن صلاح کے ایک زمانہ بعد سید شریف (م ۸۱۶ھ) نے اس فن میں ایک کتاب لکھی جس کا نام مختصر جرجانی ہے جس کی شرح حضرت مولانا عبدالحی (م ۱۳۰۴ھ) نے بہت ہی شرح و بسط سے لکھی جس کا نام ظفر الامانی ہے۔ یہ تحقیق اور تفصیل مذہب کے اعتبار سے بے مثل ہے اور سید شریف کے ہی لگ بھگ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس فن میں نخبۃ الفکر مع شرح لکھی جو درس میں بھی داخل ہے۔[1] اور محدث کبیر ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے اس کی ضخیم شرح لکھی ہے۔

علماء دیوبند نے بھی اس باب میں بہت علمی خدمات سرانجام دی ہیں۔ فتح الملہم بشرح صحیح مسلم کا مقدمہ تعلیق کبیر کے ۱۰۴ صفحات پر اصولی ابحاث پر مشتمل ہے۔ شیخ ابو الفتح ابو غدہ نے فتح الملہم کے اس مقدمہ پر بہت مفید تحقیقی کام کیا ہے۔ مقدمہ فتح الملہم کی یہ شرح دو ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ لامع الدراری شرح صحیح البخاری کی جلد اوّل اسی موضوع پر ہے اور　　صفحات پر

---

[1] میزان الحدیث ص ۱۳۔ [illegible]۔ ایضاً ص [illegible]۔ اس کا نام نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ہے۔

کرتا ہی ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے شرح نخبۃ الفکر کی اردو شرح   نام سے لکھی ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قواعد علوم الحدیث لکھ کر تمام دنیائے عرب سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے اسے بھی اپنی تحقیق کے ساتھ بہت آب و تاب سے شائع کیا ہے۔

ان اصولوں اور جزئیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روایات میں راویوں کی جانچ پڑتال کی ضرورت کیوں پڑی اور جانچ پڑتال کے لیے مستقل قواعد و ضوابط تھے جو علما نے تحقیق سے طے کیے اور وہ آئندہ آنے والے علما کے لیے رہنما اصول ہے۔ قواعد حدیث کے عنوان میں ان پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے

علم رجال کے اہم مباحث

آج کا موضوع گفتگو علم اسماء الرجال ہے۔ اس کے اہم مباحث یہ ہوں گے۔

① اسلام میں تنقید و تبصرے کا درجہ کیا ہے؟ ② علم اسناد کی دینی حیثیت کیا ہے؟ ③ فن اسماء الرجال کی تدوین کیسے ہوئی؟ ④ علم حدیث کے لیے اس فن کا ساتھ ساتھ رہنا کیا ضروری ہے؟ ⑤ جرح و تعدیل سے کیا مراد ہے؟ ⑥ جرح و تعدیل کے عام الفاظ کیا کیا ہیں؟ ⑦ جرح و تعدیل کے بڑے بڑے امام کون تھے؟ ⑧ اسماء الرجال میں کن کن کتابوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ ⑨ شیعہ کی کتب اسماء الرجال کیا علیحدہ ہیں؟ ⑩ حدیث کے طلبہ اس فن سے کیسے استفادہ کریں؟

① اسلام میں تنقید و تبصرہ

پہلا اہم موضوع یہ ہے کہ اسلام میں تنقید و تبصرہ کا کیا حکم ہے؟ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ نے اس پر بہت مفید بحث لکھی ہے۔

> نیز محدثین کی حیثیت کے مسئلہ میں یہاں دو متضاد خیال اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ محدثین کا گروہ محض ایک جامد گروہ ہے جسے فن روایت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ وہ دنیا بھر کی خبروں کو آنکھ میچ کر مان لینا علم اور دین سمجھتا ہے اور تنقید و تبصرہ کو شجر ممنوع تصور کرتا ہے۔ دوم یہ کہ دنیائے معانی کا منتہیٰ صرف روایت ہی ہے۔ درایت

کہ یہاں کوئی دخل نہیں۔ دراصل یہی غلط فہمی بھی اسی کی ایک فرع ہے۔ ان دو غلط فہمیوں کی وجہ سے بعض ناواقف تو حدیث کا رتبہ تاریخ سے بھی کمتر تصور کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں فنِ روایت کا فقدان

بنو اسرائیل میں اعتدال کلیۃً مفقود تھا۔ جب وہ تحقیق پر آتے تو کوہ طور پر کلام الٰہی بلا واسطہ سُن کر بھی سو طرح کے شبہات نکالنے لگتے اور جب تقلید کرنے پر آمادہ ہوتے تو جو ان کے احبار و رہبان ان کے سامنے ڈال دیتے اندھوں کی طرح نگلنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ غرض نقد و تبصرہ اور فہم و فکر کی ان میں کوئی استعداد نہ تھی حضرت الشیخ مولانا بدر عالم صاحب مذکورہ بالا تبصرہ کے بعد لکھتے ہیں۔

درایت اور روایت کے اس باہمی تعارض کے دور میں اسلام آیا اور اس نے ان دونوں کا توازن قائم کر کے صحیح تنقید کی راہ دکھلائی اور اس کے لئے ایک ایسا معتدل آئین مرتب فرمایا جس میں ہر دو افراط و تفریط کو ترک کر دیا۔ اس نے بتایا کہ ہر کان پڑی خبر کی طرف دوڑ پڑنا بھی غلط ہے اور تحقیق و تفتیش کے سلسلہ میں بدگمانی کی حد تک پہنچ جانا بھی غلو اور وہم پرستی ہے۔ انسان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بے اعتمادی کی حالت میں آنکھ میچ کر تقلید اور اعتماد کی صورت میں بے دلیل تصدیق کر لیا کرتا ہے۔ مگر قرآن نے یہاں درست و ثقہ اور دروغ پرداز کا فرق ختم کر کے سب کے لئے یکساں تحقیق و تبیین کا قانون مقرر کر دیا ہے۔

قرآن نے یہ تعلیم دی کہ ہر خبر کی تحقیق و تبیین کر لیا کرو خواہ وہ فاسق شخص ہی کی خبر کیوں نہ ہو۔ ہر چند کہ فاسق آدمی کی خبر رد کر دینے میں بھی مضائقہ نہیں تھا۔ مگر قرآن کسی خبر کا رد کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ فاسق آدمی بھی صحیح خبر دے سکتا ہے پس اس کی ہر خبر کا رد کر دینا بھی قرین مصلحت اور طریق انصاف نہیں ہے۔

یا ایہا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجہالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین۔ (پ ۲۶ الحجرات ع ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر
آیا کرے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے تحقیق کسی قوم پر حملہ کر دو
بعد میں اپنے کیے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

دوسری طرف اس نے تجسس اور بدظنی کی بھی ممانعت فرمائی کہ ایسی تحقیق سے بھی
نظام عالم برباد ہوتا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا۔
ترجمہ: اے ایمان والو بہت سی بدگمانیوں سے بچا کرو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ کی
حد تک ہوتی ہیں اور تجسس اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کے عیب تلاش کرنے
کی خصلت مت اختیار کرو۔ (پ۲۶ الحجرات ع۲)

ہر چیز کی تحقیق کے لیے اس کی اہلیت چاہیے۔

ہر خبر کی تفتیش کا طریقہ ہر انسان نہیں رکھتا۔ بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی تفتیش خاص
افراد ہی کر سکتے ہیں۔ یہ تفتیش کے مطالبات کی طرف اشارہ ہے۔ ہر خبر کی تحقیق کے لیے اس کے
مناسب اہلیت درکار ہے۔

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول
والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم۔ (پ۵ النساء ع۱۱)
ترجمہ: جب ان کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے
ہیں۔ اگر اس کو رسول یا اپنے علماء و حکام تک پہنچا دیتے تو جو ان میں سے استنباط
رکھنے والے شخص تھے وہ اس کو پورے طور پر معلوم کر لیتے۔ (پ۵ النساء ع۱۱)

روایتی چیزوں میں جو چیز سب سے زیادہ مانع ہو سکتی ہے وہ افواہ اور شاہدوں کا بیان ہے
اس لیے ان کو یہ تنبیہ دی گئی کہ اپنے بیانات اور گواہی میں پوری احتیاط سے کام لیں۔ تہمت یا
[illegible] تو اس کا نام و نشان نہ رہے۔ اس لیے تہمت لگانے یا ایک دوسرے پر عیب لگانے کو
انتہائی مذمت کی گئی کہ اس سے بدتر سوسائٹی کا کوئی عیب نہ ہو۔

ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں مذہب اسلام جتنی ترقی کرتا رہا، اسی قدر حدیث کے بنیادی تنقید کے اصول بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اسناد، جرح و تعدیل، احوال رواۃ ہر ایک کے لیے مستقل فن مرتب ہوگئے۔ علامہ جزائری نے توجیہ النظر میں حدیث کے سلسلہ میں ۵۲ قسم کے علوم بالتفصیل بیان فرمائے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد احادیث کے معیاری ہونے میں ایک منٹ کے لیے بھی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔[1]

(۴) علم اسناد کی دینی حیثیت

حدیث کا متن Text حدیث کی سند Chain of transmitters پر موقوف ہے۔ سند صحیح متصل سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو اس کی تمام ذمہ داریاں لازم آ جاتی ہیں۔ حدیث اگر حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے تو اس کی سند معلوم کرنا اور اس کے راویوں کی جانچ پڑتال کرنا سب علم دین قرار پائے گا۔ یاد رکھئے واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے —— قرآن کریم میں ہے:

ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا[2]

ترجمہ: اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے راوی کی بات کی تحقیق کرنا ایک عظیم دینی ذمہ داری ہے جو ہر مسلم پر عائد ہوتی ہے۔ سو اسناد کو پہچاننا اور راویوں کو جاننا خود دین ہوگا۔

امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

ان هذا العلم دین فانظروا عمن تأخذون دینکم[3]

ترجمہ: بے شک یہ علم دین ہے سو دیکھ لیا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین اخذ کر رہے ہو —— امام نووی نے اس پر یہ باب باندھا ہے:

باب بیان ان الاسناد من الدین وان الروایة لا تکون الا عن الثقات وان جرح الرواة بما هو فیهم جائز بل واجب۔

---

[1] ماخوذ از ترجمان السنہ جلد اول [illegible] [2] پ ۲۶ الحجرات ع ۱ [3] مقدمہ مسلم جلد [illegible]

ترجمہ: سند لانا دین میں سے ہے روایت ثقہ راویوں سے ہو۔ راویوں پر اس پہلو
سے جرح کرنا جو ان میں ہو جائز ہے بلکہ یہ واجب ہے۔

علم اسناد کی یہاں تک اہمیت ہو گئی کہ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) نے اس کا گویا
دین قرار دیا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔[1]

ترجمہ: علم اسناد بھی دین کا ہی ایک حصہ ہے اور اگر سند ضروری نہ ہوتی تو ہر شخص
جو چاہے کہہ سکتا تھا۔

قبول روایت کا معیار آپ کے ہاں اتنا وسیع تھا کہ ہر شخص سلف صالحین بزرگوں کو برا
بھلا کہے اس کی روایت نہ لینے کا حکم فرماتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

دعوا حديث عمرو بن ثابت فانه كان يسب السلف۔[2]

ترجمہ: عمرو بن ثابت کی روایت چھوڑ دو وہ سلف صالحین کو برا کہتا تھا۔

حافظ شمس الدین سخاوی (۹۰۲ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

وتاريخ الرواة والوفيات فن عظيم الوقع من الدين قديم النفع به للمسلمين
لا يستغنى عنه ولا يعتنى باعم منه خصوصا ما هو القصد الاعظم منه و
هو البحث عن الرواة والفحص عن احوالهم في ابتدائهم وحالهم و
استقبالهم لان الاحكام الاعتقادية والمسائل الفقهية مأخوذة من كلام
الهادي من الضلالة والمبصر من العمى والضلالة۔[3]

ترجمہ: اور راویوں کی تاریخ اور ان کی وفات کے سنین کا جاننا دین کا ایک
عظیم الشان فن ہے۔ مسلمان قدیم سے اس سے کام لیتے آئے ہیں۔ اس سے
استغنا نہیں برتا جا سکتا نہ اس سے زیادہ کوئی اور موضوع اہم ہو سکتا ہے خصوصا
اس کی قدر عظیم ہے اور وہ راویوں کے حالات کو کھولنا اور ان کے حالات
کو ان کے ماضی، حال اور استقبال کی تفصیل کے ساتھ تفتیش کرنا ہے اعتقادی

---

[1] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲ [2] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲ [3] فتح المغیث صفحہ ۴۱۹ و صفحہ ۴۲۰

ابواب اور فقہی مسائل اس کا سبب ہے۔ اعزہ ہی وضلالت سے بچا کر ہدایت
دے اور گمراہی اور اندھاپن سے ہٹا کر راہ دکھائے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

مشہور ہے حضرت علیؓ نے فرمایا: انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال۔ یعنی یہ دیکھو جو کسی نے کہا ہے یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمیں متن سے غرض ہونی چاہیے سند سے نہیں؟

جواب

حضرت علیؓ سے یہ نسبت بھی ہو تو اس کا موضوع دانائی اور حکمت کی باتیں ہیں۔ قانون اور تاریخ کی باتیں نہیں۔ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں بھی ملے اس لے۔ دینی متاع پالی۔ وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ جو شخص کوئی بات نقل کرے یا کوئی قانون بیان کرے تو اسے بغیر جانے کہ کون کہہ رہا ہے نہیں لیا جاتا۔ بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ شخص کہاں سے نقل کر رہا ہے اور یہ کہ خود کیسا شخص ہے۔ دیانت دار ہے یا نہ؟ کس حکومت کا نمائندہ اور کس قانون کا ترجمان ہے اگر اس کے پاس اس بات کی جو وہ کہہ رہا ہے سند نہ ہو تو اس کا کوئی اعلان ہرگز قابل قبول نہ ہوگا

شریعت بھی قانون الٰہی ہے اور یہ نقل سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ البتہ اس کے بعض پہلو استنباط سے کھلتے ہیں۔ شریعت کسی تجربہ اور حکمت سے مرتب نہیں ہوتی۔ نہ یہ کبھی حکمت عملی کے نام سے ترتیب پاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

ان الامة اجمعت على ان يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون
اعتمدوا في ذلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا
في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك
لان الشريعة لا تعرف الا بالنقل والاستنباط والنقل لا يستقيم الا
بان ياخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال[1]

ترجمہ: امت نے اتفاق کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کریں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲ مترجم طبع کراچی

تابعین نے صحابہؓ سے، تبع تابعینؒ نے تابعینؒ سے۔ اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے اور عقل اس کی تحسین پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ شریعت نقل اور استنباط سے ہی پہچانی جاتی ہے اور نقل بغیر اس کے تمام نہیں ہو سکتی کہ ہر طبقہ اپنے سے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے ـــــ

سه اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر ـــــ مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

یہاں علم شریعت کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بات کہاں سے آرہی ہے، اس کا ماخذ کیا ہے، بات کہاں سے ہے اور اسے آگے روایت کرنے والے کس درجے کے لوگ ہیں۔ کیا ان پر اعتماد کرکے آخرت کی تمام زندگی ان لوگوں کی نقل و روایت کے سپرد کی جا سکتی ہے۔ دنیوی امور کے کسی اہم فیصلے سے یہ فیصلہ کہیں زیادہ اہم ہے۔

اکرام مومن کی شرعی حیثیت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان جو بھی خبر دے اکرام مومن کے طور پر اسے قبول کر لینا چاہئے یہ پڑتال نہ کی جائے کہ خبر دینے والا کیسا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اکرام مومن کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان کی طرف سے کسی مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر کوئی حرف نہ آئے اور وہ اس کے ساتھ عزت اور مروت کا برتاؤ کرے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح اور مسلّم ہے کہ دین کا تحفظ اور اکرام ایک مومن کے اکرام سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات آگے نقل کرے تو چونکہ اس دوسرے شخص نے اس بات کو دین اور شریعت سمجھ کر زندگی بھر اپنانا ہے۔ اور اپنے بعد والوں کے لئے بھی اسے سند بنانا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کی نقل و روایت میں اچھی طرح پڑتال کر لے۔ اب راویوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کی صحت و سقم کو پہچاننا اکرام مومن کے شرعی تقاضے کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ اس باب میں اگر کسی مسلمان کی برائی اس کی عدم موجودگی میں کی جائے تو وہ شرعی غیبت نہ ہوگی، دین کی حفاظت کے لئے ایک قدم ہوگا۔

مومن کے بارے میں نیک گمان رکھنے کا مفہوم

ظنوا بالمؤمنین خیرا۔ (مومن کے بارے میں نیک گمان ہونا چاہیئے) مشہور مقولہ حکمت ہے اس کا موضوع اس کی اپنی ذات ہے اس کی نقل و روایت نہیں۔ دین کا معاملہ اس سے کہیں اونچا ہے کہ اسے محض نیک گمان کے سہارے قائم کر لیا جائے۔ اس باب میں اگر کسی گمان کو اہمیت دی جا سکتی ہے تو وہ صرف اہل فن کا گمان اور اعتماد ہے انہوں نے کسی شخص کی روایت قبول کر لی ہو[1] تو آپ ان پر نیک گمان کرتے ہوئے اسے قبول کر سکتے ہیں لیکن اگر کسی طرح اس کی غلطی ظاہر ہو گئی تو پھر اس نیک گمان سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔ اہل مومن کی کوئی ایسی بات جس کا تعلق اس کی ذات سے ہو، دین سے یا دوسروں سے نہ ہو، تو وہ سب مسلمانوں کی پردہ پوشی کی کوشش ہونی چاہیئے کہ اس پر نیک گمان کریں اور اس کے وہی معنی مراد لیں جو اچھائی پر محمول ہوں۔ اس کی نیت کی ایسی مراد نہ لیں جو ایک مسلمان سے توقع نہ کی جا سکتی ہو۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ[2]

ترجمہ: آپ خوشخبری دیں ان لوگوں کو جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس کے پہلو پر جو سب سے اچھا دکھائی دے (حسن ہو)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:۔

فظنوا بہ الذی ہو ھیاہ والذی ہو ھداہ والذی ہو اتقاہ[3]

ترجمہ۔ سو اس کی نسبت گمان کرو جو زیادہ مناسب ہو، ہدایت کے زیادہ قریب ہو اور زیادہ خوف خدا پر مبنی ہو۔

(۳) فن اسماء الرجال کی تدوین کیسے ہوئی؟

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ حدیث کے راوی جب تک صحابہ کرامؓ تھے۔ اس فن کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ سب کے سب عادل، انصاف پسند اور محافظ تھے[4]۔ تابعین بھی اپنے علم و تقوے کی روشنی میں ہر جگہ اول قبول سمجھے جاتے تھے۔ جب فتنے پھیلے اور بدعات شروع

---

[1] اسے صرف روایت دیکھ کر قبول کر لیا ہو [2] پ ۲۳ الزمر ع ۲ [3] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۴

[4] لان الصحابۃ عدول و تعلیم ... محفوظ۔ مرقات جلد ۵ صفحہ ...

بڑی ضرورت محسوس ہوئی کہ راویوں کی جانچ پڑتال کی جائے۔ فتنے سب سے پہلے کوفہ اور بصرہ سے اٹھے۔ اس لیے علم کی تدوین و تنقیح پہلے یہیں ہونی ضروری تھی۔ کوفہ میں دو علمی مرکز تھے۔ ① حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کا اور ② حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۴۰ھ) کا۔ حضرت علیؓ کے خلیفہ بنتے ہی مسلمانوں کا سیاسی اختلاف عراق میں آ گیا اور اس سیاسی تشیع سے حضرت علیؓ کے حلقے میں بہت سے غلط لوگ شامل ہو گئے۔ حضرت علیؓ کی زندگی میں وہ ان اختلافات کو دینی اختلاف نہ بنا سکے۔ لیکن آپ کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ کے نام سے بہت سی غلط باتیں بھی شروع کر دیں۔ اس دور کے شبہات میں انہوں نے دین کا بنیادی تصور بدل ڈالا۔ اسلام میں فرقہ بندی کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔ اہل حق کے لیے اب صرف ایک ہی سلامتی کی راہ تھی۔ کہ حضرت علیؓ کی وہی روایات قابل اعتماد سمجھی جائیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے واسطے سے آئیں۔ کیونکہ کوفہ میں یہی ایک علمی حلقہ تھا جو غیر ملکی حکمت سے محفوظ اور بچا ہوا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہ شاگرد حضرت علیؓ کے حلقہ درس میں بھی گاہے بگاہے حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (۵۰ھ) جو مکمل کرنے میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

لم يكن يصدق على علي في الحديث عنه إلا من أصحاب عبد الله بن مسعود[1]

ترجمہ: حضرت علیؓ کی وہی روایات لائق قبول سمجھی جاتی تھیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے منقول ہوں۔

حضرت ابو اسحٰق السبیعی (۱۲۷ھ) کہتے ہیں کہ بدعات کے ان شیعوں پر خود حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے ایک نے کہا کہ ان لوگوں (بدعتیوں) کو خدا غارت کرے انہوں نے کتنا علم حضرت علیؓ کا ضائع کر دیا ہے۔

امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) کہتے ہیں کہ جب یہ فتنے اٹھے تو علماء نے طے کیا:-

فسموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰ دہلی [2] ایضاً صفحہ ۱۱

ترجمہ: لیجئے رواتِ حدیث کے نام بتاؤ دیکھا جائے گا کہ اہل سنت کون ہیں۔ انہی کی روایات لی جائیں گی۔ اہل بدعت کا بھی پتہ لگایا جائے گا۔ ان کی احادیث نہ لی جائیں گی۔

یہ صحیح ہے کہ عراق کی سرزمین پہلے فتنوں کی آماجگاہ بنی۔ کوفہ کے بعد بصرہ عراق کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ کوفہ سے تشیع اٹھا تو بصرہ سے انکارِ قدر کی صدا اٹھی۔

عن یحییٰ بن یعمر قال کان اول من قال فی القدر بالبصرۃ معبد الجہنی۔

ترجمہ: سب سے پہلے بصرہ میں جس نے عقیدہ قدر میں بات چیت کی وہ معبد جہنی تھا۔ یحییٰ بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن حمیری حج کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملے اور ان لوگوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

فاذا لقیت اولئک فاخبرھم انی بریٔ منھم وانھم برآء منی والذی یحلف به عبداللہ بن عمر لو ان لاحدھم مثل احد ذھبا فانفقه ما قبل اللہ منه حتی یؤمن بالقدر۔[1]

ترجمہ: جب تم ان لوگوں کو ملو تو انہیں کہہ دو کہ میں ان سے لاتعلق ہوں اور وہ مجھ سے لاتعلق ہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر یہ احد کے برابر سونا خیرات کریں اسے اللہ تعالیٰ ان سے قبول نہ کریگا۔ اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں صحابہ کی بات اہل حق کے ہاں حجت کیسی مانی جاتی تھی۔ یحییٰ بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن نے صحابی رسول سے اس بارے میں پوچھنے کا فیصلہ کیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا جواب بھی اسی طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ صحابہ جس سے لاتعلق ہوں وہ اس کے اہل باطل ہونے کا ایک کھلا نشان ہے اور یہ کہ صرف اہل باطل ہی صحابہ سے بے تعلق رہتے ہیں۔ اہل حق ہمیشہ ان کی پیروی کرتے آئے ہیں۔

علم اسماء الرجال کا احساس یہیں سے پیدا ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) حضرت علیؓ کی بہت سی مرویات کے بارے میں کہہ چکے تھے کہ یہ بات حضرت علیؓ نے کبھی نہ کہی ہوگی اسے رد کر چکے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۷

فدعا بقضاء علي فجعل يكتب منه اشياء ويمر به الشئ فيقول والله ما قضى بهذا علي الا ان يكون ضل[1]

ترجمہ: آپ نے حضرت علیؓ کے فیصلے منگوائے ان سے کچھ باتیں نقل بھی فرمائیں اور ایسی چیزیں بھی آپ کے سامنے سے گزریں کہ آپ نے فرمایا: یہ بات حضرت علیؓ نے کبھی نہ کہی ہوگی مگر یہ کہ آپ راہ سے اتر جائیں۔

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:

قد وجدنا غير واحد من الائمة من التابعين قد تكلموا في الرجال منهم الحسن البصري وطاؤس تكلما في معبد الجهني وتكلم سعيد بن جبير في طلق بن حبيب وتكلم ابراهيم النخعي وعامر الشعبي في الحارث الاعور وهكذا روي عن ايوب السختياني وعبد الله بن عون وسليمان التيمي وشعبة بن الحجاج وسفيان الثوري ومالك بن انس والاوزاعي وعبد الله بن مبارك ويحيى بن سعيد القطان ووكيع بن الجراح وعبد الرحمن بن مهدي وغيرهم من اهل العلم تكلموا في الرجال وضعفوا فانما حملهم على ذلك عندنا والله اعلم النصيحة للمسلمين لا يظن بهم انهم ارادوا الطعن على الناس والغيبة انما ارادوا عندنا ان يبينوا ضعف هؤلاء لكي يعرفوا لان بعض الذين ضعفوا كان صاحب بدعة وبعضهم كان متهما في الحديث وبعضهم كانوا اصحاب غفلة وكثرة خطأ فاراد هؤلاء الائمة ان يبينوا احوالهم شفقة على الدين وتثبيتا لان الشهادة في الدين احق ان يتثبت فيها من الشهادة في الحقوق والاموال[2]

ترجمہ: تابعین میں کئی اکابر گزرے جنہوں نے اسماء الرجال (راویان حدیث) میں کلام کیا۔ ان میں حسن بصری (۱۱۰ھ) اور طاؤس (۱۰۶ھ) نے معبد جہنی میں کلام کیا، سعید بن جبیر (۹۵ھ) نے طلق بن حبیب میں کلام کیا، ابراہیم نخعی (۹۶ھ)

۱ے صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰ ۲ے کتاب العلل للترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۸

اور عامر الشعبی (م ۱۰۴ھ) نے حارث الاعور میں کلام کیا۔ اسی طرح ایوب سختیانی، عبداللہ بن عون، سلیمان التیمی، شعبہ بن حجاج، سفیان الثوری، مالک بن انس، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن الجراح، اور عبدالرحمن بن مہدی جیسے اہل علم نے بھی رجال میں کلام کیا ہے اور کمزور راویوں کی تضعیف کی ہے جنہیں اس بات پر اللہ بہتر جانتا ہے۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبے نے آمادہ کیا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کی غرض لوگوں پر طعن کرنا اور ان کی غیبت کرنا تھا۔ ہمارے نزدیک ان کی غرض ان راویوں کا ضعف بیان کرنا تھا۔ تاکہ وہ پہچانے جائیں۔ بعض وہ راوی جن کی تضعیف کی گئی بدعتی تھے۔ بعض ان میں سے متہم فی الحدیث تھے۔ بعض بھولنے والے تھے اور کثرت سے غلطی کرنے والے تھے۔ سو ان ائمہ نے چاہا کہ ان کے احوال بیان کر دیئے جائیں۔ اور اس سے دین کی خیر خواہی ملحوظ نظر تھی اور دین میں ثابت قدمی پیش نظر تھی۔ حقوق و اموال کے بارے میں شہادت دینے سے دین کے بارے میں شہادت دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔

طلق بن حبیب میں امام ابو حنیفہؒ نے بھی کلام کیا ہے کہ وہ تقدیر کا قائل نہ تھا۔[۱] زید بن عیاش کے بارے میں کہا وہ مجہول ہے۔[۲] جابر جعفی کے بارے میں کہا کہ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا۔[۳] جابر (م ۱۲۸ھ) بخوبی سمجھتے ہیں کہ ائمہ کرام نے راویوں کی جانچ پڑتال کو تنقید دین کی خاطر جائز کہا ہے۔ نہ اسے غیبت سمجھا گیا نہ ائمہ کرام محدثین کے خلاف ——— یہ صرف تنقید دین کا جذبہ تھا جو ان سے راویوں کی جانچ پڑتال کراتا رہا۔ اور اس سے دین کی پوری حفاظت ہوتی رہی۔

علم اسماء الرجال کی مشکل

اس علم میں یادداشت اور ضبط ہی ضبط ہے۔ جن علوم میں قیاس اور درایت کو کچھ بھی دخل ہو، ان میں کچھ ترتیب خود کار فراہم کر دیتی ہے۔ اس کے ماقبل یا مابعد سے کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ علوم اپنے

---

[۱] الجواہر المضیئہ جلد ۱ صفحہ ۲۷ [۲] تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۴۲۳ [۳] ایضاً جلد ۲ صفحہ

علماء کے لیے اس حیثیت سے کچھ سہل ہو جاتے ہیں لیکن یہاں تو نظر ہی مختلف ہے۔ اور معرفت طبقات ہے۔ ہو ناموں پر نسبت بہت اہتمام سے ہونا چاہیئے، اس میں ذرا بھی مذاق سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ نہ انہیں اپنے اول اور آخر کی ترتیب سے کہیں صحیح کیا جا سکتا ہے۔ ابو اسحق ابراہیم بن عبداللہ النجیری فرماتے ہیں:۔

اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانه شیء لا یدخله القیاس ولا قبله شیء ولا بعده شیء یدل علیه[1]

ترجمہ: سب سے زیادہ جس چیز پر ضبط ہونا چاہیئے وہ حدیث روایت کرنے والے لوگوں کے نام ہیں کیونکہ ناموں میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں قیاس کام کر سکے اور نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو اس کا پتہ دے سکے۔

حافظ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ طبقہ تابعین (صحابہ کے بعد جو لوگ ان کی پیروی میں چلے) میں انتہائی چھان بین کے باوجود مجھے ایک راوی بھی ایسا اور کاذب نہیں مل سکا۔ غلطی لگ جانا اور بات ہے۔ حافظے کا ضعف اور چیز ہے۔ لیکن جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اس حد تک کسی طبقے میں کوئی تصور نہ تھا۔ کذب اپنی نمایاں صورت میں بعد میں نمودار ہوا ہے۔ تابعین اسی لیے تابعین تھے کہ صحابہ ان کے متبوعین تھے۔ جو صحابہ کے نقش پا سے راہ تلاش نہ کرے وہ تابعین میں سے کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کے ارد گرد رہنے والے لوگ اگر ان پر جھوٹ باندھتے ہیں تو وہ سبائی یا منافقین تھے تابعین ہرگز نہ تھے۔ وہ تابعین جنہیں اتباع تھا ہرگز نہ ہو سکتے تھے۔

اسماء الرجال میں پہلے لکھنے والے

حضرت علی بن المدینی (۲۳۴ھ) نے کتاب العلل میں، امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) نے کتاب العلل و معرفۃ الرجال میں، امام بخاری (۲۵۶ھ) نے تاریخ میں، امام مسلم (۲۶۱ھ) نے مقدمہ صحیح مسلم میں، امام ترمذی (۲۷۹ھ) نے کتاب العلل میں، امام نسائی (۳۰۳ھ) نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں، ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (۳۲۷ھ) نے کتاب الجرح والتعدیل میں، دارقطنی (۳۸۵ھ)

[1] تہذیب التہذیب جلد صفحہ المؤتلف والمختلف ص ۲ للحافظ عبدالغنی الازدی

نے اپنی کتاب العلل میں اور امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے رجال پر بہت مفید بحثیں کی ہیں۔

ائمہ حدیث نے ایک ایک صحابی کے اصحاب کا جائزہ لیا۔ سب سے زیادہ کون کس کے قریب ہے، ان کو پہچانا، اسی نسبت علم سے وہ حضرات فقیہ سمجھے گئے اور اسی نسبت سے ان کے فیصلے ثبت سمجھے گئے۔ یہ حضرات اپنے شعبہ تخصص اور فقہ و روایت میں اگلے لوگوں کے لیے امام ٹھہرے۔ حضرت امام طحاوی (۳۲۱ھ) باب نکاح المحرم میں حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردوں کا تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واثبت اصحاب عبداللہ بن عباس سعید بن جبیر وعطاء وطاؤس ومجاہد وعکرمہ وجابر بن زید وھؤلاء کلھم ائمۃ فقہاء یحتج بروایتھم وآرائھم.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردوں میں سعید بن جبیر، عطاء، طاؤس، مجاہد، عکرمہ اور جابر بن زید سب سے زیادہ ثبت والے ہیں، اور یہ سب ائمہ اور فقہاء ہیں کہ ان کی روایت بھی مستند سمجھی جاتی ہے اور ان کے فقہی فیصلے بھی حجت مانے جاتے ہیں۔

پھر جن لوگوں نے آگے ان سے دین نقل کیا وہ بھی اسی طرح معروف ہوئے۔ ان میں عمرو بن دینار، ایوب السختیانی اور عبداللہ بن ابی نجیح وغیرہم ہیں اور یہ سب ایسے امام تھے کہ روایت میں مقتدا ٹھہرے۔ امام طحاوی مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں:

والذین نقلوا عنھم فکذلک ایضاً منھم عمرو بن دینار وایوب السختیانی وعبداللہ بن ابی نجیح فھؤلاء ایضاً ائمۃ یقتدی بروایتھم ...... ابو عوانۃ عن مغیرۃ عن ابی الضحیٰ عن مسروق فکل ھؤلاء ائمۃ یحتج بروایاتھم فما رووا من ذلک اولی مما رواہ من لیس کمثلھم فی الضبط والتثبت والفقہ والامانۃ۔ شرح معانی الآثار جلد ۱ ص ۱۲۵

محدثین کی سلسلہ رواۃ پر کس درجے کی گہری نظر رہی ہے اور وہ ہر دو راویوں کے درمیان کس کس درجے کے تعلق و رابطے کو جانچتے رہے۔ امام طحاوی کا یہ بیان اس پر شاہد ناطق ہے۔ کون صاحب علم ہے جو محدثین کی ان خدمات کا انکار کر سکے۔

امام احمد کی کتاب کتاب العلل ومعرفۃ الرجال انقرہ سے چھپ چکی ہے. دو جلدوں میں ہے
ابن ابی حاتم الرازی کی کتاب الجرح والتعدیل ۹ جلدوں میں ہے حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے.
یہ اساسی طور پر امام احمد کی کتاب پر ہی ساتھ لئے ہوئے ہے. دارقطنی اپنی کتاب کو مکمل نہ کر پائے
تھے کہ وفات پائی. اسے ان کے شاگرد ابوبکر الخوارزمی البرقانی (۴۲۵ھ) نے مکمل کیا. شمس الدین
سخاوی (۹۰۲ھ) نے اس کی ایک تلخیص مرتب کی ہے جس کا نام الجرح الاول تلخیص کتاب دارقطنی
فی العلل ہے. ان کتابوں میں رجال کے علاوہ علل حدیث پر بھی بہت مفید مباحث موجود ہیں. اس
سے آگے دوسری کتابیں لکھی گئیں جن میں اسماء الرجال ہی مستقل موضوع بنا ہے. ان میں راویوں کے
حالات ان کے طبقات کا ذکر ہے اور ساتھ راویوں کی جرح و تعدیل بھی بحث کی گئی ہے.

(۴) علم حدیث اور علم رجال کا ساتھ رہنا ضروری ہے

احادیث جمع کرنے والے ائمہ حدیث اپنی پوری احتیاط اور ضبط و عدالت کے باوجود
آخر تھے تو انسان ہی. انہوں نے نہ چاہا کہ دین جیسی پوری ذمہ داری اپنے سر لیں. انہوں نے
جو روایتیں لکھیں، انہیں انہوں نے ان اساتذہ کا نام لے کر روایت کیا جن سے انہوں نے
وہ روایات سنی تھیں اور پھر ان کی سند بھی پیش کر دی جس سے وہ اس بات کو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ تک پہنچاتے رہے.

جب حدیث کے ذکر میں سند ساتھ آنے لگی تو ضروری تھا کہ پڑھنے والوں پر ان راویوں
کا حال بھی کھلا ہو جو اس حدیث کو آگے لانے کی ذمہ داری لیے ہوئے ہیں. سو حدیث کے لیے
جس طرح متن کو جاننا ضروری ہے، سند کو پہچاننا بھی ضروری ہے کہ اسماء الرجال کے علم کے بغیر
علم حدیث میں کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا. امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کہتے ہیں.

التفقہ فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفۃ الرجال نصف العلم[1]

ترجمہ: معانی حدیث میں غور کرنا نصف علم ہے اور معرفت رجال بھی نصف علم ہے.

---

[1] مقدمہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص

⑤ راویوں کی جرح و تعدیل سے کیا مراد ہے؟

راویوں کے حالات قابلِ اعتراض ہوں تو روایت مجروح ہو جاتی ہے۔ جن الفاظ سے وہ اعتراضات سامنے آئیں وہ الفاظ جرح کہے جاتے ہیں اور جو الفاظ ان کی اچھی اور قابلِ اعتماد پوزیشن بتلائیں انہیں تعدیل کہا جاتا ہے۔

جرح کے معنی زخم کرنے کے ہیں جرّاح آپریشن کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ تعدیل کا لفظ عدل سے ہے۔ جو روایت کے معیار پر پورا اترنے کی خبر دیتا ہے، یہ برابر کے معنی میں ہے۔ جرح و تعدیل سے راویوں کے حالات پہچانے جاتے ہیں۔ راویوں کو پہچاننے میں سستی برتی جائے اور ان کی جانچ پڑتال پر محنت نہ کی جائے تو اس سے دین کے بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے دین کی عظمت تقاضا کرتی ہے کہ اس کا کوئی مسئلہ پوری تحقیق و تنقیح اور پوری احتیاط کے بعد ہی طے ہونا چاہیئے۔

⑥ جرح و تعدیل کے عام الفاظ

یوں تو الفاظ جرح و تعدیل بہت ہیں، انہیں اصطلاحات سے ذرا ہٹ کر عام الفاظ میں بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اس باب میں جو الفاظ سب سے زیادہ مشہور ہوئے وہ یہ ہیں پھر ان الفاظ کے بارے میں بھی بعض بعض ائمہ کے استعمالات مختلف ہیں۔ لیکن موضوع کے عمومی تعارف کے لیے ہم انہی الفاظ پر اکتفا کریں گے۔

الفاظِ تعدیل

ثبت حجت	اونچے درجے میں قائم ہے یہاں تک کہ دوسروں کے لیے سند ہے۔
ثبت حافظ	" " " خوب یاد رکھنے والا ہے۔
ثبت متقن	" " " اور بہت معتبر ہے۔
ثقہ ثقہ	بہت ہی قابلِ اعتماد ہے۔

ثقہ ——— قابل وثوق اور قابل اعتماد ہے۔
ثبت ——— اکھڑنے والا نہیں قائم رہنے والا ہے۔
صدوق ——— بہت سچا ہے۔
لا بأس بہ ——— اس میں کوئی جرح کی بات نہیں ہے۔
محلہ الصدق ——— سچائی والا ہے
جید الحدیث ——— حدیث روایت کرنے میں بہت اچھا ہے۔
صالح الحدیث ——— روایت میں اچھا ہے

الفاظ جرح

دجال ——— سخت جھوٹ کہ تا ہے۔ دجل حق اور باطل کے ملانے کو کہتے ہیں۔
کذاب ——— بہت جھوٹا ہے یا جھوٹ بات کہنے والا ہے۔
وضاع ——— حدیثیں گھڑنے والا ہے۔
یضع الحدیث ——— حدیث گھڑتا ہے۔
متہم بالکذب ——— غلط بیانی سے متہم ہے۔
متروک ——— لائق ترک کیا گیا ہے۔
لیس بثقۃ ——— قابل بھروسہ نہیں ہے۔
سکتوا عنہ ——— اس کے بارے میں خاموش ہیں۔
ذاہب الحدیث ——— حدیث ضائع کرنے والا ہے۔
فیہ نظر ——— اس میں غور کی ضرورت ہے۔
ضعیف جدا ——— بہت ہی کمزور ہے۔
ضعفوا ——— اس کو کمزور ٹھہرایا ہے۔
واہ ——— قطعی طور پر کمزور ہے
لیس بالقوی ——— روایت میں پختہ نہیں۔

ضعیف ——— روایت میں کمزور ہے
لیس بحجۃ ——— حجت کے درجہ میں نہیں۔
لیس بذاک ——— ٹھیک نہیں ہے۔
لین ——— یادداشت میں نرم ہے۔
سیئ الحفظ ——— یادداشت اچھی نہیں۔
لا یحتج بہ ——— لائق حجت نہیں۔

جرح وتعدیل کے بڑے بڑے امام

یوں تو بڑے بڑے محدثین نے مختلف راویوں پر بحث کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی جابر جعفی پر جرح کی ہے۔ لیکن جو حضرات اس موضوع میں زیادہ معروف ہوئے، انہیں جرح و تعدیل کے امام کہیں تو بہت مناسب ہوگا۔ یہ حضرات اس باب میں بہت معروف رہے ہیں۔

① امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ (۱۶۰ھ)
② یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ)
③ عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ)
④ یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ)
⑤ علی بن المدینی (۲۳۴ھ)
⑥ امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)
⑦ امام نسائی (۳۰۳ھ)
⑧ دارقطنی (۳۸۵ھ)

ان حضرات نے جرح و تعدیل کے قوانین وضع کیے، رواۃ حدیث کے درجات معلوم کیے اور ایک لاکھ کے قریب اشخاص کے حالات زندگی بیان کر دیے۔ یہی وہ حضرات ہیں جو علم نبی کی سرحدوں کی نگرانی کرتے رہے۔ علماء اسلام کا ایسا عظیم علمی کارنامہ ہے کہ اقوام عالم میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔

مولانا حالی نے سچ ہی کہا تھا ؎

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا ——— لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا ——— کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

اسی ذہن میں آساں کیا ہر سفر کر — اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کر

نشاناتِ علم دین جہاں بیشتر کو — لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو

پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر

دیا اور کو خود مزہ اس کا چکھ کر

ان حضرات کی تحقیقات اب ہمارے سامنے فن رجال کی مستقل کتابوں کی صورت میں بڑی وسعت سے موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مرکزی حیثیت امام یحییٰ بن معین کی ہے۔

(۱) قال احمد كان ابن معين اعلمنا بالرجال[1]

(۲) صار علماً يقتدى به في الاخبار واماماً يرجع اليه في الآثار[2]

(۳) هذا شيء من لم تطلع الشمس على اكبر منه[3]

اور ان میں سب سے کڑے امام دارقطنی ہیں۔ جو فقہی فکر اور تعصب کے باعث بہت سے صحیح راویوں کو بھی ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ علامہ بدرالدین العینی نے اس کی تصریح کی ہے۔ وقد روى في مسنده احاديث سقيمة ومعلولة ومنكرة وغريبة وموضوعة[4]

کتب اسماء الرجال

پہلے دور کی اسماء الرجال کی کتابیں راویوں کے نہایت مختصر حالات لئے ہوئے تھیں ابن عدی (۳۶۵ھ) اور ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے سب سے پہلے معلومات زیادہ حاصل کرنے کی طرف توجہ کی۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)، ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) اور ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) نے ضخیم جلدوں میں بغداد اور دمشق کی تاریخیں لکھیں تو ان میں تقریباً سب بیانات رجال کے تذکرے آ گئے ہیں۔

جہاں تک فنی حیثیت کا تعلق ہے سب سے پہلے حافظ عبدالغنی المقدسی (۶۰۰ھ) نے اس پر قلم اٹھایا اور الکمال فی اسماء الرجال لکھی۔ یہ اس باب میں سنگ میل کا حکم رکھتی ہے بعد کے آنے والے مصنفین رجال نے اس پر آگے تحقیقیں کیں، اضافے کئے، تلخیصات کیں، ترتیبیں

---

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۶ ۲ تہذیب الکمال جلد ۱ ص ۲۵ ۳ تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۲۸۲ ۴ تاریخ بغداد جلد ۱۴ ص ۱۸۱
۵ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۲ ص ۱۲۹

③ رجال طوسی ۴۶۰ھ یہ محمد بن حسن طوسی تہذیب الاحکام اور الاستبصار کے مؤلف ہیں۔ ان کی ایک الفہرست بھی ہے جو اسماء الرجال میں ہے۔ رجال طوسی اس کے علاوہ ہے۔

④ منہج المقال میرزا محمد بن علی استرآبادی رجالی کے نام سے معروف ہیں۔

⑤ علامہ مامقانی کی کتاب تنقیح المقال شیعہ اسماء الرجال کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔

⑥ جامع الرواۃ دو ضخیم جلدوں میں ہے[1]

شیعہ مراتب رجال

① کل راوی ثقہ اور امامی ہوں تو حدیث فنی طور پر صحیح کہلائے گی۔ شیعہ اصطلاح ہے

② کل راوی لائق مدح ہوں اور امامی ہوں تو حدیث فنی طور پر حسن کہلائے گی۔

③ راوی کچھ ممدوح ہوں کچھ ثقہ۔ تو بھی حدیث فنی طور پر حسن ہی کہی جائے گی۔

④ کل راوی ثقہ ہوں مگر امامی نہ ہوں تو حدیث قوی کہی جائے گی، صحیح نہیں۔

⑤ کل راوی ثقات ہوں مگر بعض غیر امامی ہوں تو بھی حدیث قوی شمار ہوگی۔

⑥ بعض راوی ممدوح ہوں اور امامی ہوں اور بعض ثقہ ہوں اور غیر امامی، تو بھی حدیث قوی ہوگی۔

ان رجال میں راوی کا لائق مدح ہونا ایک مستقل صفت کے طور پر مذکور ہے۔ ثقہ کے الفاظ عام ہیں۔ راوی امامی اور غیر امامی کا فرق بھی واضح ہے۔ امامی وہ لوگ ہیں جو ائمہ کی الہٰی امامت اور ان کی آسمانی بعثت کے قائل ہیں۔ شیعہ کے ہاں امامت نبوت کی طرح ایک آسمانی منصب ہے۔ ان کے ہاں معصوم بندگان خدا پر خدا کی حجت ہوتا ہے۔ جو اس نظریہ امامت کے قائل ہوں۔ وہ امامی کہلاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ سب کے سب ثقہ ہوں۔ ان میں ایسے بھی تھے جو ائمہ کے بہت گستاخ تھے بایں ہمہ وہ ان کے مرکزی راوی سمجھے جاتے تھے۔

جو راوی امامی نہ ہوں۔ مگر ائمہ کے حضور بڑے با ادب ہوں۔ انہیں امام معصوم نہیں سمجھتے لیکن انہیں معزز اور فقہاء میں سے جانتے ہوں اور ان کے پاس گئے جاتے ہوں اور ان سے روایت لیتے ہوں۔ یہ راوی ممدوح کہلاتے ہیں۔ اس سے مراد ان کا ائمہ کی نظر میں لائق قبول ہونا ہے۔

---

[1] جامع الرواۃ جلد ۱ ص ۳

ضبط الاسماء

اسماء الرجال میں ضبط اسماء ایک نہایت دقیق راہ ہے۔ محدثین نے اس فن پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور الاسماء والکنیٰ کی فہرستیں مرتب کی ہیں۔ اس راہ کی مشکلات اساتذہ فن کے سماع کے بغیر مشکل سے حل ہوتی ہیں، تاہم چند قواعد معروف ہیں، تاکہ طلبہ اس باب میں بھی کچھ چل سکیں۔ پہلے دور میں عربی نقطوں کے بغیر لکھی جاتی تھی ان کے صرف اشارات ہوتے تھے۔ اس جہت سے ضبط اسماء میں بہت مشکلات محسوس کی جاتی تھیں۔ اب نقطوں کی وجہ سے کچھ آسانی ہو گئی ہے۔ تاہم نمونہ کے طور پر چند قواعد بیان کئے جاتے ہیں۔ اس انداز میں اور اسماء بھی پوری طرح ضبط ہو سکتے ہیں۔ ہم یہاں صرف بیس ضبط اسماء ذکر کرتے ہیں:

۱۔ لفظ عیسیٰ ــــــ کبھی عیشی بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس وقت اس کی نسبت عیش کی طرف ہوتی ہے۔ اگر یہ لفظ بصریوں کی سند میں آئے تو اسے عیشی پڑھا جائے گا اور کوفیوں کی سند میں آئے تو عبسی بطور نسبت پڑھا جائے گا۔ شامیوں کی سند میں آئے تو لفظ عنسی ہوتا ہے۔ جہاں تصحیف لفظی ہو چکی ہو، وہاں ہر طرح پڑھنا روا ہوگا، جیسے عیسیٰ بن عیسیٰ الحناط دوسرا نام مسلم خباط ہے۔ اسے حناط بھی پڑھا گیا ہے، اور خباط، پتے اور کانٹے بیچنے والا ہے۔ حناط گندم کا تاجر اور خیاط سینے والے کو کہتے ہیں۔ لکھنے میں یہ الفاظ متشابہ ہیں۔

۲۔ لفظ سلام جہاں بھی آئے اسے تشدید کے ساتھ سلّام پڑھیں مگر اس میں صرف پانچ استثناء ہیں۔ جہاں تخفیف لازم ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) محمد بن سلام بیکندی۔
(۳) سلام بن محمد المقدسی (۴) عبدالوہاب بن سلام (شعر لی) (۵) سلام بن ابی الحقیق

۳۔ عُمارہ ـــــ ہمیشہ پیش (ضمہ) سے پڑھیں البتہ اُبی بن عمارہ میں عین زیر (کسرہ) سے پڑھیں۔

۴۔ کریز کا نام ہو تو قبیلہ معلوم کرو۔ اگر خزاعی ہے تو کَرِیز (بالفتح) پڑھیں گے ورنہ عبشمی ہے تو کُرَیز ضمہ کے ساتھ (بطور تصغیر) پڑھیں۔

۵۔ حزام کا لفظ ہو۔ اگر قریش میں سے ہو تو حِزام پڑھا جائے گا۔ اگر انصاری ہے تو اُسے حَرام پڑھیں گے۔

۶۔ عِجلی میں عین زیر کسرہ کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ ہاں عَجَل زکوان میں عین اور جیم زبر سے پڑھیں۔

۷۔ کبھی لفظ غنام اور عثام ایک جیسے لکھے ملتے ہیں۔ دونوں میں پہلا حرف مفتوح اور دوسرا مشدد ہوگا۔ عثام بن علی عامر کوفی کا نام ہے۔

۸۔ اگر لفظ قُمیر آئے تو یہ تصغیر سے پڑھا جائے گا۔ اگر قمیر کا لفظ کسی عورت کے لئے ہو تو اُسے طویل کے وزن سے پڑھیں گے۔

۹۔ مِسور نام منبر کے وزن پر ہے۔ دو نام اس قاعدہ سے باہر ہیں۔
(۱) مُسَوّر بن یزید (صحابی) (۲) مُسَوّر بن عبدالملک

۱۰۔ براء بن عازب میں راء تخفیف سے ہے۔ تشدید سے نہیں۔ لفظ براء جہاں بھی ہو اسی طرح پڑھا جائے سوائے دو جگہ کے۔ (۱) بَرّاء ابوالعالیہ (۲) بَرّاء ابوالمعشری۔ یہاں دونوں جگہ تشدید سے پڑھیں گے۔

۱۱۔ جریر لکھنے میں حریز سے مشابہ ہوگا۔ کوفہ کے حریز بن عثمان رحبی۔ اور حریز عبداللہ بن حسین کے سوا یہ لفظ جریر جیم اور راء سے ہی پڑھا جائے گا۔

۱۲۔ حارثہ میں حا کی زبر اور راء کی زیر ہے۔ جب نقطے نہ ہوں تو جاریہ بھی اس سے مشابہ ہوگا: (۱) جاریہ بن قدامہ (۲) یزید بن جاریہ (۳) اسود بن جاریہ (۴) علاء بن جاریہ۔ انہیں حارثہ نہ پڑھا جائے گا۔

۲۲۔ سلمان فارسی، سلمان بن عامر، عبدالرحمان بن سلمان، سلمان اغر، سلمان ابو حازم
رجاء بن سلمان کے علاوہ یہ لفظ سلیمان ہے : حماد بن ابی سلیمان کوفہ کے مشہور استاذ

۲۳۔ سلمہ کا نام جہاں ہوگا۔ سین اور لام دونوں پر زبر آئے گی مگر عمرو بن سلمہ جرمی میں لام
کے نیچے زیر پڑھیں گے۔ انصار کے قبیلہ بنو سلمہ میں بھی لام سین کے ساتھ ہوگا۔

۲۴۔ عُبیدہ تصغیر کے وزن پر ہوگا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد عَبیدہ، عَبیدہ بن حُمید،
عَبیدہ بن سفیان اور عامر بن عَبیدہ باہلی میں یہ تصغیر کے ساتھ نہ پڑھا جائیگا۔

۲۵۔ حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔ اس میں عُبادہ
عین کی پیش (ضمہ) کے ساتھ ہے۔ یہ لفظ جہاں بھی آئے گا۔ عین کی پیش اور باء
کی تخفیف سے ہوگا (تشدید سے نہیں) ہاں محمد بن عَبادہ میں عین زبر کے ساتھ
پڑھی جائے گی۔ عبّاد اکیلا ہو تو عین کی زبر اور باء کی تشدید ہوگی۔ صرف قیس بن
عُباد میں عین پیش کے ساتھ اور باء تخفیف سے ہے ——— عَبدہ جہاں ہوگا عین
کی زبر ہوگی اور باء ساکن ہوگی، البتہ عامر بن عَبَدہ اور بجالہ بن عَبَدہ میں عین و باء زبر ہے

۲۶۔ عُقیل کا لفظ جہاں بھی ہو فعیل کے وزن میں پڑھا جائے۔ ہاں امام زہری کے شاگرد
عُقیل بن خالد اور یحییٰ بن عُقیل میں اسے تصغیر کے ساتھ پڑھیں گے۔ عقیل ایک
قبیلہ کا نام بھی ہے۔ ان تینوں کے سوا اسے صفت مشبہ کے وزن پر پڑھا جائیگا۔

حافظ ابو اسحٰق ابراہیم بن عبداللہ النجیرمی اس فن کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانہ شیء لا یدخلہ القیاس ولا قبلہ شیء ولا بعدہ شیء یدل علیہ[1]

سب چیزوں سے ضبط کے اعتبار سے سب سے اہم لوگوں (راویوں) کے نام ہیں کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں قیاس
کا کوئی دخل نہیں اور نہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو اس نام پر دلالت کرسکے۔

حافظ ذہبی کی ترتیب التہذیب کے مقدمہ میں امام علی المدینی (م ۲۳۴ھ) سے منقول ہے :

التفقہ فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفۃ الرجال نصف العلم

---

[1] المؤتلف والمختلف صفحہ ۲ للحافظ عبدالغنی الازدی المصری (۴۰۹ھ) ۔ مقدمہ خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۳

شیعہ اور علم حدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد

تاریخ اسلام میں عامۃ المسلمین اس بحث میں بڑے معتبر ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں جس کی بحث ہم تدوین حدیث میں کر آئے ہیں۔ شیعہ علماء بھی علمی رسائی میں عامۃ المسلمین کے ساتھ نہیں رہے۔ وہ ان لوگوں کے سلسلے پر اعتماد نہیں کرتے۔ اگر وہ کہیں ان کتابوں سے حوالہ پیش کرتے ہیں تو وہ محض الزامًا ہوتا ہے۔ ان کا علم حدیث ایک متوازی سلسلہ ہے جو چوتھی صدی سے شروع ہوا۔ ان کا پہلا مرکزی محدث محمد بن یعقوب الکلینی (م ۳۲۸ھ) ہے۔ کلین بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے۔ علامہ کلینی نے شیعہ عقیدہ کے مطابق امام منتظر محمد بن حسن المہدی کی غیبت صغریٰ کا دور پایا ہے اور حضرت امام نے اپنے چھپے ہونے میں ان کی کتاب الکافی کی پوری تصدیق کی ہے۔[1] اس کتاب کا نام حضرت امام کی تصدیق ھذا کاف لشیعتنا سے ماخوذ ہے اس سے اس کتاب کی عظمت سمجھی جاتی ہے اور اس کا لفظ لفظ شیعہ حضرات کے لئے مستند ہوتا ہے۔[2]

یاد رہے امام محمد بن حسن العسکری (۲۵۶ھ) میں پیدا ہوئے جو سنی عامہ کے مرکزی محدث امام بخاری کا سال وفات ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء اہل السنۃ والجماعۃ تدوین حدیث میں شیعہ علماء سے بہت پہلے اپنے کمال کو پہنچ چکے تھے۔ شیعہ علماء جو ابھی آخر معصومین امام تقی محمد بن علی بن موسیٰ الجواد (م ۲۲۰ھ) امام نقی علی بن محمد ابوالحسن الثالث (م ۲۵۴ھ) سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ سوال تو یہ ہے کہ ابھی یہ علماء فیض ہی لے رہے تھے کہ امام بخاری (م ۲۵۶ھ) اپنی کتاب الجامع الصحیح المسند (صحیح بخاری) مکمل کر چکے تھے۔

علامہ کلینی (م ۳۲۸ھ) نے جب اپنی کتاب الکافی مکمل کی اس وقت اہل السنۃ والجماعۃ کے امام حدیث امام ابوجعفر الطحاوی (م ۳۲۱ھ) ان کے ہم عصر تھے۔ علامہ کلینی کی ان کے ہاں کوئی شہرت نہ تھی۔

---

[1] مزید دیکھئے منتہی المقال صفحہ ۲۹۸ اصول کافی جلد ۱ مقدمہ مستدرک الوسائل جلد ۳ صفحہ ۳۲۰

[2] روضات الجنات صفحہ ۵۵۱ و حاشیہ اصول کافی جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۵

کیونکہ انہیں ان کے تمام حالات میں تقیہ کے پردے میں رہنا پڑتا تھا۔ ائمہ اہل سنت کھلے بندوں اپنی روایات کی جمع و تدوین اور شرح و تطبیق کے در پے تھے اور شیعہ کے ہاں اس قسم کی کھلی آزادی نہ تھی۔ بہرحال یہ صحیح ہے کہ اس دور میں اس کتاب (کافی کلینی) کے ذریعے اثنا عشری شیعہ مذہب پہلی مرتبہ مرتب ہوا اور جو علماء بھی اس کتاب پر مطلع ہوئے، شیعہ مذہب اپنی مذہبی شکل میں اب ان کے سامنے بالکل واضح تھا۔ ائمہ اہل سنت ابوالحسن الاشعری (۳۲۴ھ) اور ابوالمنصور الماتریدی (۳۳۳ھ) اس دور میں آچکے تھے اور انہوں نے عقائد اہل السنت کے گرد حفاظتی بند باندھے۔ یہ وہ دور تھا جب شیعہ مذہب پہلی مرتبہ مرتب ہو کر ایک علمی شکل میں ہمارے سامنے آیا۔

شیعہ کے اصول اربعہ

جس طرح اہل سنت والجماعت کے ہاں صحاح ستہ مرکزی کتب حدیث سمجھی جاتی ہیں، شیعہ کے ہاں اصول اربعہ ہیں جو تین محمدوں کی تالیفات ہیں۔ یہ مؤلفین محدثین ثلاثہ (تین محمدوں) کے نام سے معروف ہیں۔ شیعہ علم حدیث کا یہی سرمایہ ہے۔ محدثین ثلاثہ کے دیگر اقران میں مؤلف نہج البلاغہ شریف رضی (۴۰۶ھ) شیخ مفید (۴۱۳ھ) اور علم الہدیٰ سید مرتضیٰ (۴۳۶ھ) بھی معروف ہیں اور ان حضرات کی تالیفات بھی اسی نہج پر مرتب ہوئیں مگر یہ شیعہ علماء کے ہاں اصول اربعہ کے درجہ میں نہیں۔

اصول اربعہ کے ابتدائی ماخذ

یہ درست ہے کہ ان قدماء شیعہ کے پاس بہت سے ابتدائی مسودے تھے جو مختلف لوگوں نے ائمہ کی مجالس سے مرتب کئے تھے اور ان کی نقل و املاء سے شیعہ مذہب اندر ہی اندر ترتیب پا رہا تھا۔ ایسی تحریریں ان کے پاس چار سو کے قریب بتائی جاتی ہیں جن سے یہ

علامہ کلینی کی ابو بصیر سے ملاقات نہیں ہوئی مگر وہ ان سے روایت لیتے ہیں یہ سب ابو بصیر کی تحریرات یا اصول ہوتا ہے۔ شیخ مفید اور شیخ صدوق کلینی سے روایت کرتے ہیں حالانکہ دونوں کی کلینی سے ملاقات ثابت نہیں۔ شیعہ علماء اپنے تمام مباحث میں ان مصادر پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو ان کے ہاں اصول سمجھے جاتے تھے، امام باقر کی کتابوں سے روایت کرنا جائز بتاتے تھے۔

ان الکلینی روی عن ابی بصیر مع انہ لم یلاقہ والشیخ والصدوق رویا عن الکلینی مع انہما لم یلاقیاہ وامثال ھذا کثیر فھم یروون عن الاصول التی لھم[۱]

ترجمہ:۔ کلینی نے ابو بصیر سے احادیث روایت کی ہیں حالانکہ اس کی اس سے ملاقات نہیں ہوئی اسی طرح شیخ اور صدوق نے کلینی سے احادیث روایت کی ہیں اور ان کی کلینی سے ملاقات ثابت نہیں اور اس جیسی اور بھی مثالیں ہیں یہ لوگ اصول حدیث سے یعنی ان کتابوں سے روایت کرتے ہیں جو ان کے پاس اصول کے درجہ پر تھیں۔

اصول اربعہ اور ان کی شروح

۱۔ الکافی۔ یہ کتاب کافی کلینی کے نام سے موسوم ہے پہلی دو جلدیں اصول کافی کی ہیں اگلی جلدیں فروع کافی اور آٹھویں جلد روضۂ کافی کے نام سے موسوم ہے۔ الکافی کی مختلف شروح لکھی گئیں۔ فارسی شروح میں ملا خلیل قزوینی (م ۱۰۸۹ھ) کی شرح جامع ہے۔ عربی شروح میں مرآۃ العقول فی شرح اخبار الرسول۔ ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۱ھ) کی مفصل شرح ہے۔

شیخ مفید (م ۴۱۳ھ) اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ھو من اجل کتب الشیعۃ واکثرھا فائدۃ[۲]

ملا فیض کاشانی لکھتے ہیں:۔

اشرفہا واوثقہا واتمہا واجمعہا لاشتمالہ علی الاصول من بینہا وخلوہ من الفضول وشینہا[۳]

---

[۱] اصول کافی جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ [۲] حاشیہ فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۲ اسناد الرازی ابن دعیبہ فی کتاب رجال محمد بن محدث حاشیہ فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۱۰ [۳] تصحیح الاعتقاد صفحہ ۲۰، [۴] الوافی جلد ۱ صفحہ ۹ طبع طہران

ترجمہ:۔ ان تمام کتب میں یہ اشرف ہے اوثق ہے کامل ہے اور جامع ہے سب اصول کو شامل ہے اور ہر زائد اور عیب سے خالی ہے۔

۲۔ **من لا یحضرہ الفقیہ** علامہ محمد بن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) کی تالیف ہے۔ دو ضخیم جلدوں میں ہے دونوں جلدیں یکجا مجلد ملتی ہیں۔ مؤلف کے ہمعصر علمائے اہل سنت والجماعت میں حافظ ابو الشیخ اصبہانی (۳۶۹ھ) اور علامہ خطابی (۳۸۸ھ) مشہور محدث گزرے ہیں۔

اس کی مشہور ترین فارسی شرح علامہ محمد تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) نے کی ہے جو شرح الفقیہ کے نام سے موسوم ہے اور ضخیم جلدوں میں ہے۔ اسے لوامع صاحبقرانی بھی کہتے ہیں۔

۳۔ **تہذیب الاحکام** ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی (۴۶۰ھ) کی تالیف ہے۔ ایران کی قدیم طبع بڑی تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں ہے احادیث احکام کا بڑا شیعی ذخیرہ ہے مؤلف کے ہمعصر سنی محدثین میں حافظ ابوبکر البیہقی (۴۵۸ھ) علامہ ابن البر مالکی (۴۶۳ھ) خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) مشہور شخصیتیں ہیں۔ ابن حزم (۴۵۶ھ) بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ تہذیب کی سند سے علمائے شیعہ نے کئی جگہ کافی کی مشکل بھی تصحیح کی ہے [۱] اس سے ان کے ہاں اس کتاب کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کی احادیث ساڑھے تیرہ ہزار کے قریب ہیں۔ قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) نے تہذیب الاحکام کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے۔ علامہ تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) نے احیاء الاحادیث کے نام سے اور علامہ باقر مجلسی نے ملاذ الاخیار کے نام سے اس کی شروح لکھی ہیں۔

۴۔ **الاستبصار فیما اختلف من الاخبار** ابوجعفر محمد بن حسن طوسی کی تالیف ہے۔ مؤلف نے روایات متعارضہ کو جمع کیا ہے۔ اور ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تین جلدوں میں ہے پہلی دو جلدیں عبادات پر ہیں تیسری میں دیگر معاملات اور عقود و احکام ہیں۔

شیعہ اقسام حدیث

جس طرح شیعہ علم حدیث اہل سنت علم حدیث کے مقابل بالکل ایک متوازی راہ ہے ان کی اصطلاحات بھی عامۃ المحدثین سے مختلف ہیں [۲]

اسکے ہاں فائدہ باب کے تحت احادیث کی یہ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

---

[۱] دیکھئے کافی کلینی جلد ۵ صفحہ ۱۲۰، ۱۲۴ [۲] دیکھئے جامع الرواۃ جلد ۲ صفحہ ۴۰۰

تمام راوی ثقہ ہوں اور عقیدہ امامت رکھتے ہوں۔ ان کی حدیث صحیح شمار ہوگی۔ راوی امامی ہوں مگر ثقہ نہ ہوں، ہاں ممدوح ہوں تو ان کی روایت حدیث حسن سمجھی جائے گی۔ بعض روات ثقہ ہوں اور بعض ممدوح تو بھی حدیث حسن رہے گی ۔ ہاں راوی سب کے سب ثقہ ہوں۔ مگر عقیدہ امامت نہ رکھتے ہوں تو ان کی حدیث قوی شمار ہوگی۔ بعض راوی امامی ہوں اور بعض غیر امامی مگر ہوں سب کے سب ثقہ تو بھی حدیث قوی سمجھی جائے گی ـــــ کسی حدیث کے بعض راوی ممدوح ہوں اور امامی ہوں اور بعض دوسرے راوی ثقہ ہوں۔ مگر غیر امامی ہوں تو بھی حدیث قوی ٹھہرے گی۔ ضعیف راویوں کی روایت البتہ ضعیف ہوگی۔ حدیث ضعیف کی مثال الکافی جلد ۱ صفحہ ۵۰۱ میں دیکھئے۔ داؤد الرقی اور یعقوب بن سالم میں ضعف الکافی جلد ۲ صفحہ ۴۹ پر دیکھیں۔ عباد بن صہیب اور سکونی میں سند کا ضعف الکافی ۲ صفحہ ۱۲ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اہل سنت کے ہاں کسی راوی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ وہ عمداً غلط بیانی کرتا ہے تو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں رہتی۔ لیکن شیعہ کے ہاں اس سے روایت متروک نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے وہ تقیہ کے تحت ایسا کر رہا ہو۔ اور تقیہ ان کے ہاں عبادت میں ہوسکتا ہے۔ اس صورت حال میں ان کے علاوہ دوسرے قرائن پر اعتماد پر فیصلہ کرتے ہیں۔

آئمہ شیعہ کے ہاں اٹھنے بیٹھنے والے سب کے سب امامی نہ تھے وہ حضرات انہیں علماء فکر کا اور عقلی امت سمجھ کر ان کی مجلسوں میں آتے اور ان سے مستفید ہوتے تھے ان حضرات کا عقیدہ ان بزرگوں کے بارے میں وہی تھا جو آج کے اہل سنت کا ہے یہ لوگ اسی نظریہ سے ان کی مجالس میں حاضری دیتے تھے آئمہ حضرات بھی انہیں مومن سمجھتے تھے۔ اور ان کی عدالت کے معترف ہوتے تھے۔ ملا محمد باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) لکھتے ہیں۔

"جمعے از راویان کہ در اعصار ائمہ بودہ اند از شیعیان اعتقاد بعصمت ایشان نداشتہ اند بلکہ ایشان را از علمائے نیکوکار میدانستہ اند چنانچہ از رجال کشی ظاہر میشود و مع ذلک ائمہ حکم بایمان بلکہ بعدالت ایشاں مے کردہ اند" [1]

---

[1] حق الیقین صفحہ ۵۴۲ مطبع ایران

ترجمہ:- بہت سے شیعہ راویان حدیث جو ائمہ کے ہمعصر ہوئے ان کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھتے تھے اس کی بجائے وہ انہیں علماء نیکوکاروں میں سے جانتے تھے۔ رجال کشی سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود ائمہ کرام انہیں دوست رکھتے تھے اور انہیں ثقہ راوی جانتے رہے ہیں۔

الواصل شیعہ کتب حدیث میں وہ روایات بے شمار ہیں جو امامی نہ تھے یا ائمہ کا عام طریقہ بھی نہیں تھا۔ اگر قبول روایت کے لئے راویوں میں امامی ہونے کی شرط نہ رکھی جائے تو آج شیعہ علماء جن کتابوں پر اعتماد رکھتے ہیں وہ سب ختم۔ جب راویوں کا مجموعہ نہیں رہا۔ اصول کافی تو اس لئے ہر جگہ سے نقل کی گئی کہ اسے امام منتظر محمد بن حسن العسکری نے پسند فرمایا اور باقی تین کتابیں اس لئے اصول ٹھہریں کہ ان پر اثنا عشری شیعوں کے معتمد اور مسلم علماء نے اظہار اعتماد کیا۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں بعض ایسی روایات بھی ہیں جو تقیہ پر مبنی ہیں لیکن تقیہ سے یکسر علیحدہ ہو کر بھی تو شیعہ مذہب کا کوئی خاکہ نہیں کیا جا سکتا۔

متاخرین شیعہ کو اس سلسلہ میں بہت مشکلات آئیں۔ ان روایات کی صحیح جانچ پڑتال میں انہیں بہت مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ تقیہ کی روایات کو دوسری روایات سے الگ کرنا کچھ کم مشکل راہ نہ تھی ان کے بعض متاخرین نے اپنے طور حدیث پر قلم اٹھایا اور محنت شاقہ کی۔ ان میں محمد بن علی موسوی صاحب المدارک (۱۰۰۹ھ) زین الدین بحرانی (۱۰۳۱ھ) محمد بن علی استرآبادی رجالی (۱۰۲۸ھ) شہید ثانی زین الدین عاملی (۹۶۶ھ) میر محمد باقر داماد (۱۰۴۱ھ) قاضی نور اللہ شوشتری (۱۰۱۹ھ) ملا فیض صاحب الوافی (۱۰۹۱ھ) ملا تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) ملا باقر مجلسی (۱۱۱۰ھ) ملا محسن کاشانی (۱۰۹۱ھ) نعمت اللہ جزائری (۱۱۱۲ھ) میر محمد باقر خوانساری صاحب روضات الجنات اور مرزا حسین نوری صاحب مستدرک الوسائل بہت ممتاز ہیں۔

صحاح ستہ اور اصول اربعہ میں فرق روایت

جس طرح اہل السنۃ والجماعۃ کی صحاح ستہ اپنے مؤلفین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان سے ملے کہ اب تک ہزاروں راوی انہیں نقل کرتے آئے ہیں شیعہ اصول اربعہ اس

شہرت و تواتر سے اپنے مؤلفین سے آگے نہ نکل سکیں شیعہ علماء کو تقیہ کی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا تھا اور بعض اوقات اپنے کو بھی چھپانا پڑتا تھا ان حالات میں ان کتابوں کا درس اس اطمینان سے نہ چل سکا جس طرح صحاح ستہ کا درس و حدیث چلا اور اب تک چل رہا ہے

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ شیعہ علماء نے اپنے خاص حلقوں میں ان کتابوں کی نقل در نقل جاری رکھی حلقہ خاصہ کا انہیں یہ اعتماد حاصل رہا۔ لیکن ظاہر ہے کہ انہیں اس قسم کا تواتر و یقین میسر نہ آسکتا تھا۔ جو تقیہ کے بغیر کسی قوم کو حاصل ہو سکتا ہے یہاں تک کہ ان کے ائمہ بھی اپنے گرد ایسا ماحول نہ بنا سکے۔ جو صرف امامی تلامذہ کا ہو۔ بلکہ ان کے گرد جمع ہونے والے شیعہ بھی سب کے سب امامی نہ ہوتے تھے۔

ان حالات میں واضح ہے کہ شیعہ مذہب میں حدیث کا مدار کتب کے گرد نہیں اپنی خاص شخصیات کے گرد گھومتی ہے۔ ان کے ہاں علماء اور مجتہدین کا درجہ کتب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ پھر ان کے ہاں کسی فوت شدہ کی تقلید بھی درست نہیں۔ جس پر گذشتہ قوموں کی ان پر کی ذمہ داری آئے۔ ہر زندہ مجتہد مقلدین کا سردار ہوتا ہے اور اسی بیان کے سامنے دین و مذہب کا مدار ——— شیعہ طلبہ کی راہنمائی کے لئے ہم نے اُن کے طور کا خاکہ پیش کیا ہے۔

زندہ علماء میں اتفاق رہے تو انہیں کتابوں سے زیادہ اہمیت دی جا سکتی ہے لیکن اگر یہ اختلاف راہ پا جائے اور علماء مختلف فرقوں میں بٹ جائیں تو پھر صرف کتابیں فیصلہ کن رول ادا کر سکتی ہیں۔ پہلے دور میں نسخوں کی قیمت عجیب تھے۔ اس زمانے میں زبانی حفظ پر بہت کام کیا جاتا تھا لیکن اس زمانے میں جو نشر و اشاعت اور طبع و اعراض کا دور ہے اور ظاہر ہے کہ کئی علماء بھی اس شعور کے سوا اگر کسی قوم کو زندہ علماء کے سپرد کر دیا جائے اور انہیں ان کی تقلید کا پابند کیا جائے اور پچھلوں کی پیروی کو ذوامات الصفحات المفتوح کی نذر کر دی جائے تو پھر قوم نہایت قابل رحم ہوگی۔ پھر جیسے دور میں جب ان کے موجودہ مسائل کا تواتر پہلے قدماء سے ٹوٹ چکا ہو جیسا کہ ملا باقر مجلسی کی رائے ہے تو پھر یہ منزل قوم کے لئے کس قدر اذیت ناک ہو سکتی ہے یہ آپ سوچیں اور پھر اس کے سوا چارۂ کار نہیں کہ صبر کر کے حضرت امام مہدی کا انتظار کریں۔

طرف سے صادر ہوں تو یہ وحی قرآن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اقوال تو یہ حدیث ہے۔ سو حدیث بھی شان اعجاز رکھتی ہے اور اسے کسی پہلو سے غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا لفظاً یہ معجز نہیں تاکہ قرآن کریم کی شان اعجاز واضح رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآن کے مقابل مشرکین سے نظیر مانگی اپنے الفاظ کو آپ نے کبھی بے مثل نہ ٹھہرایا نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ یہ حد اعجاز کو چھو رہے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ جوامع الکلم سے نوازے گئے اور انسانی کلام فصاحت اور بلاغت کی جس بلندی تک جا سکتا ہے آپ اس میں بات کہتے تھے اور اس پہلو سے آپ کی بات بہت جامع ہوتی تھی۔

اسلوب بیان حالات کے آئینہ میں

انسان کی زندگی طرح طرح کے حالات سے گزرتی ہے۔ کہیں انسان غموں میں گھرا ہوتا اور کہیں خوشی کی لہروں میں گھومتا ہے۔ یعنی غم کے وقت اس سے خوشی کی بات نہیں نکلتی اور عین خوشی میں اس کے الفاظ کبھی غم آلود نہیں ہوتے۔ اس کا اسلوب گفتگو اس کے حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے اور اس کے خیالات کا مظہر ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اترتا تو اس کا اسلوب بیان اپنا ہوتا تھا۔ یہ کلام معجز تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات خوشی یا غمی سے گزرتے اور آپ کا لہجہ تکلم اس کے مطابق ہوتا۔ آپ کے الفاظ میں آپ کے حالات کی جھلک ہوتی، پھر کبھی اچانک قرآن کریم کا نزول ہوتا جس کا پیرایہ آپ کے حالات سے بالکل مختلف ہوتا۔ سننے والوں کو اس کے کلام الٰہی ہونے کا اور یقین ہوتا کہ اگر یہ واقعی آپ کا اپنا بنایا کلام تھا تو آپ کے خوشی یا غمی کے حالات اس میں کیوں نہیں جھلکتے۔ انہیں اسلوب حدیث اور اسلوب قرآن میں واضح فرق محسوس ہوتا تھا اور انہیں جب ایک ہی شخصیت سے دو مختلف اسلوب ملتے تو یہ وہ سچائی ہے جو مخالف سے مخالف سے بھی اپنا لوہا منوائے بغیر نہ رہتی اور وہ بے اختیار کہنے لگتے، ہو سکتا ہے یہ کسی جن کا کلام ہو، جو آپ کے کلام سے بالکل جدا اسلوب رکھتا ہے، وہ اپنے پہلے خوف

(۳) عمل دیانت پر ہو تو انسان کسی کی امانت اور اس کے حق میں خیانت نہیں کرتا۔
ظاہر ہے کہ نفاق کے موضوع بھی ثبت ہو گئے۔ زبان، نیت، اور عمل۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے منافق کی علامات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

آیۃ المنافق ثلث: اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان (بخاری)

منافق کی تین نشانیاں ہیں، بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو اُس کے خلاف کرے (پہلے
سے نیت ہو کہ پورا نہ کرونگا) اور جب اُسکے پاس کسی کی امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے۔
جس شخص میں ان میں سے کوئی عیب ہو۔ اس میں یہ علامت نفاق ہے اور جس میں
یہ سب صفات پائی جائیں اس کے پکا منافق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس حدیث کو
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب الایمان میں لائے ہیں، کتاب الادب میں نہیں۔

اس حدیث نے کس طرح نفاق کے مقدمین کا احاطہ کیا ہے۔ یہ آپ کے ملاحظے اس
جامعیت سے بات کرنا آپ کو کلام جامع عطا ہونے کا بڑا مطلب حدیث ہے۔

۳۔ انسان خواہشات کا پتلا ہے۔ اپنی چیز دوسروں سے محبوب کر رکھتا ہے اپنے خیال
رائے کو بہتر سمجھتا ہے۔ خواہش نفسانی صوری اپنے کو محبوب کر رکھتا (عقل) اور ہر بات
میں نیچی ڈالے دیتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک اور
قدغن نہیں لگائی، یہ فرمایا کہ اس میں خواہش نہ اُبھرے۔ بقدر عقل نہ اُبھرے اور وہ
ہر بات میں اپنے تاثر نہ دے۔ آپ نے فطری تقاضوں پر بندش نہیں لگائی۔ فرمایا:

اما المھلکات فھوی متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسہ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: انسان کو ہلاک کرنے والی چیزیں تین ہیں۔ خواہش جب اس کی پیروی
کی جائے۔ بخل جب انسان اس پر عمل کرنے لگے اور جب انسان اپنی رائے کو اچھا سمجھے۔

غور کیجئے کہ خواہش پر نہیں اس کی اتباع پر ہے۔ بخل پر نہیں اس کی پیروی پر ہے
اپنے پر نہیں، اس کے اعجاب پر ہے۔ اتنا محتاط اور جامع کلام صاحب جوامع الکلم
کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے۔ یہ مہلکات کا بیان تھا۔ اب منجیات کو بھی دیکھیے:

انسانی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ پرائیویٹ زندگی اور پبلک زندگی۔ پھر ہر شخص کی زندگی پر دو حالتیں ضرور آتی ہیں۔ کبھی رضامندی، کبھی غصہ اور پھر کبھی آسودگی اور پھر کبھی تنگی۔ زندگی کا کوئی حصہ ہو۔ پرائیویٹ یا پبلک، اللہ کا ڈر ہر حال میں ہونا چاہیے اور پھر رضامندی ہو یا غصہ۔ بات ہمیشہ حق ہونی چاہیے۔ اور حالت آسودہ ہو یا احتیاج کی میانہ روی ہر حال میں بہتر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما المنجیات فتقوی اللہ فی السر والعلانیۃ والقول بالحق فی الرضا والسخط والقصد فی الغنی والفقر۔ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: منجیات (نجات دلانے والی اشیاء) باطن اور ظاہر میں اللہ سے ڈرنا ہے۔ خوشی اور خفگی ہر حال میں حق بات کہنا ہے اور دولت مندی ہو یا تنگی ہر حال میں میانہ روی اختیار کرنا ہے۔

۲۔ ادائی طاعت کا اسلوب: آپ نے فرمایا:

کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ (صحیح بخاری)

اسماء بنت عمیس کہتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بئس العبد عبد تخیل واختال ونسی الکبیر المتعال وبئس العبد عبد تجبر واعتدی ونسی الجبار الاعلی وبئس العبد عبد سہا ولہا ونسی المقابر والبلی وبئس العبد عبد عتا وطغی ونسی المبتدا والمنتہی بئس العبد عبد یختل الدنیا بالدین وبئس العبد عبد یختل الدین بالشبہات بئس العبد عبد طمع یقودہ بئس العبد عبد ہوی یضلہ وبئس العبد عبد رغب یذلہ۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) برا بندہ وہ ہے جو اپنے خیال میں لگا رہے اور اپنے کو بڑا سمجھے اور اللہ تعالیٰ برتر و بالا کو بھول جائے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو سختی کرے اور حد سے نکلے اور جبار اعلیٰ کو بھول جائے (کمزوروں پر بھی سختی کر بیٹھا ہے) ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو اطاعت الٰہی سے غافل ہو اور لایعنی میں مشغول ہو اور بھول جائے قبروں کو اور گلنے سڑنے کو ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو تکبر کرے اور سرکش ہو اور اپنے اول اور آخر کو بھول جائے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو دین کو دنیا کے ذریعہ طلب کرے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جو دین کو شبہات کے ساتھ طلب کرے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جس کو طمع کھینچتا رہے ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جس کو خواہش نفس راستے سے بھٹکا رکھا ہو ـــــ اور برا بندہ وہ ہے جس کو اس کی رغبتیں (خواہشات) ذلیل کرا رہی ہیں ـــــ اور ایسا قال ہے

آپ نے اس حدیث میں برے لوگوں کے نو عنوان ذکر فرمائے۔ نو سب سے بڑا عدد ہے۔ ان عنوانوں میں سے ہر ایک ادبی پارہ ہے اور بلاغت بیانی کا ایک اچھلتا فوارہ ہے۔ حدیث کا یہ ادبی اسلوب معاشرے کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ احکام کی احادیث میں بات کی وضاحت آپ کے پیش نظر ہوتی ہے لیکن نصائح کے موقع پر بات کی صحت کے علاوہ آپ کی قوت تاثیر بھی اسلوب میں لپٹی ہوتی ہے۔

۳۔ مثال دیگر بات کو واضح کرنا اور شرعی امور کے کوئی نقشے سامنے لے آنا۔ یہ آپ کا ایک پیرایۂ ہدایت تھا عرب کے امیوں میں اس خاص نہج پر کلام کرنے کی بہت ضرورت تھی۔ آپ نے دقیق فلسفیانہ کلام کی بجائے عام اور فطری پیرایہ بیان اختیار فرمایا آپ کی زیادہ توجہ اس پر ہوتی تھی کہ حق کس طرح حق تعالیٰ کے بندوں میں آ جائے اور ان کے دل و دماغ اسلام کی اس فطری روشنی سے منور ہو جائیں۔ اسلوب حدیث کے اس دائرہ کو ہم امثال الحدیث کے عنوان سے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ دراصل اسلوب حدیث کا ہی ایک پیرایہ ہے۔

امثال الحدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدایت کے مختلف پہلوؤں کو کبھی مثالوں سے بھی واضح فرمایا۔ مثال سے بات ذہن میں پوری طرح جم جاتی ہے اور آسان ہو جاتی ہے۔ مثال اور مثل لہ میں ہر جہت سے مطابقت نہیں ہوتی جس غرض سے مثال دی جائے صرف اس جہت سے مطابقت کافی سمجھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بندوں کی رعایت کرتے ہوئے قرآن کریم میں بہت سے مضامین مثالوں سے واضح فرمائے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے :۔

وللہ المثل الاعلیٰ وھو العزیز الحکیم[1]

ترجمہ۔ اللہ کی مثال سب سے اوپر ہے اور وہ ہے زبردست حکمت والا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی علمی اور ادبی راہ پر چلے۔ بہت سے مقامات پر آپ نے اپنی بات مثالوں سے واضح فرمائی۔ سلیم بن عامر تابعی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نصرت بالرعب واوتیت جوامع الکلم واوتیت الحکمۃ وضرب لی من الامثال مثل القرآن۔

ترجمہ۔ میری (الٰہی) رعب سے مدد کی گئی۔ مجھے جامع کلمات دیئے گئے، میں حکمت دیا گیا اور جیسے قرآن میں مثالیں ہیں مجھے بھی مثال سے بیان کرنا عطا کیا گیا۔

---

[1] پ ۱۴ سورۃ النحل آیت ۶۰ [2] امثال الحدیث للرامہرمزی ص ۔۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ (م ۶۵ ھ) وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حدیث لکھنے کی اجازت حاصل کرلی تھی اور حدیث لکھنی شروع کردی تھی۔ آپ کہتے ہیں: حفظت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الف مثل۔[1]

ترجمہ: میں نے آپ سے ایک ہزار مثالیں یاد کر رکھی ہیں۔

محدثین میں امثال حدیث ایک خاص موضوع سمجھا جاتا ہے۔ قاضی ابو محمد حسن (م ۳۶۰ ھ) جیسے بلند پایہ محدثین نے اسی دور میں اس موضوع کو اپنایا اور اس پر کتابیں لکھیں۔ یہ وہ باب حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی اور ادبی پیرایۂ بیان کھل کر سامنے آتا ہے اور آپ کے بیان اور مثالوں کے تحت تشبیہ اور مشبہ بہ کے لطیف حسی اور معنوی فاصلے بات کی انتہائی سطح کو عملی طور پر سامنے لے آتے ہیں۔ اور علماء اور طلباء، فصیح العرب والعجم کے مثالی و اسلوب مثال پیرایۂ بیان پر چونک اٹھتے ہیں۔ آج کی مجلس میں ہم اس بات کے چند مباحث انہی ائمہ فن کے بیانات کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ فنی نقطۂ نظر سے یہ ایک باب عظیم ہے جس نے علوم اسلامی میں علم معانی اور علم بیان کو ایک مستقل شعبہ کی جگہ دی ہے۔

مثال اول

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاوية من زواياه فجعل الناس يطوفون به ويعجبون منه ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة۔ قال فانا اللبنة وانا خاتم النبيين۔[2]

---

[1] دیکھیے مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۰۳، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۶۳

[2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۵، صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۱، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۲، جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۴

وفی روایۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویقولون ما رأینا احسن من ھذا لولا موضع ھذہ اللبنۃ۔ الا فکنت تلک اللبنۃ۔

ترجمہ۔ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت آراستہ پیراستہ کیا۔ مگر اس کے گوشوں میں سے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ لوگ اسے دیکھنے آتے رہے اور خوش ہوتے رہے اور کہتے کہ یہ اینٹ کی جگہ کیوں خالی رہی ——

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اینٹ میں ہوں اور مجھ سے اس قصر نبوت کی تکمیل ہوئی؛ اور میں ہوں نبیوں کو ختم کرنے والا (خاتم النبیین)۔

اس مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر نبوت کے دو مرحلے ذکر فرمائے (۱) بنی بنیانا (اس کی تعمیر) (۲) فاحسنہ واجملہ (اس کی تحسین و تجمیل) عمارات بھی دو مرحلوں سے گزرتی ہیں۔ پہلے مکان بنتا ہے پھر اس کی تحسین و تجمیل Decoration ہوتی ہے۔ یہ وال پیپر کی صورت میں ہو یا سفیدی کی صورت میں۔ یہ مرحلہ مکان بننے کے بعد عمل میں آتا ہے اور اسی پہ مکان کی تکمیل ہوتی ہے۔

اس مثال میں واضح ہے کہ قصر نبوت کی ہر پہلو سے تکمیل ہوئی ہے۔ تشریعی پہلو سے بھی اس کی تعمیر مکمل ہوئی اور غیر تشریعی نبوتوں کی تحسین و تجمیل بھی ہو چکی۔ نبوت کا محل ماسوائے ایک اینٹ کے ہر پہلو سے مکمل تھا۔ خالی اینٹ کی جگہ آپ نے پر کی فرمایا ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی وہ میرے آنے سے پُر ہو گئی۔ یہ آخری اینٹ اپنی ذات میں ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہے کسی مزید تجمیل کی محتاج نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قصر نبوت کے کامل و مکمل و تکمیل بخشنے والے ہیں۔ آپ نے جس مثال سے اپنے پر نبوت کا ختم ہونا بیان کیا ہے۔ یہ ہر نبوت کے ختم کا بیان ہے۔

جو نبوتیں نئی شریعت لاتی ہیں ان سے قصر نبوت کی تعمیر ہوتی ہے اور جو غیر تشریعی انبیاء ان شرائع پر لوگوں کو چلاتے ہیں۔ ان سے ان شرائع کی تحسین و تکمیل ہوتی ہے وہ سابقہ تشریعی نبوت کا آگے کار ہوتے ہیں۔ ان کے وجود سے اس سابقہ نبوت کا فیضان آگے چلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں نبوت کے دونوں سلسلوں کو لپیٹ لیا کہ اب آپ کے بعد کوئی تشریعی نبی یا غیر تشریعی نبی جو پچھلے فیضان کو آگے لے کر چلے ہرگز پیدا نہ ہوگا۔ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ پر ہر پہلو سے نبوت ختم ہو چکی۔ آپ یہاں بندوں پر خدا کی آخری حجت ہیں۔ آپ کے بعد کوئی سلسلہ وحی کا آغاز نہیں۔

غیر تشریعی نبی بھی اپنے وقت میں خدا کی حجت ہوتا ہے اور اس پر وحی بھی آتی ہے جب یہ حجت ہی ختم ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ کے بندوں پر آخری حجت ٹھہرے اور سلسلہ وحی ہی منقطع ہو گیا تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی کبھی پیدا نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں ختم نبوت کو کس وضاحت سے پیش کیا ہے۔ اسے مشہور محدث قاضی ابو محمد الحسن (۱۰ ۳ھ) کے الفاظ میں سنیئے۔

قال ابو محمد هذا مثل نبوته صلی الله علیه وسلم وانه خاتم الانبیاء وبه تم حجة الله عز وجل علی خلقه ومثل ذلك بالبنیان الذی یشد بعضه بعضا وهو ناقص الکمال بنقصان بعضه فاکمل الله به دینه وختم به وحیه۔[1]

ترجمہ۔ میں کہتا ہوں یہ آپ کی نبوت کی مثال ہے اور آپ بے شک خاتم النبیین ہیں اور آپ کی ذات سے اللہ عزوجل کی حجت بندوں پر تمام

---

[1] امثال الحدیث للرامہرمزی صفحہ مطبوعہ بمبئی ہند

ہوئی۔ آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں۔ اور مثال سے ایک تعریف دی گئی ہے۔ یعنی کہ، جو ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں پھر بھی کمی ہو تو اس تعمیر کی تکمیل نہیں ہوتی۔ (۱) اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے دین کو مکمل کیا اور (۲) اور آپ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا۔

مثال دوم

ترجمہ: سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ضرب اللہ مثلاً صراطاً مستقیماً وعن جنبتی الصراط سوران فیہما الابواب مفتحۃ وعلی الابواب ستور مرخاۃ وعند رأس الصراط داع یقول استقیموا علی الصراط ولا تعوجوا وفوق ذلک داع یدعو کلما ہم عبد ان یفتح شیئاً من تلک الابواب قال ویحک لا تفتحہ فانک ان تفتحہ تلجہ ثم فسرہ فاخبر ان الصراط ہو الاسلام وان الابواب المفتحۃ محارم اللہ وان الستور المرخاۃ حدود اللہ وان الداعی علی رأس الصراط ہو القرآن وان الداعی من فوقہ ہو واعظ اللہ فی قلب کل مؤمن[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال ایک راہ سے دی ہے جس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں، ان میں دروازے کھلے ہیں، اور دروازوں پر پردے لٹکے ہیں۔ راستے کے سرے پر ایک پکارنے والا کہہ رہا ہے۔

---

[1] رواہ احمد والبیہقی عن النواس بن سمعان ورواہ رزین عن عبداللہ بن مسعودؓ کما فی المشکوٰۃ ص۳۱ ورواہ القاضی ابو محمد الحسن عن النواس بن سمعان کما فی الشفا بحدیث ص۲۱

رستے پر سیدھے چلے آؤ، ادھر ادھر نہ مڑنا۔ اور اس کے اوپر ایک
اور آواز دینے والا ہے۔ جب بھی کوئی انسان ان دروازوں میں سے
کسی دروازے کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تیری بربادی
اسے نہ کھول، اگر تو اسے کھولے گا تو اس میں پھنس کر رہ جائے گا۔ پھر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر بیان فرمائی، آپ نے کہا:
راہ سے مراد اسلام ہے، کھلے دروازوں سے مراد اللہ کی حرمتیں ہیں۔
(یعنی امور کو اللہ تعالیٰ نے ناقابل عبور ٹھہرایا ہے) لٹکے ہوئے پردوں سے
مراد اللہ کی حدیں ہیں (جنہیں پھاندنے کی اجازت نہیں) راہ (صراط)
کے سرے پر پکارنے والا قرآن ہے اور اس کے اوپر آواز دینے والی
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ناصحانہ آواز ہے جو ہر قلب مومن پر
دستک دے رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرمائی
ہے۔ آپ نے اس کے دونوں طرف دیواریں ذکر کیں جن کے درمیان اللہ کی حدیں
لٹکی ہیں اور انسان حرام کا مرتکب ہوتا ہے۔ صراط مستقیم پر چلنا ان سے بچ کر ہی
میسر آسکتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم طلب کرنے
کی ہدایت کی ہے اور اس میں مغضوب علیہم اور ضالین سے بچ کر نکلنے کی بھی ہم دعا
مانگتے ہیں ـــــ جو امور اکابر اسلام میں اجتہادی طور پر مختلف ہوگئے۔ وہ ان
اختلافات کے باوجود پوری وسعت سے صراط مستقیم میں ہی شامل رہیں گے
جو بچنے کی حدود ہیں وہ حرام و حلال کے فاصلے ہیں ان میں انسان اجتہاد میں نہیں
اور جانچ کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ اجتہاد ممنوع نہیں ہے خروج ممنوع ہے
اجتہاد کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت نہیں فرمائی۔ اس میں خطا بھی ہو

جائے تو مجتہد مخطی کو اس پر ماجور بتایا۔ لیکن اعوجاج کی حضورؐ نے مذمت فرمائی اور اس سے بچنے کا حکم دیا۔ یہ ٹیڑھی راہوں میں وہ راہیں شمار ہوں گی جو اصولاً مختلف ہوں اور آپس میں حق و باطل کا فاصلہ قائم کریں۔ مسالک اربعہ اپنے تمام اختلافات کے باوجود ایک صراط مستقیم ہیں انہیں ٹیڑھی راہیں کہنا اس حدیث سے کھلا تصادم ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں بھی نقل کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطا عن يمينه وعن شماله وقال هذه سبل على كل سبيل منها شيطان يدعو اليه وقرأ ان هذا صراطي مستقيما[1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کی طرف جانے کی سیدھی راہ ہے۔ پھر آپ نے اس کے دائیں بائیں بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا یہ وہ راہیں ہیں جن میں سے ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا ہے اور وہ لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله (پ الانعام ع ۱۹) اور یہ راستہ ہے میری سیدھی سڑک اس پر چلو اور نہ چلو اور رستوں پر وہ تمہیں جدا کر دیں گے۔

اس حدیث میں دائیں بائیں نکلنے والوں سے اجتہادی فاصلے مراد نہیں اور نہ یہ فاصلے پیش نظر ہیں ورنہ اس حدیث کا حدیث اذا اجتہد فاصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد واخطأ فله اجر واحد[2] سے کھلا تصادم لازم آئے گا۔

پھر اس مثال میں انسان کے ضمیر کو بڑا رفیع مقام دیا گیا ہے۔ پہلا داعی قرآن ہے

---

[1] رواہ احمد والدارمی والنسائی مشکوٰۃ ص ۳۰ [2] رواہ الشیخان مشکوٰۃ ص ۳۲۴

جس کی دعوت انسان کو خارج سے پہنچتی ہے دوسرا اس کی وہ آواز ہے جو انسان کے اندر سے اٹھتی ہے یعنی اس کے ضمیر کی آواز ہے۔ یہ مضراب رب العزت کی طرف سے ہر مرد مومن کے دل پر لگتا ہے۔ غور کیجیے آنحضرت نے کس شان بلاغت سے اسلام کے دین فطرت ہونے کا اثبات فرمایا۔ اور اسے دل کی آواز قرار دیا۔

مثال سوم

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رأیت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان فالنجاء النجاء فاطاعہ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مہلہم فنجوا وکذبت طائفۃ منہم فاصبحوا مکانہم فصبحہم الجیش فاہلکہم واجتاحہم فذلک مثل من اطاعنی فاتبع ما جئت بہ ومثل من عصانی وکذب ما جئت بہ من الحق۱

ترجمہ: میری اور میری رسالت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ایک قوم کے پاس آیا اور کہا میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے اور میں کھلے بندوں اس سے ڈرانے والا ہوں سو جلدی کرو جلدی کرو۔ اس قوم میں ایک گروہ نے اس کی بات مانی اندھیرے میں نکلے اور اسی وقت چل دیئے سو وہ بچ گئے اور ایک گروہ نے اس کی بات صحیح نہ جانی وہ اپنی جگہ ہی رہے یہاں تک کہ لشکر نے انہیں صبحدم جا لیا اور انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں سرے سے ختم کر دیا ——— یہ مثال

---

۱ رواہ البخاری و مسلم مشکوٰۃ ص۲۸

اس کی ہے جس نے مجھے مانا اور میرے پیغام پر عمل کیا اور اس کی جس
نے مجھے نہ مانا اور جو سچائی میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں واضح فرمایا کہ نبی اپنی امت کے حق میں کس قدر مہربان اور سراپا رحمت ہوتا ہے۔ کس طرح وہ انہیں آنے والے خطرے سے آگاہ رکھتا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو اپنی تصدیق قرار نہیں دیا کہ آپ خدا کی طرف سے جو کتاب لے کر آئے اسی کو مانو۔ بلکہ اپنی بتلائی ہوئی ہر بات کو خدا کی طرف سے ایک حجت اور برہان ٹھہرایا۔ آپ نے جس ہونے والے خطرے کی خبر دی اس کو درست ماننا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح آپ کی نبوت کو یا آپ کی لائی کتاب کو ماننا اور تسلیم کرنا ضروری ہے آپ کی حدیث کا ماخذ بھی خدا ہی کی ذات ہے۔

مثال چہارم

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارا فلما اضاءت ما حولها جعل الفراش وهذه الدواب التی تقع فی النار یقعن فیها وجعل یحجزهن ویغلبنه فیتقحمن فیها فانا آخذ بحجزکم عن النار وانتم تقحمون فیها۔[1]

ترجمہ۔ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی جب آگ نے پورا ماحول روشن کر دیا تو پروانے اور زمین کے جانور جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے۔ وہ شخص انہیں بچاتا رہا مگر وہ اس پر غالب آ گئے اور آگ میں گرتے رہے۔ میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر آگ سے بچا رہا ہوں اور تم اس میں گھسے جاتے ہو۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم وراجع لہ المشکوٰۃ ص۲

اس میں بھی حضور رحمۃ للعالمین کی شان رحمت نمایاں ہے۔ آپ کی تعلیمات
اور ہدایت آگ میں گرتے انسانوں کو بچا سکتی ہیں بشرطیکہ کوئی آپ کے نسخۂ شفا
کو سمجھے اور اسے عمل میں لائے۔ اس مثال سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی نافرمانی
موجب جہنم ہے اور آپ کی مخالفت کا انجام آگ کے سوا کچھ نہیں۔ آپ کی اتباع خدا کی محبت ہے۔

مثالِ تعلیم

عن ابی موسیٰؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما بعثنی
اللہ بہ من الھدیٰ والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکانت
منھا طائفۃ طیبۃ قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر و
کانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بھا الناس فشربوا وسقوا و
زرعوا واصاب طائفۃ اخریٰ انما ھی قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت
کلاء فذلک مثل من فقہ فی دین اللہ ونفعہ بما بعثنی اللہ بہ
فعلم وعلّم ومثل من لم یرفع بذلک رأساً ولم یقبل ھدی اللہ الذی
ارسلت بہ ــــــ متفق علیہ۔ [1]

ترجمہ۔ میری اور اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے بھیجا ہے کی
مثال اس بھاری بارش کی سی ہے جو کسی زمین پر برسی۔ ایک قطعہ زمین
بہت عمدہ تھا اس نے پانی کو جذب کیا اور گھاس اور تازہ سبزہ اگایا۔
اور ایسی بھی زمین تھی جس نے پانی روک لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں
کی ضرورتیں پوری کیں۔ انہوں نے پیا اور پلایا اور فصلیں اگائیں۔ وہ بارش
ایسی جگہ بھی برسی جو چٹیل تھی نہ پانی روک سکے نہ گھاس اگا سکے ــــ

---

[1] رواہ البخاری ومسلم کما فی المشکوٰۃ ص۲۸

کے لیے ماوراں پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں۔

مثال ششم

عن جابر قال جاءت ملائکۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو نائم فقال
بعضھم انہ نائم وقال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظان فقالوا
ان لصاحبکم ھذا مثلاً قال فاضربوا لہ مثلاً ... فقالوا مثلہ کمثل
رجل بنی داراً وجعل فیھا مأدبۃ وبعث داعیاً فمن اجاب الداعی
دخل الدار واکل من المأدبۃ ومن لم یجب الداعی لم یدخل
الدار ولم یاکل من المأدبۃ فقالوا اولوھا لہ یفقھھا فقال بعضھم
انہ نائم وقال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظان۔ فقالوا
فالدار الجنۃ والداعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فمن اطاع محمداً
صلی اللہ علیہ وسلم فقد اطاع اللہ ومن عصی محمداً صلی اللہ علیہ وسلم
فقد عصی اللہ ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم فرق بین الناس۔[1]

ترجمہ۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ایک مرتبہ سو رہے تھے کہ آپ کے پاس فرشتے آئے۔ ایک کہنے لگا آپ
سوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا آپ کی آنکھ تو سوتی ہے لیکن دل جاگتا ہے
پھر انھوں نے کہا۔ آپ کے اس صاحب کے لیے ایک مثل ہے جو آپ کے
خیال لاؤ ... پھر کہا آپ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے گھر بنایا، اس میں
ایک دسترخوان بچھایا، اور ایک بلانے والے کو بھیجا (جو لوگوں کو) یہاں آنے
کی دعوت دے۔ جس نے اس داعی (بلانے والے) کی آواز کو لبیک کہا۔

---

[1] صحیح بخاری کما فی المشکوٰۃ ص۲۷ وروی الترمذی عن ابن مسعود مختصر

وہ گھر میں داخل ہو گیا اور اس نے دعوت میں خوب کھایا اور جس نے داعی
کی بات نہ مانی۔ وہ نہ گھر آیا نہ اس نے کچھ کھایا۔ پھر انہوں نے کہا مراد
کلام واضح کرو تاکہ آپ اسے سمجھ جائیں۔ پھر ایک نے کہا آپ تو سوئے
ہوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا آنکھ تو سوتی ہے مگر آپ کا دل جاگتا ہے۔
پھر انہوں نے کہا گھر سے مراد تو جنت ہے۔ اس کی طرف بلانے والے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو جس نے آپ کی بات مانی اس نے اللہ کی بات
مانی اور جس نے آپ کی نہ مانی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ آپ لوگوں
کے درمیان نقطۂ امتیاز ہیں۔

اس سے ملتی جلتی ایک روایت قاضی ابو محمد الحسن نے بھی روایت کی ہے۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما رہے تھے کہ آپ کے پاس دو فرشتے آئے۔ ایک سر مبارک
کی طرف کھڑا تھا اور دوسرا پاؤں مبارک کی طرف۔ جو سر کی طرف کھڑا تھا وہ میری طرف
جھکا اور کہا آپ کی آنکھ سوتی ہے کان سنتے ہیں اور دل یاد رکھتا ہے۔ حضور سے
تشریح کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ بات اسی طرح ہے۔ جیسا کہ اس نے کہا پھر اس
نے ایک اور مثال دی۔

بركة فيها شجرة نابتة وفي الشجرة غصن خارج فجاء ضارب فضرب
الشجرة فوقع الغصن ووقع معه ورق كثير لا ادري ما وقع فيها اكثر
ام ما خرج منها؟

ترجمہ: ایک تالاب ہے اس میں ایک درخت اگا ہوا ہے اور درخت سے
ایک ٹہنی باہر نکلی ہوئی ہے۔ ایک شخص آیا اس نے درخت پر ایک ضرب لگائی
ٹہنی گر پڑی اور اس کے ساتھ بہت سے پتے گر گئے اور وہ تمام پتے تالاب
میں ہی گرے کوئی باہر نہیں پڑا۔ پھر اس نے ایک اور ضرب لگائی اور اس کے

ساتھ ہی بہت سے پتے گرے کوئی باہر نہیں گرا پھر اس نے تیسری بار ضرب لگائی اور بہت سے پتے گرے میں نہیں جانتا کہ جو پتے اندر گرے وہ زیادہ تھے یا جو باہر گرے وہ زیادہ تھے۔

پھر اس مثال کی اس فرشتے نے جو آپ کے پاس آیا تھا یوں شرح بیان کی۔

اما البرکۃ فہی الجنۃ واما الشجرۃ فہی الامۃ واما الشخص فہو النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما الضارب فملک الموت ضرب الضربۃ الاولی فی القرن الاول فوقع النبی صلی اللہ علیہ وسلم واہل طبقتہ وضرب الثانیۃ فی القرن الثانی فوقع کل ذلک فی الجنۃ ثم ضرب الثالثۃ فی القرن الثالث فلا ادری ما وقع فیہا اکثر او ما خرج منہا۔

ترجمہ: تالاب سے مراد جنت ہے اور درخت سے مراد امت ہے شخص سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس شخص سے جس نے ضرب لگائی مراد ملک الموت ہے اس نے قرن اول میں پہلی ضرب لگائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عہد کے لوگ اس سے جھڑ کر اور جنت میں گرے پھر اس نے دوسرے قرن میں دوسری ضرب لگائی تو بھی سب پتے جنت میں گرے۔ پھر اس نے تیسری ضرب لگائی۔ اس پر نہیں کہا جا سکتا کہ باہر گرنے والے پتے زیادہ تھے یا اندر گرنے والے۔

صحابہؓ کے پاس یہ مثال کس نے بیان کی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کو یہ باتیں کرتے کس نے سنا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ——— آپ نے ان کی باتوں میں سے کسی کی تردید کی؟ نہیں ——— سو یہ ساری مثل ہمارے لیے ایک حدیث کے درجہ میں ہے۔ اس حدیث سے یہ دو باتیں مزید واضح ہو گئیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سوتے تو آنکھ سوتی تھی دل نہ سوتا تھا دل بیدار رہتا تھا

طرح بیدار رہتا اور اسے اپنے مجملا حوال بدنیہ کی خبر رہتی ——— وضو ہے یا نہیں
اس کا پورا دھیان رہتا ——— آپ کے پاس کوئی بات کرے تو آپ اسے سنتے
اور سمجھتے ——— گو اس وقت ظاہراً سوئے ہوتے تھے ——— عام انسان نیند کی
حالت میں دوسروں کی باتیں نہیں سن پاتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن لیتے تھے۔
اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سماع مبارک دوسرے لوگوں کی طرح
نہیں۔ اس میں آپ کا دل پوری طرح بیدار رہتا تھا ——— نیند صورت کی ہوتی ہے
——— سو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات بھی یہ شان سماع حاصل ہو تو تعجب نہیں
روضہ مبارک کے پاس آپ پر درود بھیجا جائے تو آپ اسے سن لیتے ہیں اور دور
سے پڑھا جائے تو پھر فرشتے اسے حضورؐ کے پاس پہنچاتے ہیں۔

۲۔ اس مثال سے یہ واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بہترین زمانہ تھا پھر
تابعین کا دور ——— پھر تیسرے دور میں لوگ اس نہج پر نہ رہے جھوٹ پھیلنے
لگا اور اللہ کا خوف دلوں سے جاتا رہا ۳۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ
سب کے سب جنت میں گئے ان میں ایک بھی نہیں جس کا پتہ اس تالاب درخت لگا
حدود سے باہر گرا ہو۔ یہ سب لوگ اپنے وقت میں خیر امت تھے اور دوسروں کے لیے
یہ دین حق کا کھلا نشان تھے۔

مثال بستم

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے عرض کیا آپ نرم بستر پر
آرام فرمایا کریں۔ سخت چٹائی سے بدن مبارک پر نشان پڑ جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مالی وللدنیا؛ انما مثلی ومثل الدنیا کمثل راکب مر بارض فلاۃ فرای

بالشجرة فاستظل تحتها ثم راح وترکها[1]

ترجمہ: میں کیا اور یہ دنیا کیا ـــــ میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی سی ہے جو کسی صحرا سے گزرا، ایک درخت دیکھا، اور وہ اس کے سائے تلے جا بیٹھا پھر چلتا بنا اور اس نے اسے چھوڑ دیا۔

یہ مثال دنیا کو جلد چھوڑنے کی ہے اس میں بتلایا گیا کہ یہاں کی لذتیں اور راحتیں سب عارضی ہیں جو پیدا ہوا مرنے کے لیے اور جو عمارت بنی گرنے کے لیے ہر ایک نے فنا کی گھاٹی پر آنا ہے اور یہاں کی ہر لذت کو چھوڑ جانا ہے۔ حضورؐ نے دنیا کو ایک اور مثال سے واضح فرمایا۔

مثال ہشتم

ما الدنیا فی الآخرة الا کما یضع احدکم اصبعه فی الیم فلینظر بم ترجع الیه[2]

ترجمہ: آخرت کے مقابلہ میں دنیا اس طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی دریا میں رکھے وہ دیکھے کہ انگلی پر کتنا پانی لگا۔

مثال نہم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انما اجلکم فی اجل من خلا کما بین صلوٰة العصر الی مغرب الشمس وانما مثلکم ومثل الیهود والنصاریٰ کرجل استعمل عمالاً فقال من یعمل لی الی نصف النهار علی قیراط قیراط فعملت الیهود الی نصف النهار علی قیراط قیراط ثم قال من یعمل من نصف النهار الی صلوٰة العصر علی قیراط

[1] رواہ الترمذی و ابن ماجہ، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۱، مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۱۰ [2] رواہ مسلم، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۲۹

قیراطین ثم قال من یعمل من صلاۃ العصر الی غروب الشمس علی قیراطین

قیراطین، الا لکم الاجر مرتین قال فغضبت الیہود والنصاریٰ فقالوا

نحن اکثر عملاً واقل عطاءً قال، اللہ عز وجل ھل ظلمتکم من حقکم

شیئاً قالوا لا قال فانہ فضلی اعطیہ من شئت[1]

ترجمہ: تمہاری عمر پہلی امتوں کی نسبت ایسے ہے جیسے عصر اور مغرب کے درمیان کی مدت ـــــ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص نے مزدور طلب کیے اور کہا کون کون دوپہر تک کام کرے گا ایک ایک قیراط مزدوری لے کر؟ یہود ایک ایک قیراط پر کام کرتے رہے۔ مالک نے پھر کہا کون کون دوپہر سے عصر تک قیراط قیراط پر کام کرے گا؟ سو نصاریٰ دوپہر سے عصر تک کام کرتے رہے۔ پھر اس نے کہا کون کون عصر سے مغرب تک دو دو قیراط مزدوری پر کام کرے گا؟ سو مسلمانو! خبردار وہ تم ہو، تمہیں دگنی مزدوری ملی، اس پر یہود و نصاریٰ غصے میں آگئے اور کہا ہم نے کام زیادہ وقت کیا اور مزدوری ہمیں کم ملی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے کوئی تمہارا حق چھینا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سو یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔

اس سے پتہ چلا کہ امت محمدیہ اللہ رب العزت کے ہاں بہت عزت یافتہ اور محبوب امت ہے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کا ہر دور بالخصوص صحابہ کرام کا دور بہت بہتر (خیرِ امت) ہوں، دوسرے لوگوں کے لئے نشانِ راہ ہوں (اُخرِجت للناس) اور لتکونوا شہداء علی الناس کی شان سے ممتاز ہوں اور ان سب امور کی تصدیق قرآن کریم میں موجود ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی و احمد جلد ۲ صفحہ ۶ واخرجہ البخاری فی الاجارۃ والبیہقی جلد ۶ صفحہ ـــ

مثال دہم

حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا۔

انما بقی من الدنیا بلاء و فتنۃ۔ انما مثل عمل احدکم کمثل الوعاء اذا طاب اعلاہ طاب اسفلہ واذا خبث اعلاہ خبث اسفلہ[1]

ترجمہ۔ دنیا میں تو بس آزمائشیں ہی رہ گئی ہیں ـــ تم میں سے ہر ایک کے عمل کی مثال اس برتن کی سی ہے جس کا اوپر کا حصہ ستھرا ہو تو اس کا نچلا حصہ بھی ستھرا ہوگا اور جب اس کا اوپر کا حصہ گندا ہو تو نچلا حصہ بھی گندا ہوگا۔

اس مثال میں بتایا گیا ہے کہ اعمال کی جزا آخرت میں گو حسب نیات ہوگی لیکن یہاں دنیا میں ظاہر کر دیکھا جائے گا جن اعمال کا ظاہر اچھا ہوگا اندر کی اچھائی بھی انہی کی ہوگی۔ ظواہر اعمال، بواطن الامور سے جدا نہیں رہ سکتے ـــــ یا یوں کہیے جو اعمال اپنے مبادی میں اچھے ہوں انجام بھی انہی کا اچھا ہوگا۔

برتنوں میں چیزیں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ اعمال گو اپنی ذات میں اعراض ہیں اور واقع ہوتے ہی ان کا نشان مٹ جاتا ہے لیکن جزا کے لیے انہیں محفوظ رکھا جاتا ہے ورنہ حساب کے دن تولے جائیں گے۔

مثال یازدہم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۵ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان رجلا کان فیمن کان قبلکم استضاف قوما فاضافوہ ولھم کلبۃ

---

[1] دیکھیے مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۹۴، سنن ابن ماجہ صفحہ

سے سکھتا ہے

إن مثل المدهن في أمر الله كمثل رهط ركبوا سفينة فاقترعوا على المنازل فيها فأصاب بعضهم أعلى السفينة وأصاب بعضهم أسفلها فاطلع أحد من الذين أعلى السفينة فإذا بعض من في أسفلها يخرقها. قال ما تصنع يا فلان؟ قال أخرق مكانا فأستقي منه — فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فإن أخذوا على يديه نجى ونجوا وإن تركوه يخرقها غرق وغرقوا۔[1]

ترجمہ۔ اللہ کے دین میں مداہنت کرنے والے (دب کر دینی کو آرام سے برداشت کرنے والوں) کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے اور قرعہ کی بنا پر مختلف منازل میں آ بیٹھے۔ کچھ اوپر کے حصہ میں بیٹھے اور کچھ نیچے کے حصے میں۔ اوپر کے حصہ میں جو لوگ تھے ان میں سے کسی نے کسی نیچے والے کو کشتی میں سوراخ کرتے دیکھا — اس نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا مجھے پانی چاہیے اس لیے میں سوراخ کر رہا ہوں — اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر انہوں نے اس کو ایسا کرنے سے روک دیا تو وہ بھی بچ گیا اور یہ بھی بچ گئے اور اگر انہوں نے ایسا کرنے سے نہ روکا تو وہ بھی ڈوبا اور یہ بھی ڈوبے۔

اس مثال میں بتایا گیا ہے کہ یہ امت ایک جسم واحد کی طرح ہے۔ اس کے جملہ افراد ایک کشتی میں سوار ہیں۔ کنارہ سے جا لگنا یا ڈوبنا سب کے لیے یکساں رہے گا۔ جو بھی کسی نادان نے کوئی نادانی کی اس کی سزا ساری امت پر آئے گی۔ — سو باقی افراد امت کا فرض ہے کہ جو بھی کوئی اس کشتی میں سوراخ کرنے لگے وہ اپنی قوت ذمہ داری سے کام لیں اور اسے ہر ممکن طریق سے روکیں۔ یہ نہ کہیں کہ ہر شخص اپنے عملوں کا

---

[1] رواہ البخاری والترمذی واحمد جلد ۴ صفحہ ۲۶۹، ۲۷۰

ترجمہ۔ پانچ نمازوں کی مثال ایسی دریا کی سی ہے جو تمہارے دروازے کے پاس سے گزرے کہ تم اس میں ہر روز پانچ دفعہ غسل کیا کرو۔ کیا ایسی کے بعد اس میں کوئی آلائش باقی رہ سکتی ہے۔

اس میں بتایا گیا کہ نماز چھوٹے درجے کے گناہوں کا کفارہ بنی رہتی ہے۔ جس طرح غسل سے میل کچیل اترتا ہے نماز سے گناہ اترتے ہیں ـــــ جاری پانی میں کچھ پڑے وہ پاک رہتا ہے۔ نماز میں کتنے وسوسے اور خیالات کیوں نہ آئیں وہ نماز کی نہر جاری کو گدلا نہیں کرسکتے۔ گو کوشش ہونی چاہیئے کہ ایسا نہ ہو۔

مثال پانزدہم

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل الجلیس الصالح کمثل صاحب المسک ان لم یصبک منہ شیء اصابک من ریحہ ـــــــــ ومثل الجلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبک من سوادہ اصابک من دخانہ ـــــ وفی روایۃ کمثل صاحب الکیر ان لم یصبک من شرارہ اصابک من ریحہ۔[1]

ترجمہ: نیک ساتھی کی مثال کستوری والے کی سی ہے اگر وہ تمہیں تحفے تو خوشبو اسکی تو تم پا ہی لوگے۔ اور برے ساتھی کی مثال ایسا بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے کہ اگر تمہارے کپڑوں کو سیاہ نہ کرے تو اس کا دھواں تو تمہیں مل ہی جائے گا دوسری ہدیہ تو تمہیں جل کر ہی رہے گی۔ ـــ ایک روایت میں ہے: برے ساتھی کی مثال بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے کہ اگر اس کی چنگاریاں تمہیں نہ آئیں اس کی ہوا تمہیں پہنچ کر رہے گی۔

---

[1] رواہ ابوداؤد وغیرہ صفحہ [illegible] سے روایۃ بخاری ومسلم احمد و ابویعلی والحاکم جلد ۴ صفحہ [illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو توجہ دلائی کہ بُری صحبت سے بچو۔ صحبت
کے اثرات غیر شعوری طور پر بھی اثر کرتے ہیں۔ جو شخص یہ سمجھے کہ میں بُرے ماحول سے
محفوظ رہ پاؤں گا۔ یہ ایک بڑا دھوکہ ہے جس پر پورا اترنا ہر کسی کے بس میں نہیں ——
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی متنبہ فرمایا کہ جیسے عطر فروش کے اثرات بلا خرید
بھی اثر کرتے ہیں تو جو لوگ حضورؐ کی صحبت میں خوب اور بیٹھے ان پر اس پاک
صحبت نے کیا لازوال اثرات چھوڑے ہوں گے۔ اس پر صحابہ کرامؓ کے مقام کا اندازہ
کر لیجئے پھر کیا کوئی پوری امت میں سے ان کے مقام کو پہنچ سکتا ہے۔

مثال شانزدہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری اور تمہارے
اہل و مال اور عمل کی شان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

انما مثل احدكم ومثل ماله واهله وولده وعمله كمثل رجل
له ثلاثة اخوة فلما حضرته الوفاة دعا بعض اخوته فقال انه
قد نزل من الامر ما ترى فما لي عندك وما لي لديك۔

ترجمہ: تمہاری اور تمہارے مال، اہل و عیال اور عمل کی مثال اس شخص
کی سی ہے جس کے تین بھائی تھے۔ جب اس کی وفات کا وقت آیا
اس نے ایک بھائی کو بلایا اور کہا تم میری حالت دیکھ رہے ہو
—— تجھ سے میں کیا امید رکھوں۔

اس نے جواب دیا —— میں تمہیں غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا اور دوسروں
کے ساتھ مل کر تمہارا جنازہ اٹھاؤں گا، واپس ہونے پر جہاں تیرا ذکر کروں گا اچھائی
سے تیرا ذکر کروں گا —— یہ وہ بھائی ہے جسے اہل و عیال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔
پھر اس نے دوسرے بھائی کو بلایا اور یہی کہا۔ اس دوسرے نے جواب دیا —— میرے
پاس دولت اس وقت تک ہے جب تک تم زندہ ہو تمہاری وفات پر دولت تجھے

چلی جائے گی اور مجھ سے بھی۔ ——— یہ وہ بھائی ہے جسے مال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

پھر اس نے تیسرے بھائی کو آواز دی۔ اس تیسرے نے جواب دیا۔ میں تیرا میں بھی تیرے ساتھ رہوں گا، تیری پریشانی میں تیرا ساتھی ہوں گا جس دن اہل و مال آ کے جائیں گے میں ترازو میں بیٹھوں گا تاکہ تیرا پلڑا بھاری رہے۔ ——— یہ وہ بھائی ہے جسے عمل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ صحابہؓ نے آپ سے پوچھا ——— خیر اخ وخیر صاحب یا رسول اللہ۔ ویا رسول اللہ یہ بہترین بھائی ہے اور بہترین دوست ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا۔ بات اسی طرح ہے جیسے تم کہہ رہے ہو ——— حضرتؐ نے فرمایا۔

یتبع المیت ثلاثة فیرجع اثنان ویبقی واحد یتبعه اهله وماله وعمله فیرجع اهله وماله ویبقی عمله[1]

ترجمہ: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں: دو لوٹ آتی ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہے اہل و عیال، مال اور اس کا عمل ——— اس کے اہل و عیال اور مال تو واپس لوٹ آتے ہیں اور اس کے عمل اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں عمل کے لازوال پہلو کو بیان کیا۔ اعمال انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور یہ وہ رفیق ہے جو کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتا۔ انسان کا ان تینوں میں سب سے بڑا خیرخواہ یہی ہے۔

مثال پنجاہ و ہفتم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من شق عصا المسلمین فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه[2]

ترجمہ: جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے نکل گیا اس نے اسلام کا پٹکا اپنے گلے سے اتار پھینکا۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم والترمذی [2] مسند احمد ومجمع الزوائد ... فی المشکوٰۃ رواہ: ...

حضورؐ نے اس حدیث میں مسلمانوں کی جماعتی زندگی اور ان کے اتفاق و اجتماع کی اہمیت واضح کی ہے اور بتایا ہے کہ مسلمان کو دوسرے مسلمانوں سے کٹ کر نہ رہنا چاہیے۔ بلکہ دیکھنا چاہیے کہ جو ڈگر مسلمین کا معیار رہی ہے۔ اسے اپنی راہ علیحدہ نہ بنانی چاہیے۔ سبیل مومنین کی پیروی کرنی چاہیے۔ مسلمان بھوت آزاد نہیں ہے اس کے گلے میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا پٹکا ضرور ہونا چاہیے —— پٹکا یہ ہے کہ مومن مسلمانوں کے اجماع سے بغاوت نہ کرے۔ اپنی راہ علیحدہ نہ چلے۔ کیوں کہ جو کہ اسلام سے خروج کرنے والا بالآخر اسلام سے ہی نکل جاتا ہے۔

اس حدیث میں پٹکے کے لیے ربقہ کا لفظ آیا ہے پٹکے کو قلادہ بھی کہتے ہیں اور متقلدین سے مراد پٹکے والے مسلمان ہیں جو دین میں آزاد راہوں پر نہیں چلتے۔ اسی راہ پر چلنے کی دعا کرتے ہیں جس پر پچھلے انعام یافتہ لوگ چل چکے ہیں۔

قاضی محمد حسن (۴۱۲ھ) لکھتے ہیں۔ الربقة القلادة۔ تعبیر کا لفظ گویا ایسی تعبیر ہے جس سے انسان وحشت کھائے گلے جھڑکنے ہتھ مسلمانی گردن پر ڈالا ہے۔

مثال بست و دوم

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من خاف ادلج ومن ادلج بلغ المنزل، الا ان سلعة الله غالية، الا ان سلعة الله الجنة۔[2]

ترجمہ: فکرمند انسان رات سے ہی سفر کے لیے اٹھتا ہے اور جو رات سے اٹھا منزل مراد پر پہنچ گیا۔ خبردار رہو خدا کی منڈی کا مال بہت قیمتی ہے۔ خبردار اس کا سودا سستے داموں ہاتھ لگنے کا نہیں۔

اس حدیث میں بتایا گیا کہ آخرت کی فکر کے بغیر کبھی کوئی خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوا۔ خدا کی بستی ایسی دکان نہیں کہ جب چاہو وہاں سے سودا لے لو۔ اس

۱۔ امثال الحدیث ص۱۵۱ ۲۔ رواہ الترمذی وصححہ الحاکم جلد ۴ ص۳۰۸ مسند احمد ص

کے لیے پہلے سے ارادوں کو درست کرنا پڑتا ہے اور جزاء: عمال نیتوں پر ہی مرتب ہوتی ہے۔ تم حسب مراد اپنی منزلوں کو پہنچو گے۔

مثال نوازدہم

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یوشک ان ینطوی الاسلام فی کل بلد الی المدینۃ کما تنطوی الحیۃ الی جحرھا۔[1]

ترجمہ۔ وقت آنے والا ہے کہ اسلام ہر شہر سے سمٹتا ہوا مدینہ آ رہے جیسے سانپ ہر طرف سے بھاگ کر پھر اپنے بل کی طرف پلٹتا جاتا ہے

اس حدیث میں سانپ کی جارح حیثیت (کہ وہ کسی کو کاٹنے کے درپے ہو) مذکور نہیں، بلکہ اسے بھاگ کر پناہ لینے والے کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔ سو یہ بات نہ کی جائے کہ اسلام کو سانپ سے کیوں تشبیہ دی ——— مشبہ اور مشبہ بہ میں ہر جہت سے تشبیہ نہیں ہوتی۔ یہ سانپ کی اس حالت سے تشبیہ ہے جب وہ کسی کے درپے آزار نہیں

اس حدیث میں بتلایا گیا کہ مدینہ منورہ قیامت تک مرکز اسلام رہے گا۔ جب اسلام کہیں نہ ہو گا مدینہ منورہ اس وقت بھی بقعۂ اسلام ہو گا۔ علامات قیامت کے طور پر بھی حرمین شریفین کبھی مقبوضۂ کفار نہ ہوں گے۔ جاء الحق و زھق الباطل کے اعلان سے اسلام وہاں بطور دوام آیا ہے۔ کفر وہاں سے بطور دوام نکلا ہے۔ نہ وہاں کوئی باطل نئے سرے سے آئے گا نہ پہلا ہی عود کرے گا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید۔[2]

مثال بستم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لیے نکلے تو حضرت علی مرتضیٰؓ کو

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب الحج و مسلم فی کتاب الایمان و راجع مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸۶، صفحہ ۴۹۶ [2] پ ۲۲ سبا ع ۶

گھروں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ چھوڑ گئے حضرت علیؓ نے اسے اپنی منقصت جانا اور حضورؐ سے عرض کی۔ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں ؟ اس پر حضورؐ نے آپ کو اس طرح مطمئن کیا۔

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبوة بعدی [1]

ترجمہ۔ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہاری وہی نسبت ہو جو ہارون کی موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ ہارون تو موسیٰ کے بعد نبی ہوئے مگر میرے بعد کسی قسم کی کوئی نبوت نہیں۔

حضرت ہارون کے موسیٰ کے بعد نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت حضرت موسیٰ کو پہلے ملی اور حضرت ہارون کو بعد میں ـــ وہ ان کے بعد نبی ہوئے ـــ یہ مطلب نہیں کہ وہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد نبی بنے ـــ بعدیت سے مراد نبوت ملنے میں بعدیت ہے نہ کہ زندگی کی بعدیت ـــ حضرت ہارون تو حضرت موسیٰ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

حضورؐ نے اس مثال میں کیا سمجھایا؟ حضرت ہارون کسی شرع جدید کے نبی نہ تھے حضرت موسیٰ کی شریعت کے ماتحت تھے۔ حضورؐ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ سو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ میرے بعد غیر تشریعی نبوت بھی کسی کو نہ ملے گی۔ آپ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو چکی۔ اب اس امت میں کوئی حضرت ہارون جیسا غیر تشریعی نبی بھی نہ ہوگا۔

حضورؐ نے ہارون کی مثال سے یہ اشارہ فرمایا کہ جس طرح حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے بعد خلیفہ نہ ہوئے (کیونکہ وہ فوت ہو چکے تھے) بلکہ یوشع بن نون آپ کے خلیفہ ہوئے۔ حضرت علیؓ حضورؐ کے بعد خلیفہ بلافصل نہ ہوں گے بلکہ ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوں گے ـــ علم حساب میں کامل ترین عدد فرد (۱) ہے۔ خلیفہ بلافصل کامل ترین فرد ہو سکتا ہے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۲۶ (دہلی) مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۳

یہ سب بدلوں کے حرف تو ہیں تو ابوبکر صدیق "تلک عشرۃ کاملۃ" کے مظہر تھے۔ وہ ذرا اپنے آقا
کے فیض جا فضل سے ——— حضرت ہارون کے بیٹوں کے نام شبر اور شبیر تھے۔ یہ عبرانی
لفظ ہیں۔ ان کا ترجمہ عربی میں حسن اور حسین ہے۔

ذخیرۂ حدیث میں متعدد اور امثال بھی ملتی ہیں۔ مثال: ابی الشیخ اور قاضی ابو محمد حسن
کی کتاب امثال حدیث میں دیکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن کن مثالوں اور کس کس
پیرایۂ بیان میں ہدایت الٰہی قلوب مومنین میں اتاری۔ یہ امثال ان کی منہ بولتی تصویر ہیں۔
ان سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی امانت اور الٰہی ہدایت کس
آسانی سے آسان پیرائے میں امت کے سامنے رکھی ——— اس امت میں بھی کئی ایسے جہابذہ
نظر ہوئے جنہوں نے دین کے باریک سے باریک مسائل کو مثالوں سے آسان کر دیا۔ ان میں
امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
رحمہم اللہ اجمعین بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اس دور میں حضرت مولانا محمد علی جالندھری دامت
برکاتہم مثالوں کے بادشاہ سمجھے جاتے ہیں۔

ہم یہاں اس باب کو ان بیس مثالوں پر ختم کرتے ہیں۔ معترض کے تعارف کے
لیے امید ہے یہ بیس مثالیں کافی ہوں گی۔

غریب الحدیث

الحمد لله وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد،

آج کا عنوان مباحث حدیث میں واقعی بہت غریب (نادر قسم کا) ہے۔ اس کی غرابت الفاظ و معانی کے اعتبار سے ہے اسناد کے پہلو سے نہیں۔ غرابت وطن سے دوری کا نام ہے۔ غریب مسافر کو کہتے ہیں۔ جو مضمون ظاہر الفاظ سے دور یا فہم عام سے بالا ہو وہ غریب ہے عجیب ہے۔ اس کی غرابت اسی پہلو سے ہے اور یہ کوئی کمزوری کی بات نہیں۔ نہ یہ کوئی برائی کی بات ہے۔ اس کا سنداً غریب ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ حدیث سند کے پہلو سے غریب ہو تو اس پر اصول حدیث کے تحت بحث کی جاتی ہے۔ لغت، ادب اور اسالیب عرب کے تحت نہیں۔ سو حدیث غریب اور غریب الحدیث میں فرق ہے۔

حدیث غریب

حدیث صحیح کی وہ قسم ہے جس کا سند کے کسی مرحلے میں راوی صرف ایک ہو۔ یہ درجہ حدیث عزیز اور حدیث متواتر کے مقابل ہے۔ درجہ میں اونچی حدیث متواتر ہے، پھر حدیث عزیز اور پھر حدیث غریب۔ یہ حدیث غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں، اصول حدیث کی کتابوں میں ہے:۔

ان الغرابة لا تنافی الصحة۔ حدیث کا غریب ہونا صحت کے منافی نہیں

ہاں غریب کا لفظ کبھی شاذ کے معنوں میں بھی آجاتا ہے۔ اس صورت میں حدیث غریب کی سند پہ بحث ہو سکتی ہے۔ اس پہلو سے بھی حدیث غریب درجہ صحت سے نیچے نکلتی ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رسالہ اصول حدیث میں لکھتے ہیں:۔

فالشذوذ بهذا المعنى ينافي الصحة لا الغرابة۔

ترجمہ: آپ محدثین سے غریب الحدیث روایت کرتے اور آپ کی توجہ اس باب میں بہت زیادہ رہتی (راوی کہتا ہے) ایک دفعہ آپ نے مجھے کہا غریب (نادر الفاظ اور معانی کی) احادیث کو لینا صرف اچھے لوگوں کا کام ہے جن کو اس مال سے واسطہ اور مال سے غرض نہ ہو۔ ہر وقت طلب حدیث ان کا کام ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ غریب الحدیث کی تلاش اور روایت کسی کمزوری کی بات نہیں بلکہ یہ وہ باب کمال ہے جو اس فن کے ماہروں کو ہی نصیب ہوتا ہے اور اس کا ذوق وہ شانِ علم ہے جو اس فن کے اونچے ماہروں کو ہی میسر آتا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق حدیث اس قسم کی روایات کا خاص اشتیاق رکھتا تھا اور آپ پھر ان روایات کی تشریح اور تفصیل میں بہت دلچسپی لیا کرتے۔ سات زمینوں میں سات آدم ہیں، یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک اثر ہے[1] جو اپنے معنی اور مفہوم میں بہت دقیق ہے۔ آپ نے اس پر ایک کتاب تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس لکھی۔ حدیث غار[2] ایک نہایت دقیق اور غامض روایت ہے۔ آپ نے اس پر ایک مستقل رسالہ رقم فرمایا۔ چند اور روایات پر بھی بحث کی ہے۔

علماء نے حدیث کے مشکل الفاظ پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انہیں بالمعنی الاخص لغات حدیث بھی کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کے غریب الفاظ پر بھی علماء نے بحث کی ہے۔ معلوم رہے کہ غرابت الفاظ فصاحت کلام کے خلاف نہیں اور افصح العرب والعجم کی زبان مبارک سے غریب الحدیث کا صدور آپ کی اس شان کے منافی نہ تھا۔ صحیح بخاری کی حدیث ام زرع اس کی واضح مثال ہے۔

جن قدماء نے غریب الحدیث پر خاص توجہ کی۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:-

۱۔ نضر بن الشمیل (۲۰۳ھ)　　۲۔ قطرب (۲۰۶ھ)

۳۔ ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ (۲۰۸ھ)　　۴۔ اصمعی (۲۱۸ھ)

؎۱ مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۴۹۳ ذہبی نے تلخیص میں اس کی تصحیح کی ہے۔ ؎۲ مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۱

النہایہ

پورا نام النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ہے۔ مؤلف مجد الدین مبارک بن محمد بن عبد الکریم ابن اثیر الجزری (۶۰۶ھ) ہیں۔ ان کی کنیت ابو السعادات ہے۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول دس جلدوں میں انہی کی تالیف ہے۔ ان کے بھائی عز الدین ابن اثیر تاریخ کی مشہور کتاب کامل ابن اثیر کے مؤلف ہیں۔ ابو السعادات مجد الدین نے مسند امام شافعی کی بھی مبسوط شرح لکھی ہے۔ علم تفسیر میں آپ نے الانصاف فی الجمع بین الکشف والکشاف لکھی۔ جس میں آپ نے علامہ ثعلبی اور علامہ زمخشری کی کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔ آپ حدیث، تفسیر، فقہ، ادب عربی اور علم اصول کے جلیل القدر امام تھے۔ النہایہ پانچ ضخیم جلدوں میں ہے اور عام ملتی ہے۔ خطیب تبریزی لکھتے ہیں:۔

کان عالماً محدثاً لغویاً ورعاً عن خلق من ائمة الکبار کان بالجزیرة وانتقل الی الموصل سنة خمس وستین وخمس مائة (۵۶۵ھ) ولم یزل بها الی ان قدم بغداد۔[1]

ترجمہ: آپ بڑے عالم، محدث اور ماہر لغت تھے۔ کثیر تعداد بڑے بڑے ائمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ جزیرہ کے رہنے والے تھے۔ پھر ۵۶۵ھ میں موصل چلے گئے۔ اور بغداد آنے تک وہیں رہے۔

حافظ ابن کثیر[2] اور ابن خلکان[3] ان کی شہرت اور علمی بصیرت کے پورے معترف ہیں آپ کی کتاب النہایہ لغت حدیث اور غریب الحدیث میں سند کی جاتی ہے۔

مجمع البحار

مجمع بحار الانوار۔ علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی (۹۸۶ھ) کی تالیف ہے بڑی تقطیع کی تین ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی۔ لغت حدیث میں سند سمجھی جاتی ہے۔ غریب الحدیث پر اس میں

---

[1] الاکمال ص ۶۲۳ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۱۳ ص ۵۴ [3] وفیات الاعیان جلد ۳ ص ۲۸۹

کافی مواد ملتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی علمی دنیا اس کتاب پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ مؤلف معتزلہ کی عزوبت پر بھی پوری نظر رکھتے ہیں۔ مثلاً جریر بن حازم (تابعی ۱۷۰ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ روایت نقل کی تھی جو بظاہر سطح پر بہت عجیب مضمون بیان کرتی ہے۔ قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لانبی بعدہ۔[1] مجمع البحار میں اس کی غرابت ساتھ ہی حل کر دی گئی ہے ھذا ناظر الی نزول عیسیٰ۔[2] یعنی یہ بات نزول عیسیٰ علیہ السلام کے پیش نظر کہی گئی ہے۔ تذکرۃ الموضوعات بھی اسی مؤلف کی تالیف ہے۔ حدیث اور ادب عربی کے مسلم امام ہیں اور لغات غریب الحدیث کے موضوع کا علمی سرمایہ ہے۔

اسرار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات

علامہ وحید الزمان (۱۳۳۸ھ) اس کے مؤلف ہیں۔ اردو میں لغت حدیث پر یہ پہلی کتاب ہے۔ جو ضخیم جلدوں میں ہے۔ مولانا وحید الزمان مسلکاً غیر مقلد تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ آپ نے ان لغات کے جانے میں کہیں کہیں عقائد تشیع بھی بھر دیئے ہیں۔ مثلاً مادہ عجز کے تحت لکھتے ہیں:

حضرت علیؓ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق جانتے تھے۔

اور یہ بھی کہا:

یہ صحیح نہیں ہے تو شیعہ عقیدہ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو آخری وقت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنی جگہ امام بنائیں اور حضرت علیؓ اپنے آپ کو ان سے زیادہ مستحق سمجھیں —— یہ بات باور کرنے کے لائق نہیں۔ حضرت علیؓ کی سوچ کھلم کھلا منشاء رسالت کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے

مولانا وحید الزمان اہلحدیث تھے۔ افسوس کہ وہ شیعہ نظریات کا شکار بھی ہو گئے ہیں۔ آزاد روی کا یہ پہلا پھل ہے جو انہوں نے چکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مادہ عز کے تحت لکھتے ہیں:

---

[1] مصنف لابن ابی شیبہ جلد ۹ صفحہ ۱۰۹ [2] تکملہ مجمع البحار جلد ۵ صفحہ ۵۰۲

"ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل حضرت و رضی اللہ عنہ سخت دلیری اور بے حیائی ہے؟"

اہل السنۃ والجماعت کے ہاں تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں۔ شیعہ ہر سال محرم میں سوگ مناتے ہیں۔ مولوی وحید الزماں صاحب بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ مادہ وجد کے تحت لکھتے ہیں:

"یہ مہینہ خوشی کا مہینہ نہیں رہا ۔۔ محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا مہینہ ہو گیا ہے"

مادہ عشر کے تحت لکھتے ہیں:

"شیخین کو اکثر اہلسنت حضرت علی سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس پر بھی کوئی دلیل قطعی نہیں ملی۔ نہ یہ مسئلہ کچھ اصول دین اور ارکان دین سے ہے۔ زبردستی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کر دیا ہے"

مولانا وحید الزماں کی یہ بات صحیح نہیں۔ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

افضلیت شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ اند آں را اکابر ائمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است۔ شیخ ابوالحسن اشعری کہ رئیس اہلسنت است مے فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی قطعی است انکار نمی کند مگر جاہل یا متعصب[1]

مولانا وحید الزماں کے شیعہ نوازی کی وجہ سے کچھ علمائے حدیث بھی ان کے خلاف ہو گئے۔ مولانا مادہ شر کے تحت لکھتے ہیں:

"مجھ کو میرے ایک دوست نے کہا کہ جب سے تم نے یہ کتاب ہدیۃ المہدی تالیف کی ہے اہلحدیث کا ایک بڑا گروہ ۔۔۔۔ تم سے بد دل ہو گئے ہیں۔ عامہ اہلحدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا۔ میں نے ان کو جواب دیا الحمد للہ کوئی مجھ سے اعتقاد نہ رکھے نہ میرا مرید ہو ۔۔۔ مجھ کو پیشوا اور مقتدا جانے نہ میرا ہاتھ چومے نہ میری تعظیم و تکریم کرے میں عبودیت اور مشیخیت کی رو سے نہیں کہتا"

---

[1] مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۶۷ حصہ ہفتم

صحیح مسلم کی اس حدیث سے کون واقف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ
بأم القرآن۔ اس حدیث کو امام مسلم اپنے استاد اسحاق بن ابراہیم اور عبد بن حمید سے اسطرح نقل کرتے ہیں کہ دونوں
نے عبد الرزاق سے انہوں نے معمر سے انہوں نے زہری سے زہری نے محمود بن الربیع سے اور انہوں نے حضرت
عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے اسطرح روایت کیا کہ حضور نے فرمایا۔

جس نے سورہ فاتحہ اور اس سے آگے نہ پڑھا اسکی نماز نہ ہوگی؎

حضرت ابو سعید الخدری کہتے ہیں امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر یعنی ہمیں حضور کا حکم ہے کہ سورۃ
فاتحہ اور کوئی حصہ قرآن جو آسانی سے پڑھ سکیں پڑھیں۔ اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضور نے حضرت ابوہریرہؓ
کو حکم دیا کہ منادی کر دیں۔

لا صلوٰۃ الا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب وما زاد؎

ترجمہ: سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ حصہ قرآن پڑھنے کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

صحیح مسلم کے اردو ترجمہ سے فصاعدا کے لفظ کو نکال دینا بعض متعصب ناشرین کی حرکت معلوم ہوتی ہے
لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مولانا وحید الزماں کی تراجم حدیث کی خدمت کا بھی انکار کر دیں۔

وحید اللغات انکی فوقی دیانت ہے اس کا مطالعہ النہایہ اور مجمع بحار الانوار جیسی ضخیم کتابوں سے مستغنی کر دیتا
ہے سلف میں حضرات کی ساری کاوش کو اپنے لفظوں میں نقل کرتے ہیں ان کی اپنی کوئی علیحدہ محنت نہیں ہے۔

مولانا وحید الزماں کچھ شیعہ عقائد بھی رکھتے تھے لیکن انکا یہ موقف کوئی دھماکہ تھا اہلحدیث باصطلاح جدید کسی
ایک متعین ضابطہ عقائد اور طرز عمل پر چلنے والوں کا نام نہیں ہر ایک کی اپنی اپنی سوچ اور اپنی
تحقیق ہے۔ ان میں صرف ایک قدر مشترک ہے اور وہ ہے ترک تقلید اور اسمیں بھی آگے دو طبقے ہیں ایک وہ
جو تقلید کو گناہ سمجھتے ہیں اور دوسرے وہ جو مذاہب اربعہ کو حق سمجھتے ہیں لیکن تقلید کو ضروری نہیں سمجھتے جماعت
اہلحدیث کا مرکزی مکتب فکر اس دوسرے طبقے میں سے ہے

اس وقت ہم یہ کہنا چاہتے کہ اس قسم کے اختلافات میں مولانا وحید الزماں کے تراجم سے استفادہ کرنے
میں مانع نہ ہونے چاہئیں۔ خواہ آپ لغات الحدیث (مشکل الفاظ) میں ان کے ترجمہ پر نظر رکھنا بلکہ شارحین کے تراجم کو سامنے
رکھنا اسمیں کوئی حرج نہ سمجھا جائے ——— تم المجلد الاول ویلیہ الجزء الثانی ان شاء اللہ۔

؎ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ [illegible] ؎ سنن ابو داؤد [illegible] ابن حبان واسنادہ صحیح کما فی الفتح جلد ۲ [illegible] ؎ مسند احمد [illegible]

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیشکش

آثار الحدیث

جلد دوم

عنوانات

آداب الحدیث — قواعد الحدیث — اقسام الحدیث — متون الحدیث

شروح حدیث — تراجم حدیث — ائمہ حدیث — فقہاء حدیث

ائمہ جرح وتعدیل — ائمہ تالیف — ائمہ تخریج

اہل حدیث — منکرین حدیث — مدارس حدیث

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن ۔۔۔ پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

اشاعت اوّل	۱۹۸۸ء
تعداد	۵۰۰
کتابت	حفیظ الحق صدیقی
ناشر	دارالمعارف لاہور
قیمت	۹۰/- روپے

19 CHARLTON TERRACE OFF UPPER BROOK STREET
MANCHESTER - U.K.

عابد محمود ناظم دارالمعارف
الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست

آداب الحدیث

قواعد الحدیث

اقسام حدیث

متون حدیث

شروح حدیث

تراجم حدیث

ائمہ حدیث

تالیف حدیث نئے دور میں

اہل حدیث

منکرین حدیث

مدارس حدیث

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

آثار الحدیث جلد اول کو شائع ہوئے تین سال ہو رہے ہیں اور جلد ثانی ابھی تک پریس سے باہر نہیں آئی ۔ کتنی مشتاق نگاہیں اس کی منتظر اور کتنے خوش عقیدہ اس کے لئے بیتاب ہیں ۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے آثار الحدیث جلد اول کی قدر دانی و مقبولیت کو دیکھا ہے یا ناظرین کے پچھلے دو سال کے خطوط جو انہوں نے دار المعارف کے نام لکھے کہ جلد ثانی کب منصۂ شہود پر آ رہی ہے ۔ آنکھوں دیکھے ہیں ۔

اس تاخیر کی وجہ یہ نہیں کہ یہ کوئی نئی تالیف ہے جس نے تین سال اور لے لئے نہیں ۔ اس کی ایک وجہ ادارہ دار المعارف کے نظام کی تبدیلی ہے ۔ ناظم صاحب اسے پورا وقت نہ دے سکے تھے اور راقم الحروف کا جنوبی افریقہ کا طویل سفر بھی اس کی وجہ بنا ۔ جو سفر دو ماہ کی نیت سے اختیار کیا گیا تھا مہینوں تک جا پہنچا اور پھر ادارہ کی مالی کمزوریاں بھی کچھ اس میں حائل رہیں ۔ کراچی کے تشویشناک واقعات اور کاغذ کی ہوشربا گرانی بھی اس میں وجہ تعویق رہی ورنہ کتاب کا مسودہ تو اس وقت کی یادگار ہے جب احقر ابھی عازم انگلستان نہ ہوا تھا ۔

یہ جلد ثانی جن مضامین پر مشتمل ہے ان میں سے بعض مضمون پہلے ملکی اور غیر ملکی رسائل و جرائد میں قسط وار زیر اشاعت ہو چکے ہیں ۔ جلدی کی غرض اس لئے ہوئی کہ یہ علمی امانت جتنی جلدی ہو سکے اپنے اہل حضرات تک پہنچ جائے ورنہ ظاہر ہے کہ بالاقساط اشاعت سے کتاب کی اشاعت کا حق ادا نہیں ہو سکتا ۔ جلد ثانی کا پہلا مضمون

آداب الحدیث ماہنامہ الرشید ساہیوال میں کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا اُس وقت کے شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبداللہ رائپوری خلیفۂ ارشد حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ نے اس کی جن الفاظ میں قدردانی اور حوصلہ افزائی فرمائی اس پر راقم الحروف اللہ رب العزت کے حضور سجدۂ شکر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ علمی ذخائر میں بکھرے ہوئے مضامین کو ایک مضمون کی مناسبت سے اس مختصر رسالے میں سمیٹ لانا خاص توفیقِ ایزدی کے بغیر کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اب یہ مضمون یکجا آپ کے سامنے ہے اور جلد ثانی کی یہ پہلی کتاب ہے۔

حدیث کے یہ آداب، اسے حاصل کرنے کے یہ التزامات اور اسے پڑھنے پڑھانے کے یہ احترامات کس لئے ہیں؟ محض اس لئے کہ حدیث کا منتہٰی ذاتِ رسالت ہے۔ یہیں آکر سندیں ختم ہوتی ہیں اور یہی متن میں حرفِ آخر ہے۔ قرآن کریم بھی اسی کی روشنی میں سمجھا جائے گا اور تسلسلِ اُمت بھی اسی کی روشنی میں راہ پائے گا اور حق یہ ہے کہ جس بات اور عمل کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گئی اُس کا ہر جہت سے اکرام ضروری ہے۔ آداب الحدیث کی ساری ہدایات اسی ایک نقطہ کے گرد گھومتی ہیں۔ صحابہ، اہلِ بیت اور عترتِ رسول سب اسی لیے کرام و عظام ہیں کہ وہ آپ سے نسبت پا گئے۔

علمِ روایت یونہی نہیں جمع ہو گیا۔ اس کی تحقیق و تثبیت میں وہ تمام پہلو ملحوظ رکھے گئے ہیں جو درایت چاہتی ہے۔ انسان کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے کی فطری طور پر کن کن طریقوں اور کس کس انداز سے تحقیق کر سکتا ہے؟ انہیں عقل و تجربہ اور فہم و بصیرت سے ہی طے کیا جا سکتا ہے محض نقل سے نہیں۔ سو یہ درایت ہے جس نے روایت کو اصول بخشے۔ مغربی تعلیم کے وہ حلقے جنہیں ارمغانِ مشرق نہیں ملا اور نہ انہیں دیوبند جیسی کسی درسگاہ میں تحقیقِ حدیث سننے کی نوبت آئی ہے وہ ہمیشہ یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ علماء روایت میں درایت سے یکسر خالی ہو کر چلتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ نہیں جانتے

کہ علم حدیث جن قواعد پر مرتب ہوا ہے صرف ان کے اصول نقل سے ماخوذ ہیں۔ روایت کا رد و قبول اور اس کی تحسین و تضعیف ہمیشہ ان تجربات اور ضابطوں سے ہی طے ہوئی ہے جو انسانی فکر و فراست اور تجربہ و دانش نے تجویز کئے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ان تجربات اور ضابطوں نے آگے نقل کی صورت اختیار کر لی کیونکہ ہر آنے والے نئے مفکر کو نئے سرے سے ضابطے طے کرنے کی اجازت نہ دی جا سکتی تھی۔ یہ اس لئے نہیں کہ عطائے حدیث اصول درایت کے خلاف تھے بلکہ اس لئے کہ ہر نئے مجتہد کی فکر و ذکاوت سے متاثر ہو کر پوری قوم کی تاریخ بدلی نہیں جا سکتی اور اصول حدیث کے پہلے طے ہونے والے ضابطوں کو ہمیشہ کے لئے متزلزل اور محل ترمیم نہیں ٹھہرایا جا سکتا ورنہ قوم کو اپنی علمی تاریخ میں کبھی اور کہیں نقطۂ یقین میسر نہ آسکے گا۔ ہاں یہ بات صحیح اور درست ہے کہ روایت کے گرد ہمیشہ درایت نے پہرہ دیا ہے۔ پھر وہ سند کے گرد ہو تو قواعد حدیث کا موضوع ہوگا اور متن کے گرد ہو تو اس سے فقہ کی راہ کھلے گی۔ آداب حدیث کی صحیح قدر کے لئے قواعد حدیث پر نظر کرنا بھی ضروری ہے۔ قواعد سے اس کا مجموعہ ملتا ہے اور اولیاء سے اس کے حقوق طے ہوتے ہیں۔

قواعد حدیث سے حدیث کی تقسیمیں ہوئیں اور اقسام حدیث کا عنوان قائم ہوا۔ محدثین نے اس باب میں اتنی کاوشیں کیں کہ ہر صادق کاذب سے اور ہر حافظ و ضابط مختلط اور ناسی (بھول لینے والے) سے ممتاز ہوتا گیا اور پھر ان رواۃ و طبقات کے اتنے تراجم لکھے گئے کہ اب سند حدیث اپنے وجود و ثبوت میں کسی مزید درایت کی محتاج نہ رہی اور حدیث اپنی مختلف قسموں سے پھر نقل و خبر کی راہ پر آگئی اور طلبہ اقسام حدیث میں بصیرت حاصل کر کے نئے سرے سے جانچ اور پڑتال کی زحمت اٹھانے سے بچ گئے۔

پھر یہ اقسام صرف علمی حدود تک محدود نہ رہیں۔ محدثین نے کتب حدیث ان اقسام پر مرتب کر ڈالیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ایک خاص درجے کی صحیح احادیث کے مجموعے ہیں۔

پھر امام ابو عبد الرحمٰن النسائی اور امام ابو عوانہ اسفرائینی کچھ اس شان ثقاہت سے چلے امام ترمذی روایات کے ساتھ ساتھ ان کی اقسام بھی ذکر کرتے گئے اور محدثین کی اس محنت نے آنے والے طلبہ حدیث کو اس باب میں بھی کافی حد تک مزید گرد پیمائی سے بچا لیا ہے۔ متن کی گہرائی میں امام ابو داؤد اور امام طحاوی گہرائی شان سے چلے ہیں

یہ محنت سمٹ کر کتب حدیث میں جمع ہوئی اور پھر یہ کتابیں سبقاً پڑھی پڑھائی جانے لگیں۔ ان میں پھر فنی مباحث اٹھے اور معارف و معانی بکھرے تو ان تحقیقات و تدقیقات نے شروح کی شکل اختیار کی۔ آج حدیث کی مشکلات میں یہی شروح ہیں جو چراغ راہ کا کام دیتی ہیں اور ضروری ہے کہ شروح حدیث کو ایک مستقل عنوان دیا جائے اور جو طلبہ عربی نہیں جانتے ان کے لئے تراجم حدیث ایک عنوان کے تحت ذکر کر دیئے جائیں۔

اس ماحول میں اردو اور انگریزی تراجم کفایت کرتے ہیں۔ بنگلہ کے تراجم ان کے علاوہ ہیں ان عظیم کاوشوں میں خراج تحسین محدثین کو جاتا ہے۔ جو قوم اپنے محسنوں کی شکر گزار نہ ہو وہ خدا کی شکر گزار کیسے ہوگی۔ پس ضرورت ہے کہ آثار الحدیث میں ائمہ حدیث کو بھی ایک مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا جائے۔ احقر کی یہ ایک پرانی تالیف ہے جو عرصہ سے نایاب تھی۔ الحمد للہ کہ اب یہ پھر سے ہدیۂ قارئین ہے۔ ائمہ حدیث بہت سے ذیلی موضوعات پر مشتمل ہے ہم نے ان کو مستقل عنوانوں سے فہرست میں جگہ دی ہے تاکہ طلبہ کو جس باب سے دلچسپی ہو انہیں ان کی ضرورت کا مواد اس عنوان کے تحت مل سکے۔ مجتہدین کرام، ائمہ جرح و تعدیل، ائمہ تالیف اور ائمہ تخریج تقریباً سبھی اس میں آگئے ہیں۔

ناظرین حیران نہ ہوں کہ حدیث کے ان مباحث میں ہم نے صرف دو فرقوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (۱) جماعت اہلحدیث اور (۲) منکرین حدیث۔ دیگر کسی حلقے کے علماء کو ہم نے کسی مستقل عنوان سے ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء حدیث کے دیگر حلقوں کی اپنی کوئی راہ نہیں۔ وہ مذاہب اربعہ کے قدماء محدثین کی روش پر

چلے ہیں اور بھی قدماء کا ذکر ہم امرِ حدیث کے تحت پہلے کر چکے ہیں۔

حالات کے تناظر میں حدیث کی نسبت سے یہی دو طبقے اس نئے ماحول کی پیداوار ہیں اور ان کا عوامی تعارف رد و قبولِ حدیث کی نسبت سے ہی ہوا ہے۔ سو ہم نے اہلِ حدیث (یا سلفی جدید) اور منکرینِ حدیث کو اس جلدِ ثانی میں مستقل عنوانوں سے جگہ دی ہے۔ جماعت اہلحدیث سے ہمیں تحقیقاتِ حدیث میں کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں لیکن اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پچھلی صدی میں اپنی بے بضاعتی کے باوجود حدیث کے جھنڈے انہی لوگوں نے تحریر تقریر اور شعر شاعری میں تھامے ہیں۔ اس وقت نہ انہیں کوئی بیرونی امداد حاصل تھی جس کے سہارے ان کی بڑی بڑی بلڈنگیں اور تنظیمیں بنی ہوں۔ بس ایک ولولہ اور جذبہ تھا جو ان کے عوام کو ہر جگہ تراجمِ حدیث اٹھوائے لئے پھرتا تھا۔ ہمیں یہ کہنا ہوں کہ برصغیر پاک و ہند میں اگر ترکِ تقلید کی ہوا نہ چلتی تو علماء دیوبند بھی شاید اور تحریک سے ذرا آگے نہ بڑھتے۔ مرزا محمد حسین بٹالوی اس سوال لکھ کر دیوبند نہ بھیجتے تو حضرت شیخ الہند کی ایضاح الادلہ جیسی علمی کتاب منصہ شہود پر آتی۔ یہ انہی حضرات کی تحریک و دعوت تھی جس کے باعث عالمِ اسلام حدیث کے اعلاء السنن جیسے عظیم علمی ذخیرہ سے بہرہ یاب ہوا۔

پھر منکرینِ حدیث بھی اس پہلو سے لائقِ ستائش ہیں کہ انہوں نے حدیث کی جڑوں کو ہی بیخ کر دیا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو شاید ہمیں کبھی ضرورتِ حدیث، حجیتِ حدیث اور تدوینِ حدیث جیسے رسائل نہ لکھنے پڑتے۔ مقدر تھے یہ انگیز و کرنے والوں کے تحت ان لوگوں کی حدیث پر یلغار بڑھتی گئی اور ہماری ان ابواب میں تحقیق کی رفتار بڑھتی گئی۔ سو انصاف کا تقاضہ تھا کہ اس دور میں جن طبقوں کا تعارف حدیث کے نام سے ہوا ہے وہ اہلِ حدیث ہوں یا منکرینِ حدیث انہیں مستقل عنوانوں سے ذکر کیا جائے اور اس سے بھی ہمارا مقصد صرف ان کا تاریخی تعارف ہے کسی کی کوئی دل شکنی ہے نہ

یہ ضرور ہے کہ منکرین حدیث کے مقابلہ میں ہم حدیث کو حجت ماننے والے ایک ہیں اور ہمارا آپس
کا فقہی اختلاف اس مرحلہ میں ہمیں ایک دوسرے سے دور نہیں رکھتا۔

فقہی اختلاف میں ہمیں صحابہ کی روش اختیار کرنی چاہیئے علماء حقیقت میں یہی لوگ تھے اور
بقول علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) یہی بر و بحر کی تاریکیوں میں روشنی کے چراغ تھے۔

جعلهم الله بمنزلة النجوم يهتدى بهم فى ظلمات البر والبحر وقد اجمع
المسلمون على هدايتهم ودرايتهم (رفع الملام عن الائمۃ الاعلام)

یہ حضرات کئی فقہی مسائل میں آپس میں مختلف تھے لیکن کبھی ایک دوسرے کی تضلیل و تفسیق
نہ کرتے۔ اس اختلاف کو وسعت عمل اور رحمت امر سمجھتے ان مسائل پر کبھی جماعت بندی نہ کرتے
اور اختلاف عمل کے باوجود وحدت امت کی رسی کبھی ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹتی تھی۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا سورت فاتحہ
پڑھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا اپنے جی میں پڑھ لیا کرو لفظاً پڑھنے پر اصرار نہ فرمایا نہ یہ کہا کہ اس کے
بغیر امام کے پیچھے بھی نماز نہ ہوگی۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فتوے دیتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہو جاتی ہے (موطا امام مالک
جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۲) حضرت عبداللہ بن عمر رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے (طحاوی شریف)
مگر حضور کے رفع یدین کو روایت کرنے میں انہیں کوئی جھجک نہ تھی یہ علماء کا کام ہے کہ وہ ان
میں تطبیق کی راہیں تلاش کریں صحابہ اس وسعت عمل میں خود ایک ذہنی راحت محسوس کرتے
تھے ___ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر صبح کی نماز کے لیے مسجد
میں آئے دیکھا کہ جماعت کھڑی ہے دونوں نے ابھی سنتیں نہ پڑھی تھیں حضرت عبداللہ بن عمر تو
آتے ہی جماعت میں مل گئے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے سنتیں پڑھیں پھر امام
کے ساتھ ملے حضرت عبداللہ بن عمر فرضوں سے فارغ ہو کر وہیں بیٹھے رہے یہاں تک کہ سورج
نکل آیا اور پھر آپ نے وہ دو رکعت ادا کیں۔ اس ماحول سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے فقہی مسائل میں
وہ کبھی ایک دوسرے پر نکیر نہ کرتے تھے اگر اسلام میں اس قسم کے اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی تو
وہ کبھی نہی عن المنکر سے باز نہ رہتے حافظ ابن تیمیہ نے ان کے اختلاف عمل کو یوں لکھا ہے

فإن السلف فعلوا هذا وهذا وكان كلا الفعلين مشهورا بينهم۔ كانوا يصلون على الجنازة بقراءة وبغير قراءة كما كانوا يصلون تارة بالجهر بالبسملة وتارة بغير جهر بها وتارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح وتارة برفع اليدين في المواطن الثلاثة وتارة بغير رفع اليدين وتارة يسلمون تسليمتين وتارة تسليمة واحدة وتارة يقرؤون خلف الإمام بالسر وتارة لا يقرؤون وتارة يكبرون على الجنازة أربعاً وتارة خمساً وتارة سبعاً۔ كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يفعل هذا۔ كل هذا ثابت عن الصحابة رضي الله عنهم (فتاوى ابن تيمية جلد ٢٢ صفحہ ١١٩)

(ترجمہ) سلف صالحین نے اس پر بھی عمل کیا اور اس پر بھی عمل کیا ہے اور دونوں طریقے ان میں مشہور و معروف تھے بعض نماز جنازہ میں قرأت کرتے اور بعض نہ کرتے تھے کبھی بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے اور کبھی اسے بغیر جہر کے پڑھ لیتے۔ استفتاح کبھی پڑھ لیتے کبھی نہ ـــ رکوع میں جاتے رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے کبھی رفع الیدین کر لیتے اور کبھی نہ کرتے، نماز پوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے اور کبھی ایک طرف پر ہی اکتفا کرتے ــــ کبھی امام کے پیچھے قرأت کر لیتے اور کبھی امام کے پیچھے قرآن بالکل نہ پڑھتے ـــ نماز جنازہ پر چار تکبیریں بھی کہہ لیتے پانچ اور سات بھی ـــ سلف میں ان میں سے ہر طریقہ پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب طریقے عمل صحابہ سے ثابت ہیں۔

ان مختلف مسائل میں اگر صرف ایک راہ حق ہوتی تو ان حق پرستوں میں یہ اختلاف عمل نہ ہوتا اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے ہاں ان فقہی مسائل میں کسی ایک کی تعیین ضروری نہ تھی ائمہ اربعہ کے مقلدین بھی پھر اسی طرز پر چلے ہیں کہ اپنے اپنے مسلک کو راجح سمجھنے کے باوجود کبھی کسی نے دوسرے کو باطل پر نہیں کہا نہ ائمہ کے باہمی اختلاف کو کہیں حق و باطل کا فاصلہ بتایا سو جو کام صحابہ کے دور میں نہیں ہوا وہ آج بھی دین کا تقاضا نہیں ہو سکتا صحابہ نے ان اختلافی مسائل پر نہ کبھی جماعت بندی کی نہ ان اختلافات کو کبھی موضوع غیرت بنایا نہ کبھی کوشش کی کہ ان میں کوئی فروعی اختلاف نہ رہنے پائے۔

یہ فروعی اختلافات قرآن کریم کے حکم اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (پ۲۵ الشوریٰ)
کے تحت نہیں آتے صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:-

ولا یشمل ھذا النھی الاختلاف فی الفروع فانھا لیست من الاصول المرادۃ ھنا ولم یتحد بھا المتبعون۔ [1]

ترجمہ: یہ نہی کہ دین قائم کرنے میں آپس میں اختلاف نہ کرو اس اختلاف کو شامل نہیں جو فروع میں ہوتا ہے
اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے حق ہونے پر امت صدیوں سے متفق چلی آرہی ہے تاہم آپ نے قرون وسطیٰ میں کہیں نہ دیکھا ہوگا کہ اسلامی دنیا میں کبھی حنفی یا مالکی یا شافعی حنبلی مسائل عمل پر کوئی جماعت بندی ہوئی ہو یہ سب مسلک اصول و اعتقاد میں صرف ایک جماعت اہل سنت والجماعت ہیں اور یہ فروعی اختلاف امت کے وسعت عمل کی مختلف راہیں ہیں جو اس امت میں ہمیشہ رحمت سمجھی گئی ہیں۔ افسوس کہ آج ہماری صفوں میں فروعی مسائل پہ جماعت بندی ہونے لگی ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو عہد صحابہ میں نہ تھی ظاہر ہے کہ جو چیز صحابہ کے عہد میں نہ ہو وہ کبھی ہمارا دین نہیں ہوسکتی جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں

کل عبادۃ لم یتعبد بھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تتعبدوھا [2]

(ترجمہ) دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہ نے دین نہیں جانا تم اسے دین نہ سمجھنا

یہ سوال نہ کیا جائے کہ جب حنفی شافعی نام پر مسلمانوں میں کوئی جماعت بندی نہیں تو اہل حدیث حضرات نے فروعی مسائل پر کیوں علیحدہ جماعت بنا رکھی ہے تاریخ اسلام میں یہ پہلا گروہ ہے جس نے مختلف فقہی مسالک میں وسعت عمل کی راہیں چھوڑ کر فروعات میں بھی صرف ایک ایک راہ کو حق سمجھ رکھا ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ کوئی عالمی جماعت نہیں ہے ان کا تعارف صرف برصغیر پاک و ہند میں ہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایک معین مسلک نہیں جس کی باقاعدہ تدوین ہوئی ہو۔ یہ کوئی باقاعدہ مسلک ہوتا تو دنیا کے ہر خطے میں پایا جاتا غیر عالم عامی کا ترک تقلید کا نعرہ دوسرے کسی اسلامی ملک میں نہیں سنا گیا اور عرب ممالک میں کسی ملک کے ذمہ دار علمی حضرات نے تقلید ائمہ اربعہ کو ترک کیا ہے۔

مطالعہ حدیث میں صحابہ کے فروعی اختلافات ان میں وسعت عمل اور ائمہ اربعہ کے مختلف مسالک

---

[1] روح المعانی جلد ۲۵ صہ ۲۱ [2] الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صہ ۵۴۔

اقامت دین کے مکلف ہیں فقہاء بھی اس کے مکلف ہیں ۔ ___ ولایت فقیہ قائم ہونے پر اس فقیہ اعظم کی پیروی اللہ اور اس کے رسول اور ائمہ کی پیروی کی جا سکتی اور اس سربراہ کی مخالفت خدا اور اس کے رسول کی مخالفت قرار پائے گی ۔

دوسرے علماء شیعہ جیسے قم کے آیت اللہ طالقانی اور آیت اللہ العظمیٰ شریعت مداری اس نظریہ ولایت فقیہ کے خلاف ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی دلیل عقلی موجود ہے اور نہ اس پر کوئی حجت شرعی قائم ہے ۔ (دیکھئے الثورۃ البائسہ ص ۱۵ اور تنقیحی صفحہ ۱۰۸)

ہمیں خمینی کے اس استدلال سے اتفاق نہیں ہے روایت جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علماء کو اپنا خلیفہ بتایا ہے جو آپ کی احادیث و سنن روایت کریں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں کسی ایک فقیہ کو جانشین رسول نہیں بتاتی بلکہ خلفاء کا ذکر صیغہ جمع میں ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے حدیث میں ان العلماء ورثۃ الانبیاء کہا گیا ہے اس روایت میں خلافت عامہ کا بیان ہے جو تمام محدثین و فقہاء کو حاصل ہے اور خلافت کبریٰ وحدت چاہتی ہے اس روایت میں خلافت کا تعدد لازم ہے اور ولایت فقیہ خلافت کبریٰ وحدت چاہتی ہے ۔

ولایت فقیہ قائم ہونے کی صورت میں کسی محدث یا فقیہ کو فقیہ اعظم سے اختلاف کا حق نہیں رہتا اور دیگر سب محدثین اور فقہاء اس کے ماتحت ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس سے احادیث و روایات میں وسعت عمل کا تصور جو حضور کے بعد سے امت کا سرمایہ عمل رہا ہے یکسر ختم ہو جاتا ہے ۔ ___
اس بحث سے ہم خمینی کے اس نظریہ پر کوئی علمی بحث مقصود نہیں بتانا صرف یہ ہے کہ اس دور آخر میں بھی حدیث کی روایت اور نقل و سند کو وہ درجہ حاصل ہے کہ وہ لوگ جو ضروریات پر یقین نہیں رکھتے ائمہ معصومین کی قیادت روحانی کے قائل ہیں وہ بھی غیبت امام کے وقت نقل روایت کے سلسلہ میں پناہ لے رہے ہیں گو ولایت فقیہ پھر بھی اس وسعت عمل سے دور کر رہی ہے جو کئے سلف احادیث و روایات کی روشنی میں دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں ___ اس صورت حال میں ہم نے مذہبی حدیث میں قم شیعہ اور نجف شریف کے مدارس حدیث کا ذکر نہیں کیا اور وہ مدرسے کسی ملک کی مذہبی حیثیت کر رہے ہیں
ان ممالک میں کوئی کسی ایسی امامت یا ولایت تقیہ کا قائل نہیں اور نہ جماعت اہلحدیث کے ایک فرقہ امامیہ کے سوا کسی کا دعوے ہے کوئی اب صرف انہی کی تنقیح میں ہے ۔

ائمہ اربعہ کے پیرو عقیدہ رکھتے ہیں کہ اجتہادی مسائل میں ان کے امام کی تشریح درست ہے
لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں خطا کا احتمال موجود ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں دوسرے امام کی رائے
درست ہو اس صورت میں بطلان میں سے کوئی بنے یعنی کسی مسائل میں کا قائل ہو سکتا ہے۔ اس
صورت حال میں حق ایک وسیع دائرہ میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے جس میں وسعت عمل کی گنجائش ہیں
اور اختلاف میں بھی ملامت نہیں رحمت ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی غیر منصوص مسائل میں فقہ حنفی پر عمل پیرا
تھے اور اس میں بھی اگر مختلف اقوال ہوں تو متقیان کرام کی طرح طور پر ترجیح کی تلاش کا پورا
حق ہے اس صورت میں اگر کوئی خلاف راہ پا جائے تو اسے باآسانی آئی رخصت کہا جا سکتا ہے
نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث کہ در علم و عمل بے نظیر در عرب و عجم گذشت و خاندان او
حنفی مذہب بودند از اولاد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ۔ ۔ ۔ ۔ در غیر منصوص تابع
حنفیہ ماند و ثمرات این را از کتب مختصر ساخت و جادۂ تطبیق و توفیق در مذاہب اربعہ
بتقریر احکام فقہ حنفی میسر و ہموار نمود کہ پیشتر کسی ہم برین نہج قیام ننمود۔ (اتحاف النبلاء)

ترجمہ: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا عرب و عجم میں علم و عمل میں کوئی ہمسر نہ تھا آپ حضرت عمر کی
اولاد میں سے تھے اور حنفی خاندان کے فرد تھے غیر منصوص مسائل میں حنفی فقہ پر چلتے اور اس کے پھلے کو مختصر
پر عادی نہ ہونے دیتے تھے آپ کے مذاہب اربعہ میں موافقت اور تطبیق کی راہ نکالی کہ سنت کو مقدم
رکھا جائے آپ کے بعد آپ کے بیٹے بھی اسی طریق پر چلتے رہے

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، حضرت
شاہ اسمٰعیل شہید، حضرت شاہ محمد اسحاق سب اسی لائن کے پیرو تھے اور برصغیر پاک و ہند کی دینی قیادت
انہی کے ہاتھ میں تھی ان کی علمی سلطنت سمرقند اور بخارا تک پھیلی ہوئی تھی۔

اسی دور کے قریب نجد میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اٹھی یہ مذاہب اربعہ میں حنبلی طریقے کے
پیرو تھے اور ان کا ہندوستان کے محدثین دہلی سے کسی ضابطے کا رابطہ نہ تھا نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں

خاندان محمد بن عبدالوہاب بحیثیت علم ظاہر بود و خاندان ایشان بحیثیت علم ظاہر است

منکرین حدیث کے مقابلہ میں ہم سب ایک ہیں اور ہمارا آپس کا فقہی اختلاف اس رشتے
میں ہمیں ایک دوسرے سے دور نہیں رکھتا۔

مذاہب حدیث ہر مسلک کے اپنے ہیں لیکن ان سب میں حدیث کو حجت شرعی اور
شریعت کا دوسرا علمی ماخذ سمجھ کر پڑھا جاتا ہے۔ منکرین حدیث کے ہاں درس حدیث
گو ان کی اپنی افتاد طبع اور تاریخی حیثیت سے ہی کیوں نہ ہو کہیں موجود نہیں۔ سو یہ صحیح
ہے کہ انہیں حدیث کے کسی ایک پیرائے یا محدثین کے کسی ایک طبقے سے اختلاف نہیں
ان کی تمام فکری اساس ہی حدیث دشمنی پر مبنی ہے اور مسلمانوں کی علمی صفوں میں کسی جگہ
ان کی صف نظر نہیں آتی۔ جس طرح قادیانی اپنے دعوے اسلام کے باوجود مسلمان نہیں سمجھے جاتے منکرین حدیث
بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت میں کہیں جگہ نہیں پاتے۔ وہ علمی مسلمانوں میں
اُن کی صف نظر نہیں آتی۔ رب العزت کا کس زبان سے شکر کیا جائے جس نے آثار الحدیث
جلد ثانی کی تکمیل کی توفیق بخشی۔ یہ بن مو زبان ہو جائے تو پھر بھی اس کے احسان عظیم اور
فضل عمیم کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ [illegible]

آثار الحدیث کا پہلا حصہ دو سال پہلے چھپا تھا بعد کے حالات میں بہت تبدیلیاں ہوئیں تاریخ
کئی نئے موڑوں سے گزری کئی بزرگ مرحوم ہو گئے جو دوران تالیف واسطہ رکھتے تھے ان کی صف میں تھے
طباعت کے وقت کئی مقامات پر سطور تبدیل کرنی پڑیں تاہم مجھے اعتراف ہے کہ بعض مقامات میں تالیف
واقعی یا انہیں جو سطور احباب نے [illegible] بزرگوں سے [illegible] ہے۔

آثار الحدیث کی تیسری جلد اختلاف الحدیث سے شروع ہو رہی ہے۔ اس کی اساس
حضرت امام شافعی کا رسالہ اختلاف الحدیث ہے جو کتاب الام کے ساتھ چھپا ہے۔
راقم الحروف نے اس پر عراقی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ
وہ اس کی بھی تکمیل کی توفیق بخشے اور راقم الحروف کو بھی ان خوش قسمتوں میں جگہ دے جنہوں
نے پورے اخلاص و محبت سے علم حدیث کے گوہر دیئے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

حال وارد پاکستان ۱۔۱۔۸۹

رائے گرامی حضرت علامہ سید سلیمان ندوی ؒ

علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ زندگی بہم پہنچاتا رہتا ہے۔

مسلمانوں نے آغاز اسلام سے قرآن پاک کے بعد اسی علم کو اپنے سینے سے لگایا ہے اور اپنی پوری محنت قابلیت اور اخلاص و عقیدت کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی قدیم روایات و اسناد کی حفاظت کی اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی اور ایسا ہونا بھی ضروری تھا کیونکہ اسلام قیامت تک کی زندگی لے کر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر حرف کو دوام بخشا ہے۔ وہ علم حدیث کے اوراق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اہل بصیرت کو چلتے پھرتے اور بولتے چالتے دکھائی دیتے ہیں۔

جتنے باطل فرقے پیدا ہوئے وہ وہی ہیں جنہوں نے کتاب کو سنت سے یا سنت کو کتاب سے الگ کرنا چاہا۔ خوارج نے کتاب کو مانا اور سنت سے انحراف کیا اور ان کے مقابل کے فرقہ نے صرف اپنے نزدیک صحیح سنت کی پیروی کی اور کتاب کو حرف بنا کر چھوڑ دیا۔ اسی طرح معتزلہ نے قرآن کو بتاویل تسلیم کیا اور سنت سے اعراض کیا اور راہ راست سے دور ہو گئے۔

ان میں بنا دین کی زندگی ہے اور اس کے آداب میں سے ہے کہ مومن حدیث کے سامنے مطیع و منقاد ہو جائے کیونکہ آقائے نامدار حضور علیہ السلام حاضر نہیں۔ اب یہ بات مومن کی شان کے شایاں نہیں کہ حدیث کو تسلیم کرنے پر غور کرے یا اس سے کوئی شخص پیچھے ہٹے۔ ہاں حدیث کے حدیث ہونے میں شک ہو تو یہ ایک علمی اختلاف ہوگا۔ حدیث کے ادب و احترام سے سرتابی نہ ہوگی۔

ادبِ حدیث خود حدیث کی رُو سے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بیٹھے کچھ حدیث بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص (کوئی اعرابی) آیا اور اس نے آپ کے دورانِ بیان ہی ایک سوال کر دیا۔ آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اور حدیث برابر بیان فرماتے رہے جب بات پوری کر چکے تو فرمایا وہ شخص کہاں ہے جو قیامت کے بارے میں پوچھ رہا تھا....[1]

آپ کے طرزِ عمل سے حدیث کے احترام کا پتہ چلا کہ حدیث جب بیان ہو رہی ہو تو اور کوئی بات درمیان میں نہ لانی چاہیئے گو وہ بات خود دین کی ہی کیوں نہ ہو۔ پوری حدیث آگے اس پہلو سے ہی آئے گی کہ حدیث کے بیان کے دوران کسی اور طرف توجہ نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں ایک دفعہ لوگوں کے حالات کے تفاوت سے غنیمت تقسیم فرما رہے تھے ملحوظ یہ ہے کہ بعض کی مشکلات زیادہ تھیں ان کے لئے زیادہ حصہ مقرر تھا اور اسی لئے آپ نے کسی اور کے سپرد نہ کی تھی خود تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص ذوالخویصرہ تمیمی نے کہا حضور! عدل فرمائیے، برابر تقسیم کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ویلک من یعدل اذا لم اعدل ”تیری بربادی! میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا“[2]

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا: ”الا تأمنونی وانا امین من فی السماء یأتینی خبر السماء صباحا ومساء“ میں آسمان والے کا امین ہوں صبح و شام میرے پاس آسمانی خبریں آتی ہیں۔[3]

یعنی آسمانی باتوں میں تو مجھے امین کہا جاتا ہے تو کیا ان دنیوی امور میں کوئی بات خلافِ عدل و دیانت مجھ سے ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ذوالخویصرہ کے اس اعتراض پر آپ ناراض ہوئے۔ آپ نے اس شخص کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

انہ یخرج من ضئضئ ھذا قوم یتلون کتاب اللہ رطبا لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ۔[4]

ترجمہ: اس کی پشت سے ایسے لوگ نکلیں گے جو کتاب اللہ کی تلاوت میں ہر وقت رہیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے اتر کر دل تک نہ جا سکے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

آپ کی یہ پیشگوئی بالکل درست نکلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بے ادبی کا ارتکاب کرنے والا خوارج کا روحانی باپ بنا۔ جن لوگوں کا حدیث کے سامنے یہ جسارت بالکل ناجائز تھی۔ دین کی تو شان یہ ہے کہ اس کے سامنے آپس میں بھی کوئی جھگڑا نہ ہونا چاہیئے۔ جھگڑا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی آپ کی دینی تربیت نہیں ہوئی کہ آپ کی حدیث کو قبول کرنے میں تردد ہو رہا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۴ [2] ایضاً ص ۵۰۹ و ص ۶۲۴ [3] ایضاً ص ۶۲۴ [4]

حدیث ماننے کے آداب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے سامنے اپنی بات نہ چلائیے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات کا فیصلہ فرما دیں تو کسی مرد مومن یا مومنہ عورت کو یہ حق نہیں رہتا کہ آپ کے ارشادات کے سامنے وہ اپنی بات چلائیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ

اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (پ ۲۲ الاحزاب ع ۵)

ترجمہ: اور نہیں کسی مرد مومن کے لئے اور نہ کسی مومن عورت کے لئے اپنے معاملے کا کوئی اختیار بعد اس کے کہ خدا اور اس کا رسول اس کام کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کردیں۔

حدیث کو قبول کرنے کا جذبۂ اطاعت

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو قبول کرنے میں دل میں تنگی نہ ہونی چاہیے۔ مومن کو چاہیے کہ آپ کے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول کرے اور آپ کے ہر حکم کو ظاہراً و باطناً تسلیم کرے۔ جو ایسا نہ کرے تو اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم [1]

ترجمہ: سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا کہ آ پہنچے ان پر کوئی فتنہ یا پہنچے ان کو کوئی دردناک عذاب۔

ایک یہودی اور ایک منافق میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ فیصلے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا گیا۔ جب دونوں آپ کی خدمت میں آئے اور مقدمہ پیش کیا تو آپ نے اس یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ وہ منافق اس فیصلے سے مطمئن اور راضی نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چلتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو فیصلہ کرنے سے پہلے اس یہودی نے بتا دیا کہ ہم حضور علیہ السلام کے پاس سے آئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس منافق سے اس بات کی تصدیق کی۔ پھر حضرت عمرؓ تلوار لے کر آئے اور اس منافق کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس مقتول کے اولیاء نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو ناجائز قتل کیا ہے۔ جب یہ استغاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

ما کنت اظن ان عمر یجترئ علی قتل رجل مومن [2]

ترجمہ: مجھے گمان نہ تھا کہ عمر بھی کسی مومن کے قتل کی جسارت کرے گا۔

لیکن جب اس آیت کریمہ (فلا و ربک لا یومنون ...) کا نزول ہوا تو حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ شخص مومن ہی نہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان حضرت عمرؓ کے بارے میں بالکل درست تھا کہ وہ کبھی قتل مومن کے مرتکب نہ ہو سکتے تھے۔

حضرات مفسرین نے اس آیت کریمہ کے تحت یہ بات لکھی ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ خاص نہیں، آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ آپ کا ہی فیصلہ شمار ہوگا۔ یہ حکم قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔ آپ

۱؎ پ ۱۸ : النور : ع ۹ ۲؎ تفسیر جلالین ص ۱۴۳

کہ اگر آپ نے حدیث کو درمیان میں چھوڑ کر دوسرے کی بات کا جواب دیا تو آپ کے عمل سے یہ ثابت ہوتا کہ علم حدیث
کبھی کسی دوسرے کی بات سننے کے لیے منقطع ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک
مجلس میں حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی
پہلی بات میں ہی مصروف رہے۔ جب آپ اپنی حدیث پوری کر چکے تو دریافت فرمایا سائل کہاں ہے؟ اس سوال کرنے
والے نے کہا یا رسول اللہ میں یہاں ہوں۔ فرمایا جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانتوں کا
ضائع ہونا کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ

ترجمہ: جب کام ان لوگوں کے سپرد ہونے لگے جو اس کے اہل نہیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہوا کہ حدیث کو نامکمل چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہونا ادب حدیث
کے خلاف ہے۔ یہ حدیث اس بحث میں بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ حدیث کا ادب خود دربار رسالت میں کتنا تھا۔

حضرت امام مالک کا عمل اس باب میں کیا تھا۔ اسے حضرت ابن مبارک سے سنیئے!

امام مالک کے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے تو ان کو بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا اور امام مالک کا
رنگ متغیر ہو گیا چہرہ زرد پڑ گیا مگر حدیث کو درمیان میں قطع نہیں فرمایا۔ جب بیان حدیث سے فارغ ہو گئے اور
جب سب لوگ روانہ ہو گئے تو میں نے ان سے عرض کیا اے ابوعبداللہ (امام مالک کی کنیت) میں نے آج آپ کا عجیب
حال دیکھا! امام مالک نے فرمایا کہ آج حدیث پڑھانے کے وقت بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا مجھے اس سے تکلیف
بھی ہوئی تھی۔ لیکن میں حدیث کے احترام و تعظیم کی بنا پر صبر کرتا رہا۔[1]

معروف اہل فن سے اخذ روایات

ابتدائی تعلیم میں جن اساتذہ کو کسی خاص فن میں شہرت ہو اس فن میں انہی کی طرف رجوع
کرے کہ کامل فن کے ساتھ مختصر سا وقت بھی بسر ہو جائے تو طالب علم کی قسمت
چمک اٹھتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی بصری (۱۹۸ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

لا یؤخذ العلم الا عمن شھد لہ بطلب الحدیث[2]

علم انہی لوگوں سے حاصل کیا جائے جو علم حدیث میں شہرت پا چکے ہوں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ان مشائخ نے علم باقاعدہ
اساتذہ سے حاصل کیا ہو محض مطالعہ اور تجربہ سے نہ سیکھا ہو۔ ایسے کسی لٹریچر بین دانشوروں سے بلاواسطہ [illegible] تعلیم و تعلّم
سے ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

یجب ان یکون حفظہ ماخوذا عن العلماء لا عن الصحف[3]

ضروری ہے کہ اس کی یادداشت علماء سے ماخوذ ہو لٹریچر سے نہیں۔

حافظ عبدالرحمٰن ابو زرعہ دمشقی (۲۸۱ھ) حضرت سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں۔

لا یؤخذ الحدیث من صحفی[4] حدیث لٹریچر والوں سے نہ لی جائے۔

---

۱ بستان المحدثین ص ۲۳ ۲ مقدمہ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۴ ۳ الکفایہ للخطیب ص ۱۶۱ ۴ تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ۱ ص ...

الالحاح علیہ ـــــ فیہ الندم علی الالحاح علی العالم خوف غضبہ وحرمان فائدتہ فیما بعد و
قلما اغضب العالم الا اعقب ذلک فوت فائدتہ (التیسیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)

ترجمہ: اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ عالم سے جب کوئی بات پوچھی جائے تو اس پر جواب دینا لازم نہیں ـــ اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ جب سمجھے اور بہتر ہو تو بالکل نہ کہے ـــ لوگ ایسے سوال بھی کرتے ہیں کہ جن کا جواب خاموشی ہی ہوتا ہے ـــ اور اس میں ادب کی تعلیم بھی ہے کہ عالم کا جواب سننے سے خاموشی اختیار کرنا ہی طالب کے لیے ترک اصرار لازم کرتا ہے ـ اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ عالم سے سوال کرتے مصر ہو جائے تو اس کی ناراضگی اور اس کے فائدہ سے محرومی کے اندیشہ سے اپنے بچاؤ پر قائم ہو اور بہت کم ہوتا ہے کہ عالم کو ناراض کر دیا گیا ہو اور اس کے فائدہ سے محرومی نہ ہوئی ہو۔

اس روایت میں گو آپ کے جواب نہ دینے کا سبب نزول وحی ہے مگر شارحین نے اسے عام رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی عالم پر وحی نازل ہونے کا کوئی احتمال نہیں لیکن اور کئی وجوہ ہو سکتے ہیں جن کے باعث عالم جواب نہ دے رہا ہو۔ سو طالب علم کو چاہیے کہ ایسے ہر موقع پر ہر شیخ کے احترام کی کوشش کرے اور اس کی ناراضگی کے ہر انداز سے بچنے کی فکر کرے ورنہ عالم کے فیض سے محروم رہنے کا قوی اندیشہ ہے۔

دانستہ سوال کرنا بھی بے ادبی ہے

بعض طلبہ بات معلوم کرنے کے لیے امتحاناً بھی سوال کر دیتے ہیں بات انہیں معلوم ہوتی ہے مگر وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ استاد نے اس کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔ یہ دانستہ سوال کرنا ہے اور استاد کا جائزہ لینا سخت بے ادبی ہے۔ شیخ بمنزلہ باپ ہے کوئی نیک بیٹا باپ کی جانچ پڑتال نہیں کرتا۔

دانستہ سوال کرنے کی ایک اور صورت بھی ہے۔ طالب علم جانتا ہے کہ اس کے ساتھ بعض ساتھی ایسے ہیں جو کسی خاص مسئلہ میں اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہ مسئلے کو جانتا ہوتا ہے اور وہ قصداً استاد سے سوال کرتا ہے تاکہ اس ذہن کے طلبہ استاد سے اس مسئلہ کی دلیل سن پائیں۔ اس صورت میں سوال کرنا شیخ کی بے ادبی نہیں کی مصلحت کیلئے ہے۔ کبھی یہ جاننا بھی پیش نظر ہوتا ہے کہ اس باب میں جو کچھ میں سمجھے بیٹھا ہوں، وہ درست ہے یا نہیں مقصود اپنی اصلاح ہوتی ہے استاد کا امتحان نہیں یہ بھی بے ادبی نہیں۔

طلبہ سے سوال نہ کرنے کا عہد لینا کیسا ہے

استاد اگر یہ سمجھے کہ طلبہ جب تک پوری بات سن نہ لیں دوران بیان ان کا سوال کرنا تضییع اوقات ہوگا اور وہ طلبہ سے سوال نہ کرنے کا عہد لے تو اسے اس کا حق ہے۔ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا تھا:

فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منہ ذکرا۔ (پ ۱۵، الکہف ع ۹)

(ترجمہ) سو اگر تو نے میرے ساتھ رہنا ہے تو مت سوال کرنا مجھ سے کسی چیز کا جب تک کہ میں خود اسے بیان

میں کہیں نہ ملے گی۔

محدثین نے حدیث کو یونہی جمع نہیں کر لیا کہ جو کچھ کسی نے کہہ دیا انہوں نے سن لیا قبول کر لیا اور لکھ لیا ——— ان کے سامنے روایت قبول کرنے اور سے آگے نقل کرنے کے کچھ قواعد تھے، اور ان قواعد کے ساتھ روایات پر روز با قاعدہ بحث ہوتی تھی جتنا کوئی باب نکھرتا جاتا اس کے بارے میں پختگی اور وثوق بڑھتا جاتا اور سند کے مراتب بدلتے جاتے یہاں تک کہ بعض روایات متواتر ہو جاتیں۔ قوت سند کے انہی مراتب سے احادیث کی مختلف قسمیں ہوتی گئیں اور اس دور میں جو کمزور روایتیں قبول کی گئیں وہ بدستور ان کمزوریوں کی حامل رہیں۔ انہیں انہی حاشیے کے ساتھ پیش کیا جاتا رہا اور ان کو بالکل نظر انداز اس لیے نہ کیا گیا کہ ہو سکتا ہے کوئی آنے والا محقق اس باب میں کوئی اور انکشاف کرے اور یہ روایت کسی دوسری روایت یا تعامل کی تائید بن جائے۔ ایک راوی یا چند آثار کے ساتھ علم کے کسی گوشے کو کلیۃً رفع کر دینا قرین مصلحت نہ تھا۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے اصول فطرت کے پیمانوں میں ڈھلے اور ابھرتے ہیں حدیث قبول کرنے میں بنیادی اصول تقریباً یہی ہیں۔ جو فطری تقاضوں کے مطابق کسی بات کو قبول کرنے یا رد کرنے کے ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کا تعین ہر شخص کی اپنی فطرت پر موقوف نہیں اہل فن کے تجربات اور فیصلوں سے ہی ہوتا آیا ہے۔

بات کے لائق قبول ہونے کے عقلی تقاضے

کسی بات کے لائق قبول ہونے کے لیے بہت سی باتوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے لیکن ان سب وجوہ کا اجمال دو باتوں میں لپٹا ہوا ہے۔ اوّل یہ کہ بیان کرنے والے کی یادداشت اچھی ہو وہ قوی حفظ رکھتا ہو۔ دوم یہ کہ دیانت دار ہو، مخلصانہ سچائی پر قائم ہو ———
یہ قوی حفظ Strong memory اور مخلصانہ سچائی Sincere righteousness دو بنیادی اصول ہیں۔ جن پر فن حدیث میں تعدیل کی چکی گھومتی ہے۔ آگے جو کچھ ہے وہ انہی اصولوں کی تفصیل ہے۔ مثلاً یہ کہ (۱) راوی کمزور نہ ہو (۲) جانا پہچانا اور معروف ہو، مجہول نہ ہو۔

③ اس کی روایت کا کہیں انکار نہ کیا گیا ہو منکر نہ ہو۔ ④ دیانت اور نیکی سے آراستہ ہو جھوٹ بولنے والا نہ ہو۔ ⑤ ہر کس و ناکس کو اعتماد میں نہ لے۔ غلط دعویدار لوگوں کے سپرد کرے اور دین میں رہے وغیرہ لیکن اب ہم انہیں یہاں ذرا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

① راوی کمزور نہ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں بات سننے کی ——— یاد رکھنے کی ——— اور آگے نقل کرنے کی قوت موجود ہو۔ اتنا قوی نہ ہوگا تو کمزور شمار ہوگا۔ سمجھنے میں بڑی گہرائی مطلوب نہیں۔ اصلی درجے میں سمجھنے کی اہلیت کافی ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ کئی روایت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جو خود بات کی تہہ تک نہیں پہنچتے۔ لیکن جن کے پاس روایت کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ اس بات کو پا لیتے ہیں۔ سو راوی کمزور نہ ہونے سے مراد سننے، یاد رکھنے اور روایت کرنے میں کمزور نہ ہونا ہے سمجھنے میں فقیہ ہونا ضروری نہیں۔

② راوی جانا پہچانا ہو۔ جن سے روایت لے رہا ہے اور جن کو روایت دے رہا ہے ان میں جانا پہچانا ہو اور راویوں میں قابل اعتماد سمجھا جائے۔ اس کی روایت اس شخص کی روایت سے کہیں زیادہ لائق اعتماد ہوگی جس نے ان سے روایت سنی اور اپنے شیخ روایت کے ہاں کبھی نہ بیٹھا اور موقع دے گو وہ راوی اپنی جگہ سچا ہو۔ مگر اس سے وہ راوی جو جانا بھی ہو اور اپنے شیخ کی مجلس ایک جگہ پائے ہوئے ہو زیادہ قابل اعتماد سمجھا جائے گا۔

③ اس کی روایت کا کہیں انکار نہ کیا گیا ہو۔ اور لوگ جنہوں نے وہ بات سنی تھی ان کا اس سے اتفاق رہا ہو۔ کسی نے اس کی بات سے انکار کیا ہو۔ ایک شخص سے چار آدمی ایک بات سن کر گئے۔ ان میں سے ایک اس بات کو اسی طرح روایت کرتا ہے کہ باقی تین اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ تو وہ شخص شاذ کا راوی یا منکر روایت سمجھا جائے گا۔ کہ اس کی روایت کا انکار ثابت ہو چکا ——— قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بات پر کہیں انکار نہ کیا گیا ہو ——— وہ ہمیشہ کے لیے اپنی بات میں مطاع to be obeyed اور قابل قبول رہے۔

④ راوی دیانت دار honest اور راستباز righteous ہو فاسق نہ ہو۔ غلط کار wicked نہ ہو امین ہو ——— فسق سے مراد فسق فی العمل ہے۔ فاسق کی سنگت

کمزور ہوگی اور مزید تحقیق کی محتاج ہوگی۔ مرا فتن فی الحدیث تو ایسا کذاب راوی لائق تذکرہ ہی نہیں
نہ اس کی روایت کسی درجہ میں لائق قبول ہوگی

(۵) عام مجلسی تذکرہ ۔ ہر کس و ناکس سے بات کہنے والا نہ ہو۔ ایسا کرنے والا بسا اوقات خود بھی اس زمرے میں آجاتا ہے۔ صحیح پختہ راوی وہ ہے جو انہی سے روایت کرے جو حفظ وضبط میں پختہ ہوں اور امانت و دیانت کے اہل ہوں اور انہی کو روایت کرے جو اس کی بات میں کمی بیشی کرنے والے نہ ہوں۔ ایسا شخص اگر کبھی غیر معروف کسی شخص سے بھی روایت لے لے تو اس کی اس عام عادت کے سبب اس غیر معروف راوی کی بھی جہالت عین اٹھ جائے گی۔

نقل و روایت ان فطری اصولوں سے آگے چلے تو بات نہایت پختہ اور لائق قبول ہو جاتی ہے اور جہاں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں تو دل اس روایت کی صداقت کی گواہی دینے لگتا ہے اور اس میں کوئی تردد باقی نہیں رہتا۔ قبول روایت کے یہی فطری اصول ہیں اور دین فطرت بے شک انہی اصولوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

بات کے لائق اعتماد ہونے کا قرآنی نظریہ

قرآن کریم میں براہ راست تو اس پر بحث نہیں ملتی کہ نقل و روایت کن اصولوں سے لائق اعتماد ٹھہرتی ہے۔ لیکن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی باتیں آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نقل کی ہیں۔ تو قرآن کریم نے اس باب میں حضرت جبرائیل کی چند صفات کا خصوصی ذکر فرمایا۔ یہ صفات ایک راوی کی حیثیت سے ہمارے لیے رہنما اصول ہیں۔ جبرائیل امین بے شک معصوم ہیں۔ ان سے نقل روایت میں کسی غلطی کا امکان نہیں لیکن امت کو نقل روایت کے رہنما اصول دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی ان صفات کا بھی ذکر فرمادیا۔

علمه شديد القوى ۝ ذو مرة فاستوى ۝ وهو بالأفق الأعلى ۝ (پ ۲۷ نجم)

ترجمہ۔ سکھایا اسے سخت قوتوں والے نے۔ زور آور طاقت ور نے پھر سامنے سیدھا بیٹھا اور وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا۔

پھر سورۃ تکویر میں اللہ رب العزت نے جبرائیل امین کی صفات کے ساتھ اگلے راوی

والے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ حفظ و ضبط اور بیان کی قوت بھی کامل ہے ـــــ اللہ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے ـــــ سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہِ ربوبیت میں قرب اور رسائی حاصل ہے ـــــ آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں کیوں کہ ان کے امین اور معتبر ہونے میں کسی کو شک نہیں۔

رسولِ ملکی کے بعد رسولِ بشری کی ثقاہت

یہ تو رسولِ ملکی کا حال تھا، اب رسولِ بشری کا حال سُن لیجئے۔ بعثت سے پہلے چالیس سال تک وہ تمہارے اور قریش کے ساتھ رہے، اتنی طویل مدت تک تم نے اس کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجربہ کیا، کبھی ایک مرتبہ اس میں جھوٹ، فریب یا دیوانہ پن کی بات نہ دیکھی، ہمیشہ اس کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے۔ اب بلا وجہ اسے جھوٹا یا دیوانہ کیوں کر کہہ سکتے ہو؟ کیا یہ وہی تمہارا رفیق نہیں ہے جس کی رتی رتی حالت تم پہلے سے تجربہ کر چکے ہو؟ اب اس کو دیوانہ کہنا بجز دیوانگی کے کچھ نہیں ـــــ مشرقی کنارہ کے پاس آپ نے جبرئیل کو اس کی اصلی صورت میں صاف صاف دیکھا، اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ و التباس ہو گیا ہو گا ـــــ جب جھوٹ، دیوانگی، تخیل و توہم، اور کہانت وغیرہ سب احتمالات مرتفع ہوگئے تو بجز صدق و حق کے اور کیا باقی رہا۔ پھر جب اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر بھٹکے جا رہے ہو۔[1]

قرآن کریم کی ان آیات میں نقل و روایت اور اس کے صدق و ثقاہت کے تمام اصول ملتے ہیں۔ قرآن کریم نے جس انداز میں تفصیلاً بیان کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب عوارض ہیں جن سے کسی بات کی نقل و روایت میں تضاد پیدا ہوتا ہے۔ بات کے راوی ثقہ ہونے کے تمام عقلی تقاضے ان قرآنی آیات میں سمٹے ہوئے ہیں، تو یہ صحیح ہے کہ اصولی درجے

۱۔ تفسیر عثمانی، ص ۴۹۲

یہی عدالت اور ضبط ہی وہ صفات ہیں جن کی تفصیلات آگے نفسِ روایت میں کہ پھیلیں یا مختلف پیرایوں میں راویوں اور ان کے باہمی تعلق سے آگے پہنچتی رہیں۔

راوی کے بنیادی اوصاف

راوی کے بنیادی اوصاف یہی ہیں کہ اس کی ذات کے بارے میں اعتماد ہو کہ وہ یاد رکھنے میں موثق و ثقہ ہے۔ اس کا ضبط قابلِ اعتماد ہے اور اس کی دیانت و راستبازی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے راوی کے اوصاف پر ایک نہایت جامع اور وجیز بحث تحریر فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

> راوی کے وہ تمام اوصاف جو بلحاظِ روایت اس کی قبولیت کا معیار بن سکتے ہیں دو اصولی صفات کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ عدالت اور ضبط۔ اگر روایت کے راوی عادل ہوں جن میں عدالت کا فقدان یا نقصان نہ ہو اور ادھر وہ ضابط ہوں جن میں حفظ و ضبط اور تیقظ و بیداری کا نقصان و فقدان نہ ہو اور قلتِ عدالت و ضبط سے جو کمزوریاں راوی کو لاحق ہوتی ہیں جن کی تفصیل آگے آتی ہے ان سے راوی پاک ہوں اور ساتھ ہی سند متصل اور مسلسل ہو تو وہ روایت صحیح لذاتہ کہلائے گی جو اوصافِ راوی کے لحاظ سے روایت کا اعلیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اس میں عدالت و ضبط مکمل طریق پر موجود ہے۔ جو راویوں کو ثقہ اور معتبر ثابت کرتا ہے۔ اس لئے اس دائرہ میں حدیث کی یہ قسم بنیادی اور اساسی کہلائے گی۔ اس کے بعد جو قسم بھی پیدا ہوگی وہ ان اوصاف کی کمی بیشی اور نقصان یا فقدان سے پیدا ہوگی۔ اس لئے وہ اسی خبر کی فرع کہلائے گی۔ مثلاً اگر راوی ساقط العدالت ہو تو اس نقصانِ عدالت یا فقدانِ عدالت سے پانچ اصولی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جنہیں مطاعنِ حدیث کہا جاتا ہے۔ (۱) کذب (۲) تہمتِ کذب (۳) فسق (۴) جہالت (۵) بدعت۔ یعنی راوی کاذب ہو یا کذب کی تہمت لئے ہوئے ہو یا فاسق ہو یا

جاہل و نادان ہو یا بدعتی ہو تو کہا جائے گا کہ وہ عادل نہیں، اس لیے اس کی
روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر راوی ضابط نہ ہو تو اس نقصان حفظ
یا فقدان حافظہ سے بھی پانچ ہی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جو روایت کو بے اعتبار
بنا دیتی ہیں۔ (۱) فرط غفلت (۲) کثرت غلط (۳) مخالفت ثقات (۴) وہم
(۵) سوء حفظ یعنی راوی غفلت شعار اور لاابالی ہو جس میں تیقظ اور احتیاط
اور بیدار مغزی نہ ہو یا کثیر الاغلاط ہو یا ثقہ لوگوں سے الگ نئی اور مخالف
بات کہتا ہو یا وہمی ہو اسے خود ہی اپنی روایت میں شبہ پڑ جاتا ہو یا حافظہ
خراب ہو، بات بھول بھول جاتا ہو تو کہا جائے گا کہ یہ راوی ضبط و حفظ کا مضبوط
نہیں۔ اس لیے اس کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں۔ لیکن اس نقصان عدالت
و ضبط یا ان دس مطاعن کے درجات و مراتب ہیں۔ اگر ان صفات عدل و
ضبط میں کوئی معمولی سی کمی ہو۔ مگر روایت کے دوسرے طریقوں اور سندوں کی کثرت
سے ان کمزوریوں کی تلافی ہو جاتی ہے۔ تو اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہیں گے۔
اگر یہ تلافی اور یہ نقصان نہ ہو اور وہ معمولی کمزوریاں بدستور قائم رہ جائیں۔
تو حدیث حسن لذاتہ کہی جائے گی۔ اگر اس حالت میں بھی کثرت طرق سے تلافی
نقصان ہو جائے تو حدیث حسن لغیرہ کہی جائے گی اور اسی نسبت سے ان کے
اعتبار اور حجیت کا درجہ قائم ہوگا۔

پس اوصاف رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی چار اساسی قسمیں نکل آئیں
صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔ اور ان میں بھی بنیادی قسم
صرف صحیح لذاتہ ہے جو اپنے دائرہ میں سب سے اونچی قسم ہے۔[1]

ان قسموں کا بیان، تمام حدیث کی بحث میں آگے آئے گا۔ اس وقت صرف یہ بتانا ہے۔
کہ وہ قواعد جن پر حدیث قبول کی گئی ہے کیا یونہی مرتب نہیں ہو گئے۔ بلکہ ان میں قرآن کریم اور
اصول فطرت پوری پوری ثقاہت سے کارفرما ہیں۔ یہی قواعد محدثین کی اساس تھے اور انہی پر

[1] فضل الباری للشیخ شبیر احمد عثمانی جلد اول ص ۹۹ مقدمہ از مولانا قاری محمد طیب صاحب۔

علم حدیث کا ذخیرہ ترتیب پا گیا اور اہل فن میں مقبول بھی ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھی اس پر زور دیا کہ راوی کے بارے میں دیکھا جائے کہ اس کا ضبط اپنے اوپر کتنا ہے اور اس کی دیانت و امانت کیسی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو (۶۵ھ) بیان کرتے تھے کہ آخری زمانہ میں شر پھیل جائے گا آپ سے پوچھا گیا کہ اس دور میں ہم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کریں تو آپ نے فرمایا:

ما اخذتموه عمن تأمنونه على نفسه ودينه فاعقلوه وعليكم بالقرآن فتعلموه وعلموه ابناءكم فانكم عنه تسئلون وبه تجزون وكفى به واعظاً لمن عقل۔[1]

ترجمہ: جو حدیث تم اس راوی سے لو جسے تم اپنے دین میں سنجیدہ پاؤ اور جسے دیانتدار سمجھو تو اس کا اعتبار کرلو اور قرآن کو لازم پکڑو اسے سیکھو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ اور اس کے بارے میں تم قیامت کے دن پوچھے جاؤ گے اور اسی پر تمہیں جزا ملے گی اور سمجھدار کے لیے اسی میں کافی نصیحت ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ قبول روایت میں اصل الاصول یہی ہے کہ راوی کی ذات اور دیانت دونوں قابل بھروسہ ہوں۔ نہ اتنا کمزور ہو کہ یاد نہ رکھ سکے نہ اتنا عام کہ اس کی دیانت مشتبہ ہو۔ روایت کے لائق اعتماد نہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے علامہ محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے بھی صفات جبریل کا ذکر کیا ہے۔[2]

ترجمہ: جبریل اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے پیغام میں اس سے روایت کرنے میں اور ان تمام کاموں میں جو ان کے سپرد کیے گئے لائق اعتماد ہیں

چھٹی صدی کے مشہور شیعی مفسر الطبرسی (۵۴۸ھ) نے بھی حضرت جبریل علیہ السلام کے صاحب قوت ہونے پر بحث کرتے ہوئے اصول روایت میں جبریل کی صفات سے استدلال کیا ہے۔[3]

---

[1] تفسیر المحرر الوجیز للقاضی عبدالحق الاندلسی (۵۴۶ھ) ج۱ ص۱۱ [2] تفسیر ابن جریر ج۳۰ ص۵۱ [3] مجمع البیان ج۹ ص۴۴۲

یہ صفات راوی کا عمدہ بیان ہے چونکہ ان تمام مواقع میں حضرت جبرئیل امین اور حضور
نبی کریم ہی سے روایت لینے والے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے ان تمام مواقع پر خدائی حفاظت
اور شانِ عصمت بھی کارفرما ہے اور ان کی روایت ایسی ہر امکانی غلطی اور بھول سے پاک ہے۔ لیکن
جہاں تک دوسرے ثقہ راویوں کا تعلق ہے ان سے بعض اوقات غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں جن کا جبر
دوسرے راویوں کی روایت سے کر لیا جاتا ہے۔ اور یہ بات اہلِ فن کے نزدیک ان کی ثقاہت
کو مجروح نہیں کرتی۔ حضرت مولانا سید انور شاہ محدث کشمیری فرماتے ہیں :-

ومن هنا انكشفت بر من الاغلاط تصويبا لسبيل السداد وانما
المعصوم من عصمه الله والجاهل لا يفرق بين اغلاط الرواة ومن اخبار
الانبياء عليهم السلام فيجعل خبطهم واغلاطهم على رقاب الرسل عليهم
الصلوة والسلام وما اجهله [1]

ترجمہ: اور یہیں سے یہ گمان کیا گیا کہ ثقہ راوی بھی غلطیوں سے بچتے نہیں، درست سمت
پر بتانا، معصوم وہی ہے جسے اللہ عصمت عطا فرما دے۔ جاہل لوگ راویوں کی
غلطیوں اور انبیاء کرام کی خبروں میں فرق نہیں کرتے۔ راویوں کے وہم اور
غلطیوں کو پیغمبروں کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔ کتنی بڑی گمراہی اور کتنی بڑی جہالت ہے۔

صفات جبرئیل کے ذکر میں صرف قول، قوۃ و مذکور ہیں۔ تو رب العزت سے ایک
ہی خبر لانے والا اور ان سے ایک ہی خبر لینے والا تھا۔ سو یہاں خبرِ واحد کی حجیت نہ تھی جبرئیل
امین اور حضور سید المرسلین دونوں معصوم تھے۔ جہاں حجیت اور عصمت پوری قوت اور
تحدی سے کارفرما ہوں۔ وہاں خبرِ واحد اور خبرِ متواتر دونوں برابر ہیں۔ ایک معصوم کی بات
بھی یقین کا فائدہ دیتی ہے اور معصوموں کی بات بھی اسی یقین کو قائم کرتی ہے اور دو سے

---

[1] فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۹۸

زیادہ معصوم کی بات بھی احتمالِ یقین تک پہنچاتی ہے۔ مگر خدائی حفاظت کے بعد تو خبرِ واحد اور خبرِ متواتر دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ وہاں جہاں خدائی حفاظت کا وعدہ نہ ہو، وہاں کثرۃ رواۃ سے روایت بے شک پختہ ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم نے خبرِ واحد کی قبولیت کا ایک دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے اور شرط لگائی ہے کہ راوی فسق سے مجروح نہ ہو۔ اور اگر ایسی جرح موجود ہو پھر بھی روایت کلیۃً رد کرنے کے لائق نہیں بلکہ دوسرے ذرائع اور قرائن سے اس کا تبیّن کر لیا جائے۔

فسقِ راوی اور مظنّہ جہالت

قرآن کریم میں ہے:۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علٰی ما فعلتم ندمین۔ (پ۲۶ الحجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم پر نادانی سے جا پڑو اور پھر اپنے کیے پر پچھتانے لگو۔

قرآن کریم کی اس آیت سے تین اہم باتیں معلوم ہوئیں ① ایک یہ کہ فاسق کی روایت از خود قبولیت نہیں۔ ② دوسرے یہ کہ فاسق کی روایت کلیۃً واجب الرد بھی نہیں بلکہ مزید لائق تحقیق ہے۔ ③ تیسرے یہ کہ خبرِ واحد قابلِ قبول ہے۔ بشرطیکہ اسے نقل کرنے والا فاسق نہ ہو۔ یہ تب اگر مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جائے ——— اگر خبرِ واحد معتبر نہ ہوتی تو وجہ تبیّن صرف فسق نہ ہوتا۔ راوی کا ایک ہونا بھی مزید تائید کا محتاج ہوتا۔

اس آیت کی رو سے کسی خبر کے بارے میں دو باتیں موجب جرح ہیں ① راوی کا فسق اور ② صورت واقعہ سے بے خبری۔ جہاں راوی کی دیانت اور اصل بات کی یاد و حفظ و ثبت، قائم ہو وہاں خبر جرح سے محفوظ اور قابل قبول سمجھی جائے گی۔ محدثین کرام کے نزدیک روایت کی تحقیق اور پرکھ کے انداز بہت ہیں۔ لیکن ان سب کا اجمال یہ ہے کہ حدیث روایت کرنے والا راوی مخلصانہ دیانت sincere righteousness اور اچھی یادداشت strong memory

رکھتا ہو۔ جہاں حافظہ کمزور ہوگا یا دیانت مشتبہ ہوگی، روایت کمزور پڑتی جائے گی۔

آیت مذکورہ بالا اگرچہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے۔ لیکن اس کا حکم عام ہے اور حدیث قبول کرنے کے بارے میں محدثین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فاسق کی روایت قابل قبول نہیں۔ مزید تحقیق سے اسے قبول کر لیا جائے تو یہ امر دیگر ہے۔ حضرت امام مسلم اپنے مقدمہ صحیح میں لکھتے ہیں:۔

ان الواجب على كل احد عرف التمييز بين صحيح الروايات وسقيمها .... وان يتقي منها ما كان عن اهل التهم والمعاندين من اهل البدع والدليل على ان الذي قلنا من هذا هو اللازم دون ما خالفه قول الله تبارك وتعالى ذكره يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا .... ان خبر الفاسق ساقط غير مقبول۔[1]

ترجمہ: ہر ایک کے ذمہ واجب ہے کہ صحیح اور کمزور روایات میں فرق جان کر ...... اور جو بات اہل تہمت اور معاند اہل بدعت سے مروی ہو اس سے بچے اور جس چیز کو ہم نے اور جو موقف کے خلاف لازم ٹھہرایا ہے اس پر دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق ایک روایت لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ...... بے شک فاسق کی خبر از خود ساقط اور غیر مقبول ہے۔

امام بخاریؒ باب ما جاء فی اجازۃ الخبر الواحد الصدوق میں لکھتے ہیں:۔

وقوله تعالى ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا وكيف بعث النبي امراءه واحدا بعد واحد[2]

ترجمہ: اور قول خداوندی ہے: اگر تمہارے پاس کوئی فاسق ایک خبر لے کر

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۳ پورا ترجمۃ الباب آگے آرہا ہے، دیکھئے صفحہ ۹۵ کتاب ہذا۔ اس میں دیکھئے حضورؐ نے کس طرح عبادات اور جملہ فرائض و احکام میں ایک سچے راوی کو قابل قبول قرار دیا ہے۔ کیا یہ خبر واحد کی قبولیت نہیں؟

آئے تو اسے تحقیق کر لیا کرتے ـــــــــ اور حضورؐ نے اپنے امیر کی طرح ایک ایک بھیجے۔

(نوٹ) ایک شخص کی روایت اگر لائق قبول نہ ہوتی تو حضورؐ کبھی ایک ایک شخص کو اپنے احکام دے کر کہیں نہ بھیجتے۔ ورنہ ایک فاسق کی خبر پر مزید تحقیق کی ضرورت بھی باقی شیعہ محدثین نے بھی حدیث کے بارے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ ملا تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) من لا یحضرہ الفقیہ کی شرح لوامع صاحبقرانی المسمیٰ بہ شرح الفقیہ میں لکھتے ہیں:۔

ترجمہ: یہ آیت بتلاتی ہے کہ دیانتدار اور سچے راوی کی روایت قابل قبول ہے

علامہ مامقانی (۱۳۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ترجمہ: یہ آیت فاسق کی روایت کو بغیر مزید جانچ اور تحقیق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ تحقیق و تبیین کے بعد فاسق (اور وہ بھی اگر شخص واحد ہی ہو) اس کی روایت قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اس مسئلہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کا فاضلانہ بیان سنیے۔ موصوف مقدمہ فضل الباری میں لکھتے ہیں:۔

اس سے واضح ہے کہ شخص واحد کی خبر اس کے فاسق ہونے کے باوجود بھی معتبر اور حجت ہونے کی شان رکھتی ہے بشرطیکہ تحقیق میں آ جائے اور حجت بھی ایسے اہم معاملات میں جن کے بگڑ جانے کی صورت میں ندامت اٹھانی پڑے جو کسی اہم اور بڑے ہی معاملہ کی شان ہوتی ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ شخص واحد کی خبر بھی قرآنی اصول پر قابل رد یا غیر معتبر نہیں۔ بلکہ تبیین و تحقیق کے بعد معتبر اور بڑے بڑے معاملات میں حجت ہوتی ہے۔ جس پر دیانتاً معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ روکا اگر گیا ہے تو قبل از تحقیق اس پر عمل کرنے سے نہ کہ مطلقاً۔ ورنہ یوں کہا جاتا کہ فاسق اگر کوئی خبر لائے تو ہرگز اس کی بات کا

لہ شرح الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۲ ۔ کہ تنقیح المقال جلد ۱ صفحہ ۱۶۹

وضاحت کر دی کہ تحقیق کے بعد اسے مان لو اور معتبر سمجھو۔ پس تحقیق کی شرط اس
لیے لگائی کہ خبر دینے والا اور روایت کرنے والے کے فسق و فجور سے اس کی خبر میں جو
بے اعتباری کی گنجائش پیدا ہو گئی تھی وہ ختم ہو جائے اور خبر قابل اعتبار ہو
جائے۔ مگر خبر بہر حال وہ ایک ہی کی رہے گی۔ اس لیے صاف ثابت ہوا کہ
ایک کی روایت معتبر اور معاملات میں حجت ہے۔ اب اگر خبر دینے والا فرد
فاسق بھی نہ ہو بلکہ غیر مجروح ہو جیسے رجل لیسی کی خبر تو وہ بلا تبیین بھی اس اصول
سے قابل قبول بن سکتی ہے۔ اور اگر راوی غیر مجروح ہونے کے ساتھ عادل و
متقی، متدین اور امین ہو، جیسے ملائکہ، انبیاء اور صلحاء۔ تو اس اصول پر اس کی
بلا واسطہ خبر کو معتبر ماننے کے لیے قطعاً تبیین و تحقیق کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے
لیکن اگر وساطت کی وجہ سے اس پر بھی تحقیق و تبیین کر لیا جائے تو پھر تو یہ خبر
بطریق اولیٰ واجب الاعتبار بن جائے گی۔ مگر بہر صورت رہے گی خبر فرد ہی۔
اس لیے خبر فرد جسے خبر غریب بھی کہتے ہیں قرآن کی رو سے معتبر اور حجت ثابت
ہو گئی۔ گو اس کی حیثیت درجہ ظن ہی کی حد تک ہو کہ ظنیات بھی شرعاً حجت اور
معاملات میں قابل اعتنا شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ظنیات کے معنی وہمیات کے نہیں
بلکہ صرف اس کے ہیں کہ خبر پر وثوق و اعتماد کے ساتھ جانب مخالف کا احتمال
بھی باقی رہے نہ یہ کہ اصل خبر بے اعتبار اور قابل رد ہو جائے۔ البتہ اس کے
ساتھ اس راوی واحد کی جو ثقہ اور عادل ہے تحقیق بھی کر لی جائے یعنی اس
خبر کے متابعات و مرویات اور شواہد و قرائن بھی فراہم ہو جائیں تو پھر اس خبر
فرد سے ظن اس حد تک بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یقین کی سرحد سے جا ملے اور ایسی
خبر اگر قطعیت کے ساتھ درجہ یقین تک نہ پہنچے گی تو شبہ یقین تک ضرور پہنچ
جائے گی۔ جس کا نام اصطلاح میں غلبۂ ظن ہے۔ سو ایسی خبر اصول و آئین کی رو
سے نہ رد کی جا سکتی ہے نہ غیر معتبر ٹھہرائی جا سکتی ہے۔ جب کہ قرآن خود خبر فرد
کے سلسلہ میں ایک فاسق کی خبر کو بھی کلیۃً غیر معتبر نہیں ٹھہراتا، بلکہ بعد تبیین اسے

معتبر قرار دیتا ہے تو ایک ثقہ اور عادل کی خبر کو اس قرآنی اصول کی روشنی میں کیسے رد کیا جا سکتا ہے ؟ اس لیے خبر فرد اور اس کی حجیت کا ثبوت آیات بالا سے بہت کافی وضاحت کے ساتھ ہو جاتا ہے۔[1]

خبر واحد کے لائق قبول ہونے میں قرآنی موقف

قرآن کریم کی یہ آیت کہ فاسق کی روایت بغیر مزید تحقیق کے قابل قبول نہیں۔ بتلاتی ہے کہ اگر وہ راوی فاسق نہ ہوتا تو اس کی روایت لائق قبول تھی۔ اسلام میں اگر خبر واحد کا اعتبار نہ ہوتا تو قرآن کریم فاسق کی روایت کو صرف فسق کی بنا پر رد نہ کرتا۔ خبر واحد کی بنا پر بھی رد کرتا۔ خبر واحد کے لائق قبول ہونے پر امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے اس آیت کریمہ کو بھی پیش کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

امام بخاری کی شہادت

باب ما جاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلاۃ والصوم والفرائض والاحکام وقول اللہ تعالیٰ فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون۔ ویسمی الرجل طائفۃ لقولہ تعالیٰ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فلو اقتتل رجلان دخل فی معنی الآیۃ وقولہ تعالیٰ ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا وکیف بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم امراءہ واحدا بعد واحد فان سہا احد منہم رد الی السنۃ۔[2]

ترجمہ: ایک سچے راوی کی خبر اذان، نماز، روزہ اور فرائض واحکام کے بارے میں جائز ہونے کے باب میں جو کچھ آیا ہے۔ خدا کا فرمان کہ ہر فرقے سے کیوں نہ ایک جماعت نکلا کرے دین میں تفقہ حاصل کرنے اور واپس لوٹ کر اپنی قوم

---

[1] مقدمہ فضل الباری جلد ۱ صفحہ ۔۔ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۶

کو لوٹاتے تاکہ وہ بچ جاتے۔ ایک آدمی کو بھی طائفہ کہہ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ
کا فرمان ہے اگر مومنوں کے دو طائفے آپس میں لڑیں تو اگر دو شخص بھی آپس
میں لڑیں گے تو وہ اس آیت کے تحت آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ـــــ
اور حضورؐ نے کئی اپنے امراء ایک ایک کر کے بھیجے۔ ان میں سے اگر کوئی بھول
جائے تو بات سنت کی طرف لوٹائی جائے گی۔

خبرِ واحد کے لائق قبول ہونے پر نبوی موقف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی معاشرہ ترتیب دیا اس میں خبرِ واحد کی بناء پر بہت احکام چلتے تھے۔ دینی اطلاعات میں فرائض تک کا اعلان خبرِ واحد سے کافی سمجھا جاتا اور اس پر اس پہلو سے کہیں نکیر نہ سنی گئی۔

① عن عبد اللہ بن دینار قال بینا الناس بقباء فی صلاۃ الصبح اذ جاءھم آت فقال ان رسول اللہ صلی اللہ قد انزل علیہ اللیلۃ قرآن وقد امر ان یستقبل الکعبۃ فاستقبلوھا وکانت وجوھھم الی الشام فاستداروا الی الکعبۃ۔[1]

عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ لوگ صبح کی نماز کے لئے مسجد قباء میں تھے کہ ان کے پاس ایک آنے والا آیا۔ اس نے کہا کہ آج رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حکم قرآنی اترا ہے کہ آپ نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کیا کریں۔ سو تم کعبہ کو ہی قبلہ بناؤ ـــــ ان لوگوں کے رُخ شام کی طرف تھے۔ سو سب کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

نماز دین کا ستون ہے۔ صحابہ کرام اگر اس میں ایک خبرِ واحد ملنے پر اعتماد کر کے اپنا قبلہ بدل سکتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس معاشرہ میں خبرِ واحد بشرطیکہ خبر لانے والا ثقہ عادل اور قابلِ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰

اعتماد ہو کہ کتنا ہی فرق ہو، وہ معمولی وزن ہو گا۔ اس پر آپ خود ہی غور فرمائیں۔

عن حذيفة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لأهل نجران لأبعثن إليكم رجلا أمينا حق أمين فاستشرف لها أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فبعث أبا عبيدة۔[1]

(۳) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو فرمایا میں تمہاری طرف ایک پورا امین شخص بھیجوں گا۔ سب صحابہ سر اٹھا کر دیکھنے لگے کہ آپ کس کو بھیجتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا امین جو حق امانت کو پورا ادا کرنے والا ہو۔ سو آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

اہل نجران کے سامنے اگر ایک شخص اسلام کی آواز لگا سکتا تھا اور وہ ساری قوم اس کی مکلف ہو سکتی ہے کہ اس ایک کی بتائی ہوئی دینی باتوں کی اطاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سمجھے تو خبر واحد کے لائق قبول ہونے میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو اس راوی کی صفت بیان کرتے ہوئے جو ان کے پاس دین لے کر جائے گا خبر دی کہ وہ پورا امین ہو گا اس سے پتہ چلتا ہے کہ امین راوی کی بنیادی صفت ہے۔ حافظے کے پہلو سے بھی وہ امین ہو اس سے کوئی بات رہ نہ جائے اور دیانت کے پہلو سے بھی وہ امین ہو کوئی غلط بات نہ کہہ سکے۔

(۴) عن عمرؓ قال وكان رجل من الأنصار إذا غاب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وشهدته أتيته بما يكون من رسول الله صلى الله عليه وسلم وإذا غبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وشهده أتاني بما يكون من رسول الله صلى الله عليه وسلم۔[2]

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری جب کبھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکتا تو میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں جا [illegible] کرتا تھا اور جب کبھی میں حضورؐ سے غائب ہوتا اور وہ انصاری حاضر ہوتے تو وہ مجھے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ [illegible] [2] ایضاً

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بتایا کرتے تھے۔

یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی جب ایک دوسرے کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تفصیلات نقل کرتے جو ان میں ایک نے حضور سے سنی ہوتیں تو اسے سن کر اسے پوری طرح قبول کر لیتے۔ گویا یہ اس امر کی کھلی شہادت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی معاشرہ قائم کیا تھا اس میں خبر واحد بلا تردد لائق قبول سمجھی جاتی تھی۔ صرف یہی دیکھا جاتا تھا کہ خبر واحد لانے والا وہ شخص کس درجہ کا ثقہ اور امین ہے۔

تو حدیث کے اصول اعتماد جس طرح قرآنی آیات میں دیانت اور شہادت سے پہلے ہو گئے تھے، انہیں ہم نے نبوی موقف میں بھی نہایت واضح طور پر موجود پایا۔ خبر دینے والا ثقہ اور امین ہو تو خبر واحد بلا تردد قبول کی جائے گی۔ اب صرف ایک بات لائق غور رہ جاتی ہے کہ نقل روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری ہے یا روایت بالمعنی بھی کفایت کر سکتی ہے۔

روایت بالمعنی کے لائق قبول ہونے میں قرآنی موقف

عام بنیادی مذاہب کا مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل چکھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ دونوں نیچے اتر جاؤ۔ یہ واقعہ قرآن کریم میں کئی طرح سے منقول ہے۔

(۱) قال اهبطا منها جميعا بعضكم لبعض عدو فإما يأتينكم مني هدى فمن اتبع هداي فلا يضل ولا يشقى۔ [1]

ترجمہ: خدا نے کہا تم دونوں اکٹھے اس سے نیچے اترو، ایک کا دشمن ایک ہوگا۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو اس کا اتباع کرے گا وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں شقی ہوگا۔

(۲) قال اهبطوا بعضكم لبعض عدو ولكم في الأرض مستقر ومتاع إلى حين۔ [2]

ترجمہ: خدا نے کہا تم سب نیچے اترو، ایک دوسرے کے تم دشمن ہو گئے اور

---

[1] پ ۱۶ طٰہٰ ع ۷ [2] پ ۸ الاعراف ع ۲

تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ اور رہنا ہے ایک وقت تک۔

(۳) فقلنا اهبطوا منها جميعا فاما يأتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔[1]

ترجمہ: ہم نے کہا اتر جاؤ جنت سے سب کے سب پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے پیغام ہدایت تو جس نے میری پیروی کی ان پر کوئی خوف نہ ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ ایک ہی واقعہ کی تین مختلف تعبیریں ہیں۔ رب العزت نے جب یہ بات کہی ہوگی تو ظاہر ہے کہ ایک بات کہی ہوگی اور باقی تعبیرات اس بات کی روایت بالمعنی ہوں گی روایت بالمعنی اگر جائز نہ ہوتی تو قرآن کریم ایک بات کو مختلف تعبیرات میں پیش نہ کرتا۔ رب العزت نے جب فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو یا تو کہا ہوگا اسجدوا لآدم (پ البقرہ ع ۴) یا کہا ہوگا فقعوا له ساجدين۔ (پ ص ع ۵) ظاہر ہے کہ ان دو میں ایک تعبیر ضرور روایت بالمعنی ہوگی علامہ محمود آلوسیؒ نے بھی ان آیات سے روایت بالمعنی کا اشارہ کیا ہے۔[2]

---

[1] پ البقرہ ع ۴۔ [2] دیکھئے روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ جلد ۸ صفحہ ۸۹

قبولیتِ روایت میں اصل الاصول اعتماد ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے فاسق کی خبر بھی مسلماً لائقِ رد نہیں۔ بلکہ اس کی مزید تحقیق کی جائے گی۔ دوسرے ذرائع اور قرائن سے اس کا تبیّن ہو جائے تو اسے بھی قبول کیا جائے گا۔ بات کے لائق اعتماد تک پہنچنے میں نبوی موقف بھی آپ کے سامنے آ چکا۔ اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ قبولیتِ روایت میں اصل الاصول اعتماد اور وثوق ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائے تو پھر نہ ہی [illegible] خبر کا ایک راوی سے ہونا اس میں رکاوٹ بن سکتا ہے نہ روایت کا بالمعنی مروی ہونا اس میں سببِ قدح ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض صورتوں میں سند کا متصل ہونا بھی ضروری نہیں۔ بیچ کا راوی اگر کوئی مسلّم علمی شخصیت ہو اور روایت استدلال میں پیش کی جا رہی ہو تو یہ مرسل روایت interupted report بھی اعتماد و وثوق پر قبول کی جا سکتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات پہنچتی تو اگر اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نقل کرنے والا نہ بھی ملتا وہ اس کی تحقیق میں برابر لگے رہتے۔ اگر اتصالِ روایت نہ ملتا۔ ایسے قرائن میسر آ جاتے جن سے پتہ چل جاتا کہ یہ روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو وہ اس کو قابلِ قبول سمجھتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے اور روایت کا متصل نہ ہونا اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حجاز میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ بیان کرنے والا صحابی تھا یا تابعی۔ بصورتِ اولیٰ صحابی نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی یا کسی اور نے اس کے سامنے یہ روایت نقل کی تھی۔ ان تمام امور میں یہ خبر مجہول unknown تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر مزید تحقیق اور تفحص فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس پر وثوق و اعتماد حاصل ہو گیا اور آپ نے اس پر عمل فرمایا۔ محدثِ شہیر عبدالرزاق الصنعانی [illegible] کہتے ہیں:

ل مثلاً مختلف تابعین کرام جو مختلف شہروں میں رہتے تھے اور آپس میں ملاقات نہ ہوئی ہو دین کے کسی موضوع میں ایک ہی بات کہیں تو ظاہر ہے کہ وہ بات انہوں نے مختلف صحابہ کرامؓ سے لی ہو گی اور اگر اس میں اجتہاد کا پہلو نہ ہو تو اسے بحالات حضورؐ کی بات ہی سمجھا جائے گا۔

اخبر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی وجعہ الذی مات فیہ لا
یجتمع بارض العرب دینان ففحص عن ذلک حتی وجد علیہ الثبت۔[1]

حضرت عمرؓ کو بتایا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جبکہ آپ مرض میں تھے جس میں
وفات پائی تھی، کہا تھا کہ اس زمین عرب میں دو دین جمع نہ ہونے پائیں (یہ مرکز
اسلام ہے جہاں صرف اسلام ہی رہے گا) آپ نے اس کی تحقیق فرمائی اور اس
پر ثبت پا لیا کہ یہ واقعی صحیح خبر تھی۔

وہ صحابی کون تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی؟ ان کا نام نہیں
ملا۔ امام مالکؒ نے موطا میں اسے امام زہری (۱۲۴ھ) سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ صحابی کا نام درمیان میں نہیں تھا۔ مگر چونکہ اور ذرائع سے اس کی تحقیق
ہو گئی اور وہ تحقیق بھی خود حضرت عمرؓ نے ہی فرمائی تھی۔ اس لئے اس روایت کو محض اس لئے
قبول کر لیا گیا کہ اس پر دوسرے ذرائع سے ثبت و وثوق حاصل ہو چکا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان
دنوں اصل مسئلہ سند کا اتصال نہیں تھا، قبولیت روایت میں اصل الاصول اعتماد تھا۔ جب یہ
حاصل ہو جائے تو روایت قابل عمل ہو جاتی تھی اور اسی پر حضرت عمرؓ نے یہودیوں کا خیبر سے
اخراج کیا تھا۔[2] امام محمدؒ (۱۸۹ھ) اس حدیث کو اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

بلغنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ لا یبقی دینان فی جزیرۃ العرب
فاخرج عمر من لم یکن مسلماً من جزیرۃ العرب بہذا الحدیث۔[3]

ترجمہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے آپ نے فرمایا کہ جزیرہ
عرب میں دو دین باقی نہ رہ سکیں گے حضرت عمرؓ نے اس حدیث کی وجہ سے
ہر ایسا شخص کو جو مسلمان نہ تھا جزیرہ عرب میں نہ رہنے دیا۔

یہاں پر حضرت عمرؓ نے سند کا اتصال نہیں دیکھا، بلکہ قرائن و دیگر ذرائع سے اس کی تحقیق
فرمائی۔ جب ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے تو آپ نے اس پر عملی قدم
اٹھایا اور یہودیوں کا اخراج فرمایا۔ پتہ چلا کہ کبھی قرائن بھی ایسے با وثوق ہوتے تھے کہ انکار کی

---

[1] المصنف لعبدالرزاق جلد ۶ صفحہ ۵۶ [2] موطا امام مالک صفحہ ۳۶۰ [3] موطا امام محمد صفحہ ۳۶۰

گنجائش نہیں ہوتی حضرت عمرؓ کے اس طریق کار پر کسی صحابی نے جرح نہیں کی۔ نہ آپ پر کسی نے کوئی انگلی اٹھائی۔ بلکہ آپ کی اس تحقیق کے بعد سارے صحابہؓ اس پر متفق ہو گئے کہ حضورؐ کی تعلیم یہی ہے۔

کل صحابہ عادل اور لائق اعتماد

قبولیت روایت میں اعتماد یہاں تک وسیع ہو کر نقل روایت میں کل صحابہ عادل اور لائق اعتماد مانے گئے۔ الصحابة کلھم عدول آپ نے سنا ہوگا۔ سب صحابہ ایک دوسرے کے نزدیک ثقہ اور دیانت دار سمجھے گئے کسی کے ہاں تجویز نہ تھا۔ صحابہ کرام سب کے سب عادل تھے۔ آپس میں ان کے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں، مسائل میں بھی کتنے ہی اختلاف واقع ہو چکے ہوں، فقہی موقف بھی جدا جدا ہو چکے ہوں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نقل کرنے میں سب کے سب ثقہ اور قابل اعتماد سمجھے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی صحابی جھوٹ کہے اس کا ان کے ہاں تصور بھی نہ ہو سکتا تھا۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) حضرت امام مزنیؒ سے حدیث اصحابی کالنجوم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وھذا ایضاً عندی ان قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم ھو علی ما قال المزنی وغیرہ من اھل النظر ان ذلک فی النقل لان جمیعھم ثقات مامونون عدول رضی فواجب قبول ما نقل کل واحد منھم وشھد به علی نبیه صلی اللہ علیه وسلم[1]

ترجمہ: یہ بات میرے نزدیک بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جیسا کہ اہل نظر میں سے امام مزنیؒ نے اس کی تشریح کی ہے یہ ہے کہ یہ بات حضورؐ سے نقل کرنے میں ہے کیونکہ سب کے سب صحابہ ثقہ امین اور عادل ہیں۔ سو ہر ایک سے جو نقل پہنچی اور جس نے جو شہادت بھی اپنے نبی کے بارے میں دی، اس کا قبول کرنا واجب ہے۔

---

[1] التمہید جلد ۴ ص ۲۶۳

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ بھی ایک دوسرے پر جھوٹ کی چوٹ کر جاتے تھے۔

یہ صحیح نہیں۔ عربی میں لفظ کذب صرف جھوٹ کے معنی میں نہیں بعض دفعہ خلاف واقع بات کہنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مگر اردو میں یہ لفظ صرف جھوٹ کے معنوں میں آتا ہے۔ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کی بات کو اگر کبھی خلاف واقع کہتے تھے بھی تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ قائل صحابی کی بات صحیح نہیں۔ انہیں غلطی واقع ہو رہی ہے، یہ نہیں کہ وہ معاذ اللہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ سے اس قسم کی بات عادۃً ہرگز ممکن نہ تھی۔ مشہور محدث علامہ خطابی (۳۸۸ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں:

قوله كذب أبو محمد يريد أخطأ ولم يرد به تعمد الكذب الذي هو ضد الصدق۔[1]

ترجمہ: اس کو کہنا کہ ابو محمد نے کذب (غلط) کہا، اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے غلطی کی کہنے والے کی مراد یہ نہیں کہ اس نے جھوٹ بولا جو سچ کی ضد ہوتی ہے۔

پھر ایک صحابی کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو صحابي من الأنصار له صحبة والكذب عليه في الأخبار غير جائز والعرب تضع الكذب موضع الخطأ في كلامها فتقول كذب سمعي وكذب بصري أي زل ولم يدرك ما رأى وما سمع۔[2]

ترجمہ: وہ انصاری صحابی ہیں ان پر خبر میں جھوٹ بولنے کا الزام جائز نہیں۔ عرب بات میں غلطی کرنے پر بھی کذب کا لفظ بولتے ہیں مثلاً کہتے ہیں میرے کان نے کذب (غلطی) کی، میری آنکھ نے کذب (غلطی) کی یعنی وہ چوک گیا اور جو دیکھا اور سنا اسے نہ سمجھ سکا۔

اس محاورے کی تائید ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت کعب احبارؒ کے مابین اختلاف ہوا کہ وہ گھڑی جس میں دعا لازماً قبول ہوتی ہے سال میں ایک

[1] معالم السنن للخطابی جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۳۴

نہ دینا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

اذا حدثک سعد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تسئل عنہ غیرہ۔[1]

ترجمہ جب سعد تمہارے پاس حضورؐ کی کوئی بات نقل کریں تو ان کے بارے میں کسی اور سے نہ پوچھا۔

مُرسلاتِ صحابہؓ پر اعتماد

ائمہ اربعہ میں گو اختلاف ہے کہ روایت مرسل جس میں تابعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روایت کرے قبول کی جائے یا نہ؛ امام اعظم ابو حنیفہ النعمانؒ اور امام مالکؒ ثقہ تابعی کی مرسل کو قبول کرتے ہیں اور امام شافعیؒ و امام احمدؒ اسے قبول نہیں کرتے۔ لیکن ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ صحابہ کی مرسلات سب کی سب قبول ہیں۔

صحابہ کی مرسلات سے وہ روایات مراد ہیں جن میں صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دور کی روایت نقل کرے جب وہ اس دور میں مسلمان نہ ہوا تھا یا حضورؐ کے پاس موجود نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے وہ بات کسی اور صحابی سے جو وہاں موقع پر موجود ہوگا سنی ہوگی اور اب وہ اس کا نام ذکر نہیں کر رہا ہے یا اس نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا اور اب وہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے روایت نہیں کر رہا۔ اس دور کی بات کو اپنی طرف سے روایت کر رہا ہے۔ صحابہؓ کی یہ مرسلات بالاتفاق مقبول ہیں۔ درمیانے راوی کی تلاش اس وقت ہوتی ہے جب اس کی ثقاہت معلوم کرنی ضروری ہو۔ صحابہؓ چونکہ کلہم ثقہ اور عادل ہیں اس لیے ان میں سے کسی کا معلوم نہ ہونا قبولیت روایت میں قادح نہیں ہو سکتا۔

مثلاً صحیح بخاری کی دوسری روایت اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے آپ اس میں یہ بیان کرتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ ظاہر ہے کہ اس وقت تک حضرت عائشہؓ کی پیدائش بھی نہ ہوئی تھی اور وہ دور آپؓ کا دیکھا ہوا نہ تھا۔ آپؓ نے یہ حالات و واقعات کسی اور صحابی سے یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوں گے۔ مگر آپ اس واسطہ روایت کو ذکر نہیں کر رہیں یہ مرسل روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی

---

[1] بخاری جلد ا صـ

شناخت اور جہالت شان سے پیش نظر کسی طرح بھی رد نہیں کی جائے گی صحابہ کی مرسلات تو ائمہ کے نزدیک بھی معتبر اور لائق احتجاج ہیں جو دوسروں کی مرسل روایات کو قبول نہیں کرتے۔ امام نووی مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

واما مرسل الصحابي وهو روايته ما لم يدركه او يحضره كقول عائشة رضي الله عنها اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة فمذهب الشافعي والجماهير انه يحتج به وقال الاستاذ الامام ابو اسحق الاسفرائيني الشافعي لا يحتج به الا ان يقول انه لا يروي الا عن صحابي والصواب الاول[1]

ترجمہ: اور رہا معاملہ مرسلات صحابہ کا اور وہ ایسی روایات ہیں جن کا زمانہ اس راوی نے نہ پایا ہو یا جس مجلس میں وہ بات ہوئی اس میں حاضر نہ ہوا ہو تو امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ کی مرسل روایات سے حجت پکڑی جا سکتی ہے اور استاذ امام ابو اسحق اسفرائینی کہتے ہیں کہ اس قسم کی روایات سے استدلال صحیح نہیں۔ ہاں اگر وہ کہے کہ وہ صرف صحابی کے علاوہ کسی اور سے روایت نہیں لیتا تو پھر اس کی مرسل روایت بھی قبول کیا جا سکے گا اور صحیح بات یہی ہے کہ مرسلات صحابہ مطلقاً لائق قبول ہیں۔

آپ ایک دوسرے مقام پر ایک حدیث کی بحث میں لکھتے ہیں:

هذا الحديث من مراسيل الصحابة وهو حجة عند الجماهير[2]

ترجمہ: یہ حدیث صحابہ کی مرسل روایات میں سے ہے اور وہ جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ایک بحث میں لکھتے ہیں:

ويستفاد من عمومه ما كان ذلك سببه صحة الاحتجاج بمراسيل الصحابة[3]

۱؎ مقدمہ صحیح مسلم للنووی ص [illegible] طبع ہند ۲؎ شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ ص [illegible] ۳؎ فتح الباری جلد [illegible] ص [illegible]

ترجمہ: اس طرح کی باتوں پر صحیح کا حکم لگانے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ صحابہ کی مرسل روایات سے حجت پکڑنا قانونی طور پر صحیح ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے دور میں تو نیت روایت کا مدار اعتماد اور وثوق پر ہی رہا ہے۔ روایت کا متصل ہونا ضروری نہ تھا۔ صحابہ کرام کا عادل اور ثقہ ہونا نقلی اور عقلی دلائل سے معلوم تھا تو اب ان کی مرسلات بھی حجت سمجھی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی عدالت پر مہر کر دی، تو اب اس کی کیا ضرورت ہے کہ ائمہ حدیث میں سے کوئی ان کی تعدیل کرے۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

ان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم ... فلا يحتاج احد منهم مع تعديل الله لهم المطلع على بواطنهم الى تعديل احد من الخلق له۔[1]

ترجمہ: صحابہ کی عدالت اللہ تعالیٰ کی تعدیل سے معلوم اور ثابت ہے۔ سو صحابہ میں سے کوئی بھی کیوں نہ ہو وہ کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی تعدیل حاصل ہے جو ان کے باطن اور پر پوری طرح مطلع ہے اور انہیں عادل قرار دے رہا ہے۔

صحابہ کے اسی طرح کی اعتماد کا اثر دوسرے صحابہ میں بھی تھا۔ علمی حلقوں میں اعتماد عام تھا۔ علمی حلقے سب اعتماد پر چلتے تھے۔ اس دور میں اسناد پر زیادہ زور نہ تھا۔ خیر اور صداقت عام تھی۔ اسنادی مباحث، مرد و رویوں کے باہمی فاصلے اور رابطے اور روایات میں اتصال و ارسال کی بحثیں اس وقت چلیں جب امت میں فتنے پیدا ہوئے۔ جھوٹ عام ہونے لگا۔ سو ضروری ہوا کہ اس وقت کے ائمہ حدیث اس سمت میں کوئی قدم اٹھائیں اور حق یہ ہے کہ اس وقت دینی سرمایہ کے تحفظ کے لئے ایسے اقدامات ضروری تھے۔ امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

عن ابن سيرين قال لم يكونوا يسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر الى اهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر الى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم۔[2]

---

[1] الكفاية في علوم الرواية ص ۴۶، ص ۴۹ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۱

ترجمہ: امام ابن سیرین سے روایت ہے کہ پہلے دور میں لوگ سند کے بارے میں
سے فکرمند نہ ہوتے تھے لیکن جب فتنے اٹھے تو کہنے لگے اپنی روایت
کے راوی سامنے لاؤ تاکہ اہل سنت اور اہل بدعت کی پرکھ ہو، اہل سنت کی
حدیثیں لے لی جائیں اور اہل بدعت کی روایات سے پرہیز کی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ اس نئے دور کے مجدد سمجھے جاتے ہیں انہوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور آئندہ کے لیے تحقیق حدیث کی اساس صحت سند کو قرار دیا اور راویوں کی جرح و تعدیل اور اتصال رواۃ اس نئے دور کا بڑا موضوع قرار پایا ——— اس درجہ کی پڑتال کی ضرورت دور اول میں کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔

قبول مرسل میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ قبول مرسل میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ سے اختلاف دراصل اصول کا اختلاف نہ تھا، حالات کا اختلاف تھا۔ قبول روایت میں احتیاط کو سب ائمہ کے ہاں اصولی درجہ حاصل رہا ہے جب تک امت میں عدالت اور انصاف غالب تھے گو فتنے پیدا ہو چکے تھے روایت اعتماد پر بھی قبول کی جاتی تھیں، جب وہ حالات نہ رہے، فتنوں کا تموج مستقل درجہ بن گیا، تو بعد کے ائمہ نے صحت اسناد اور اتصال رواۃ پر توجہ تیز کر دی، اس مرحلہ پر امام شافعیؒ نے مجددانہ کردار ادا کیا۔ فجزاہ اللہ جزاءً حسنا۔
اس سے یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ پہلے دور کی کتب حدیث جیسے موطا امام مالک، موطا امام محمد، مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں اسانید اس پیرایہ بیان اور اہمیت شان سے نہیں ملتیں جس انداز سے ہم انہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں پاتے ہیں۔ اسکی وجہ کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے دور میں اعتماد غالب تھا۔ صحابہ کی مرسلات جس اصول پر قبول ہوتی تھیں وہ اصول اعتماد اگر کہیں بعد میں بھی کسی بزرگ پر دیکھا گیا تو اس کی مرسلات بھی قابل قبول سمجھی گئیں۔ مرسلات حسن، مرسلات ابراہیم، مرسلات زہری وغیرہ پر محدثین نے مستقل آراء قائم کی ہیں، تاہم یہ صحیح ہے کہ جوں جوں اعتماد میں کمی آنے لگی، محدثین کرام صحت سند

اور اتصال رواۃ پر زیادہ زور دینے لگے۔ حضرت امام شافعی ان دونوں طریقوں کی حد فاصل سمجھے جاتے ہیں اور بعد کے دور کے محدثین پھر تقریباً سب اسی راہ پر چلے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔
آپ نے قبولیت روایت میں اس وقت کے حالات کے مناسب صحت اسناد اور اتصال رواۃ پر بہت زور دیا۔ اختلاف الحدیث کے نام سے آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف فرمائی اور حق یہ ہے کہ آپ نے فن حدیث کا رخ اسناد کی طرف موڑ دیا۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس میں ہر وقت کی ضرورت کے مطابق اصحاب کردار پیدا ہوئے جنہوں نے وقت کی ضرورتوں کے تحت تحقیقات کے دھارے کا رخ صحیح سمت کی طرف کر دیا۔

نوٹ

اس سے یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ پہلے دور میں اسانید قائم نہ تھیں اور حدیث پوری سند سے روایت نہ ہوتی تھی۔ احادیث کا سلسلہ پوری اسنادی شان سے قائم تھا اور محدثین صحیح و ضعیف میں برابر فرق کرتے تھے۔ احادیث کی اسانید بعد میں فراہم نہیں کی گئیں جب سے احادیث چلی آ رہی ہیں اسی وقت سے سلسلہ اسانید بھی چلا آ رہا ہے۔ ہمارے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ پہلے دور میں روایت کی قبولیت میں سند کا اتصال زیادہ ضروری نہیں سمجھا گیا راوی کی اعتماد بہت حد تک مدار قرار رہا ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ سند کی ضرورت اور اہمیت اپنی جگہ موجود تھی

عمل راوی کے اختلاف سے اعتماد روایت میں کمی

قبولیت روایت میں اعتماد کو آخری اصولی حیثیت حاصل رہی ہے کہ اگر کوئی حدیث ثقہ راویوں سے بھی منقول ہو تمام راویوں میں اتصال بھی پایا جاتا ہو صیغہ تحدیث بھی ہر جگہ موجود ہو، متن کو منقطع کہیں نہ ہو وہ روایت اصولی طور پر بالکل صحیح ہو گئی۔ اس صحابی کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہو تو فوراً شبہ اٹھے گا کہ شاید یہ حدیث منسوخ العمل ہو۔ اس زمانے سے تعلق رکھتی ہو جب شریعت تکمیل کے تدریجی مراحل طے کر رہی تھی بعض احکام منسوخ ہو جاتے تھے اور ان کی جگہ نئے آ جاتے تھے۔

پہلے دور کی کوئی بات ثقہ راویوں سے منقول ہو وہ صحیح تو ہو گی لیکن بعد کے احکام

کی روشنی میں حجت اور لائق عمل نہ سمجھی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی صحابی کا اپنا عمل اس کی اپنی روایت کے خلاف ہو تو ظاہر ہے کہ صحت اسناد کے باوجود اعتماد روایت میں کچھ کمی ضرور آئے گی۔ اس وقت اس اصول پر بحث کرنا مقصود نہیں، موضوع حدیث کے عنوان میں اس پر ہم کچھ بحث کر آئے ہیں۔ یہاں بتانا صرف یہ ہے کہ قبولیت روایت میں اس اصول کا ہمیشہ اعتبار رہا ہے اور اسے کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ایک جگہ لکھتے ہیں:

راوي الحديث أعرف بالمراد به من غيره ولا سيما الصحابي المجتهد[1]

ترجمہ: حدیث کا راوی اس کی مراد کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ صحابی مجتہد ہو۔

کوئی بات نقل میں رہ جائے تو موجب قدح نہیں

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی حدیث نقل کرتے تو بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ بعض مضامین حدیث روایت کر دیتے اور کچھ باتیں رہ بھی جاتیں۔ جو دوسرے صحابہؓ کے ہاں یا انہی صحابی کی کسی دوسری روایت میں مل جاتیں۔ یہ بعض مضامین کا رہ جانا اس لئے بھی ہوتا کہ وہ بعض اجزاء باقی حدیث کے معنی پر اثر انداز نہ ہوتا۔ بلکہ ہر حصہ مضمون اپنی جگہ مستقل حیثیت سے روایت ہوتا تھا۔

محدثین اس پر متفق رہے ہیں کہ روایت حدیث میں کسی بات کا نقل سے رہ جانا باقی روایت میں موجب قدح نہیں ہے۔ امام زہریؒ (۱۲۴ھ) حدیث افک کے راوی ہیں جو مختلف تابعین کرام سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

كلهم حدثني طائفة من حديثها[2]

کہ ان راویوں نے حدیث افک کے کسی حصہ کو میرے سامنے بیان کیا ہے۔

امام زہری تصریح نہیں کرتے کہ کون سا حصہ کن راویوں نے بیان کیا ہے۔ لیکن چونکہ سب کے سب ثقہ ہیں۔ اس لئے یہ جانے بغیر کہ کس کس راوی نے کیا کیا بیان کیا ہے، پوری

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۶۴

لائق ترجیح ہوگی؟

محدثین میں روایت بالمعنی کا رواج نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ ترجیح قوت حفظ کی بناء پر ہوتی لیکن روایت بالمعنی کا شیوع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ راوی جتنا گہرا عالم اور فقیہ ہوگا اتنا ہی بات کے مغز کو زیادہ پائے گا اور یہ نہ ہوگا کہ وہ روایت بالمعنی کی صورت میں بات ورکچھ کہہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

نضر اللہ امرأ سمع منا شیئاً فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعی لہ من سامع۔[1]

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز کرے جس نے ہماری کوئی حدیث سنی۔ اور اسے اسی طرح آگے پہنچا دیا جیسا کہ اس نے سنا تھا کیونکہ آگے سننے والے کئی ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسے اس سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھ سکیں۔

اوعی (زیادہ حفاظت کرنے والا) سے مراد ہے زیادہ سمجھنے والا ہے۔ جتنا راوی فقیہ ہوگا اتنا ہی وہ اس مضمون کو زیادہ سنبھالنے والا ہوگا۔ اور اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کی ہی ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فرب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ۔[2]

ترجمہ:۔ ایسے کئی حامل فقہ ہیں جو اس بات کو اس شخص تک لے جائیں جو ان سے زیادہ اس بات کو سمجھتے ہوں۔

معلوم ہوا کہ جتنا کوئی راوی زیادہ فقیہ ہوگا اتنا ہی مقصد حدیث کو زیادہ پانے والا ہوگا۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) حدیث کی فقہ کو اس کے حفظ سے زیادہ اہم سمجھتے تھے۔ امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) بھی فقہ حدیث کو ہی سب سے اشرف علم شمار کرتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

قال احمد بن حنبل معرفۃ الحدیث والفقہ فیہ احب الی من حفظہ وقال علی بن المدینی اشرف العلم الفقہ فی متون الاحادیث ومعرفۃ احوال الرواۃ۔[3]

---

[1] رواہ الترمذی عن ابن مسعودؓ، مشکوٰۃ ص۳۵ رواہ الشافعی والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی المدخل

[3] منہاج السنۃ جلد ۴ ص[illegible]

ترجمہ: امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں حدیث اور فقہ کی معرفت مجھے اس کے حفظ سے
بھی زیادہ عزیز ہے۔ امام علی بن المدینیؒ کہتے ہیں سب سے اشرف علم متون
حدیث اور معانی روایات کی معرفت میں تفقہ کا کرنا ہے۔

غور کیجئے ان ائمہ فن نے فقہ اور حدیث کے معنی و مضمون کو کس قدر اہمیت دی ہے۔
امام ابو حنیفہؒ اس بات کے پُر جوش حامی تھے کہ بغرض ترجیح راویوں کی تفقہ پر بحث ہونی چاہیے۔ جتنا
کوئی راوی زیادہ افقہ ہوگا اتنی ہی اس کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ امام جلیل شام امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ)
سے امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی رفع یدین عند الرکوع کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ تو امام اوزاعیؒ نے
حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث پڑھی۔

حدثنی الزهری عن سالم عن ابیه عبد الله بن عمر بن الخطاب ان رسول
الله صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصلوٰة
وعند الرکوع وعند الرفع منه

ترجمہ: زہری نے مجھے سالم سے انہوں نے اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے
مجھے حدیث سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت
اپنے کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور رکوع کے وقت بھی اور
رکوع سے اٹھتے بھی۔

اس پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث پڑھ دی۔

حدثنا حماد عن ابراهیم النخعی عن علقمة والاسود کلاهما عن ابن مسعود
ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان لا یرفع یدیه الا عند افتتاح الصلوٰة
ولا یعود لشیء من ذلك۔

ترجمہ: حماد نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسودؒ سے اور ان دونوں نے
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم صرف نماز کے شروع میں
رفع یدین کرتے تھے کسی دوسرے مقام پر رفع یدین نہ کرتے تھے۔

اس پر امام اوزاعیؒ نے کہا:

احب ذلک من الزہری عن سالم عن عبد اللہ وتقول حدثنی حماد عن ابراہیم۔

ترجمہ: کیا تمہیں زہری سے وہ سالم سے وہ عبد اللہ بن عمر سے حدیث سنادیں یہ پسند ہے اور تم مجھے حماد سے لو۔ وہ ابراہیم سے حدیث سنا رہے ہیں؟

اس کے جواب میں امام ابوحنیفہ نے کہا:

کان حماد افقہ من الزہری وکان ابراہیم افقہ من سالم وعلقمہ لیس بدون ابن عمر فی الفقہ وان کانت لابن عمر صحبة وعبد اللہ ہو عبد اللہ۔[1]

ترجمہ: حضرت حماد امام زہری سے زیادہ فقیہ تھے حضرت ابراہیم نخعی حضرت سالم سے زیادہ فقیہ تھے اور علقمہ فقہ میں حضرت ابن عمر سے کم نہیں۔ اگرچہ حضرت ابن عمر کو صحابیت کا جو شرف حاصل ہے وہ علقمہ کو نہیں۔ باقی رہے حضرت عبد اللہ بن مسعود تو وہ عبد اللہ بن مسعود ہیں۔

ثقہ راوی ضعف عمر کے باعث اگر یاد نہ رکھ سکے۔

قبول روایت میں جب اصل الاصول اعتماد ہے تو پیرانہ سالی میں جب حافظہ قوی نہ رہے تو ثقہ راویوں کی اس دور کی روایت پر بھی بحث آجائے گی۔ محدثین فن حدیث ایسا اس درجہ محتاط رہے ہیں کہ انہوں نے ثقہ راویوں کی روایات میں بھی اول دور اور آخری دور کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور تو اور صحابہ کرامؓ بھی اس عمر میں روایت نقل کرنے سے جہاں تک ہو سکے احتراز کرتے تھے۔ حضرت زید بن ارقمؓ (۶۶ھ) اپنے اس دور کا یوں ذکر کرتے ہیں

واللہ لقد کبرت سنی وقدم عہدی ونسیت بعض الذی کنت اعی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما حدثتکم فاقبلوہ وما لا فلا تکلفونیہ۔[2]

ترجمہ: اے بھتیجے میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا وقت آ پہنچا ہے اور میں بعض باتیں جو حضور ﷺ کی تھیں بھول چکا ہوں۔ سو میں جو خود بیان کر دوں وہ تو لے لیا کرو اور از خود مجھ سے نہ پوچھا کرو۔ مجھے روایت کرنے کی تکلیف نہ دو۔

---

[1] دیکھئے مسند امام اعظم شرح مسند امام صاحب مطبع محمدی لاہور [2] ... جلد ۲ صفحہ ۲۷۹۔

تصحیح روایت میں محدثین پر اعتماد

محدثین نے حدیث کی تصحیح کے دو طریقے رائج کیے ہیں۔ (۱) راویوں کی ثقاہت ان کے باہمی اتصال اور شذوذ و نکارت سے سلامتی معلوم کر کے بھی کسی حدیث کو صحیح کہہ سکتے ہیں۔
(۲) کبھی ان تفصیلات میں جائے بغیر اکابر علمائے فن کی تصحیح پر اعتماد کر کے بھی کسی حدیث کو صحیح کہا جا سکتا ہے۔ قبولیت روایت میں اصل الاصول اعتماد ٹھہرا تو جس طریق سے بھی یہ اعتماد حاصل ہو سکے روایت قابل قبول ہو جاتی ہے۔

ہر فن میں اکابر فن کی تقلید کی جاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ انسان اسی وقت مکلف ہے جب خود براہ راست راویوں کی جانچ پڑتال کر سکے اور ان کی جملہ طرق پر نظر ہو سکے۔ اس کے بغیر اعتماد سے چارہ نہیں۔ اس اعتماد کو بھی علم کی ہی ایک شان سمجھنا چاہیے۔ تقلید سے مراد دوسرے کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی دلیل جانے بغیر اس کی بات کو قبول کرنا ہے۔ جس بات میں خود معتبر علم حاصل نہ ہو تقلید سے چارہ نہیں۔ ہاں جب کسی بات کی براہ راست تحقیق ہو جائے اور اس میں کوئی شک اور تردد نہ رہے۔ تو پھر تقلید درست نہیں۔ لیکن جب تک راویوں کا پورا علم خود حاصل نہ ہو۔ محدثین کرام جو ماہرین فن ہیں ان کی تصحیح اور ان کی تضعیف سے بھی علماء حدیث کسی روایت کو صحیح یا ضعیف کہہ سکتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) جرح و تعدیل کے بڑے امام ہیں۔ آپ اس اعتماد کے یہاں تک قائل تھے کہ اسے الہام کا درجہ دیتے تھے۔ جس طرح الہام کی خارج میں کوئی دلیل نہیں ہوتی ایک وجدان ہے جو اندر ہی اندر ابھرتا رہتا ہے۔ اسی طرح محدثین کرام کو فن کے کمال سے جو ذوق و وجدان ملتا ہے اس پر وہ بعض حدیثوں کو رد کر دیتے یا ثقاہت اور سند کے اتصال کے باوجود قبول نہیں کرتے۔ حضرت عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) کہتے ہیں:

ومعرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم بعلل الحديث من این قلت هذا لم یکن له حجة۔[1]

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۱۱۳

ترجمہ: حدیث کی معرفت ایک الہامی چیز ہے جو دل میں اترتی ہے۔ اگر تم علل حدیث کے کسی عالم سے کہو کہ تم یہ بات کہاں سے کہہ رہے ہو تو اس کے پاس اس کا جواب نہ ہوگا۔

حافظ شمس الدین الذہبی لکھتے ہیں:۔

وهذا العمدة في زماننا ليس على الرواة بل على المحدثين والمقيدين الذين عرفت عدالتهم وصدقهم في ضبط أسماء السامعين۔[1]

ترجمہ: ہمارے پاس اس دور میں تحقیق حدیث میں اعتماد راویوں پر نہیں کیا جا سکتا بلکہ محدثین اور اساتذہ پر ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت اور سچائی راویانِ حدیث کے ناموں کو یاد رکھنے میں جانچی پہچانی جا چکی ہے۔

جب تک راویانِ حدیث اپنی سند سے حدیثیں روایت کرتے رہے تحقیق حدیث کا طریق راویوں کی جانچ پڑتال رہا۔ لیکن جب سند والی کتابیں مدون ہو چکیں اور اس جمع شدہ ذخیرے سے ہی حدیث آگے چلی تو اس دور میں علیحدہ علیحدہ راویوں کی جانچ پڑتال کے ساتھ حاذق محدثین کی تحقیق اور اکابر اساتذہ فن کا ذوق بھی ساتھ چلنے لگے تو اب راویوں کی بجائے اساتذہ فن کے فیصلوں پر اعتماد حقیقت کے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ علل حدیث میں اکابر فن پر اعتماد کے بغیر طلبہ حدیث آگے نہیں چل سکتے۔ یہاں اہل فن کی تقلید سے چارہ نہیں، ہر شخص کا ذوق اس درجے میں پختہ نہیں ہوتا کہ مختلف راویوں کے حالات جان کر پوری سند اور پوری حدیث پر وہ کوئی حکم لگا سکے۔ حافظ جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں:۔

ان الجرح والتعديل في الصدر الاول حيث كان الحديث يؤخذ من صدور الاحبار لا من بطون الاسفار فاحتيج اليه ضرورة للذب عن الآثار ومعرفة المقبول والمردود من الحديث والاخبار واما الآن فالعمدة على الكتب المدونة۔[2]

---

[1] میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳ [2] الکافی فی تاریخ السخاوی کما فی الرفع والتکمیل صفحہ

متون و اسانید

حدیث کی سب بڑی بڑی کتابیں صحاح ستہ ہوں یا مسند احمد، المصنف عبدالرزاق، المصنف لابن ابی شیبہ، شرح معانی الآثار، مشکل الآثار للطحاوی، مستدرک حاکم، سنن کبریٰ بیہقی وغیرہ اور دیگر کتب سنن و مسانید اور معاجم وغیرہ صرف متن حدیث text پر مشتمل نہیں۔ متن کی اسانید chain of transmitters کو بھی ساتھ لیے ہوئے ہیں۔ صاحب کتاب اپنے سے لے کر اوپر تک راویوں کا ایک سلسلہ بیان کرتا ہے اور کہتا ہے ان راویوں کے ذریعہ یہ حدیث مجھ تک پہنچی ہے۔ حدیث کے طلباء اس سند سے گزرنے کے بعد ہی اصل حدیث تک رسائی پاتے ہیں۔ اگر یہ نقل کرنے والے ثقہ اور معتمد علیہ ہوں تو حدیث لائق اعتماد ہو جاتی ہے اور یہ کمزور ہوں تو روایت کمزور ٹھہرتی ہے۔

راویوں کا نام دینے میں ایک یہ حکمت بھی تھی کہ جن لوگوں پر ان راویوں کے حالات زیادہ کھلے ہوں ان کے لئے ان راویوں کی مزید جانچ پڑتال کا دروازہ کھلا رہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی راوی حدیث کے حالات خود صاحب کتاب پر نہ کھلے ہوں یا کھلے ہوں مگر کچھ پہلو مخفی رہ گئے ہوں اور وہ کسی اور شخص پر کھل جائیں جسے اس سے کسی اور جہت سے بھی واسطہ پڑا ہو۔

جرح و تعدیل

رواۃ حدیث کے حالات کو جاننا، اور انہیں جانچ کر ان کی روایت کو قبول کرنا یا رد کرنا ضروری ہے کیونکہ ان کی روایت سے دین میں کوئی چیز ثابت ہو گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ خود قابل اعتماد ہوں۔ اور شریعت میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا ایک بڑا خطرناک اقدام ہو گا۔ اس اہم شرعی ضرورت کے لئے راوی کے عیب معلوم کرنا اور انہیں آگے بیان کرنا اس غیبت میں شمار نہ ہو گا جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ راویوں کے نقائص بیان کرنا جرح کہلاتا ہے اور ان کی صفائی پیش کرنے کو تعدیل کہتے ہیں۔ کسی راوی پر جرح کرنے والے کون کون تھے اور ان کے پاس وجوہ جرح کیا کیا تھیں اور تعدیل کرنے والے کون کون سے ہیں۔ وہ کس

مرتبے کے لوگ ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جن سے جرح و تعدیل میں بحث ہوتی ہے۔

معلوم ہے کہ جس طرح پہلے دور میں ایک ایک راوی کی پڑتال کی جاتی تھی، اس دور میں اب اس درجے کی محنت ضروری نہیں رہی۔ اب ہم ائمہ فن پر اعتماد کرتے ہوئے بھی کسی حدیث کا صحیح حکم معلوم کر سکتے ہیں۔

ائمہ جرح و تعدیل

وہ محدثین کرام جنہوں نے راویوں کے حالات جاننے اور ان کے مراتب پہچاننے میں وقت لگایا اور تحقیقِ حدیث میں تحقیق۔ وہ ان کا خاص فن تھا جنہیں ائمہ جرح و تعدیل کہا جاتا ہے۔ ان کا صحیح تعارف ائمہ حدیث کے عنوان کے تحت آئے گا۔ اس وقت صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ راویوں کے حالات میں زیادہ تر جن اماموں کے نام آتے ہیں، ان میں یہ حضرات زیادہ معروف ہیں۔ امام شعبہ (م ۱۶۰ھ) امام وکیع (م ۱۹۷ھ) عبدالرحمن بن مہدی (م ۱۹۸ھ) سفیان (م ۱۹۸ھ) یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) امام نسائی (م ۳۰۳ھ)۔

الفاظ الجرح والتعدیل

محدثین میں راویوں کی جرح و تعدیل کے لیے مختلف الفاظ رائج تھے اور ان الفاظ سے ہی ہر ایک ہی جرح کا وزن معلوم ہوتا تھا۔ جس درجے میں کوئی راوی کمزور ہو اس کے مطابق ہی اس کے لیے جرح کے الفاظ آتے ہیں۔ پہلے ہم الفاظ تعدیل ایک تدریج سے نقل کرتے ہیں۔ پھر الفاظ جرح ایک تدریج سے پیش کریں گے۔ جرح و تعدیل میں ائمہ کے اختلافات بھی ہیں۔ سو ان سے استفادہ اس فن کو جاننے سے ہی ہو سکتا ہے۔

تعدیل کے مختلف درجات

(۱) —— ثبتٌ حجۃٌ، ثبتٌ حافظٌ، ثبتٌ متقنٌ، ثقۃٌ ثقۃٌ

(۲) —— ثقۃٌ، ثبتٌ (۳) —— صدوقٌ، لا بأس بہ۔

④ —— محلہ الصدق، جید الحدیث، صالح الحدیث۔

جرح کے مختلف درجات

① دجال، کذاب، وضاع، یضع الحدیث۔
② متہم بالکذب۔
③ متروک، لیس بالثقۃ، سکتوا عنہ، ذاہب الحدیث، فیہ نظر۔
④ ضعیف جدا، ضعفوہ، واہ۔
⑤ لیس بالقوی، ضعیف، لیس بحجۃ، لیس بذاک، لین، سیئ الحفظ، لا یحتج بہ۔

ان درجات میں پہلے اعلیٰ درجے کی تعدیل اور سخت درجے کی جرح ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ان میں تدریجی کمزوری آتی گئی ہے۔ جس راوی کے بارے میں دونوں طرف سے (تعدیل اور جرح دونوں کے) الفاظ وارد ہوں، تو جرح و تعدیل دونوں کو سامنے لانا چاہیئے۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:۔

ظلم لأخيك ان تذكر اسوأ ما تعلم وتكتم خيره۔[1]

ترجمہ: تیرے بھائی پر یہ تیرا ظلم ہوگا کہ اس کی کوئی بُری بات جسے تو جانتا ہو تُو ذکر کرے اور اس کی اچھی بات جو تجھے معلوم ہو اسے تو چھپا لے۔

لم یصح میں وضع نہیں

اگر کسی حدیث کے بارے میں لم یصح کے الفاظ وارد ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے ہو سکتا ہے حسن ہو یا ضعیف ہو۔ من گھڑت (موضوع) نہ ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

لا يلزم من كون الحديث لم يصح ان يكون موضوعا۔[2]

ترجمہ: کسی حدیث کے بارے میں لم یصح (یہ حدیث ثابت نہیں ہوئی) کہنے سے لازم

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۱۲ [2] القول المسدد فی الذب عن مسند احمد صفحہ ۲

نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو۔

ان قول السخاوی لا یصح لاینافی الضعف والحسن۔[۵]

ترجمہ: سخاوی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اس حدیث کے ضعیف یا حسن ہونے کے منافی نہیں۔

ہاں ایسی کتاب میں جہاں موضوع روایات کا بیان ہو، جن میں لا یصح کے الفاظ وقتی اس کے صحیح اور ضعیف ہونے کی بھی نفی کر دیتے ہیں۔ لا یصح کے بعد اگر اس کا کسی وجہ میں ثبات نہ ہو تو اس کا مطلب واضح ہوتا ہے کہ وہ روایت موضوع ہو۔

جرح وہی لائق قبول ہے جس کا سبب معلوم ہو۔

کسی کے بارے میں نیک گمان کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں لیکن بدگمانی کے لیے دلیل ہونا لازمی ہے۔ بغیر دلیل کے کسی مسلمان کو برا سمجھنا یا ناقابل شہادت سمجھنا گناہ ہے۔ جس راوی پر جرح کی گئی ہو اور اس جرح کا سبب بھی معلوم ہو اور وہ مروی روایت اس سبب کا مورد ہو تو وہ جرح معتبر ہوگی اور کسی ایسے راوی کی روایت مسترد کی جا سکے گی۔ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری لکھتے ہیں:-

الجرح لا یقبل ما لم یبین وجهه بخلاف التعدیل فانه یکفی فیه ان یقول عدل او ثقة مشهور۔[۶]

ترجمہ: وہ جرح جس کی وجہ واضح نہ ہو لائق قبول نہیں بخلاف تعدیل کے کہ اس میں راوی کو عادل یا ثقہ جیسے الفاظ سے ذکر دینا ہی کافی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے کتنے راوی ہیں جن پر جرح کی گئی ہے۔ جیسے عکرمہ مولیٰ ابن عباس، اسماعیل بن ابی اویس، عاصم بن علی، عمرو بن مرزوق، سوید بن سعید وغیرہم۔ مگر چونکہ وہ جرح مفسر اور مبین السبب نہ تھی اس لیے شیخین نے اسے قبول نہیں کیا۔ حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

وهكذا فعل ابو داؤد السجستانی و ذلك دال علی انهم ذهبوا الی ان الجرح

---

۵ تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۶

لا یثبت الا اذا فسر سببہ[1]

ترجمہ: ابو داؤد السجستانی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اسی حد تک گئے ہیں کہ جب تک سبب جرح کی تفصیل نہ کی جائے، جرح ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

لا یقبل الجرح الا مفسرا مبین السبب[2]

ترجمہ: جرح لائق قبول نہیں جب تک کہ اس کی تشریح واضح نہ ہو اور سبب جرح واضح نہ ہو۔

حافظ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) جو حنفی فقہاء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اجتہاد کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے، لکھتے ہیں:

اکثر الفقہاء و...... ومنہم الحنفیۃ ...... والمحدثین علی انہ لا یقبل الجرح الا مبینا لا التعدیل[3]

ترجمہ: اکثر فقہاء اور ان میں حنفیہ بھی ہیں اور محدثین سب اسی کے قائل ہیں کہ جرح جب تک واضح نہ ہو لائق قبول نہیں۔ تعدیل کے بارے میں یہ قید نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تعدیل کے لئے سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تعدیل کرنے والا کوئی عامی آدمی نہ ہو۔ اس باب میں عالم معرفت رکھنے والا منصف اور تابع قسم کا آدمی ہونا چاہیئے۔ بحر العلوم (۱۲۲۵ھ) مسلم الثبوت کی شرح میں رقمطراز ہیں:

لا بد للمزکی ان یکون عدلا عارفا باسباب الجرح والتعدیل وان یکون منصفا ناصحا۔[4]

ترجمہ: تزکیہ اور تعدیل کے آدمی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عادل ہو، اسباب جرح و تعدیل کو جاننے والا ہو اور انصاف پسند اور خیرخواہ قسم کا آدمی ہو۔

حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ) شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

الجرح المبہم غیر مقبول عند الحذاق من الاصولیین۔[5]

ترجمہ: جرح مبہم سمجھدار علمائے اصول کے ہاں مقبول نہیں۔

---

[1] فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۸۹ [2] تقریب نووی صفحہ ۲۰۳ مع تدریب [3] ... [4] ... ۲۰۰ [5] البنایہ جلد ...

یا اور سبب کہ جرح کی وجوہ وہیں تلاش کی جائیں گی۔ جہاں اس کے متعلق کوئی تصریح موجود ہو لیکن جس راوی کے بارے میں کوئی تعدیل نہ ملے تو اس کے بارے میں جرح مبہم بھی قبول کرلی جائے گی اور جارح سے سبب کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

اذا اختلف العلماء فی جرح رجل وتعدیله فالصواب التفصیل فان کان الجرح والحالة هذه مفسراً قبل والا عمل بالتعدیل فاما من جهل ولم یعلم فیه سوی قول امام من ائمة الحدیث انه ضعیف او متروك او نحو ذلك فان القول قوله ولا نطالبه بتفسیر ذلك۔ [1]

ترجمہ: علماء جب کسی شخص کی جرح و تعدیل کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہوں تو صحیح راہ یہ ہوگی کہ اس کی تفصیل کی جائے۔ اگر جرح کی وجہ معلوم ہو تو اسے قبول کیا جائے گا بصورت دیگر تعدیل پر عمل ہوگا۔ ہاں جو راوی مجہول ہو اور اس کے بارے میں کسی امام حدیث کے اس قول کے سوا کہ وہ ضعیف ہے یا متروک ہے یا اسی قسم کا اور کوئی لفظ ہو کوئی اور بات معلوم نہ ہو تو اس امام حدیث کی بات لائق تسلیم ہوگی اور ہم اس سے وجہ جرح کا مطالبہ نہ کریں گے۔

حافظ ابن عبدالبر ابو عبداللہ مروزی سے نقل کرتے ہیں:۔

کل رجل ثبتت عدالته بروایة اهل العلم عنه وحملهم حدیثه فلن یقبل فیه تجریح احد جرحه حتی یثبت ذلك علیه بامر لا یجهل ان یکون جرحة فاما قولهم فلان کذاب فلیس مما یثبت به جرح حتی یتبین ما قاله [2]

ترجمہ: ہر شخص جس کی عدالت اہل علم کے اس سے روایت لینے سے ثابت ہو اور وہ اس سے حدیث روایت کرتے ہوں تو اس کے بارے میں کسی کی جرح قبول نہ کی جائے گی جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی وجہ جرح متحقق ہو چکی تھی۔ صرف یہ کہنا کہ فلاں شخص کذاب ہے تو اس سے جرح ثابت

---

[1] ...

[2] التمہید جلد دوم ص ۲۲ - ص ۲۴

نہیں ہوتی جب تک کہ دوسری جرح واضح نہ ہو۔

جرح تعدیل پر مقدم ہے

تعدیل کے لیے بے شک نیک گمان کافی ہے لیکن جرح کے لیے سبب اور دلیل کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں جارح (جرح کرنے والے) کے پاس معلومات زیادہ ہوں گے۔ اگر وہ معلومات صحیح ہیں تو جرح تعدیل پر مقدم ہوگی۔ جرح کے وجوہ اگر معقول ہیں تو اسے ہر صورت میں تعدیل پر مقدم کیا جائے گا۔ گو معدلین کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اکثریت کی تعدیل سے وجوہ جرح غلط نہیں ہو جاتے۔ گو ان کا مدعی ایک ہی ہو بشرطیکہ اس کے پاس اس کی دلیل یا سبب موجود ہو۔

امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) حافظ ابن صلاح (۶۴۳ھ) علامہ آمدی (ھ) اور علامہ ابن حاجب کی یہی رائے ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔

لیکن اگر جرح اس امام یا محدث سے منقول ہو، جو علماء فن کے ہاں جرح کرنے میں متشدد اور متعنت سمجھے جاتے ہوں تو فقط ان کی جرح سے ہم کسی راوی کو مجروح نہ کر سکیں گے ضروری ہوگا کہ کوئی اور جارح بھی اس کا ہمنوا ہو اور ان جارحین کے پاس اس کا کوئی واقعی سبب موجود ہو۔ وہ کون کون سے امام ہیں جن کے ہاں جرح میں تشدد ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

نوٹ

کبھی جرح مفسر پر بھی تعدیل مقدم ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ جارح خود اس باب میں مجروح ہو یا اس وجہ سے کہ وہ جرح دوسرے وجوہ سے رد ہو چکی ہے —— اس صورت میں تعدیل مقدم کی جائے گی۔

متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں۔

جن ائمہ کا جرح کرنے میں تشدد و تعنت ہو ان کی تعدیل و توثیق بہت وزن رکھتی ہے۔

لیکن ان کی جرح زیادہ وزن نہیں رکھتی ہے۔ سو کسی راوی پر محض ان کی جرح سے فیصلہ ضعف نہ کیا جائے۔ متشددین کی جرح اکیلے کافی نہیں ہوتی۔ جس راوی پر کسی متشدد کی جرح ہو، اس کی جرح کا حال دوسرے ائمہ سے معلوم کرنا چاہیے۔

ناقدین کے پہلے طبقے میں شعبہ (۱۶۰ھ) اور سفیان ثوری (۱۶۱ھ) کو لیجیے۔ شعبہ گو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں، مگر جرح میں ذرا سخت تھے۔ پھر یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) اور عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) کو لیجیے۔ یحییٰ میں سختی اور تشدد ملے گا۔ پھر یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) کو لیجیے۔ جو سختی یحییٰ بن معین کرتے ہیں امام احمد نہیں کرتے۔ پھر امام نسائی (۳۰۳ھ) اور ابن حبان (۳۵۴ھ) کو دیکھیے۔ امام نسائی زیادہ سخت معلوم ہوں گے۔ ابو حاتم رازی (۲۷۷ھ) اور امام بخاری (۲۵۶ھ) میں ابو حاتم متشدد دکھائی دیں گے۔ الغرض اسماء الرجال کی بحث میں راویوں کا حال لکھتے ہیں تو کہیں کہیں متشددین کی سختی کا ذکر بھی کر جاتے ہیں۔ طلبہ حدیث کو چاہیے کہ صرف کسی راوی پر جرح کا نام سن کر اسے ناقابل اعتماد سمجھنے نہ لگ جائیں جب تک تحقیق نہ کریں کہ جارحین کون کون ہیں، اور کیسے ہیں، اسباب جرح صحیح ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ کہیں کوئی متشدد جارح تو نہیں۔ ائمہ رجال کتب رجال میں کئی جگہ ان متشددین کا ذکر کر جاتے ہیں۔

امام نسائی (۳۰۳ھ) نے حارث اعور سے استفادہ کیا جسے بعض ائمہ ضعیف کہہ چکے تھے تو امام نسائی کے اس احتجاج کو محض اس لیے اہمیت دی گئی کہ آپ جرح میں سخت واقع ہوئے تھے۔ سو اس روش کے محدثین جس سے روایت لیں اس کا کسی درجے میں اعتبار ضرور ہونا چاہیے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حارث اعور کے بارے میں لکھتے ہیں:

والنسائی مع تعنته فی الرجال فقد احتج به۔[1]

امام نسائی نے رجال میں اپنی سختی کے باوجود اس راوی سے احتجاج کیا ہے اس کی روایت قبول کی ہے۔

حافظ عسقلانی اپنے رسالہ بذل الماعون فی فضل الطاعون میں بھی ایک راوی کے بارے میں جسے امام نسائی اور ابو حاتم نے ثقہ کہا تھا اور کئی دوسروں نے ضعیف کہا، لکھتے ہیں:

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۴۷

اب سوچئے اور غور کیجئے۔ کیا یہ وجوہ جرح ہیں؟ جن کے باعث سے بڑے بڑے عدول نے ان راویوں کو چھوڑ دیا۔ اگر اس قسم کی جروح سے راوی چھوڑے جا سکتے ہیں تو پھر آخر بچے گا کون؟ یہ سختی سب کے ہاں نہ تھی۔ طالب حدیث کو چاہئے کہ محض جرح دیکھ کر ہی نا اُمید نہ ہوں۔ سمجھنے کی کوشش کریں کہ جرح کی وجہ کیا ہے؟ شرعی پہلو ہے یا صرف شدت احتیاط؟ اور پھر یاد رکھیں کہ متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں ہے۔

یہ مختصر قواعد حدیث ہر وقت ذہن میں رہنے چاہئیں۔ انسانی مسائل اور علوم بشری سوچ کے تحت جو احتیاطی تدابیر ہو سکتی تھیں وہ محدثین کرام نے سامنے رکھی ہیں اور یہ اصول بھی تقریباً استقرائی ہیں جو ائمہ فن نے قواعد شریعت کی روشنی میں وضع کئے ہیں۔ ان میں کئی پہلو اختلافی بھی ہیں جن میں ائمہ کی رائے مختلف رہی ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ تنقید کے بنیادی اصول میں سب ائمہ فن متفق رہے ہیں۔ بلکہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے تحقیق روایات اور تنقیح اسناد میں دنیا کو ایک نئے علم سے روشناس کیا اور وہ اصول بتائے جن کی روشنی میں پچھلے پہلوؤں کی باتوں کے جائز طور پر وارث ہو سکیں اور ان کی صحت پر پوری طرح سے اعتماد کیا جا سکے۔

قواعد حدیث کی مستند کتابیں

ان دنوں اس موضوع پر زیادہ متداول کتابیں مقدمہ ابن صلاح اور شرح نخبۃ الفکر سمجھی جاتی ہیں۔ اصول حدیث کے یہ دو مختصر متن ہیں جن پر آئندہ شرحیں لکھی گئیں۔ ابن صلاح نے ۶۴۳ھ میں وفات پائی۔ مؤخر الذکر کتاب نخبۃ الفکر اور اس کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) کی تصنیف ہیں۔ شرح نخبۃ الفکر کی ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے بھی شرح لکھی ہے۔ شرح الشرح کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

قدماء میں علی بن مدینی (۲۳۴ھ) امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) اور امام مسلم (۲۶۱ھ) نے اس طرف توجہ فرمائی۔ امام محمد نے اپنی کتاب علل و معرفۃ الحدیث جس کا ابھی ذکر گزرا تالیف فرمائی۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں فن حدیث پر ایک عظیم مقدمہ تحریر فرمایا۔ پھر امام ترمذی (۲۷۹ھ)

اقسامِ حدیث

الحمد لله و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد:

حدیث وہ سماوی روشنی (Divine Guidance) ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک میں بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے ودیعت کی گئی، اس کا مصدر وحی الٰہی تھی۔ قرآن کریم بھی حضرت رب العزت نے اتارا اور یہ روحانی روشنی بھی اللہ تعالیٰ نے ہی حضور کے دل میں اتاری۔ آنحضرت نے اسے اپنے اقوال (Words) اپنے عمل (Actions) یا اپنی تائید (Confirmation) سے آگے پھیلایا۔

حدیث میں کوئی تقسیم قرنِ اول میں نہ تھی۔

آنحضرت نے اپنی زبانِ مبارک سے حدیث کی کسی طرح تقسیم نہیں کی۔ نہ آپ کے صحابہ نے آپ کی تعلیم کو کسی تقسیم میں اتارا۔ تاہم اس پہلے دور میں یہ بات مسلمانوں میں مسلّم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات خواہ وہ کسی قسم کے تحت آتی ہوں سب الٰہی ہدایت ہیں اور سب منصبِ رسالت سے مستنیر اور جملہ عالم کے لیے جلوہ گری اور فیض رسانی ہیں۔

تعلیماتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بکھرے خزانے ہیں جس نے کوئی پایا آگے رکھ دیا۔ جب انہیں اٹھا علماء اصول آئے اور ضرورتِ فہم کے لیے انہوں نے ان کے انواع و اقسام پر غور کیا۔ پھر اسناد (Chain of transmitters) کے جو حالات بھی ان کے سامنے آئے تو انہوں نے مختلف جہات سے اس ایک حدیث اور شعبہ حدیث کا تعارف فرمایا اور علماء

کے لیے مختلف اقسام حدیث متعین کر دیں، یہ اقسام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تقسیم سے نہیں، ائمہ فن کی تقسیم اور تفصیل سے طے ہوئی ہیں۔ آج کی مجلس میں ان شاء اللہ اسی موضوع پر گفتگو ہوگی۔

ہر فن میں اس کے ماہرین پر اعتماد

کوئی شخص کسی فن میں جب تک مجتہد نہ ہو، اسے اس فن کے ماہرین کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ شرائطِ اجتہاد پورا کیے بغیر خود مجتہد بن جانا پیشۂ تحقیق کو گدلا کرتا ہے۔ حدیث کے متن Text اور اسناد chain کے مختلف پہلوؤں پر علماء حدیث جب گفتگو کرتے ہیں، تو ائمہ فن کی پیروی کرتے ہوئے بات کرتے ہیں۔ اس فن میں ائمہ اور مجتہدین وہی حضرات ہیں، جنہوں نے اس فن پر اصولی گفتگو کی۔ ان اصولوں کو قرآن و حدیث سے استنباط کیا۔ ان پر علمی بحثیں کیں، اختلافات پیدا کیے اور حل کیے اور علماء امت نے اس باب میں انہیں امام اور مقتدا تسلیم کیا۔

ہر اصطلاحِ قسمِ حدیث اور اس کے حکم کے بارے میں ہر شخص درست اور نادرست کی بحث شروع کر دے تو ہر عنوان اور پھر ہر قسم خود مستقل موضوع بن جائیں گے اور اصل بات ان ضمنی مباحث میں کھو جائے گی۔ سو ضروری ہے کہ قواعدِ حدیث بطورِ اصول مسلمہ قبول کر لیے جائیں۔ زندگی کے ہر باب میں اہلِ فن کی تقلید ہوتی چلی آئی ہے۔ کسی امامِ فن کی بات کو اس اعتماد پر قبول کر لینا کہ وہ اصول کے مطابق مجتہد ہے اور اس کی دلیل کی بحث میں نہ پڑنا غیر مجتہد کی اساسِ عمل ہے۔ جس پر وہ ہر دائرہ زندگی میں عمل کرتا ہے۔ علماءِ حدیث جب کسی حدیث پر گفتگو کرتے ہیں، تو ان قواعد پر اعتماد کر کے چلتے ہیں جو محدثین نے فنِ حدیث میں مجتہدانہ کاوشوں سے قائم کیے ہوئے ہیں اور ان پر فنی بحث اپنے وقت میں کافی وافی ہو چکی ہے۔ اس تجربہ اور معرفت کے نتیجہ میں احادیث مختلف قسموں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ حدیث کا تعلق چونکہ زیادہ تر اعمال ان کے مسائل اور پھر فضائل سے ہے۔ اس لیے محدثین ہر باب کی مناسبت اور ضرورت کے مطابق مختلف پیمانوں میں قبول ہوتی

رکھا ہے۔ صرف عقائد ایسا موضوع تھا جس میں قطعی دلائل کی ضرورت تھی سو یہ مختلف وجوہ اقسام حدیث کے زیادہ پیچیدگی کا موجب ہوئے۔ اور مختلف جہات سے حدیث کی مختلف قسمیں سامنے آئیں۔

تقسیم حدیث کے مختلف اعتبارات

متن کے لحاظ سے علماء نے باعتبار متکلم، باعتبار علم، باعتبار نوع، باعتبار مضمون مختلف قسموں میں تقسیم کرتے ہیں اور سند اور روایت کے لحاظ سے وہ حدیث کی اور قسمیں بتلاتے ہیں۔ پھر حدیث کے لائق قبول نہ ہونے کے اعتبار سے بھی اس کی کچھ اقسام ہیں اور اس سلسلے میں ہر باب کی کچھ تفصیل ہے۔ ابتدائی تعارف کے لئے ہم ان مختلف اقسام کو ان عنوانوں کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ مضمون مختلف ہے لیکن توجہ کا مستحق ضرور ہے اور غور کیا جائے تو اس کے تحت بھی علوم کی بہت سی راہیں پیدا ملیں گی۔

تقسیم حدیث

①	باعتبار علم	حدیث متواتر، خبر مشہور، خبر عزیز۔ خبر واحد۔
②	باعتبار رواۃ	صحیح، حسن، ضعیف۔
③	باعتبار نوع	قولی، فعلی، تقریری۔
④	باعتبار متن	حدیث قدسی، حدیث مرفوع، حدیث موقوف۔
⑤	باعتبار سند	متصل، مرسل، منقطع، معلق۔
⑥	باعتبار صفت	منکر، شاذ اور معلول۔
⑦	باعتبار موضوع	حدیث شرعی اور حدیث دنیوی۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان مختلف اقسام پر بحث کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ایک اصولی مسئلے پر گفتگو ہو جائے۔ یہ ایک نہایت اہم بحث ہے۔

تقسیم حدیث باعتبار علم کا عنوان آپ کے سامنے آچکا ہے۔ کسی خبر سے آپ کو

کس درجے کا علم حاصل ہو رہا ہے یہ اس کا موضوع ہے۔ اگر آپ کو اس خبر سے علم یقین حاصل ہو رہا ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس کا خلاف ظاہر ہو تو یہ درجہ علم ظن کا ہوگا اور اگر اس خبر کے باوجود کسی درجے میں ظنیت ہے، یہی قرینہ ہے کہ اس سے علم یقین حاصل نہ ہوا اور یہ خبر بعض علم یقین نہ رہی ـــــ پھر اس میں بھی تفصیل ہوگی کہ ظنیت کس درجے میں ہے۔ پھر اس میں سے بھی ہر ایک کے احکام مختلف ہوں گے۔

عقائد کے باب میں حدیث سے تمسک

اسلام میں سب سے زیادہ اہم بات عقائد کی ہے۔ عقائد کے گرد ہی شریعت کا پورا دائرہ گھومتا ہے۔ عقائد صحیح ہوں تو اعمال صالحہ بھی قبولیت پائیں گے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ کسی عمل کا کوئی وزن نہ ٹھہرے۔

جس قدر موضوع اہم ہو اس کے مناسب اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ عقائد اسلام کے اہم ترین ابواب ہیں۔ ان کے لیے مضبوط ترین دلائل کی ضرورت ہوگی۔ عقائد کے باب میں حدیث سے تمسک صرف اسی صورت میں ہو سکے گا کہ وہ کم از کم خبر عزیز کے درجے میں ہو۔ خبر واحد سے اگر کوئی عقیدہ بنے گا تو اسی درجہ کا کہ اس کا منکر کافر نہ ٹھہرے۔ عقائد قطعیہ کے لیے دلائل بھی قطعی درکار ہوتے ہیں۔ اسلام کے بنیادی عقائد وہی ہو سکتے ہیں جو یا قرآن کریم سے قطعی الدلالت طریق سے ثابت ہوں یا کوئی حدیث متواتر انہیں ایسی دلالت اور وضاحت سے پیش کرے جس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو، گو یہ تواتر لفظی نہ ہو معنوی ہو۔ اس تواتر کے انکار کی بھی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ محدث کبیر ملا علی قاری لکھتے ہیں :-

ولا يخفى ان المعتبر في العقائد هو الادلة اليقينية والاحاديث
الاحاد لو ثبتت انما تكون ظنية، اللهم الا اذا تعددت طرقه
بحيث صار متواتراً معنوياً فحينئذ قد يكون قطعياً۔[1]

---

[1] شرح فقہ اکبر ص [illegible] مجتبائی۔

قرآن کریم متواتر طبقاتی ہے۔ ہر طبقۂ امت نے اسے اپنے سے پہلے طبقے سے اسی طرح قبول کیا ہے۔ اب اس میں کسی شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے۔ جو اس میں شک کرتا ہے وہ اسلام ہی میں شک کرتا ہے۔ اس کتاب کے۔ وہ کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں، جو آخری زمانہ کے لیے دستاویز ہدایت تھی۔ خود قرآن پاک میں کہا ہے۔

ذالک الکتاب لاریب فیہ۔ وہ کتاب نہیں کوئی شک اس میں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیثیں تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان کی تکذیب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ سو حدیث متواتر سے ثابت ہونے والے عمل اجمالی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کر دیا جائے تو انسان مسلمان نہیں رہتا۔ ایمان حضور کو آپ کی تمام تعلیمات میں سچا ماننے کا نام ہے۔ ایمان کے لیے آپ کی سب تعلیمات کو ماننے کی قید ہے۔ کفر کے لیے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے۔

تواتر کی مختلف قسمیں

تواتر کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تواتر لفظی ۲۔ تواتر معنوی۔

تواتر لفظی بہت کم احادیث میں ہے۔ ہاں اگر حدیثوں کے الفاظ مختلف ہوں لیکن ان سب میں بات ایک ہی کہی گئی ہو تو اس قدر مشترک کا تواتر بھی بہرحال قائم اور ثابت ہوگا یہ تواتر معنوی ہے۔ کافی حدیثیں مراد تواتر معنوی کے درجے کو پہنچتی ہے۔

"حدیث متواتر کے بکثرت موجود ہونے کی روشن دلیل یہ ہے کہ کتب احادیث جو علماء مغرب میں متداول ہیں ان کا انتساب جن مصنفین کی طرف کیا جاتا ہے، یہ نسبت ایک یقینی امر ہے۔ پس اگر یہ مصنفین اپنی کتابوں میں متفق ہو کر ایک حدیث کو متعدد رواۃ سے روایت کریں جن کا جھوٹ پر اتفاق عادۃً ناممکن ہو تو بیشک یہ حدیث متواتر ہوگی اور نبی علیہ السلام کی طرف اس کا انتساب مفید علم یقینی ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس قسم کی حدیثیں کتب مشاہیر میں بکثرت موجود ہیں۔" ؎

؎ شرح نزھۃ النظر ... مطبوعہ دیوبند۔

حدیث لا نبی بعدی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم نبوت کے ذکر میں بھی[1] انبیاء بنی اسرائیل کے ذکر میں بھی[2] تیس دجالوں کی پیشگوئی میں بھی[3]، دیگر انبیاء کرام پر اپنے خصائص بیان کرتے ہوئے بھی[4]، مبشرات خواب کے جاری رہنے کے ذکر میں بھی[5]، حضرت علیؓ کو ہارونِ امت کہتے ہوئے بھی[6]، عیسیٰ بن مریمؑ کی دوبارہ تشریف آوری کی خبر دیتے ہوئے بھی اور دیگر کئی مواقع پر بھی یہ بات کہی کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ لا نبی بعدی۔ اب اس حدیث کا انکار کفر نہیں تو اور کیا ہوگا۔ یہ حدیث اتنا مشہور ہے یقیناً درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ لا نبی بعدی کے کلمات لفظاً بھی متواتر ہیں۔

حدیث نزول عیسیٰ بن مریمؑ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے نزول کی خبر دی تھی۔ یہ صرف کسی ایک موقع پر کہی گئی بات کا حاصل نہیں بلکہ متعدد روایات کی قدر مشترک ہے۔ سو یہ حدیث بھی متواتر معنوی ہے۔ علامہ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیمۃ اماماً عادلاً وحکماً مقسطاً۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث تواتر کے ساتھ منقول ہیں آپ نے خبر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے نازل ہوں گے امام عادل کی حیثیت سے اور انصاف کرنے والے حکم کے طور پر۔

والاجماع علی انہ حی فی السماء وینزل یقتل الدجال ویوید الدین (الوجیز)

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۱ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ [3] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۵ [4] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۲۶ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۹ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۱۲ [5] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱ [6] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۳ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۷۴ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۰ ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۷

علامہ عبد العزیز فرہاروی شرح عقائد کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والاحادیث فی ذلک کثیرة متواترة المعنیٰ[1] اور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

ان حیاة عیسیٰ ثابت بالاحادیث التی تواترت[2] کہ حیات مسیح احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ائمہ حدیث وتفسیر کا اتفاق نقل کیا ہے:۔

واتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انہ رفع ببدنہ حیاً[3]

ترجمہ: اصحاب حدیث وتفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے جسم سمیت زندہ اٹھائے گئے تھے۔

صحیح مسلم کی شرح اکمال اکمال المعلم میں بھی حدیث نزول کو متواتر مانا گیا ہے۔

اذ لا ریب من نزوله لتواتر الاحادیث بذلک ——— جلد ۱ صفحہ ۲۶۵

محدث جلیل علامہ طاہر فتنی لفظ حکم کے تحت لکھتے ہیں:۔

ویجیٔ آخر الزمان لتواتر خبر النزول ——— مجمع البحار جلد ۱ صفحہ ۲۸۶

قطعی الثبوت کی دلالت

جو امور شریعت میں قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہیں۔ اگر ان کی اپنے مدعا پر دلالت بھی قطعی ہے تو وہ امور قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہوں گے اور ان کا منکر یقیناً کافر ہو گا۔ لیکن قطعی الثبوت امور کی اپنے مدعا پر دلالت اگر ظنی ہو اور اس میں کسی اور معنی کی بھی گنجائش ہو تو اس صورت میں یہ دلیل قطعی بھی مفید ظن رہے گی۔ یہ مسئلہ صرف حدیث متواتر تک محدود نہیں۔ قرآن کریم کے احکام میں بھی باعتبار معنی اگر کہیں اختلاف کی گنجائش ہو تو اس میں بھی صحیح بات کا منکر صرف گمراہ کہا جائے گا اسے کافر نہ کہہ سکیں گے کیونکہ اس قطعی الثبوت بات کی دلالت میں ظنیت آگئی ہے جس سے حکم بدل گیا ہے۔

دلالت میں قطعیت تواتر معنی سے بھی آجاتی ہے اور کبھی امت کا اجماع بھی اس کے معنی کو قطعی کر دیتا ہے۔ علامہ شاطبی نے اس موضوع پر ایک نہایت نفیس بحث کی ہے لکھتے ہیں:۔

---

[1] نبراس صفحہ ۳۳۵ مطبوعہ ملتان [2] ایضاً صفحہ ۳۳۲ [3] التلخیص الحبیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۸ اس سے پہلے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:۔

ورفع عیسیٰ علیہ السلام الی السماء۔ سو رفع ببدنہ حیاً سے رفع الی السماء ہی مراد ہے جو بدن کے ساتھ ہوا۔

وانما الادلة المعتبرة ههنا المستقرأة من جملة ادلة ظنية تضافرت على معنى واحد حتى افادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ما ليس للافتراق ولاجله افاد التواتر القطع وهذا نوع منه۔ فاذا حصل من استقراء ادلة المسألة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب وهو شبيه بالتواتر المعنوي[1]

ترجمہ: جن دلائل کا یہاں اعتبار ہے وہ اس طرح کے ہیں کہ گو وہ ظنیہ ہیں مگر استقراء سے ایک معنی واحد پر آ جمع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں قطعیت آ گئی ہے۔ دلائل کے ایک موضوع پر آ ملنے سے ان میں وہ قوت آ جاتی ہے جو ان کے علیحدہ علیحدہ ہونے میں نہ تھی اور اسی لئے تواتر بھی قطعیت کا فائدہ بخشتا ہے اور یہ بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ جب کسی مسئلہ کے دلائل کا استقراء کرتے ہوئے ایسا مجموعہ حاصل ہو جائے۔ جو یقین کا فائدہ دے تو وہ دلیل اس باب میں مطلوب ہے۔ اور یہ تواتر معنوی کی ہی طرح ہے۔

دلائل: جیسے اپنے مقام پر گو اخبار احاد ہوں۔ لیکن ان کا مجموعی مفاد ضرور یقین کا فائدہ بخشتا ہے۔ مثلاً :-

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ دوبارہ تشریف لائیں گے۔ یہ بات اپنی جگہ واضح تھی۔ عیسیٰ بن مریم کے متعلق امت میں کبھی کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی فرما دی تھی کہ وہی عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے جو مجھ سے پہلے آئے تھے اور میرے اور ان کے مابین کوئی نبی نہیں گزرا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

ليس بيني وبينه نبي يعني عيسى عليه السلام وانه نازل[2]

واجمعت الامة على ما تضمنه الحديث المتواتر من عيسى في السماء وانه ينزل في آخر الزمان[3]

۱؎ الموافقات جلد ۱ صفحہ ۳۶ ۲؎ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ ۳؎ البحر المحیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳

اس سے پتہ چلا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے آنے کی خبر جس طرح قرآن و سنت سے یقینی درجہ رکھتی ہے، اس کی دلالت بھی سیدھے مدعا پر اسی طرح واضح اور قطعی ہے جہاں تک حدیث لانبی بعدی کی دلالت کا تعلق ہے۔ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) کا بیان اس باب میں بہت واضح ہے۔

لانہ اخبر انہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ولانبی بعدہ و اخبر عن اللہ تعالیٰ انہ خاتم النبیین واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علیٰ ظاھرہ وان مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فی کفر ھؤلاء الطوائف کلھا قطعاً اجماعاً و سمعاً۔[۱]

ترجمہ: اس واسطے کہ حضورؐ نے خود فرمایا ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا اور خدا کی طرف سے بھی حضورؐ نے یہی بتلایا کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور امت کا اتفاق ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آرہا ہے وہی اس میں بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے، پس ان لوگوں کے کفر میں قطعاً کوئی شک نہیں جو اس معنی کا انکار کریں۔

حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے:

ان الامۃ فھمت بالاجماع من ھذا اللفظ ومن قرائن احوالہ انہ افھم عدم نبی بعدہ ابداً وعدم رسول بعدہ ابداً وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص۔[۲]

ترجمہ: امت نے اس لفظ خاتم النبیین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و قرائن سے یہی سمجھا ہے کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ کوئی رسول۔ اس مسئلہ ختم نبوت میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی قسم کی تخصیص ہے۔

---

[۱] شفا ص۲۴۷ [۲] الاقتصاد فی الاعتقاد ص۱۲۳ مصر

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس طرح کا قراءت در یقیں تو چند امور کو ہی حاصل ہو گا. ان کے ماسوا جو امور ہیں وہ تو سب ظنی ہوں گے. پھر اُن کا اعتبار کیسے کیا جائے۔

ہمارا عرض ہے کہ اصول دین تو واقعی سب قطعی ہونے چاہئیں اور یہ سچ ہے کہ اسلام کے سب اصولی دلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہیں لیکن فروع میں اگر کہیں باعتبار ثبوت یا باعتبار دلالت ظنیت آجائے تو اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

فروع میں ظنیت آجائے تو حرج نہیں

محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی ؒ لکھتے ہیں۔

فروع میں اگر ظنیت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کی مثال بالکل قانونی دفعات کی سمجھئے۔ قانون کے الفاظ اپنے معانی کے ساتھ قطعی ہوتے ہیں اور اس کی ضمنی وضاحت و تشریحات پیا اوقات ظنی ہوتے ہیں۔ اس لیئے ان میں ہر عدالت کو اختلاف کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے۔ الحمد للہ ہم نے مقدمات کتاب کے پہلے مقدمہ میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے پس فروعی مسائل کے ظنی ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ نہ ان مسائل کے تسلیم کرنے سے دین کی بنیاد کا ظنی ہونا ثابت ہوتا ہے [1]

حدیث کے ظنی الثبوت ہونے پر تشویش کرنے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ قرآن کا ایک ایک حرف اگرچہ متواتر ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو مسائل اس سے مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے ایک ایک کے قطعی اور یقینی ہونے کا دعوے نہیں کیا جاسکتا بہت سے مسائل ایسے ہوں گے۔ جو گو قرآن سے مستنبط ہوں۔ لیکن ان کی دلالت اپنے مدلول پر ظنی ہو تو اگر احتمال ظنی سے حدیث چھوڑی جا سکے گی۔ تو کیا اسی راہ سے قرآن کے بہت سے مسائل بھی پادر ہوا نہ ہو جائیں گے۔ فرق رہ جائے گا تو صرف یہی کہ حدیث میں ظنی ثبوت سے آرہا ہے اور ان قرآنی احکام میں دلالت کی راہ سے باقی رہا نتیجہ سو وہ صاف ہے۔

---

[1] ترجمان السنۃ جلد ۱ ص۱۵۰

تواتر کی ایک قسم تواتر سکوتی

متعدد مظاہر حق میں تواتر کی بحث میں ایک قسم تواتر سکوتی بھی بتائی گئی ہے کہ ایک شخص نے ایک بات نقل کی اور دیگر حضرات نے اس پر سکوت کیا اور پھر وہ بات اتنی مشہور ہوئی کہ تواتر کے درجے میں آ گئی۔ راقم کے نزدیک اس میں یہ احتمال باقی رہے گا کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس پر اس لیے سکوت کیا ہو کہ وہ خبر واحد کو لائق قبول سمجھتے تھے اور خبر واحد کے طور پر ہی اسے آگے مشہور کر دیا ہو جیسے پہلے یہ وہ خبر واحد ہی رہے گی اس صورت میں اس میں تواتر کا دعوے نہ کیا جا سکے گا۔

الحاصل حدیث باعتبار علم دو قسموں پر منقسم ہے۔

اوّل حدیث متواتر۔ دوم اخبار احاد۔

اور اخبار احاد پھر آگے ان تین قسموں میں منقسم ہو جائیں گی۔

۱۔ حدیث مشہور، ۲۔ حدیث عزیز، ۳۔ حدیث غریب۔

حدیث متواتر کے مقابل حدیث احاد ہے۔ اسے خبر واحد بھی کہتے ہیں جس کی اعلیٰ ترین قسم حدیث مشہور ہے۔ حدیث متواتر پر گفتگو گزر چکی ہے۔ اب حدیث مشہور، حدیث عزیز اور حدیث غریب کی کچھ تفصیل دیکھئے۔
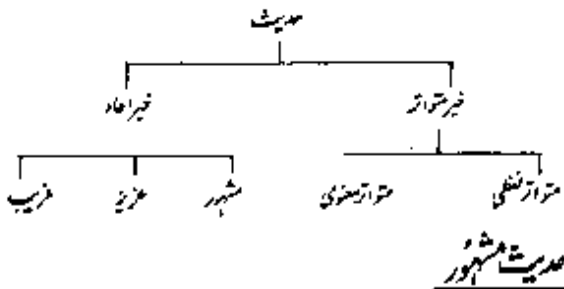
حدیث مشہور

حدیث مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی ابتداء سند سے لے کر آخر سند تک

دو سے زیادہ ہوں لیکن تواتر کو نہ پہنچتے ہوں اور اس حدیث کی قدماء میں شہرت ہوئی ہو۔ اس سے ایسا قرینہ پیدا ہوتا ہے جس سے حدیث کی سچائی پر اطمینان قلبی حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس سے قطع و یقین کا وہ درجہ حاصل نہیں ہوتا کہ اس کے منکر کو کافر کہا جا سکے۔ قطع و یقین صرف حدیث متواتر سے ہوتا ہے۔ محدثین بعض اوقات اس حدیث کو بھی مشہور کہہ دیتے ہیں جو صرف آخر سند کے لحاظ سے متواتر ہو۔ تاہم وہ بھی خبر واحد ہی ہوتی ہے۔ جیسے حدیث انما الاعمال بالنیات۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف حضرت عمرؓ نے روایت کی۔ ان سے حضرت علقمہؓ نے روایت کی اور ان سے صرف حضرت محمد بن ابراہیم تیمیؒ نے اور صرف یحییٰ بن سعیدؒ نے روایت کی ہے۔ لیکن اس کے بعد اسے راویوں کی کثیر تعداد نے بیان و روایت سے متواتر بنا دیا۔ سو یہ ایک ایسی حدیث ہے جو آخر سند کے لحاظ سے مشہور ہو گئی ہے۔ علماء اصول کے ہاں حدیث مشہور خبر واحد نہیں۔ وہ اسے متواتر اور خبر واحد کے درمیان کی ایک منزل قرار دیتے ہیں اور یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

حدیث عزیز

حدیث عزیز وہ حدیث جس کے راوی ابتداء سند سے لے کر آخر تک دو سے کم نہ ہوں۔[۲]

۱؎ علماء کے نزدیک حدیث مشہور وہ ہے جس کے راوی پہلے طبقہ یعنی طبقہ صحابہؓ میں حد تواتر کو نہ پہنچے ہوں لیکن دوسرے اور تیسرے طبقے (تابعین اور تبع تابعین) میں اسے اتنے راویوں نے روایت کیا ہو کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عادۃً محال ہو۔ یہ تین طبقے (قرون ثلاثہ) مشہود لہا بالخیر ہیں۔ جن کے خیر ہونے کی حدیث میں شہادت دی گئی ہے۔ ان طبقوں میں سے دوسرے ہاں اسے تواتر کی سی شہرت حاصل ہو گئی۔ سو حدیث مشہور ان حضرات کے ہاں خبر واحد سے کچھ اوپر ہے۔ اسے یہ خبر واحد نہیں کہتے۔ علماء اصول خبر واحد سے قرآن کریم کے کسی عام حکم کو خاص نہیں کرتے لیکن حدیث مشہور سے ان کے ہاں عام کی تخصیص جائز ہے۔ محدثین کے ہاں حدیث مشہور بھی خبر واحد کی ہی ایک قسم ہے۔ ۲؎ کسی جگہ دو سے زائد ہو جائیں تو بھی حدیث عزیز ہی کہا جائے گا۔

فرد اور غریب دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ مگر محدثین عام طور پر فرد مطلق کو فرد اور فرد نسبی کو غریب کہتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بات عجیب ہے کہ تابعین تک تو اس حدیث کو زیادہ راوی روایت کریں اور آگے کسی دور میں اس کا راوی ایک رہ جائے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی حدیث غریب ہونے کے باوجود صحیح رہ سکتی ہے۔ بشرطیکہ سند کا اتصال قائم ہو اور رواۃ کمزور نہ ہوں۔ کسی حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی ہے۔

حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں

یاد رکھیے حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں۔ حدیث غریب حدیث صحیح کی ہی ایک قسم ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

الحديث الصحيح ان كان راويه واحداً يسمى غريباً وان كان اثنين يسمى عزيزاً وان كان اكثر يسمى مشهوراً ومستفيضاً وان بلغت رواته في الكثرة الى ان يستحيل العادة تواطئهم على الكذب يسمى متواتراً ويسمى الغريب فرداً ايضاً. واعلم ان الغرابة لا تنافي الصحة ويجوز ان يكون الحديث صحيحاً غريباً بان يكون كل واحد من رجاله ثقة[1]

ترجمہ: حدیث صحیح کا راوی اگر ایک ہی ہو تو اسے غریب کہیں گے، دو ہوں تو بھی اسے عزیز کہیں گے اور اگر راوی دو سے زیادہ ہوں تو اسے مشہور اور مستفیض کہیں گے اور اگر اس کے راویوں کی کثرت اس درجے تک پہنچ جائے کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا محال ٹھہرے تو اسے متواتر کہیں گے۔ حدیث غریب کو فرد بھی کہتے ہیں۔ لیکن اور اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث صحیح بھی ہو اور غریب بھی کہ راوی تمام

[1] مقدمہ مشکوٰۃ ص ۳ طبع دہلی [illegible]

کے ایک ایک ہی ہوں لیکن سب ثقہ ہوں۔

امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں حدیث غریب پر بحث کی ہے جن وجوہ غرابت کا آپ نے ذکر کیا ہے۔[1] وہ حدیث صحیح میں بھی ہو سکتے ہیں۔ حدیث کی یہ مختلف قسمیں مختلف درجوں کا علم بخشتی ہیں۔ حدیث متواتر سے اس یقینی درجے کا علم حاصل ہوتا ہے کہ اس کا منکر بے شک کافر ٹھہرتا ہے۔ حدیث اگر مشہور کے درجہ تک پہنچے تو اس کا منکر سخت گمراہ قرار پائے گا۔ سند کی قلت و کثرت کے باعث ان روایات سے جس درجے کا ثبوت ملے گا اس سے علم کے مختلف درجات قائم ہوں گے۔ اخبار آحاد کتنی ہی کیوں نہ ہوں ان سے حاصل شدہ علم علم ظنی ہی شمار ہوگا۔ لیکن یہ ظن اس درجے کا نہیں کہ اسے یونہی ٹھکرا دیا جائے۔ اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے اپنی جگہ عمل کے لیے کافی ہے۔ خبر واحد کے حجت ہونے کی بحث ہم قواعد الحدیث میں کر آئے ہیں۔ سو خبر واحد اگر صحیح ہو تو سوائے گمراہ کے اس کا کوئی منکر نہ ہوگا۔

خبر واحد کے مختلف مراتب

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ وہ حدیث جس پر سب کا اتفاق ہو اور وہ جو کسی خاص مسئلہ کے متعلق صرف ایک راوی سے روایت کی گئی ہو اور اس میں مختلف تاویل کی گنجائش بھی ہو۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتیں۔ پہلی حدیث کا تسلیم کرنا واجب قطعی ہے۔ اگر کوئی اس کا منکر ہو تو اس سے توبہ کرائی جائے۔ لیکن دوسری قسم کی حدیث اس درجہ میں نہیں کہ اگر اس حدیث میں کوئی شک کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ تاہم عمل کرنا اس پر بھی لازم ہوگا۔ گو اس میں کسی وجہ ترجیح کو اختیار کیا جائے۔ جب تک کہ اسباب ترک میں سے کوئی سبب نہ پایا جائے اسے چھوڑنا درست نہ ہوگا۔ جیسا کہ شاہدوں کے بیان پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی غلطی اور شک کا احتمال رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی جب تک کہ تحقیق نہ ہو ان کے ظاہر حال پر ہی عمل کیا جاتا ہے۔

---

[1] کتاب العلل صفحہ ۲۴۰ ملخصاً

خبر واحد پر عمل نہ کرنے کی چند صورتیں

ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر کسی کے پاس خبر واحد پہنچی ہو تو اس نے اس پر اس لیے عمل نہ کیا ہو کہ اس کے نزدیک وہ خبر حد صحت کو نہ پہنچی ہو یا وہ حدیث دو معنوں کو محتمل ہو۔ اور اس نے دوسرے معنی پر عمل کر لیا ہو یا اس کے معارض اس سے زیادہ صحیح حدیث اس کے پاس موجود ہو۔ غرض جب تک وجوہ ترجیح یا اسباب ترک میں سے کوئی سبب اس کے پاس موجود نہ ہو ہرگز کسی کے لیے خبر واحد کا ترک کرنا جائز نہیں۔[1]

خبر واحد کے حجت ہونے پر حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں بہت ٹھوس دلائل دیئے ہیں۔ حضرت مولانا بدر عالم مدنیؒ نے ترجمان السنۃ جلد اول میں اس پر گراں قدر بحث کی ہے۔ اس باب سے کچھ حجیت حدیث کے عنوان میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔

خبر متواتر اور خبر واحد کی یہ بحث یا حدیث مشہور، حدیث عزیز اور حدیث غریب کا تقابل یہ سب ثبوت روایت کی مختلف شکلیں ہیں۔ حدیث کی یہ اقسام باعتبار طرق ہیں کہ راویوں کی تعداد کے لحاظ سے کس طرح علم کے مختلف درجے قائم ہوئے۔ اس میں راویوں کی ذات سے بحث نہ تھی صرف ان کی تعداد پیش نظر تھی۔ مگر ان راویوں کی ذات سے بحث کی جائے اور ان کی صفات صدق و ضبط وغیرہ کو دیکھا جائے تو حدیث کی اور اقسام پیدا ہوں گی۔ ہم انہیں ایک دوسرے عنوان سے ذکر کرتے ہیں۔

② حدیث کی تقسیم باعتبار رواۃ

حدیث صحیح، حدیث حسن اور حدیث ضعیف میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ پہلے ان کے نام سمجھ لیجئے۔ پھر ہر ایک کی تعریف عرض خدمت ہو گی۔

---

[1] ترجمان السنۃ جلد اول صفحہ ۱۶۲
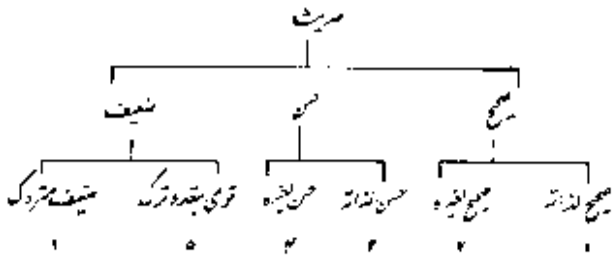
حدیث صحیح

ان میں سے پہلی پانچ قسم کی حدیثیں معتبر ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ حدیث صحیح لذاتہ ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل (یعنی بدعت اور شبہات شرعیہ سے بچے ہوئے) اور تام الضبط (قوی یادداشت والے)[1] ہوں اور سند میں اتصال ہو کر ہر راوی دوسرے راوی سے ملا ہو اور اس حدیث کے خلاف کسی لفظ میں کوئی اور راوی مخالفت کرنے والا نہ ہو۔

حدیث صحیح لغیرہ

یہ وہ حدیث ہے جس میں سب شرطیں صحیح لذاتہ کی پائی جاتی ہوں، علاوہ اس کے کہ کسی راوی کا حافظہ اتنا پختہ نہ ہو جتنا کہ صحیح لذاتہ کے راوی کا ہونا چاہیے۔ مگر اس کمی کو تعدد طرق نے پورا کر دیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ صحیح لغیرہ وہ حدیث ہے جس کو راوی عادل خفیف الضبط (جس کے ضبط اور یادداشت میں کچھ کمزوری ہو) نے بسند متصل روایت کیا ہو اور وہ حدیث نہ معلل ہو نہ شاذ؛ اور جس کی سندیں بھی متعدد ہوں۔ راوی کے تام الضبط نہ ہونے کی وجہ سے یہ صحیح لذاتہ نہیں لیکن اس کی کمی کو چونکہ تعدد طرق نے پورا کر دیا ہے اس لیے وہ حدیث صحیح لغیرہ سمجھی جائے گی۔

---

[1] یہ ضبط صرف یادداشت سے بھی ہوتا ہے اور کتاب کی مدد سے بھی ہوتا ہے۔ پہلے ضبط کو ضبط صدر اور دوسرے کو ضبط کتاب کہتے ہیں۔

حسن لذاتہ

یہ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل وضابط تو ہوں، لیکن کوئی راوی خفیف الضبط ہو اور سند میں کسی جگہ سے کوئی راوی چھوٹا نہ ہو اور حدیث معلل اور شاذ نہ ہو ____ حدیث صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ کی تعریف سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگر حدیث حسن لذاتہ میں ضبط کی کمی دیگر سندوں کی تائید سے پوری کر دی جائے تو وہی حدیث جو حسن لذاتہ تھی صحیح لغیرہ ہو جائے گی۔ بعض محدثوں کی کتابوں میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ایک ہی حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ تو اس کا یہی مطلب ہے کہ یہ حدیث اگرچہ حسن لذاتہ ہے، لیکن دوسری سندوں کی تائید سے یہ صحیح لغیرہ کے درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ حدیث حسن کی اصطلاح امام ترمذی کے ہاں بہت ملتی ہے۔ ہمارے مستقل طور پر جاننا چاہیئے کہ ان کے ہاں اس کا کیا مطلب ہے آپ لکھتے ہیں۔

وما ذکرنا فی ھذا الکتاب حدیث حسن فانما اردنا حسن اسنادہ
عندنا وکل حدیث یروی ولایکون فی اسنادہ من یتھم بالکذب و
لایکون الحدیث شاذاً ویروی من غیر وجہ نحو ذالک فھو عندنا
حدیث حسن۔[1]

ترجمہ: ہم نے اس کتاب میں جہاں کسی حدیث کو حسن کہا ہے تو اس سے ہماری مراد اس کا سند کے اعتبار سے حسن ہونا ہے ____ اور ہر حدیث جو مروی ہو اور اس کی سند میں کوئی راوی ایسا نہ ہو جو متہم بالکذب ہے (جس پر جھوٹ کا الزام نہ ہو) اور نہ وہ حدیث شاذ ہو (کہ دوسرے راوی اس پختہ کے خلاف روایت نہ کرتے ہوں) اور وہ صرف ایک طریق سے مروی نہ ہو (کئی طریقوں سے اس کی روایت ہوئی ہو) تو ہمارے ہاں اسے حسن کہیں گے۔

---

[1] کتاب العلل للترمذی جلد ۲ ص۳۴۰

حسن غریب

دیکھیے اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہیں لیکن متعدد طرق سے مروی ہو۔ یہ اس میں شرط نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے حسن اور غریب کہ جس میں راوی کا تفرد بھی ہو کوئی منافات نہیں ہے۔ اسی لیے امام ترمذی نے روایت کے حسن ہونے اور غریب ہونے کو کئی مقامات میں جمع بھی کر دیا ہے۔ جن کے تمام راوی عادل و ضابط تو تھے لیکن کسی مقام پر ان کے نزدیک تفرد آ گیا ہے۔ سو ایسی حدیث ان کے ہاں حدیث صحیح غریب یا حسن غریب ہو گی۔

حسن لغیرہ

یہ وہ حدیث ہے جس کی قبولیت میں تردد ہو۔ جیسے کوئی راوی مستور راوی مجہول الحال ہو۔ لیکن دوسری سندوں سے اس کو تقویت حاصل ہو گئی۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہوتی ہے۔ لیکن دوسری سندوں کی تائید سے قابل عمل اور لائق استدلال ہو جاتی ہے۔ امام نووی (۶۷۶ھ) نے شرح مہذب میں اور سیدنا ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے اس سے استدلال کرنے کی تائید فرمائی ہے۔ جیسے حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم کی بعض روایتوں میں "ومسلمۃ" کا اضافہ ہے۔ اس حدیث کے بیان کرنے والے امام ابن ماجہ (۲۷۳ھ) امام بیہقی (۴۵۸ھ) اور امام طبرانی (۳۶۰ھ) وغیرہ ہیں اور حضرات صحابہ میں اس کے روایت کرنے والے حضرت ابو ایوب انصاری (۵۱ھ) ابی بن کعب (۱۹ھ) حذیفہ (۳۶ھ) سلمان فارسی (۳۶ھ) ابو ہریرہ (۵۷ھ) حضرت عائشہ صدیقہ (۵۷ھ) حضرت انس (۹۳ھ) وغیرہم ہیں اور پھر حضرت انس سے روایت کرنے والے بیس تابعی ہیں۔ لیکن نہایت تعجب کی بات ہے کہ محدثین اس پر متفق ہیں کہ اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ بایں ہمہ دیکھیے کہ اس حدیث کے تعدد طرق کو دیکھ کر حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) نے اس کو احادیث متواترہ میں شمار کیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ تواتر کی ایک اور قسم ملتی ہے کہ گو باعتبار علم ہم اسے متواتر نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ بھی نہیں کہ عمل کے لیے یہ لفظ ضعیف ہی ہے۔

حدیث ضعیف (قوی بتعدد طرق)

وہ حدیث ضعیف ہے جس کی سند موجود ہو (یعنی موضوع نہ ہو) اور اس میں کثرت نہ ہو لیکن اس کے راوی باعتبار یادداشت یا امانت کے کمزور ہوں۔ لیکن اگر اسے دوسری سندوں سے تائید حاصل ہو تو یہ قبول کی جاسکتی ہے۔ یہی نہیں کہ صرف فضائل اعمال میں انہیں لے لیا جائے گا بلکہ اس سے بعض حالات میں استخراج مسائل بھی کیا جاسکتا ہے۔ قیاس استنباط مسائل کے لیے ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی یہی منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات احکام میں ہی چل سکتی ہے فضائل میں نہیں۔ سو اس بات سے چارہ نہیں کہ حدیث ضعیف کا بھی اپنا ایک وزن ہے جس میں کثرت بھی ہو سکتی۔

حدیث ضعیف کی ترجیح محض قیاس پر

حافظ ابن حزم (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

جمیع اصحاب ابی حنیفة مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث اولی عنده من القیاس والرای[1]

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کے تمام شاگرد اس پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا طریقہ یہی تھا کہ آپ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔

حافظ ابن قیم حنبلی (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

واصحاب ابی حنیفة مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث عنده اولی من القیاس والرای وعلی ذلک بنی مذهبه ... تقدیم الحدیث الضعیف وآثار الصحابة علی القیاس والرای قوله وقول الامام احمد[2]

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کے سب شاگرد اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ آپ کے

---

[1] ابطال الرای والقیاس والاستحسان ص[illegible]   [2] اعلام الموقعین جلد ۱ ص[illegible]

ہاں حدیث ضعیف قیاس اور رائے پر مقدم تھی اور آپ نے اسی پر اپنے
مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ . . سو حدیث ضعیف اور آثار صحابہ کو قیاس
پر مقدم کرنا امام ابو حنیفہ اور امام احمد دونوں کا فیصلہ ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ وہ حدیث کے بجائے قیاس سے زیادہ کام لیتے تھے یہ درست نہیں، جب وہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم کرتے ہیں تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کو چھوڑ کر قیاس کو مقدم کرتے ہوں۔

ضعیف حدیث حسن لغیرہ تک

ضعیف حدیث کی سندیں گو وہ ہر جگہ ضعیف ہوں، لیکن اس کے راویوں کا اگر ان پہلے راویوں سے مل کر روایت کرنے کا خدشہ نہ ہو تو اس تعدد طرق سے حدیث ضعیف قوی ہو کر حسن لغیرہ تک پہنچ جائے گی۔ لیکن اس کا فیصلہ حاذق محدثین ہی کر سکتے ہیں، نہ کہ ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے نہ ہر ایک اس کا اہل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کے سپرد کرو۔

حدیث اصحابی کالنجوم محدثین کے ہاں اسی طریق سے لائق قبول سمجھی گئی ہے۔ وہب بن جریر اپنے والد سے وہ حضرت اعمش سے وہ حضرت ابو صالح سے وہ حضرت ابوہریرہ سے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔

اصحابی کالنجوم من اقتدی بشیء منھا اھتدی۔[1]

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جو ان میں سے کسی کی پیروی کرگیا ہدایت پائی۔

علم کی آفتوں میں سب سے بڑی آفت

ضعیف حدیث سے عقائد کا ثابت کرنا علم کے لیے ایک بہت بڑی آفت ہے۔ علم سے ناآشنا لوگ ضعیف روایت سے عقائد کا اثبات کرتے ہیں، چند مثالیں لیجئے۔

(۱) بعض لوگ اس حدیث سے آپ کا علم محیط یا آپ کا ہر چیز کو ناظر ہونا اس سے ثابت

---

[1] علامہ ابن حجر مکی بھی یہ تحقیق الفاظ موجود ہے محدث گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہ حسن لغیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔

تذکرۃ الموضوعات

لابی الفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی المعروف بابن القیسرانی (۵۰۷ھ)

ان کے بعد اس باب میں اولیت کا شرف علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن جوزیؒ (۵۹۷ھ) کو حاصل ہے۔ آپ سے اگرچہ کہیں تشدد اور سختی بھی ہو گئی ہے کہ بعض حدیثوں کو بھی موضوعات میں رکھ دیا تو اس کی اصلاح کے لیے امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے تعقبات علی الموضوعات تحریر فرمائی ہے۔ جو لائق مطالعہ ہے۔

① موضوعات ابن جوزی (۵۹۷ھ)

بے شک اس کتاب کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ مگر چونکہ یہ اس فن کی پہلی محنت ہے اس لیے آپ سے اس میں کئی فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے اس باب میں ایک بڑا علمی مواد فراہم کیا ہے۔

حافظ ابن صلاحؒ لکھتے ہیں کہ ابن جوزیؒ حدیث کو موضوع قرار دینے میں بہت جلد باز ثابت ہوئے ہیں۔ آپ نے اس میں بہت سی ضعیف حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہیے تھا۔ بعض یہی نہیں۔ بلکہ کچھ حسن اور صحیح حدیثیں بھی آپ نے موضوعات میں شمار کر ڈالیں اور محدثین نے ان پر تعقبات لکھے ہیں۔

② موضوعات حضرت شیخ حسن الصغانی (۶۵۰ھ)

حضرت علامہ حسن صغانی (لاہوری) صاحب مشارق الانوار نقد حدیث میں بہت محنت تھے۔ ان کے سامنے ابن جوزی کی موضوعات نشان راہ تھی۔ آپ نے اپنی طرف سے بھی اس باب میں گرانقدر معلومات مہیا کیے ہیں۔ بعد کے آنے والے مؤلفین نے اس باب میں آپ کی کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

③ موضوعات الصغانی

حضرت شیخ سراج الدین عمر بن علی القزوینی (م ۷۵۰ھ) کی تصنیف ہے اور بہت نایاب ہے۔

④ اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ

یہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) کی تصنیف ہے۔ آپ نے اس کے علاوہ کتاب الذیل اور کتاب الوجیز بھی اس باب میں تحریر فرمائی ہیں۔ جو قابل مطالعہ ہیں۔

⑤ تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات

تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات کے مصنف حضرت علامہ محمد طاہر فتنی صاحب مجمع البحار (۹۸۶ھ) لغت حدیث کے جلیل القدر امام تھے۔ آپ کی کتابیں تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات جو ۲۲۴ صفحات اور ۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس باب کی بہت مفید کتابیں ہیں۔

⑥ موضوعات کبیر اور اللآلی المصنوع فی الحدیث الموضوع

موضوعات کبیر محدث جلیل حضرت ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کی تالیف ہے۔ یہ اس باب میں بہت جامع اور مرکزی کتاب ہے۔ اللآلی المصنوع اس کے بعد کے درجے پر آتا ہے۔

⑦ الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ

یہ علامہ شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں آپ ابن جوزی کی راہ پر چلے ہیں۔ اور بہت سختی کی ہے۔ کئی ضعیف اور حسن حدیثیں بھی موضوع ٹھہرا دی گئی ہیں۔

⑧ الآثار المرفوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ

یہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ) کی تالیف ہے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود اہل باطل موضوع حدیثوں کی روایت سے نہ رکے بلکہ وہ ان کی برابر اشاعت کرتے رہتے ہیں۔ اپنے عقائد فاسدہ کو استوار کرنے کے لیئے وہ اپنے حلقوں میں ان کا برابر چرچا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اہل باطل کا یہ عمل بھی مذکور ہے۔

والذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة
وابتغاء تاویله۔ پ۳ آل عمران ع۱

متشابہات کے الفاظ تو پھر بھی صحیح ہوتے ہیں، صرف مرادات میں تشابہ ہوتا ہے۔ اور موضوع روایات کا تو وجود ہی باطل ہے۔ جب متشابہات سے استدلال جائز نہیں ہے تو موضوع روایات سے اپنے مسلک کی گاڑی چلانا یہ کون سا جائز فعل ہوگا۔ ہم یہاں طلبہ کے فائدہ عام کے لیئے چند روایات بھی ذکر کرتے ہیں جن کی کوئی سند نہیں۔ نہ صحیح، نہ حسن نہ ضعیف ان سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ حدیث کے باب میں کس قدر بے احتیاطی ہمارے حلقوں میں گھس آئی ہے۔

۱- اذا جاءکم الحدیث فاعرضوه علی کتاب الله جب تمہارے پاس کوئی حدیث آئے تو اسے قرآن کریم پر پیش کرو اس کے موافق ہو تو لے لو ورنہ رد کر دو۔

علامہ خطابی (۲۸۸ھ) فرماتے ہیں لا اصل له اس کی کوئی اصل نہیں۔ امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں وضعته[1] الزنادقة اسے زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ حضور سے جب کوئی بات ثابت ہو جائے وہ خود سند ہے اور حجت ہے اسے قرآن کریم پر پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے حضور سے قرآن کریم کے خلاف کوئی بات صادر ہو یہ ناممکن ہے

۲- علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل بنو اسرائیل میں جو نبی بھی آئے وہ سب غیر تشریعی نبی تھے اور ان کی شریعت تورات تھی (پ۱، ۱۳ع ۹) اس روایت میں علماء امت کو ان سے تشبیہ دی گئی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس امت کے علماء میں کوئی غیر تشریعی نبی بھی نہ ہو کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں تغایر ضروری ہے۔ اس حدیث کے مضمون میں کلام نہیں لیکن من حیث الثبوت یہ

---

[1] معالم السنن للخطابی جلد ۴ صفحہ ۲۹۹ الحاجة بالحدیث ان یعرض علی کتاب فانه مهما ثبت عن رسول الله کان حجة بنفسه

بے اصل ہے۔ دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری ؒ لکھتے ہیں۔

اما حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فقد صرح الحفاظ کالزرکشی والعسقلانی والدمیری والسیوطی انہ لا اصل لہ[1]

ملا علی قاری نے پہلے اس پر امام سیوطی کا سکوت نقل کیا تھا[2] اس پر بہت سے مصنفین مرزائی علماء اسے نقل کرتے رہے پھر ملا علی قاری نے اس پر امام سیوطی کا یہی فیصلہ نقل کیا سو اب اسے کسی عقیدہ کے ثبوت میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللہ اعمالہ اربعین سنۃ

جس نے مسجد میں دنیا کی کوئی بات کی اللہ اس کے چالیس سال کے اعمال ضائع کر دیتا ہے۔ علامہ صغانی (۶۵۰ھ) فرماتے ہیں یہ موضوع ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں وھو کذلک لانہ باطل مبنیً و معنیً[3]

۴۔ حدیث لا نبی بعدی کثیر مشہور متواتر اور واضح المعنی ہے مگر محمد بن سعید شامی ملحد نے حضرت انس بن مالک کی روایت بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر یہ حدیث وضع کر دی۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی الا ان یشاء اللہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ جو اللہ چاہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ لکھتے ہیں

فوضع ھذا الاستثناء لما کان یدعو الیہ من الالحاد والزندقۃ ویدعی النبوۃ[4]

۵۔ لوکان موسی وعیسی حیین ما وسعھما الا اتباعی حدیث میں صرف موسیٰ کا نام تھا۔ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی سے چارہ نہ ہوتا۔ حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت کرنے کے لیے یہ نام بھی ساتھ بڑھا دیا گیا۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی لکھتے ہیں

اس کی اسناد کا کتب حدیث میں کہیں پتہ نہیں[5]

۶۔ سبائی کہتے ہیں حضور نے صحابہ کی موجودگی میں حضرت علی ؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا۔

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ طبع قدیم جلد ۵ صفحہ ۵۶۴ طبع مصر [2] موضوعات کبیر صفحہ ۵۹ مطبوعہ دہلی
[3] ایضاً صفحہ ۷۹ [4] فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۰۰ [5] فوائد القرآن پ۱۶ سورہ مریم صفحہ ۴۰۹

هٰذا وصیی ووارثی و خلیفتہ من بعدی فاسمعوا لہ واطیعوہ

ملا علی قاری[1] اس کے بارے میں صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں فلعنۃ اللہ علی الکاذبین[1]
حافظ ابن کثیر (۳ ۳۵۰ ص) وانذر عشیرتک الاقربین کے تحت لکھتے ہیں[2]
یہ روایت کہ اس آیت کے نازل ہونے پر حضورؐ نے حضرت علیؓ کی گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے اس کی سنو اور اس کی اطاعت کرو اس میں عبدالغفار بن قاسم کذاب ہے علی بن المدینی نے اسے وضع حدیث سے متہم قرار دیا ہے۔ متروک کذاب شیعی اتہمہ علی بن المدینی وغیرہ بوضع الحدیث۔

۷۔ موتوا قبل ان تموتوا۔ گو یہ مشہور روایت ہے ملا علی قاری حافظ ابن حجر عسقلانی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث کہیں ثابت نہیں ہے[3]

۸۔ حسن پرستوں نے اپنے ذوق کو تسکین دینے کے لیے یہ حدیث گھڑی ہے۔
النظر الی الوجہ الجمیل عبادۃ   خوبصورت چہروں کو دیکھنا عبادت ہے۔
حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں ھذا کذب باطل علی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لم یروہ احد باسناد صحیح بل ھو من الموضوعات[4]

۹۔ فرض نمازوں کے بعد جو دعا مانگتے ہیں اس میں یہ الفاظ والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام حدیث میں اضافہ کیے گئے ہیں معلوم نہیں کس نے یہ جملے حدیث میں ڈال دیئے ہیں ملا علی قاری لکھتے ہیں فلا اصل لہ[5] اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ حدیث اپنی جگہ موجود ہو اور کچھ الفاظ زیادہ کر دیئے جائیں یہ روایت اس کی مثال ہے بعض علماء نے الفاظ تبدیل کر دیئے ہیں حدیث میں تھا اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ[6] جس کو بدل کر من نور اللہ بنا دیا[7]
حضرتؓ کی خدمت میں ایک شخص تیل کی شرح پیتے حاضر ہوا آپ نے اسے کہا:
مالی اجد منک ریح الاصنام[8] میں تجھ میں بتوں کی بو پاتا ہوں کیا تم بتوں کی پوجا کرتے ہو اسے ایمان ہو لا۔

---

[1] موضوعات کبیر ص ۳۰۹ ۔ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۳۵۰ وکذالک صرح المدراسی فی کشف الاحوال ، میزان الاعتدال ص ۶۴۰ ج ۲ ، [3] موضوعات ص ۸۱ ، [4] ایضاً ص ۹۰ ، [5] ایضاً ص ۹۶
[6] جامع صغیر جلد ۱ ص ۹ [7] طبقات ۱ ص ۱۰۰ [8] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۴۲

صاف اور نئی دید کی حلیۃ الاصنام[1] یعنی بت اور بتوں کا زیور کبھی دیکھا ہو
اگر کوئی شخص کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران بسم اللہ
فی اولہ وآخرہ پڑھ لے ان صاحب نے یہاں بھی لفظ فی کو علیٰ سے بدل دیا۔ حالانکہ حدیث میں
یہ الفاظ تھے۔ انہوں نے اسے یوں بنا دیا۔ بسم اللہ علیٰ اولہ وآخرہ[2] (استغفر اللہ)

وضع حدیث کا کام صدیوں سے رکا ہوا تھا مرزا غلام احمد نے پھر سے اسے زندہ کیا اور لکھا ہے:
احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا[3]
اس شخص سے منحرف مت ہو جس کا آنا اس صدی پر صدی کے مناسب حال ضروری تھا اور
جس کی ابتداء سے نبی کریمؐ نے خبر دی تھی[4]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر چودھویں صدی کا لفظ اپنی زبان پر نہیں لائے نہ کبھی کہا کہ
قیامت چودھویں صدی کے ختم پر آئے گی مرزا غلام احمد نے خود ہی یہ بات تجویز کی اور خود ہی
اس کی علامات پیدا کرنے کے لیے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور چودھویں صدی کی روایات گھڑ کر
اور اسے حضور اکرمؐ کے ذمہ لگا دیا اور پھر یہ روایات بھی گھڑی کہ مسیح موعود تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔
بل ھو امامکم منکم (ازالہ اوہام حصہ اول ص ۲۳)
بل ھو کے الفاظ کتب حدیث میں کہیں نہیں ہیں مرزا غلام احمد نے یہ خود گھڑے ہیں معلوم ہوا اہل
باطل میں وضع احادیث کا سلسلہ اب تک جاری ہے حدیث کے اصل الفاظ یہ تھے
کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم[5]
ترجمہ: تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیثیں وضع کرنے والے اعتراض کے تحت حدیثیں گھڑتے تھے۔ اور
باطل فرقوں کا یہ عام طریقہ رہا ہے۔

---

[1] ملفوظات ج ۳ ص ۲ [2] ملفوظات ج ۲ ص ۹۵۔
[3] ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۸ [4] ازالہ اوہام ص ۲۵۲۔ [5] صحیح مسلم جلد اول

متونِ حدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:-

متن عربی میں پشت کو کہتے ہیں Bone of contention متون اس کی جمع ہے۔ پشت پر بدن کا جملہ وزن آتا ہے اور یہی حصہ اس کا پوری طرح متحمل ہوتا ہے۔ حدیث کے جملہ اصول و فروع اور قواعد و کلیات بھی متن حدیث کے گرد ہی گھومتے ہیں۔ راویوں کی سند متن تک پہنچتی ہے۔ شروح بھی متن کو کھولتی ہیں اور ترجمے اسی کو دوسری زبان کا لباس پہناتے ہیں۔ جو کتابیں متونِ حدیث کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ آج کا موضوع انہی کا تعارف ہے۔ ان میں وہ کتابیں بھی ہوں گی۔ جو متن کو سند کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ جیسے صحیح البخاری اور صحیح مسلم اور وہ بھی ہوں گی جو متن لا کر اس کی تخریج کر دیتی ہیں۔ جیسے مشکوٰۃ وغیرہ۔ ضرورت کے پیش نظر چند ان کتابوں کا ذکر بھی ہوگا۔ جو راویوں کے حالات بتائیں اور آخر میں چند ان کتابوں کا ذکر بھی کیا جائے گا۔ جو مستقلاً بے سند اور موضوع روایات پر لکھی گئیں —— جہاں تک اصل کتابوں کا تعلق ہے۔ ان میں بھی اس سے بحث نہیں ہو گی۔ کہ یہ کب لکھی گئیں۔ اور اس فن کی تدوین کیسے ہوئی؟ یہ مباحث کچھ تاریخ حدیث میں اور کچھ تدوین حدیث میں آپ سن چکے ہیں۔ اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ ان دنوں متونِ حدیث کی کون کون سی کتابیں علماء اور طلبہ میں متداول ہیں چھپ چکی ہیں اور مل سکتی ہیں —— اس فن کی جملہ مطبوعہ کتابوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔ اس بات کے متلاشی حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کی کتاب بستان المحدثین یا جرمن مستشرق بروکلمن کی کتاب کی مراجعت فرمائیں۔

صحیفہ حضرت ہمام ابن منبہ (۱۰۱ھ)

حدیث کی قدیم ترین کتاب جو اس وقت ہماری رسائی میں ہے صحیفہ ہمام ابن منبہ ہے۔ ہمام ابن منبہ حافظ الامت سیدنا حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد تھے۔ صحیفہ ہمام ابن منبہ (۱۰۱ھ) میں ۱۳۸ حدیثیں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھی ہیں ——— یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت ہمامؒ کو کل ۱۳۸ احادیث ہی یاد تھیں ——— انہیں آپ نے دوسرے اساتذہ سے بھی بہت روایات سنیں۔ ان دوسرے اساتذہ سے سنی روایات اس میں شامل نہیں نہ حضرت ابوہریرہؓ سے سنی کل روایات کا اس میں احاطہ ہے۔ حضرت ہمامؒ نے جب یہ صحیفہ مرتب کیا، ان دنوں فن تدوین ابھی بالکل ابتدائی منزل میں تھا۔ یہ جیسے محض یادداشت کے طور پر لکھے گئے تھے ——— صحیفہ ابن ہمام ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے تحقیقی کام کے ساتھ حیدرآباد دکن سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا ہے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب حیدرآبادی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ تیرہ صدیوں تک یہ کتاب مخطوطات میں چھپی رہی، اس سے بہت پہلے مسند امام احمد مصر میں چھپ چکی تھی۔ اس میں مرویات ابی ہریرہؓ ایک مستقل مسند ہے۔ مسند امام احمد کی جلد دوم میں صحیفہ ہمام ابن منبہ کی کل احادیث مرویات ابی ہریرہؓ میں موجود ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قدماء نے حدیث کس احتیاط سے جمع کی۔ کہ تیرہ صدیوں بعد آنے والا مجموعہ صدیوں بعد شائع ہونے والی کتابوں سے ہو بہو اور حرف بحرف مطابق نکلا۔ اس وقت متن حدیث کی قدیم ترین کتاب جسے ہم دیکھ سکتے ہیں یہی ہے۔

حدیث کی دس پہلی کتابیں

پہلے ان دس کتابوں سے تعارف کیجئے جو صحاح ستہ کے وجود میں آنے سے پہلے لکھی جا چکی تھیں اور علماء متقدمین و متاخرین ان کے حوالوں سے ردّاً یا قبولاً بحث کرتے آئے ہیں اور ان کی اصلیت authenticity کسی دور میں مخدوش نہیں کی گئی۔

(۳) کتاب الآثار امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)

گو آپ حدیث کے امام تھے، مگر آپ کا موضوع بھی فقہ تھا۔ آپ نے احادیث بھی بہت روایت کی ہیں۔ زیادہ روایات امام ابو حنیفہؒ سے لیتے ہیں، کتاب الآثار فقہی طرز میں آپ کی روایات کا ایک مجموعہ ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ) لکھتے ہیں:-

کان ابو یوسف القاضی یمیل الی اصحاب الحدیث وکتبت عنہ۔[1]

ترجمہ: امام ابو یوسف محدثین کی طرف زیادہ مائل تھے ان کی روایات لکھی جاتی تھیں۔

امام ابو یوسفؒ کی اس کتاب کو مطبع احیاء المعارف نعمانیہ نے ۱۳۵۵ھ میں شائع کیا ہے۔

(۴) کتاب الآثار امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

مصر اور ہندوستان میں بارہا چھپ چکی ہے۔ اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئیں، جن میں سے بہترین شرح مفتی دار العلوم دیوبند مفتی مہدی حسن صاحب کی ہے جو تین جلدوں میں ہے۔ کتاب الآثار امام محمد کا عربی متن پہلے مطبع اسلامیہ نے ۱۳۲۹ھ میں شائع کیا تھا۔

(۵) مؤطا امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد حضرت امام مالکؒ سے مؤطا سنی۔ اور پھر آپ نے خود ایک مؤطا ترتیب دی جس میں زیادہ روایات امام مالکؒ سے لی ہیں۔ مؤطا امام محمدؒ بھی درسی کتاب ہے۔ ہندوستان، پاکستان، ترکی اور افغانستان کے مدارس حدیث میں پڑھائی جاتی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس میں مرویات آپ کی ہیں۔ مگر تبویب آپ کے شاگردوں میں سے کسی نے کی ہے، ھکذا سمعت من بعض الثقات۔

---

[1] کتاب التاریخ یحییٰ بن معین جلد ۲ صفحہ ۶۸۰ طبع ۱۳۹۹ھ مکہ مکرمہ

⑥ مسند امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)

آپ کا زیادہ تر موضوع فقہ تھا۔ مگر آپ اس سلسلہ کے ضمن میں احادیث بھی روایت کرتے تھے۔ آپ کے دور میں فتنے بہت بڑھ گئے تھے اور جھوٹ عام ہو چکا تھا۔ اس لیے آپ نے راویوں کی جانچ پڑتال پر بہت زور دیا اور اتصال سند کی نسبت صحت سند کو اپنا ماخذ بنایا۔ آپ نے یہ مسند خود ترتیب نہیں دی۔ اس کے مرتب ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم (۳۴۶ھ) ہیں۔ یہ مسند امام شافعیؒ سے امام مزنیؒ نے اور امام مزنیؒ سے امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) نے بھی روایت کی ہے۔ اس کی بھی کئی شروح لکھی گئیں جن میں مجد الدین ابن اثیر جزریؒ (۶۰۶ھ) اور امام سیوطیؒ کی شرحیں زیادہ معروف ہیں۔

⑦ المصنف لعبد الرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ)

عبد الرزاق امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ المصنف گیارہ جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ حاشیہ پر تحقیقی کام دیوبند کے مشہور محدث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے کیا ہے۔ پہلے دور کی کتابوں کی طرح اس میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے فتاویٰ بھی بہت ہیں۔ اور موقوف، منقطع و مرسل ہر طرح کی روایات سے آئے ہیں۔ ان دنوں محدثین تعامل امت پر گہری نظر رکھتے تھے۔

⑧ مسند ابی داؤد الطیالسی (۲۰۴ھ)

دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن نے ۱۳۲۱ھ میں اسے شائع کیا ہے۔ مسند کی ترتیب یہ ہے کہ صحابہؓ کی مرویات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اب ابواب فقہ کی ترتیب سے بھی چھپ گئی ہے۔ اس میں بعض ایسی احادیث ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں۔ اس پہلو سے یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے۔

⑨ المصنف لابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ)

پورا نام الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار ہے۔ مؤلف امام حافظ ابوبکر عبداللہ بن

محمد بن ابراہیم بن عثمان ابن ابی شیبہ ہیں۔ مولانا عبدالخالق افغانی رئیس مجلس علمی دائرۃ المعارف العثمانیہ
کے تحقیقی کام کے ساتھ تیسری جلد تک چھپ چکی ہے۔ تیسری جلد کتاب الجنائز پر مکمل ہوئی اور
۱۳۸۶ھ میں چھپی ـــــ پھر یہ سلسلہ رک گیا۔ اب نئے سرے سے حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی
کے تحقیقی حاشیہ کے ساتھ کامل چھپ رہی ہے۔ اس کا اہتمام فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب
خلیفہ مجاز حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری کر رہے ہیں۔

(۱۰) مسند امام احمد بن حنبل الشیبانی (۲۴۱ھ)

مسند احمد کی موجودہ ترتیب آپ کے صاحبزادے عبداللہ کی ہے۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔
امام احمد نے جس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے اور اس پر جرح نہیں کی وہ لائق احتجاج ہے۔[1] اس
سے اس مسند کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ مسند احمد کی شرط روایت
ابو داؤد کی ان شرائط سے قوی ہے جو انہوں نے اپنی سنن میں اختیار کی ہیں۔ امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) لکھتے ہیں۔

وما لم اذکر فیہ شیئاً فھو صالح وبعضھا اصح من بعض[2]

ترجمہ: اور جس راوی کے بارے میں میں نے کچھ نہیں لکھا وہ اس لائق ہے کہ اس سے حجت پکڑی جائے۔
علامہ ابن جوزی اور حافظ عراقی نے مسند احمد کی ۳۸ روایات کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ
ابن حجر عسقلانی نے ان میں ۹ روایات کا پورا دفاع کیا ہے اور اس پر ایک مستقل کتاب[3] لکھی ہے۔
جو حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ چودہ روایات کا جواب حافظ جلال الدین سیوطی نے
الذیل الممہد میں دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مسند امام احمد کو طبقہ ثانیہ کی کتابوں
میں جگہ دی ہے۔ حافظ سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن (۸۰۴ھ) نے مسند احمد کا ایک اختصار بھی
کیا ہے اور علامہ ابوالحسن سندھی (۱۱۳۹ھ) نے مسند احمد کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ شیخ احمد بن عبدالرحمن
البنا نے اسے فقہی ابواب پر مرتب کیا اور شیخ احمد شاکر نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے۔ اس کا نام
الفتح الربانی من مسند احمد بن حنبل الشیبانی ہے۔ یہ ۲۲ جلدوں میں ہے۔ ۱۳۵۳ھ میں پہلی جلد شائع

---

[1] نیل الاوطار جلد ۱ ص ۲۲ [2] مقدمہ سنن ابی داؤد ص ۲ [3] القول المسدد فی الذب عن مسند احمد اس کا نام ہے

ہوئی۔ سلطنت عثمانی کے آخری عہد میں طبع خدیویہ مصر سے شائع ہوئی۔

پچھلے دور کے یہ اس نوع کے مختلف قسموں پر جمع ہوئے ہیں۔ اس دور کی اور بھی بہت کتابیں تھیں۔ جو اس وقت ہماری رسائی میں نہیں۔ لیکن ان کے حوالے شروح حدیث میں عام ملتے ہیں۔ اور ان کے مخطوطات بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ ان کے تعارف کا عملاً کوئی فائدہ نہیں۔ صرف چند نام سن لیجئے:۔

سنن مکحول الدمشقی (۱۱۶ھ) سنن ابن جریج المکی (۱۵۰ھ) جامع معمر بن راشد (۱۵۳ھ) جامع سفیان الثوری (۱۶۱ھ) مسند احمد بن عمرو البزار (۲۹۲ھ) مسند وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) مسند ابن الجارود الطیالسی (۲۰۴ھ) مسند الفریابی (۲۱۲ھ) مسند ابی عبید قاسم بن سلام (۲۲۴ھ) مسند ابن المدینی (۲۳۴ھ) مسند اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ)۔ خدا کرے یہ مجموعے بھی شائع ہو جائیں ان سے باب حدیث میں نئی تحقیقات کا اضافہ ہوگا۔

یہ صحیح ہے کہ اس دور کے آخر میں تالیف حدیث اپنے فنی کمال کو پہنچ گئی اور محدثین نے وہ گراں قدر مجموعے مرتب کیے کہ خود فن ان پر ناز کرنے لگا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اسی دور آخر کی تالیفات ہیں۔

صحاح ستہ کا دورِ تدوین و تالیف

مسانید میں حدیث کی چھ کتابیں انتہائی معتبر سمجھی گئی ہیں۔ انہیں صحاح ستہ کہتے ہیں۔ ان میں پہلی دو کتابیں تو کل کی کل صحیحین ہیں۔ اور دوسری چار کتابیں سنن کہلاتی ہیں۔ یہ سنن اپنی بیشتر صحیح روایات پر مشتمل ہیں۔ فن حدیث میں یہ چھ کتابیں انتہائی لائق اعتماد سمجھی جاتی ہیں۔ جنھیں مستشرق نکلسن انہیں عموماً Canonical Books لکھتا ہے۔ مسلم طلبہ کے لئے ان چھ کتابوں کا تفصیلی تعارف ضروری ہے۔ یہ کتابیں تدوین حدیث کے دوسرے دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

① صحیح البخاری

امام محمد بن اسماعیل (۲۵۶ھ) کی اس کتاب کا پورا نام الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ

سنن ابی داؤد کی مرویات ساڑھے چار ہزار کے قریب ہیں۔

② جامع ترمذی (۲۷۹ھ)

اس کتاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ امام ترمذی ہر حدیث کے آخر میں اس کی سند کے بارے میں صحیح، حسن یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور طلبہ حدیث کو مدارج حدیث معلوم کرنے میں اس سے بہت مدد ملتی ہے۔ پھر آپ آخر ابواب میں مذاہب فقہاء بھی بیان کرتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں فہم حدیث میں مذاہب فقہاء کو کس درجہ اہمیت حاصل تھی اور محدثین بیان حدیث میں فقہاء کی آراء بیان کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتے تھے۔

آپ اس کتاب میں ہر مسلک کی روایات کو لاتے ہیں۔ اس سے شریعت کی وسعت نظر اور سنن کی وسعت عمل کا پورا نقشہ پوری حکمت سے کھل کر آجاتا ہے۔ آپ نے اس میں امام بخاری کی طرح جمیع ابواب حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس لیے سنن ترمذی کو جامع ترمذی کہا جاتا ہے ورنہ اپنی نوع میں یہ سنن کی طرز پر مرتب ہے۔ امام نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی الطوفی (۷۱۰ھ) نے مختصر جامع ترمذی کے نام سے اس کا ایک اختصار کیا ہے۔ جامع ترمذی کی کئی شروح لکھی گئی ہیں۔ جو علماء میں متداول ہیں۔

③ سنن نسائی (۳۰۳ھ)

صحت سند میں صحیحین کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ سند حدیث کی علل پر امام نسائی کی نظر امام ابوداؤد اور امام ترمذی سے بھی گہری ہے۔ آپ اس باب میں امام ابوزرعہ اور امام بخاری کے طبقہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ —— سنن نسائی جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں اس کا اصل نام المجتبیٰ من سنن النسائی ہے۔ امام نسائی نے سنن نسائی کا یہ خود اختصار کیا ہے۔ امام نسائی کی سنن کبریٰ مخطوطات کی شکل میں کئی کتب خانوں میں موجود ہے۔ بعض علماء دیوبند اس پر تحقیقی کام کر رہے ہیں اس کی اشاعت سے علم حدیث میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گا۔ امام نسائی نے المجتبیٰ میں احادیث کی تبویب امام بخاری کی طرز پر کی ہے اور کوشش کی ہے کہ تراجم الابواب میں مضمون حدیث کی

طرف پورا اشارہ ہو جائے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے آپ کو شافعی المسلک لکھا ہے[1]۔ مگر مولانا انور شاہ صاحب محدث کشمیری آپ کو حنبلی المسلک بتاتے ہیں[2]۔ سنن نسائی پر بھی شروح و حواشی کا بہت کام ہوا ہے اور متون حدیث میں سے بڑی حیثیت حاصل رہی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ساتھ مل کر یہ تینوں کتابیں صحاح ستہ کی اصل ہیں۔ موطا امام مالک یا سنن دارمی یا سنن ابن ماجہ کو ساتھ ملا کر انہیں صحاح ستہ کہتے ہیں۔

موطا امام مالک کا ذکر دور تدوین کی کتابوں میں ہو چکا ہے۔ سنن دارمی ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی سمرقندی (۲۵۵ھ) کی تالیف ہے۔ امام بخاری کے معاصر ہیں۔ آپ سے امام مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے بھی روایت کی ہیں۔ سنن دارمی پہلے ہندوستان میں مطبع نظامی کانپور میں ۱۲۹۳ھ میں چھپی۔ اب مصر میں بھی دوبارہ چھپ چکی ہے۔ دو جلدوں میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ) ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی کی تالیف ہے۔ آپ نے امام مالک کے کئی شاگردوں سے حدیث سنی۔ سنن ابن ماجہ اپنی وسعت اور جامعیت میں اس لائق ہے کہ اسے صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سمجھا جائے۔ علمائے حدیث نے اس پر بھی بہت کام کیا ہے اور اس کے بسیط حواشی لکھے ہیں۔ مولانا عبدالرشید نعمانی کی کتاب ما تمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ اس باب میں ایک نہایت مفید مقدمہ علم حدیث ہے۔

صحاح ستہ کے بعد کے متداول مجموعے

صحاح ستہ کے بعد جن کتابوں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور وہ علماء کو دستیاب رہیں یہ ہیں:

① شرح معانی الآثار امام طحاوی (۳۲۱ھ)

اپنے طرز کی نہایت عجیب کتاب ہے۔ کتب حدیث میں اس کی مثل نہیں ملتی کتاب ہے

[1] ابجد العلوم ص۲۵۴ [2] العرف الشذی ص

دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث میں پڑھائی جاتی ہے۔ افسوس کہ اس کی طباعت میں بہت کم محنت
کی گئی ہے۔ موجودہ مطبوعہ نسخوں میں تقریباً ہر صفحے میں کوئی نہ کوئی غلطی موجود ملتی ہے۔ مظاہر العلوم
سہارنپور کے مولانا محمد ایوب صاحب نے اس سلسلہ میں بہت محنت کی ہے اور تصحیح الاغلاط
الکتابیہ الواقعۃ فی النسخ الطحاویہ دو ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے۔ یہ کتاب کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور
سے ملتی ہے۔ علامہ عینی جیسے بلند پایہ محدثین نے شرح معانی الآثار کی شروح کئی ضخیم جلدوں
میں لکھی ہیں۔

② مشکل الآثار امام طحاوی (۳۲۱ھ)

امام طحاوی نے اس میں مشکل اور بظاہر متعارض احادیث پر بہت فاضلانہ بحث
کی ہے۔ افسوس کہ یہ پوری شائع نہیں ہوئی۔ حیدرآباد دکن سے اس کی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں۔
اور یہ پوری کتاب کا تقریباً نصف ہیں۔ امام طحاوی نے اس کا ایک اختصار بھی کیا ہے۔ جسے قاضی
جمال الدین یوسف بن موسیٰ نے المعتصر من المختصر من مشکل الآثار کے نام سے مرتب کیا ہے۔ یہ المعتصر
۱۳۱۷ھ میں حیدرآباد دکن سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہے پھر یہ مصر سے بھی شائع ہو چکی ہے

③ المعجم الکبیر للطبرانی (۳۶۰ھ)

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی (۳۶۰ھ) نے حدیث کے تین مجموعے مرتب
کیے۔ ان میں سے سب سے بڑا مجموعہ یہ ہے۔ المعجم الصغیر للطبرانی مطبع انصاری دہلی میں ۱۳۱۱ھ
میں چھپی تھی۔ المعجم الکبیر کا ایک مخطوطہ کسی زمانے میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کی لائبریری میں موجود تھا۔

④ سنن دارقطنی (۳۸۵ھ)

ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی بغداد کے محلہ دارقطن کے رہنے والے تھے۔ علل احادیث
میں اپنے وقت کے امام اور منفرد تھے۔ علماء الرجال میں کہیں کہیں تعصب کی رو میں بہہ نکلے
ہیں۔ بہت سے علماء نے اس کتاب پر قابل قدر حواشی لکھے ہیں۔ کتاب میں بہت سی منکر شاذ ضعیف

اور موضوع روایات موجود ہیں تاہم کئی پہلوؤں سے کتاب مفید ہے۔

⑤ مستدرک حاکم (۴۰۵ھ)

چار ضخیم جلدوں میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ ساتھ ساتھ حافظ شمس الدین الذہبی کی کتاب تلخیص المستدرک بھی ہے۔ حافظ ذہبی حاشیہ پر ساتھ ساتھ کلام کرتے جاتے ہیں۔ حاکم نے اپنے زعم میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر اسی کتاب میں استدراک کیا ہے۔ اسی لیے اسے مستدرک علی الصحیحین کہتے ہیں۔

⑥ سنن کبریٰ للبیہقی (۴۵۸ھ)

ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی کی کتاب سنن کبریٰ دس ضخیم جلدوں میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ ساتھ ساتھ علامہ علاؤ الدین المارد ینی الترکمانی الحنفی کی کتاب الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی بھی ہے۔ اس میں علامہ ترکمانی حنفیہ کی طرف سے امام بیہقی کو ساتھ ساتھ جواب دیتے جاتے ہیں۔ امام بیہقی بلند پایہ شافعی المذہب فقیہ تھے۔

⑦ معرفۃ السنن والآثار للبیہقی (۴۵۸ھ)

دو جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔ اپنے طرز کی نادر کتاب ہے۔ امام بیہقی نے اس میں کہیں کہیں امام طحاوی کے طرز پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے ویسے یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ امام بیہقی کی شعب الایمان جس سے صاحب مشکوٰۃ نے روایات لی ہیں۔ اس کے علاوہ ہے۔

⑧ کتاب التمہید لابن عبدالبر المالکی (۴۶۳ھ)

امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں اور الاستیعاب میں اپنی سند سے بہت روایات کی ہیں۔ لیکن کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید اپنے موضوع میں نہایت قابل قدر

(۱) مؤطا

جس کتاب کو مصنف نے دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا ہو اور انہوں نے اس پر اتفاق فرمایا ہو اسے مؤطا کہتے ہیں، جیسے مؤطا ابن ابی ذئب (۱۵۸ھ) مؤطا امام مالک (۱۷۹ھ) مؤطا امام محمد (۱۸۹ھ) وغیرہ۔

(۲) الصحیح

یہ وہ کتابیں ہیں جن میں ان کے مؤلفین نے اپنے خیال میں صرف صحیح احادیث لانے کا التزام کیا ہو، جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان وغیرہ۔

(۳) المصنف

جن میں روایات محض جمع کرنے کے ارادے سے لکھی گئی ہوں، جیسے المصنف عبدالرزاق (۲۱۱ھ) المصنف لابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) یہ دونوں مصنف چھپ چکے ہیں۔

(۴) الجامع

جامع وہ کتاب ہے جس میں تفسیر، عقائد، آداب، احکام، مناقب، سیر، فتن، علامات قیامت وغیرہ ہر قسم کے مسائل کی احادیث مندرج ہوں، جیسے صحیح البخاری، کتب سنن میں صرف سنن ترمذی ہے۔ جو ان تمام ابواب پر مشتمل ہے اور اسے جامع ترمذی کہا گیا ہے

(۵) السنن

یہ وہ کتابیں ہیں جو فقہی ابواب یا احکام کی ترتیب سے لکھی گئیں، جیسے سنن دارمی (۲۵۵ھ) سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ) سنن ترمذی (۲۷۹ھ) سنن نسائی (۳۰۳ھ) سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ) سنن دارقطنی (۳۸۵ھ) سنن بیہقی (۴۵۸ھ) وغیرہ

⑥ المسند

یہ وہ کتابیں ہیں جو صحابہ کرامؓ کی مرویات کی ترتیب سے لکھی گئیں۔ جیسے مسند امام اعظم (۱۵۰ھ) مسند امام شافعی (۲۰۴ھ) مسند امام احمد (۲۴۱ھ) مسند حمیدی (۲۱۹ھ) اور مسند ابی یعلیٰ (۳۰۷ھ) وغیرہ

⑦ المعجم

یہ وہ کتابیں ہیں جنہیں مؤلفین نے اپنے شیوخ کی ترتیب سے تالیف کیا۔ جیسے معجم طبرانی (۳۶۰ھ) معجم الحافظ ابی بکر احمد بن ابراہیم الجرجانی (۳۷۱ھ) وغیرہ۔

⑧ المستدرک

امام بخاری اور امام مسلم نے صحیح احادیث کے لیے جو شرطیں لگائی تھیں شیخین کے بعد ان شرطوں پر کچھ اور حدیثیں بھی ملیں۔ اس پہلو سے ان رہ گئی حدیثوں کی تلاش جیسے کام پر ایک استدراک ہے۔ مستدرک حاکم (۴۰۵ھ) مستدرک الحافظ ابی ذر (۴۳۴ھ) اسی اصول پر مرتب ہوئیں۔

⑨ المستخرج

دوسرے محدثین کے جمع کردہ مجموعہ حدیث کو اپنی سندوں سے دریافت کرنا اور اس کے مطابق اپنی روایت کرنا تالیف حدیث کی ایک نئی محنت ہے۔ یہ عمل استخراج کہلاتا ہے۔ حافظ ابو عوانہ (۳۱۶ھ) نے صحیح مسلم پر مستخرج لکھی۔ اسی کا نام مسند ابی عوانہ ہے۔ جو حیدرآباد سے چھپ چکی ہے۔

اسی طرح اس عنوان اور طرز پر مستخرج ابن رجاء الاسفرائنی (۲۸۶ھ) مستخرج ابن حمدان (۳۱۱ھ) لکھی گئی۔ المنتقی لابن الجارود (۳۰۷ھ) صحیح ابن خزیمہ پر استخراج کی گئی ہے۔

لیے ضروری تھی کہ مختلف محدثین کے زمانوں کے ساتھ ان کے جمع کردہ ذخیرہ حدیث کا ہیولیٰ بھی سامنے آجائے۔ یہ تفصیل اسی لیے کی گئی ہے۔ اصل موضوع کتب متون حدیث کا تعارف ہے۔

اب تک ہم جن کتب حدیث کا ذکر کر چکے ہیں وہ سب کتابیں پہلی دوسری اور تیسری صدی کی ہیں اور اس صدی میں تالیف حدیث اپنے کمال کو پہنچ چکا تھا۔ اس دور کا آغاز امام بخاری اور امام مسلم جیسے ائمہ فن سے ہوتا ہے۔ امام نسائی (م ۳۰۳ھ) کے بعد صحت اسناد کی محنت بہت کم ہو گئی تھی۔ صحاح ستہ کا اہم کام تو بس ایک محدود ہو کر رہ گیا۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ بعد کے آنے والے ائمہ حدیث نے بھی وہ گرانقدر عظیم مجموعہائے حدیث مرتب کیے کہ ان کے متابعات و شواہد اور شواہد و زوائد فن کی تحقیق و تنقیح میں مزید نکھار کا موجب ہوئے ہیں اور ان میں کئی ایسی صحاح (صحیح حدیثیں) بھی آگئیں جو پہلے مجموعوں میں نہ تھیں۔ ان کتابوں کی تالیف سے سلسلہ تالیف حدیث مکمل ہو گیا۔ آئندہ کے لیے صرف یہ محنت باقی رہی کہ ان کتابوں کی مدد سے استخراج اور انتخاب کا سلسلہ آگے چلے۔

محدث کبیر حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے درس حدیث پر ایک مختصر رسالہ خیر الاصول کے نام سے لکھا ہے۔ اس میں آپ نے کتب حدیث کی تقسیم اس طرح کی ہے ——

حدیث کی کتابیں وضع و ترتیب مسائل کے اعتبار سے نو قسم پر ہیں۔

پہلی تقسیم

① جامع ② سنن ③ مسند ④ معجم ⑤ جزء ⑥ مفرد ⑦ غریب ⑧ مستخرج ⑨ مستدرک

① جامع

وہ کتاب ہے جس میں تفسیر، عقائد، آداب، احکام، مناقب، سیر، فتن، علامات قیامت وغیرہ ہر قسم کے مسائل کی احادیث مندرج ہوں۔ کما قیل ؎

سیر، آداب و تفسیر و عقائد — فتن، احکام و اشراط و مناقب

جیسے بخاری و ترمذی۔

② سُنَن

وہ کتاب ہے جس میں احکام کی احادیث ابواب فقہ کی ترتیب کے موافق بیان کی گئی ہوں۔
جیسے سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ

③ مسند

وہ کتاب ہے جس میں صحابہ کرامؓ کی ترتیب رتبی یا ترتیب حروف ہجا یا تقدم و تأخر اسلامی کے لحاظ سے احادیث مذکور ہوں۔ جیسے مسند احمد، مسند دارمی۔

④ معجم

وہ کتاب ہے جس کے اندر وضع احادیث میں ترتیب اساتذہ کا لحاظ رکھا گیا ہو جیسے معجم طبرانی۔

⑤ جزء

وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک مسئلہ کی احادیث یکجا جمع ہوں۔ جیسے جزء القراءۃ، جزء رفع الیدین بخاری کی، و جزء القراءۃ بیہقی۔

⑥ مفرد

وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک شخص کی کل مرویات ذکر ہوں۔

⑦ غریب

وہ کتاب ہے جس میں ایک محدث کے مفردات جو کسی شیخ سے ہوں وہ ذکر ہوں۔

(ملخصاً از فہرست الحروف المشتری)

⑧ مستخرج

وہ کتاب ہے جس میں کسی دوسری کتاب کی حدیثوں کی زائد سندوں کا استخراج کیا گیا ہو جیسے مستخرج ابی عوانہ۔

⑨ مستدرک

وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی شرط کے موافق اس کی چھوٹی ہوئی حدیثوں کو پورا کر دیا گیا ہو۔ جیسے مستدرک حاکم (المستدرک علی الصحیحین)۔

دوسری تقسیم

کتب حدیث مقبول وغیر مقبول ہونے کے اعتبار سے پانچ قسم پر ہیں۔

پہلی قسم وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں صحیح ہیں۔ جیسے ① موطا امام مالک ② صحیح بخاری ③ صحیح مسلم ④ صحیح ابن حبان ⑤ صحیح حاکم ⑥ مختارہ ضیاء مقدسی ⑦ صحیح ابن خزیمہ ⑧ صحیح ابی عوانہ ⑨ صحیح ابن سکن ⑩ منتقی ابن جارود۔

دوسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں احادیث صحیح وحسن وضعیف ہر طرح کی ہیں مگر سب قابل احتجاج ہیں کیونکہ ان میں جو حدیثیں ضعیف ہیں، وہ بھی حسن کے قریب ہیں جیسے ① سنن ابو داؤد ② جامع ترمذی ③ سنن نسائی ④ مسند احمد۔

تیسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں حسن، صالح، منکر ہر طرح کی حدیثیں ہیں جیسے ① سنن ابن ماجہ ② مسند طیالسی ③ زیادات امام احمد بن حنبل ④ مسند عبد الرزاق ⑤ مسند سعید بن منصور ⑥ مسند ابی بکر بن ابی شیبہ ⑦ مسند ابی یعلی موصلی ⑧ مسند بزار ⑨ مسند ابن جریر ⑩ تہذیب ابن جریر ⑪ تفسیر ابن جریر ⑫ تاریخ ابن جریر ⑬ تفسیر ابن مردویہ ⑭ طبرانی کے معجم کبیر ⑮ معجم صغیر ⑯ معجم اوسط ⑰ سنن دار قطنی ⑱ غرائب دار قطنی ⑲ حلیہ ابی نعیم ⑳ سنن بیہقی ㉑ شعب الایمان بیہقی۔

چوتھی قسم وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں ضعیف ہیں، الا ماشاء اللہ۔ جیسے ① نوادر الاصول حکیم ترمذی ② تاریخ حاکم ③ تاریخ ابن حبان ④ مسند الفردوس دیلمی ⑤ کتاب الضعفاء عقیلی ⑥ کامل ابن عدی ⑦ تاریخ خطیب بغدادی ⑧ تاریخ ابن عساکر۔

پانچویں قسم وہ کتابیں ہیں جن سے موضوع حدیثیں معلوم ہوتی ہیں، جیسے موضوعات ابن جوزی، موضوعات شیخ محمد طاہر پٹنی وغیرہ۔ (رسالہ قیمہ عجالہ نافعہ از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)۔

تالیف کتب حدیث ایک اور عنوان سے

سند کے ساتھ حدیثیں جمع کرنا صرف اسی دور تک تھا کہ حدیث کے پرانے ذخیرے سند والے پورے مرتب نہ ہوئے تھے یا کچھ مرتب ہو گئے تھے مگر کچھ احادیث رہ گئی تھیں جو سند سے روایت ہوتی تھیں مگر ان مجموعوں میں نہ آئی تھیں۔ پانچویں صدی ہجری تک یہ سلسلہ چلتا رہا اس کے بعد اپنی سند سے روایت کرنے کا سلسلہ ختم ہو گیا اور آئندہ انہی مجموعوں سے حدیث کی سند چلنے لگی۔ اب اس نئے دور میں تخریج اور انتخاب ہی وہ موضوع تھے جن پر مزید جمع وتدوین کا کام ہو سکتا تھا یا اسانید وشروح تھے جن پر محدثین قلم اٹھا سکتے تھے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ اب تالیف حدیث کی محنت آئندہ ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

حدیث کی تخریج پر پہلی کتابیں

امام ترمذی (۲۷۹ھ) کی کتاب جامع ترمذی نے محدثین کو پہلی دفعہ فن تخریج سے آشنا کیا۔ یہ کتاب ایسے نئے طرز پر جمع کی گئی کہ اس سے ایک نیا فن وجود میں آیا۔ امام ترمذی ایک حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وفی الباب عن ...... کہ اس موضوع پر فلاں فلاں صحابی سے بھی روایت موجود ہے۔ وہ روایات کہاں کہاں ہیں؟ امام ترمذی نے ان کی نشاندہی نہیں کی۔ ان روایات کو دوسری سند والی کتابوں سے ڈھونڈ نکالنا ان روایت کی تخریج کہلاتا ہے۔ امام بخاری نے بھی صحیح میں

کئی روایات تعلیقاً بیان کی ہیں، جنہیں پوری سند سے معلوم کرنا ضروری تھا۔ یہ بھی ایک قسم کی تخریج ہے جو محدثین شارحین نے کی ہے۔ صحیح بخاری کی نسبت جامع ترمذی کا موضوع "وفی الباب۔۔۔" ایک وسیع میدانِ تحقیق ہے اور اس تخریج پر مستقل کتابیں لکھی گئیں ہیں جیسے "طلب اللباب فیما یقول الترمذی وفی الباب"۔

کتب حدیث کے علاوہ دیگر فنون کی کتب میں بھی حدیثیں کچھ اس طرح سے درج کی گئی ہیں کہ ان کی سند یا ان کے مخرج اور روایت کرنے والے محدث کا نام وہاں مذکور نہیں۔ ان کتابوں کی اہمیت اور ان کے وسیع حلقہ اشاعت کے پیش نظر محدثین ان روایات کی تخریج کے بھی درپے ہوئے اور اس سلسلہ تخریج میں بعض ایسی نفیس کتابیں مرتب ہوئیں کہ فن ان پر ناز کرنے لگا۔

پانچویں چھٹی صدی کی جن کتابوں پر تخریج کی محنت ہوئی۔ حسب موضوع ان میں سے چند کے نام سنیے:

فن فقہ میں

علامہ برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) کی کتاب ہدایہ فقہ حنفی کی مرکزی کتاب ہے۔ اس میں بہت سی حدیثیں بھی مذکور ہوئی ہیں۔ مصنف نے انہیں محدثین کے طریق پر نہیں اپنے انداز میں ذکر کیا ہے۔ کہیں اشارہ ہے، کہیں اختصار ہے، کہیں روایت بالمعنی ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ان احادیث کی تخریج ضروری تھی۔

(۱) حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) نے نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ کے نام سے چار جلدوں میں ایک نہایت گرانقدر محققانہ تالیف پیش کی ہے۔ علمائے دیوبند نے اس پر حاشیہ بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی کے نام سے لکھا ہے۔ یہ کتاب مصر سے بڑی آب و تاب سے شائع ہوئی ہے۔ پہلے مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوئی تھی۔ کتاب کی عظمت شان کے لیے یہی کافی ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے جلیل القدر محدث نے نصب الرایہ کی تلخیص الدرایہ کے نام سے کی ہے اور وہ بھی چھپ چکی ہے۔

② مشارق الانوار قاضی عیاض (۵۴۴ھ)

مجمع مولویہ نفیس نے ۱۳۶۸ھ میں مدینہ منورہ میں شائع کی ہے۔ اس کی علامہ عبد اللطیف بن عبد العزیز ابن الملک کے نام سے معروف ہیں۔ مشارق الانوار کے نام سے ایک شرح لکھی ہے جسے مجمع خیریہ مصر نے شائع کیا ہے۔

③ جامع الاصول من احادیث الرسول

لابی السعادات مبارک بن محمد (۶۰۶ھ) ابن اثیر الجزری کی یہ کتاب مصر سے ۱۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

④ مشارق الانوار للشیخ حسن الصغانی (۶۵۰ھ)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث کا ایک گرانقدر مجموعہ ہے۔ مؤلف نے موضوع روایات کی نشاندہی کے لیے بھی ایک مجموعہ موضوعات حسن صغانی نام سے بھی لکھا ہے۔ نقد احادیث میں آپ بہت سخت تھے۔ موضوعات ابن جوزی (۵۹۷ھ) آپ کے سامنے تھی۔ ملا علی قاری نے بھی موضوعات صغانی کے بہت حوالے دیئے ہیں۔

⑤ الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف

للحافظ ابی محمد زکی الدین عبد العظیم منذری (۶۵۶ھ) بیروت میں چھپی ہے۔ پہلے مصر سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ ترغیب و ترہیب کی احادیث کو مؤلف نے بڑی محنت سے جمع کیا ہے۔

⑥ ریاض الصالحین للنووی (۶۷۶ھ)

ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی شارح صحیح مسلم دمشق کے قریہ نویٰ کے رہنے والے تھے۔ شافعی المسلک تھے۔ آپ نے فقہ شافعی پر بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ریاض الصالحین اصلاح معاشرہ اور تہذیب اخلاق کے لیے نہایت مفید کتاب ہے۔ بار بار چھپ چکی ہے۔

(۷) اربعین نووی

آپ نے اربعین کے نام سے بھی ایک مجموعہ حدیث لکھا ہے جس کی نامور علماء حدیث نے شروح لکھی ہیں۔ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) کی شرح مطبع منیریہ مصر نے ابن حجر ہیتمی کی شرح مطبع بولاق نے بڑی آب و تاب سے شائع کی ہے

(۸) احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام

علامہ تقی الدین المعروف بابن دقیق العید (۷۰۲ھ) کی تصنیف جلدوں میں ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئی۔

(۹) المنتقی الاخبار

مشہور محدث حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کے دادا مجد الدین ابن تیمیہ (۶۵۲ھ) کی تالیف ہے۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) کی نیل الاوطار اسی منتقی کی شرح ہے جو آٹھ جلدوں میں مصر سے ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوئی۔ موطا کی شرح المنتقی بھی قاضی ابوالولید باجی نے لکھی اور سات جلدوں میں چھپی بڑی عمدہ کتاب ہے۔

(۱۰) مشکوٰۃ للخطیب التبریزی (۷۳۷ھ)

یہ امام بغوی کی کتاب مصابیح السنہ کے اصول پر ایک عجیب اور بہت مفید گلدستۂ احادیث ہے۔ نامور علماء نے اس کی شروح لکھیں جیسے علامہ طیبی الشافعی، علامہ توربشتی حنفی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (لمعات التنقیح) چند جلدوں میں ہے، ملا علی قاری (مرقات المفاتیح) یہ پانچ ضخیم جلدوں میں ہے اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی (التعلیق الصبیح) سات جلدوں میں ہے۔ اس کی شروح بہت معروف ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کے نام سے اس کی ایک فارسی شرح بھی لکھی ہے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے شاگرد علامہ قطب الدین نے مظاہر حق کے نام سے اس کی ایک مبسوط اردو شرح لکھی ہے جو برصغیر پاک و ہند میں بہت متداول ہے۔

(۱۱) زاد المعاد للحافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)

مکتبہ حسینیہ مصر نے چار جلدوں میں شائع کیا۔ اس میں احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۲) زجاجۃ المصابیح

مولانا السید عبداللہ حسینی حیدرآبادی نے چار جلدوں میں یہ تالیف کی تاج پریس حیدرآباد سے شائع ہوئی۔ جلد اول ص[illegible] باب الاعتکاف تک، جلد دوم باب النذور ص[illegible] تک، جلد سوم کتاب [illegible] ص[illegible] تک، جلد چہارم آخر کتاب ص[illegible] تک۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ مشکوٰۃ کا بدل ہو سکے۔

(۲۳) اعلاء السنن

للشیخ ظفر احمد العثمانی، [illegible] جلدیں ضخیم جلدوں میں ہے۔ مذہب احناف کی احادیث اس میں بہت تحقیق سے جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی سرپرستی میں لکھی گئی ہے۔ اور علم حدیث میں عصر حاضر کا شاہکار ہے۔

(۲۴) ترجمان السنۃ للمحدث الکبیر بدر عالم میرٹھی ثم المدنی ([illegible])

کتاب باعتبار متن عربی میں ہے ہر حدیث کی تخریج موجود ہے اردو ترجمہ اور تشریح کی نوٹ ساتھ ساتھ ہیں جلد ۲ [illegible] صفحات کا مبسوط مقدمہ ہے جو حدیث قرآن سنت کی صحت پر دلالت۔ اختلاف کی تاریخ اسباب اختلاف و تفریق، فرقہ ناجیہ کی تحقیق، حجیت حدیث، اسوۂ رسول اور کتابت تحریر احادیث رسول کے بیان قرآن ہونے اور علم و عمل کے مفہوم پر ایک نہایت گرانقدر علمی ذخیرہ ہے مولف نے ترتیب مسند احمد کی تبویب جدید "الفتح الربانی" سے لی ہے یہ کتاب دس جلدوں تک جانی تھی مگر افسوس کہ ابھی چار ضخیم جلدیں مکمل ہوئیں تھیں کہ مولف اپنے خالق حقیقی سے جا ملے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۲۵) معارف الحدیث مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

احادیث کا نیا اور نرالا انتخاب ہے متون احادیث اصل عربی میں ہیں ترجمہ اردو میں ہے سات ضخیم جلدوں میں یہ عظیم ذخیرہ مرتب ہوا ہے زیادہ تر احادیث وہ ہیں جو عام زندگی اور دین کے حالات سے تعلق رکھتی ہیں اس دور کے جدید تعلیم یافتہ طبقے پر اس کے گہرے اثرات ہیں غیر مستند روایات سے محفوظ ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جس نے جان بوجھ کر مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا یعنی مجھ پر کوئی ایسی بات کہی جو میں نے نہ کہی ہو۔ تو اسے چاہئے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

موضوع احادیث کی نشاندہی پر مستند کتابیں

علمائے اسلام نے اس باب میں بھی قابل محنت کی ہے اور نقل وضبط اور نقد و تبصرہ سے بہت سی وضعی روایات کی نشاندہی کی ہے۔ علامہ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی (۵۰۷ھ) کی تذکرۃ الموضوعات، علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی (۵۹۷ھ) کی موضوعات — علامہ حسن الصغانی (۶۵۰ھ) کی موضوعات حسن الصغانی۔ شیخ سراج الدین عمر بن علی القزوینی (۷۵۰ھ) کی موضوعات المصابیح — علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) کی اللآلی المصنوعہ — علامہ محمد طاہر الفتنی (۹۸۶ھ) کی تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات — ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کی موضوعات کبیر اور المصنوع — علامہ شوکانی (۱۲۵۰ھ) کی الفوائد المجموعہ — جن انکشافات علامہ عبدالحی لکھنوی کی الآثار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعہ کے ساتھ سامنے آ گیا۔ العطور کی حافظ زین الدین عراقی (۸۰۶ھ) کی تخریج الاحیاء، منار السبیل کی شیخ البانی کی تخریج۔ ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل جیسی کتابوں سے بھی اس سلسلہ میں بہت مواد ملے گا۔ شیخ البانی کی یہ تالیف ۱۳۹۹ھ میں دس جلدوں میں طبع ہے۔

افسوس کہ اس علمی تحقیق میں اور جانچ پڑتال کے باوجود ایسے مقرر و خطیب اور ذاکرین کی کمی نہیں جو اپنی خطابت اور تقریر کو وضعی قصوں میں پیش کر کے سامعین سے خراج تحسین لیتے ہیں اور وہ عوام بھی اسی طرف کو لپکتے ہیں کہ انہیں اس کاروائی میں قصے کہانیوں کا لطف آتا ہے — تاہم ہم مطمئن ہیں کہ اہل علم نے ان وضعی روایات پر مستقل کتابیں لکھ کر اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔

شیعہ کتب حدیث

شیعہ کتب حدیث ایک بالکل جدا سلسلہ ہے اہل سنت محدثین انہیں بالکل موثق نہیں مانتے۔ شیعہ علما کے نزدیک ائمہ کے اصحاب ان کی احادیث قلمبند کرتے رہے اور چار سو کے قریب مجموعے پہلے دور میں لکھے گئے۔ پھر ان کی مدد سے اصول اربعہ کافی کلینی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام اور استبصار مرتب ہوئے۔ معانی الاخبار شیخ صدوق، نہج البلاغہ شریف رضی وغیرہ بھی ان کے ہاں مستند روایات ہیں۔ متاخرین میں علامہ باقر مجلسی کی کتاب بحار الانوار شیعہ احادیث کا انسائیکلوپیڈیا سمجھی جاتی ہے۔

شروح حدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد،

آج کا عنوان حدیث کے شروح و حواشی کا بیان ہے۔ اس وقت یہ مطلب پیش نظر نہیں کہ آج تک کتب حدیث پر کون کون سی شروح لکھی گئیں اور کن کن ائمہ علماء نے لکھیں اور کون کون سے حواشی قلمبند ہوئے اور وہ کس کس کے رشحات تھے۔ بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اس باب میں کون کون سی کتابیں آج کل عام متداول ہیں ——— مل سکتی ہیں اور علماء اور طلبہ ان شروح و حواشی سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ زمانے نے اپنے تغیرات و انقلابات میں کن کن کتابوں کو شہرت عام بخشی اور جنہوں نے عوام و خواص میں نفوذ و اعتماد پایا۔ واللہ ہو الموفق۔

شرح احادیث کی ضرورت

جس طرح قرآن پاک کے لیے تفسیر کی ضرورت ہے، اسی طرح حدیث کی کتابوں کے لیے شرح کی ضرورت ہوتی ہے۔ طلبہ کو ہر وقت احوال رواۃ کا استحضار نہیں ہوتا، نہ ایک کتاب کے مطالعہ کے وقت یہ مستحضر ہوتا ہے کہ دوسری کتابوں میں یہ روایت اتنی ہی ہے یا اس سے کم و بیش ہے ——— اور یہ کہ اس موضوع پر اور کون کون سی روایات ہیں ——— شارح اپنی شرح میں جہاں ضرورت سمجھتا ہے کسی راوی کے حالات بتا دیتا ہے، اسی طرح کسی موضوع پر مختلف احادیث وارد ہوں تو جہاں صاحب کتاب نے ایک حدیث پیش کی، شارح اس میں اس موضوع کی دوسری احادیث کو بھی زیر بحث لے آتا ہے، ان میں صحابہ کا عمل کیا تھا، یا ان کے مسالک کیا تھے، وہ ان کی طرف بھی اشارہ کر جاتا ہے، پھر ان احادیث سے جو احکام نکلتے ہیں، شارح ان پر بھی بحث کرتا ہے اور ائمہ کے مختلف مذاہب ان میں زیر بحث آجاتے

میں بھی جگہ جگہ شرحی جملے ملتے ہیں۔ بلکہ جامع ترمذی متن کی کتاب ہونے کے باوجود شرح حدیث کا ایک بڑا علمی ذخیرہ ہے ——— ایک مثال لیجئے۔ امام ترمذی ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تأول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ۔[1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں ہوتی) کا معنی یہ ہے کہ جب وہ اکیلا ہو (جماعت والی نماز یہاں مراد نہیں) اور امام احمدؒ نے اس سلسلہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، آپ نے فرمایا جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں ام القرآن نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو (یعنی اس وقت اس کی نماز خود فاتحہ پڑھے بغیر بھی ہو جاتی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ یہ شخص (حضرت جابرؓ) اصحاب رسول میں سے ہے۔ آپ اس حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہی معنی سمجھے ہیں کہ یہ حدیث اکیلے سے متعلق ہے۔ نماز باجماعت کے لئے نہیں)

امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے بھی سنن میں مشہور محدث سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کا یہ شرحی جملہ نقل کیا ہے کہ حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اسی شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔[2] یہ حدیث جماعت سے نماز پڑھنے والے کے بارے میں نہیں ہے۔ محدثین کے ہاں یہ شرحی جملے عام ملتے ہیں۔ امام ابوداؤد جگہ جگہ قال ابو داؤد کہہ کر متون احادیث

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۲ دہلی [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۱۹

پر تشریحی نوٹ لکھے جاتے ہیں. علمائے حدیث نے قال ابو داؤد کے ان جملوں پر مستقل کتابیں لکھی اور مستقل بحثیں کی ہیں۔

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کون سا تشریحی نوٹ اور کون سا شرعی جملہ صحیح ہے اور کس جملے سے ہم رائے کا اختلاف رکھتے ہیں. اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ علماء کو شرح احادیث کی ضرورت ابتداء سے رہی. یہی ہے حتی کہ متن کی کتابوں یا کتب متون میں بھی جگہ جگہ احادیث کے ساتھ تشریحی جملے ملتے ہیں ـــــــ امام زہری (م ۱۲۴ھ) تو متن حدیث روایت کرتے ہوئے یہ تشریحی جملے کہہ جاتے تھے اور بعض علمائے حدیث انہیں متن حدیث میں سے سمجھ لیتے. محدثین کے ہاں اسے ادراج بھی کہتے ہیں. امام زہری کے ہاں یہ عام ملتا ہے

متون احادیث پر تشریحی ابواب و تراجم

امام بخاری (۲۵۶ھ) نے الجامع الصحیح المسند میں اپنی خاص شرطوں سے نہایت صحیح روایات اس کتاب میں جمع کی ہیں. ان روایات پر آپ نے جو ابواب و تراجم باندھے ہیں وہ ان روایات کے بارے میں جو ان ابواب میں مروی ہوں امام بخاری کی فقہی رائے سمجھے جاتے ہیں۔ اس وقت ہمیں یہ بحث نہیں کہ امام بخاری کی کون کون سی رائے قیاس پر مبنی ہے اور کس کس باب میں ان کے پاس نص حدیث ہے. اس وقت صرف یہ بتلانا ہے کہ صحیح بخاری جیسی مؤلف تشریحی جملوں سے مستغنی نہیں رہ سکی۔

امام نسائی (۳۰۳ھ) بھی سنن (مجتبیٰ) میں باب باندھ کر حدیث کی مراد واضح کرتے ہیں گویا آپ کی طرف سے شرح حدیث ہے. مثلاً آپ نے جب یہ حدیث روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے. واذا قرأ فانصتوا (جب امام قرآن پڑھے تو تم چپ ہو جایا کرو) تو آپ نے اس پر یہ باب باندھا ہے۔[1]

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون.[2]

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور چپ رہو تاکہ تم رحم پاؤ۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ ص [illegible] [2] پ ۹ الاعراف

اس ترجمۃ الباب سے یہ بھی پتہ چلا کہ محدثین کے ہاں یہ آیت نماز کے بارے میں بھی
ہے اور ان کے ہاں مسلمان بھی اس حکم کے مخاطب ہیں۔ سو اس وہم میں نہ جائیے کہ یہ آیت کفار
کے بارے میں ہے۔ مگر وہ بھی اس حکم کے مخاطب ہوں کہ جب قرآن پڑھا جائے۔ تو تم شور و
شغب نہ کرو۔

صحیح ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) کو دیکھئے۔ متون احادیث پر کس قدر نفیس تبویب ہے۔ یوں
معلوم ہوتا ہے جیسے حدیث پر باب باندھنے میں امام ابن خزیمہ سب پر سبقت لے گئے ہیں۔ یہ
کتاب چار جلدوں میں دیوبند کے ایک فاضل مولانا اعظمی کے حاشیہ کے ساتھ مصر سے چھپ چکی
ہے۔ منتقی ابن الجارود اسی پایہ پر صحیح ابن خزیمہ پر مستخرج کتاب ہے۔

شرح حدیث کا آغاز

یوں تو حدیث کے شرحی جملے اور تشریحی ابواب و تراجم کتب متون میں بہت پہلے آ رہے
تھے لیکن مستقل فن کی حیثیت سے امام ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) پہلے امام ہیں جنہوں نے متون
احادیث کی شرح کا موضوع بنایا اور شرح معانی الآثار جیسی عظیم کتاب لکھ کر اس باب میں حجت
تمام کر دی۔ آپ نے پھر مشکل الآثار بھی لکھی۔ جو متقابل روایات اور مشکل روایات کی تطبیق و تفہیم
میں نہایت نفیس کتاب ہے اور اپنے باب میں بے مثل ہے۔ مطبوعہ مشکل الآثار جو چار جلدوں
میں ہے اصل کتاب کے نصف کے برابر ہے۔

امام طحاوی کی یہ کتابیں کسی دوسرے متن پر شرح نہیں۔ متون احادیث کو آپ خود اپنی
سند سے روایت کرتے ہیں اور ان پر اثر اور نظر ہر پہلو سے کلام کرتے ہیں۔ آپ پہلے امام
ہیں جنہوں نے اس انداز سے شرح حدیث کا آغاز کیا۔ اس کے بعد موطا امام مالک اور سنن
ابی داؤد پر تحقیقی کلام شروع ہوا اور متون پر شرح کے پیرایہ میں کتب حدیث کی شرحیں ہونے لگیں
اور یہ سلسلہ یہاں تک وسعت سے چلا کہ آج اسلامی کتب خانوں میں سب سے زیادہ کتابوں
کا ذخیرہ شروح حدیث کا ہی ہے۔

ابو سلیمان الخطابی (۳۸۸ھ) نے سنن ابی داؤد پر معالم السنن لکھی جو چھپ چکی ہے۔

ابن حزم اندلسی (۴۵۶ھ) نے المحلی کے نام سے موطا کی نہایت جامع شرح آٹھ جلدوں میں لکھی، یہ بھی چھپ چکی ہے۔ اندلس کے ہی نامور عالم علامہ ابن عبدالبر القرطبی (۴۶۳ھ) نے التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید لکھی جس کی بارہ جلدیں وزارت اوقاف اور شئون اسلامی مراکش کی طرف سے چھپ چکی ہیں۔ کتاب تقریباً بیس جلدوں میں مکمل ہوگی۔ مؤلف نے اس کتاب کا ایک اختصار تجرید التمہید کے نام سے خود کیا ہے۔ جو چھپ چکا ہے۔

یہ شروح بہت پہلے دور کی ہیں۔ ان میں زیادہ تر حل الفاظ اور مشکلات حدیث پر زور دیا گیا ہے۔ بعد میں آنے والے شارحین اور طلبہ کے لیے یہ علمی مباحث شرح حدیث کا ابتدائی سرمایہ ہیں۔ ایسے لغات حدیث پر اس امت میں مستقل کام بھی ہوا ہے۔

شرح لغات حدیث

علم حدیث کی تدوین حدیث کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ غریبہ پر بھی بہت کام ہوا ہے۔ الفاظ غریبہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو قلیل الاستعمال ہوں۔ اگر عام استعمال بھی ہوتے ہوں تو کسی خاص معنی کی رو سے وہ قلیل الاستعمال ہوں۔ علماء حدیث نے ان کی تشریح و توضیح کے لیے خصوصی قلم اٹھایا ہے اور حق یہ ہے کہ اس باب میں محنت کا حق ادا کر دیا۔

سب سے پہلے ابو عبیدہ معمر بن المثنی تیمی (۲۱۰ھ) نے الفاظ غریبہ پر قلم اٹھایا۔ پھر ابو الحسن مازنی (ھ) ابو سعید عبدالملک اصمعی (۲۱۶ھ) ابو عبید قاسم بن سلام (۲۲۴ھ) ابو العباس ثعلب (ھ) اور علامہ المبرد (ھ) نے الکامل کی چار جلدوں میں غرائب الفاظ پر بحث کی ہے۔

اس باب میں شیخ مجد الدین ابن المبارک بن عبد الکریم ابن اثیر الجزری (۶۰۶ھ) کی کتاب النہایہ فی غریب الحدیث والاثر احادیث و آثار کی لغات پر نہایت مفید اور جامع کتاب ہے۔ اس کے بعد محدث جلیل شیخ طاہر پٹنی (۹۸۶ھ) کی مجمع بحار الانوار سب کتابوں کی جامع اور گویا اس فن کی آخری کتاب ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں پانچ ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

دہلی میں چھپ چکی ہے۔ بارہ ضخیم جلدوں میں ہے۔

⑤ عمدۃ القاری

حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ) بہت وقیع اور محققانہ شرح ہے۔ مصر و بیروت میں بارہا چھپ چکی ہے۔ ۲۵ جلدوں میں ہے۔ مصنف حنفی المسلک ہیں۔

⑥ ارشاد الساری

شہاب الدین القسطلانی (۹۲۳ھ) یہ گویا پچھلی دو بڑی شرحوں کا ملخص ہے۔ مؤلف شافعی المسلک ہیں۔

⑦ تحفۃ الباری

شیخ الاسلام ابو یحییٰ زکریا انصاری الخزرجی (۹۲۶ھ)

⑧ تیسیر القاری

شیخ نور الحق محدث دہلوی (۱۰۷۳ھ) یہ فارسی شرح شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) کے بیٹے کی تالیف ہے۔ خاصی مقبول ہے۔

⑨ منح الباری شرح جامع صحیح بخاری

حافظ دراز (۱۰۰۰ھ) یہ فارسی شرح حافظ محمد حسن بن محمد صدیق المعروف بہ حافظ دراز کی ہے۔ آپ خوشاب کے رہنے والے تھے۔

⑩ عون الباری لحل ادلۃ البخاری

نواب صدیق حسن خان نے تجرید بخاری للزبیدی کی دو جلدوں میں شرح کی ہے۔ مطبع صدیقی بھوپال سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوئی۔

⑪ لامع الدراری

رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ) حضرت گنگوہی کی تقریر بخاری کی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے تحشیہ کی ہے۔

⑫ فیض الباری

علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) حضرت انور شاہ صاحب کی یہ تقریر بخاری کی خوبصورت کیمبر

مولانا السید محمد حامد مدنیؒ نے جمع کی ہے۔

(۱۲) فضل الباری

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ) یہ حضرت علامہ عثمانیؒ کی بخاری شریف کی تقریر ہے جس پر حضرت علامہ عثمانیؒ نے خود نظر ثانی کی ہے۔ یہ اردو میں ہے اور اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو رہا ہے۔ دو اردو جلدیں اور ایک انگریزی جلد چھپ چکی ہیں۔

(۱۳) ہدایۃ الباری الی ترتیب احادیث البخاری

سید عبد الرحیم الطہطاوی نے دو جلدوں میں لکھی۔ مطبع التازی مصر نے ۱۳۵۲ھ میں اسے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(۱۵) نبراس الساری فی اطراف البخاری

محدث پنجاب حضرت مولانا عبد العزیزؒ (گوجرانوالہ) کی عربی تالیف ہے۔ مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۳ھ میں شائع کی، علماء میں بے حد مقبول ہوئی۔

(۱۶) امداد الباری بشرح صحیح البخاری

مراد آباد کے مشہور محدث مولانا عبد الجبار اعظمی یہ اردو شرح لکھ رہے ہیں، دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

علمائے حدیث نے صحیح بخاری کے کچھ حواشی بھی لکھے ہیں جو طلبہ کے لیے بہت مفید ہیں۔ صحیح بخاری ان حواشی کے ساتھ بار بار چھپ چکی ہے۔

(۱) حاشیہ مولانا شیخ ابو الحسن السندھیؒ (۱۱۳۹ھ)

بلاد عربی میں یہ حاشیہ بہت رائج ہے۔

(۲) حاشیہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ (۱۲۹۷ھ)

آخری پانچ پاروں کے حواشی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۹۷ھ) کے قلم سے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں صحیح بخاری کا یہ نسخہ اور حاشیہ مقبول ترین صورت میں ثابت ہے۔ یہ اکابر علمائے دیوبند کی نہایت وقیع اور مقبول علمی خدمت ہے۔ دونوں شارح ایک ہی سال ۱۲۹۷ھ میں رخصت ہوئے۔

نوٹ ۱: صحیح بخاری سے حدیث تلاش کرنے کے باب میں شیخ مصطفیٰ بیومی مصری کی کتاب

(۴) اکمال اکمال المعلم

علامہ اُبی (۸۲۸ھ) نے سات جلدوں میں تکمیل کی۔ مطبع سعادت مصر سے ۱۳۲۸ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۵) فتح الملہم

نواب صدیق حسن خاں (بھوپال) کی تصنیف ہے۔

(۶) فتح الملہم

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) عربی

(۷) تفہیم المسلم

مولانا جمال عثمانی دامت برکاتہم کی یہ شرح اردو میں ہے۔ حضرت مولانا عثمانی، حضرت علامہ بلیاوی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، اور مولانا سید بدر عالم مدنی کی مسلم شریف کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔

(۳) سنن ابی داؤد سجستانی

حدیث کے فقہی سرمایہ پر یہ مشہور تالیف ہے۔ علمائے حدیث نے ہر دور میں اس کتاب پر محنت کی اور اس پر شروح و حواشی لکھے ہیں۔

(۱) معالم السنن

علامہ خطابی (۳۸۸ھ)

(۲) عون المعبود

مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ھ) چار جلدوں میں ہے۔ مطبع انصاری دہلی نے ۱۳۲۲ھ میں اسے شائع کیا۔

(۳) حاشیہ تصحیح کردہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن (۱۹۲۰ء)

(۴) بذل المجہود

مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ) مطبع ندوۃ العلماء سے ۱۳۴۵ھ میں

پانچ ضخیم جلدوں پر چھپی تھی۔ اب مصر سے نو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

⑤ انوار المحمود

جمع کردہ مولانا الشیخ صدیق احمد۔ یہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی ابوداؤد پر کی گئی تقریرات کا مجموعہ ہے۔

⑥ حل ما قال ابوداؤد (اردو)

مولانا محمد حنیف گنگوہی کی تصنیف ہے۔ کئی جلدوں میں ہے اور بہت مفید اور بہت جامع کتاب ہے۔

⑦ کشف الودود لحل ما فی سنن ابی داؤد (عربی)

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) کی نہایت مفید تالیف ہے۔

④ جامع ترمذی

متن کتاب خود حدیث کی ایک بڑی شرح ہے۔ بعض حدیث پر کلام اس کے درجات کی نشاندہی، اسانید کے اتصال و ارسال پر تنبیہ، صحابہ کے عمل اور فقہاء کے مختلف مسالک پر جامع تبصرہ، رواۃ کے تذکرے اس کتاب کی جان ہیں۔ تاہم علمائے حدیث نے اس پر بھی گرانقدر علمی اضافے فرمائے ہیں۔ ان کی گراں قدر شرحیں لکھی گئیں۔

① شرح الترمذی

ابن عربی مالکی (۵۴۳ھ) یہ شرح ۱۳ جلدوں میں ہے اور مصر سے [illegible] میں شائع ہوئی۔

② الکوکب الدری (امالی حضرت گنگوہی)

شیخ رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ) حضرت گنگوہی کی تقریر ترمذی کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے والد مرحوم مولانا محمد یحییٰ نے ضبط کیا ہے۔

③ العرف الشذی

علامہ انور شاہ (۱۳۵۲ھ) یہ حضرت شاہ صاحب کی جامع ترمذی پر ایک تقریر ہے۔

③ **الطیب الشذی بشرح جامع الترمذی**

یہ مولانا اشتیاق الرحمن کاندھلوی رحمہ اللہ کی تالیف ہے افسوس کہ مؤلف اسے مکمل نہ کر سکے۔

④ **تحفۃ الاحوذی**

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری (١٣٥٣ھ) مؤلف ترک تقلید کا مسلک رکھتے ہیں۔

⑥ **معارف السنن**

مولانا محمد یوسف بنوری (١٣٩٧ھ) چھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اور یہ جلد بھی مکمل ہے۔ مگر افسوس کہ درمیانی تین جلدیں مکمل نہ ہو سکیں۔

⑦ **شرح ترمذی**

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) کی نہایت مفصل اور مفید شرح ہے۔ اس کا نام حقائق السنن ہے حضرت شیخ کے دروس آپ کے بعض تلامذہ نے جمع کیے ہیں۔

⑤ **موطا امام مالکؒ (١٧٩ھ)**

① **المحلی بشرح الموطا**

لابن حزم الاندلسیؒ (٤٥٦ھ)

② **التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید**

لابن عبدالبر مالکیؒ (٤٦٣ھ)

③ **المنتقی بشرح الموطا**

قاضی ابو الولید المعروف بابن الباجی کی تالیف ہے۔ مطبع سعادت مصر سے ١٣٣٢ھ میں سات جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

④ **زرقانی شرح موطا**

محمد بن عبدالباقی الزرقانی کی یہ شرح آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے۔

⑤ **تنویر الحوالک بشرح موطا مالک**

امام جلال الدین سیوطیؒ (٩١١ھ)

⑨ مشکوٰۃ شریف للخطیب التبریزی (م ۷۴۳ھ)

① ۔ الکاشف عن حقائق السنن

علامہ حسن بن محمد الطیبی (م ۷۴۳ھ) جو استاذ صاحب المشکوٰۃ۔ افسوس کہ یہ شرح عظیم ابھی تک

منصۂ شہود پر طباعت نہیں ہو سکی۔

② ۔ اس شرح کی تلخیص علامہ سید شریف نے کی جو بعد کے بہت سے شارحین مشکوٰۃ کا ماخذ ہے

③ مرقات المفاتیح

ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ)

④ لمعات التنقیح

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)

⑤ اشعۃ اللمعات

شرح فارسی للشیخ الدہلوی (م ۱۰۵۲ھ)

⑥ مظاہر حق (اردو)

نواب قطب الدین دہلوی (م ۱۲۸۹ھ)

⑦ التعلیق الصبیح

مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ھ)

⑧ مرعاۃ المفاتیح ۔ مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری۔

⑩ شرح جامع صغیر للسیوطی (م ۹۱۱ھ)

① السراج المنیر

تالیف شیخ علامہ علی بن شیخ احمد العزیزی

② فیض القدیر

علامہ عبدالرؤف المناوی۔ چھ جلدوں میں ہے۔

جامع ترمذی (۲۷۹ھ) کے حواشی

۱۔ امام سیوطی کی شرح قوت المغتذی کی تلخیص نفع قوت المغتذی بصورت حاشیہ کتاب کے ساتھ مطبوع ہے اور عام ملتی ہے

۲۔ علامہ ابوالحسن السندی کا حاشیہ۔ ۳۔ شیخ احمد بن محمد شاکر کی تعلیقات علی جامع ترمذی۔

۴۔ حواشی از تقریر حضرت شیخ الہند

سنن نسائی (۳۰۳ھ) کے حواشی

۱۔ تعلیق زہر الربیٰ علی المجتبیٰ للامام السیوطی (۹۱۱ھ)

۲۔ حاشیہ شیخ عبدالہادی السندی (۱۱۳۸ھ)

۳۔ حاشیہ مولوی وصی احمد لاہوری ۴۔ حاشیہ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمہ

سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ) کے حواشی

۱۔ شرح حافظ مغلطائی الحنفی (۷۶۲ھ) ۲۔ شرح ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ)

۳۔ نور مصباح الزجاجہ للشیخ الغربی۔ امام سیوطی کی شرح مصباح الزجاجہ کی تلخیص ہے۔

۴۔ انجاح الحاجہ للشیخ عبدالغنی بن ابی سعید المجددی (۱۲۹۶ھ)

۵۔ حاشیہ حضرت مولانا فخرالحسن گنگوہی۔ یہ عام ملتا ہے

اب کچھ دیگر کتب حدیث کے حواشی کا ذکر بھی سن لیجئے۔

(۱) المصنف لعبدالرزاق المحدث (۲۱۱ھ)

حاشیہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی گیارہ جلدوں میں کتاب ہے۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ)

حاشیہ ۳ جلد از مولانا عبدالخالق افغانی ـــــ مکمل تحقیق از مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی

(۳) سنن دارمی (۲۵۵ھ) حاشیہ از

(۴) سنن دارقطنی (۳۸۵ھ) حاشیہ از مولانا شمس الحق عظیم آبادی۔

(۵) مستدرک حاکم

حاشیہ پر علامہ ذہبی کی تخریج جس کا نام تلخیص المستدرک ہے۔

تراجم حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ملک عرب میں ایک پیغمبر انہی میں سے مبعوث فرمایا جس نے انہیں اللہ کی آیات سنائیں، اپنے فیض صحبت سے ان کے دلوں کو پاکیزگی بخشی اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی، واقعی وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

آپ کے صحابہ آپ کے فیض صحبت سے تزکیہ کی دولت پا گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بیچ کلمۃ تقوی اور پرہیزگاری لازمی کر دی اور بے شک وہی اس کے زیادہ حقدار اور اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔

قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ عربی میں نازل ہوا۔ حضورؐ کی اپنی زبان عربی تھی آپ کی احادیث اور تعلیمات سب عربی میں ہوتی تھیں۔ لیکن چونکہ آپ کا دین عالمگیر تھا اور آپ کی دعوت کل اطراف عالم اور جملہ اقوام و امم کو شامل تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ غیر عرب قوموں کو دین کی دعوت ان کی اپنی زبان میں دی جائے۔ انہیں دین کی اپنی زبان میں سمجھنے کی پوری سہولتیں مہیا کی جائیں جو لوگ اس دعوت حق کو قبول کر لیں۔ انہیں پھر عربی قرآن پڑھایا جائے، عربی نماز سکھائی جائے۔ کیونکہ عربی اسلام کی سرکاری زبان ہے۔ لیکن اس کے علاوہ انہیں دین سمجھنے کے جملہ مواقع ان کی اپنی زبانوں میں بہم پہنچائے جانے چاہئیں۔ اس غرض سے ترجموں کی ضرورت محسوس ہوتی اور دین کی دعوت اور تعلیم ان قوموں کی اپنی زبانوں میں ترقی شروع ہوئی۔ یہ ملحوظ ہے کہ علماء کرام ابتداء

گیا تھا اور آپ نے فارسی کی تعلیم دی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب حدیث کا درس دیتے تو ابوجمرہ نصر بن عمرانؓ الضبعی کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے۔ ابوجمرہ حضرتؓ کے قول سامعین کو سنا دیتے اور عربی سے فارسی میں ترجمہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ میں مقیم تھے۔ بصرہ کی سرحد ایران سے ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں ترجمہ کی اشد ضرورت ہوتی ہوگی اور صحابہ کرامؓ اس اصلی ضرورت سے بے خبر نہ تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسی لیے اپنے ساتھ مترجم بٹھایا تھا۔

غیر عرب ملکوں میں ایران پہلا ملک ہے جو اسلام کے حلقے میں آیا اور فارسی پہلی زبان ہے جس میں قرآن و حدیث کے پہلے ترجمے ہوئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے سورۂ فاتحہ کا پہلا فارسی ترجمہ کیا جسے ایرانی لوگ اس وقت تک جب تک کہ ان کی زبانیں عربی سے مانوس نہ ہوگئیں نماز میں پڑھتے تھے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

فكانوا يقرأون ذلك في الصلاة حتى لانت ألسنتهم للعربية۔[۲]

ترجمہ: وہ اس فارسی ترجمے کو نماز میں پڑھتے تھے یہاں تک کہ ان کی زبانیں عربی سے مانوس ہوگئیں۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ بھی فارسی زبان جانتے تھے۔[۳]

حدیث کے پہلے فارسی ترجمے

(۱) ترجمہ مشکوٰۃ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) نے مشکوٰۃ کا ترجمہ اشعۃ اللمعات کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں تحریر فرمایا۔ ساتھ ساتھ تشریحی نوٹ بھی لکھے۔ ہندوستان اور افغانستان میں اس کے ذریعہ حدیث کی بڑی خدمت ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالحق سندھ کے مشہور بزرگ شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے شاگرد تھے اور وہ شیخ علاؤالدین علی المتقی (۹۷۵ھ) مؤلف کنزالعمال کے شاگرد تھے۔

---

[۱] فضل الباری جلد ۱ صفحہ ۱۲۹ [۲] المبسوط جلد ۱ صفحہ ۳۷ [۳] دیکھیے مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۸۲

(۲) ترجمہ صحیح بخاری

شیخ نورالحق محدث دہلوی بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۷۳ھ) نے تیسیر القاری کے نام سے صحیح بخاری کا فارسی میں بہت عمدہ ترجمہ کیا، ساتھ ساتھ ضروری شرح بھی کی ہے۔ اس کتاب سے ہندوستان میں علم حدیث کی بڑی اشاعت ہوئی۔ پاک و ہند کے اساتذۂ حدیث ترجمۂ بخاری کے لیے اس پر بڑا اعتماد کرتے رہے ہیں۔

(۳) ترجمہ صحیح مسلم

شیخ نورالحق محدث دہلوی (م ۱۰۷۳ھ) نے منبع العلم کے نام سے صحیح مسلم کا بھی فارسی ترجمہ کیا۔ افسوس کہ اس ترجمے کی ہندوستان میں زیادہ اشاعت نہ ہو سکی۔

(۴) ترجمہ موطا امام مالک

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے المصفّٰی کے نام سے موطا امام مالک کا بھی فارسی ترجمہ کیا۔ ساتھ ساتھ شرح بھی تحریر فرمائی۔ مدرسہ رحیمیہ دہلی کی علم حدیث میں یہ ممتاز خدمت ہے۔ المصفّٰی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی عربی شرح موطا المسوّٰی کے ساتھ ہندوستان میں باہم چھپا ہے۔

(۵) شیعہ کتب حدیث کے فارسی ترجمے

(۱) ملا قزوینی نے علامہ محمد بن یعقوب الکلینی (م ۳۲۹ھ) کی کتاب الکافی (جو ایران سے آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے) کا ترجمہ صافی کے نام سے کیا ہے جسے ہندوستان میں مطبع منشی نولکشور نے اصول کافی تک چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام ملا محمد خلیل ہے۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ مؤلفہ شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (م ۳۸۱ھ) کا ترجمہ ملا محمد تقی المجلسی (م ۱۰۷۰ھ) نے شرح الفقیہ کے نام سے کیا ہے۔ ساتھ ساتھ شرح بھی کی ہے۔ مترجم مشہور شیعہ مصنف ملا باقر مجلسی کے والد تھے۔ یہ فارسی شرح چار ضخیم جلدوں میں ایران سے شائع ہوئی ہے۔

حدیث کے اردو تراجم

(۱) ترجمہ مشکوٰۃ: یہ حدیث کا پہلا اردو ترجمہ ہے جو ہندوستان میں کیا گیا۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے اور جانشین تھے۔ انہوں نے مشکوٰۃ کا ترجمہ سادہ اردو میں کیا۔ یہ اردو زبان کی وضع و نشر کا پہلا دور تھا۔ ساتھ ساتھ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے نامور شاگرد حضرت نواب قطب الدین محدث دہلوی (رحمۃ اللہ) نے اس کی اردو شرح لکھی۔ مشکوٰۃ کی یہ نافع اور مکمل شرح مظاہر حق پانچ ضخیم جلدوں میں ہے اور عام ملتی ہے۔

مظاہر حق کو زیادہ مفید بنانے کے لیے علماء فرنگی محل کے ایک مستند عالم مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم نے مشکوٰۃ کے راویوں کے حالات الحدیقۃ الغریبہ لقراء المشکوٰۃ کے نام سے اردو میں قلمبند کیے ہیں۔ یہ مظاہر حق کے چوتھے ایڈیشن کے ساتھ چھپے ہیں۔

مظاہر حق کی اردو بہت ابتدائی دور کی تھی۔ دیوبند کے مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری نے زبان پر نظرثانی کرتے ہوئے مظاہر حق کا ایک جدید ایڈیشن تیار کیا ہے۔ جو مطبع سے جلدوں میں چھپ چکا ہے۔

(۲) ترجمہ صحیح بخاری

(۱) ترجمہ مولانا وحید الزمان حیدرآبادی۔ یہ ترجمہ عربی متن کے ساتھ بار بار شائع ہوا ہے۔

(۲) ترجمہ مرزا حیرت دہلوی۔

(۳) ترجمہ سید انجب حسین نقوی۔ یہ ترجمہ عربی متن کے ساتھ شیخ غلام علی اینڈ سنز نے تین ضخیم جلدوں میں ۱۹۶۸ء میں شائع کیا ہے۔ تعارف مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے اور ترجمے پر نظرثانی کی تصدیق مولانا محمد علی صاحب سابق خطیب شہری مسجد لاہور کی ہے۔

(۴) ترجمہ مولانا امیر علی صاحب۔ مترجم نے ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کے بھی اردو ترجمے کیے۔ جو بہت مشہور ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کا ترجمہ صحیح بخاری زیادہ شہرت حاصل نہیں کر سکا۔

(۵) ترجمہ قاری عادل خان۔ محمد سعید اینڈ سنز نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(۶) ترجمہ مولانا عبدالرزاق صاحب۔ مترجم حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے خاص شاگرد ہیں۔ آپ کے اس ترجمہ کو ناشران قرآن اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔

سنن دارمی کا اردو ترجمہ

محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی نے اسے شائع کیا ہے مترجم کا نام مذکور نہیں۔ ایک جلد میں مکمل ہے۔

صحیح مسلم کے اردو تراجم

(۱) مولانا وحید الزمان صاحب نے صحیح مسلم کا ترجمہ بھی کیا ہے ساتھ ساتھ کچھ شرح بھی ہے۔ متوسط تقطیع کی چھ جلدوں میں ۱۳۰۲ھ میں مطبع صدیقی لاہور سے شائع ہوا

(۲) مولانا عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے کہیں کہیں مختصر فوائد بھی لکھے ہیں۔ قرآن محل بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نے اسے تین ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(۳) تجرید صحیح مسلم کا ترجمہ مولانا محمد مالک کاندھلوی نے کیا ہے جسے ملک دین محمد نے لاہور سے شائع کیا ہے۔

(۴) مولانا فضل الرحمٰن بلال عثمانی۔ یہ اردو ترجمہ مسلم شریف کی اردو شرح کے ضمن میں ہے علیحدہ نہیں چھپا بہت مفید ترجمہ ہے۔

سنن ابی داؤد اردو

مولانا وحید الزمان نے ترجمہ کیا ہے۔ مولانا سبحان محمود نے کہیں کہیں حواشی لکھے ہیں قرآن محل کراچی نے سعیدی پریس سے تین جلدوں میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔

جامع ترمذی کا اردو ترجمہ

(۱) مولانا فضل احمد انصاری ولاوری نے عام فہم ترجمہ دو جلدوں میں مکمل کیا۔ سرخ عربی متن ہے اور ذیل میں اردو ترجمہ ہے۔ [illegible] میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ [illegible] میں چوتھا ایڈیشن نکلا۔ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ نے اسے شائع کیا۔ بار بار چھپا ہے۔

(۲) مولانا بدیع الزمان نے جائزۃ الشوذی کے نام سے یہ ترجمہ لکھا ہے۔ جناب محمد علی صاحب مالک کارخانہ مولوی کتب قرآن محل کراچی نے اسے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔

شمائل ترمذی

(۱) مولانا نور احمد صاحب مہاجر مکی ثم امرتسری نے شمائل ترمذی کا پہلا اردو ترجمہ کیا۔ ۱۲۶۲ھ میں انگلش پریس میرٹھ سے شائع ہوا۔ مولانا نور احمد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاد تھے۔

(۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم نے خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی کے ضمن میں اس کا دوسرا ترجمہ لکھا ہے۔ بہت مفید اور دلکش ہے۔

سنن نسائی کا اردو ترجمہ

یہ ترجمہ مولانا عبدالستار صاحب اور دوست محمد شاکر نے مل کر کیا ہے۔ دو جلدوں میں چھپا ہے۔ فرید بک سٹال لاہور نے شائع کیا ہے۔

موطا امام مالک کے اردو تراجم

بہترین ترجمہ میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب نے دو جلدوں میں کراچی سے شائع کیا ہے۔ عربی متن ساتھ ہے۔

موطا امام محمد کا اردو ترجمہ

یہ ترجمہ قرآن محل کراچی نے شائع کیا ہے۔ عربی متن ساتھ ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔

کتاب الآثار امام محمد کا اردو ترجمہ

یہ ترجمہ بھی قرآن محل نے شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔

طحاوی شریف اردو

مطبع اسلامیہ لاہور نے [illegible] میں چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔ تصحیح مولوی حکیم عبدالرشید لاہوری نے کی ہے۔ اچھا ترجمہ ہے۔

سنن ابن ماجہ اردو

مولانا وحید الزمان کا یہ ترجمہ اہل حدیث اکیڈمی لاہور نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

ریاض الصالحین اردو

امام نووی کی اس شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ مولانا فضیل الرحمن نعمانی نے کیا ہے۔

کتاب الاذکار

امام نووی کی اس کتاب کا ترجمہ مولانا حبیب الرحمن صدیقی نے کیا ہے اور قرآن محل کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔

زاد المعاد اردو

امام ابن قیم کی اس کتاب کا ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے

ترجمہ رئیس احمد جعفری نے کیا ہے۔

دُرِّ فوائد اردو ترجمہ جمع الفوائد

مولانا عاشق الٰہی نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ جمع الفوائد جیسی عظیم کتاب کو اُردو میں لے آنا ایک بڑا کام ہے۔

کتاب الکبائر اردو

حافظ ذہبی کی اس کتاب کا ترجمہ حکیم محمد نواز ملتانی نے عمدۃ الاعمال کے نام سے کیا ہے۔ جسے جمیل بک ڈپو سرگودھا نے شائع کیا ہے۔

انتخاب صحاح ستہ

یہ ترجمہ مولانا امجد علی نے کیا ہے۔ جسے قرآن محل کراچی نے شائع کیا ہے۔

کنز الآثار مترجم اردو

یہ ترجمہ حکیم محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی نے کیا ہے۔ کریمی پریس لاہور نے [illegible] میں اسے طبع کیا ہے۔

ترجمہ اعلاء السنن

حدیث کی مشہور کتاب اعلاء السنن کی احادیث متن کا اردو ترجمہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے کیا ہے۔ جو اعلاء السنن کی پہلی اشاعت میں عربی متن کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

ان تراجم کے علاوہ یہاں وہ اردو کتابیں بھی قابلِ ذکر ہیں جو اردو میں نئی ترتیب سے لکھی گئی ہیں اور ان کے ذریعہ ہزارہا احادیث اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ پیچھے کہیں ان کا ذکر ہو چکا

ترجمان السنہ مولانا بدر عالم میرٹھی

چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ ندوۃ المصنفین دہلی نے اسے شائع کیا۔ پھر یہ متعدد بار چھپ چکی ہے۔

معارف الحدیث مولانا محمد منظور نعمانی

بہت جامع کتاب ہے۔ سات جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اس میں عظیم ذخیرہ حدیث آگیا ہے۔

اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو رہا ہے۔

علم حدیث کی یہ سب تصنیفات زیادہ تر حنفی مسلک کے مطابق ہیں۔ اور ان کی اس ترتیب میں جدید تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ مسند امام اعظم بھی اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ قرآن محل کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔

حدیث کے انگریزی ترجمے

(۱) ترجمہ صحیح بخاری

ڈاکٹر محمد محسن خان (اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ) کا یہ ترجمہ رابطہ عالم اسلامی کے اہتمام سے نو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ یورپ میں صحیح بخاری سب سے پہلے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئی تھی اور مستشرقین اسی سے استفادہ حاصل کرتے رہے۔ یہ انگریزی ترجمہ بہت بعد کا ہے۔ اور سب سے پہلے   میں شائع ہوا۔

(۲) فضل الباری شرح صحیح بخاری

صحیح بخاری کی اس شرح (علامہ شبیر احمد عثمانی) کا انگریزی میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ پہلی جلد چھپ چکی ہے اور   صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ضمن میں صحیح بخاری کا نیا انگریزی ترجمہ ساتھ ساتھ ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کا علم حدیث پر بسیط مقدمہ بھی اس میں آگیا ہے۔

(۳) ترجمہ صحیح مسلم

جناب عبدالحمید صاحب صدیقی نے اسے چار جلدوں میں مکمل کیا ہے، کہیں کہیں ضروری حواشی بھی لکھے ہیں، اشرف پبلیکیشنز لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔ انگریزی میں صحیح مسلم کا یہ پہلا ترجمہ ہے۔

(۴) ترجمہ مشکوٰۃ

(۱) مانچسٹر یونیورسٹی کے پروفیسر جیمز رابسن نے مکمل مشکوٰۃ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اور جسے اشرف پبلیکیشنز لاہور نے چار جلدوں میں بار دوم شائع کیا ہے۔

(۲) مولانا فضل کریم کا یہ انگریزی ترجمہ حیدرآباد سے ۵ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ افسوس کہ مترجم نے مشکوٰۃ کی ترتیب قائم نہیں رکھی اور اس ترجمہ کو نئی ترتیب دی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں کتب حدیث کے تراجم صرف اردو میں ہی نہیں، بنگلہ، پشتو، سندھی، برمی گجراتی اور بلوچی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ متعلقہ علاقوں میں ان تراجم کی خاصی اشاعت ہے۔

مولانا شمس الحق فرید پوری علمائے دیوبند میں ممتاز شہرت کے مالک تھے۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے آپ روحانی عقیدتمندوں کا مرکز رہے ہیں۔ آپ نے صحاح ستہ کی کچھ کتابوں کا ترجمہ بنگلہ میں بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ یہ تراجم چھپ چکے ہیں اور ان سے بڑے بنگالی علم دوست مستفید ہو رہے ہیں۔

پشتو میں مشکوٰۃ کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ سندھی زبان میں تفسیر و حدیث کا خاصا مواد موجود ہے۔

ترجمہ اربعین نووی:

افغانستان کے صوبہ ننگرہار (جلال آباد) کے مولانا عزیز الرحمٰن نے اربعین امام نووی کا ترجمہ فصیح پشتو میں کیا ہے۔

(نوٹ) افغانستان میں علمی کام زیادہ تر فارسی اور عربی میں ہے۔ پشتو بول چال میں زیادہ ہے، لیکن لکھنے میں اور سرکاری دستاویزات میں فارسی کا زیادہ استعمال ہے۔ حکومت افغانستان نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر کو آرٹ پیپر پر فارسی میں تین ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔ بدخشاں کے علامہ کوثری جو افغانستان میں ترکی کے برسراقتدار آنے کے بعد شہید کئے گئے۔ انہوں نے صحیح بخاری کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ جو بہت نفیس اور صحیح ہے۔ علامہ کوثری نے تفسیر بیضاوی کی بھی نہایت عمدہ شرح لکھی ہے لیکن وہ فارسی یا پشتو میں نہیں عربی میں ہے۔ کابل کے اس دور کے مشہور مؤلف صلاح الدین سلجوقی ہیں۔ انہوں نے فارسی اور پشتو دونوں زبانوں میں دین کی بہت خدمت کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ائمہ حدیث

مقدمہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

بآں گروہے کہ از ساغرِ وفا مستند ۔ سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مقدسہ میں فطرت اور عقیدت کی وہ جاذبیت پائی گئی کہ ان کے گرد اہل علم کا ایک عظیم گروہ پوری عقیدت سے حق و حفاظت کا پہرہ دینے لگا اور علوم دینی کی یہ جاذبیت دن بدن بڑھتی رہی اور ہر دور میں قائم رہی۔ کوئی دور ایسا نہ آیا جب شمعِ نبوی پہ لوگ پروانہ وار نہ چھا رہے ہوں۔

خدمتِ حدیث کے مختلف دائرے

چند اہل علم اُٹھے اور انہوں نے روایت Tradition اور فنِ روایت Science of transmission کو اپنی محنت کا موضوع بنایا اور کچھ لوگ اس کے رجال Chain of transmitters کی تحقیق میں لگ گئے اور کھرے کھوٹے کا کھوج لگایا۔ پھر ایسے اہل علم بھی اُٹھے جو احادیث کے معانی و مطالب کی گہرائی میں اترے جن مسائل و حوادث میں قرآن و سنت کی صریح نص موجود نہ تھی اُن کے حکم قرآن

وسنت کی روشنی میں دریافت کیے ان کی جزئیات قرآن وحدیث کے اصولوں سے استنباط[1] کیں
ان کے لیے بھی حدیث کا وسیع علم درکار تھا اور اس بحر ناپیدا کنار میں کامیاب تیرنے کے بغیر
کوئی ان قیمتی موتیوں کو نہ چن سکتا تھا۔ ان حضرات کی کاوش رہی کہ نہ صرف مسائل غیر منصوصہ
کا استنباط کرتے جائیں بلکہ مزید استنباط و استخراج کے لیے قواعد بھی وضع کرتے رہیں یہ ائمہ حدیث
اس پہلو سے علوم کے محقق [illegible] قرار پائے اور غیر مجتہدین کے لیے امام مذہب ہے۔ پھر کچھ
اور محدثین آئے۔ وہ ان راویوں نے احادیث روایت کی تھیں ان کی جانچ پڑتال اور جرح
و تعدیل میں لگ گئے۔ وہ اس تحقیق میں یہاں تک آگے گئے کہ ان راویوں کی روایات ان
کے دیگر ہم عصر راویوں سے لے کر ان کی مرویات کو پرکھا کہ یہ اور کہاں کہاں نقل ہوئی ہیں۔ یہ
حضرات اس لائن سے آگے بڑھے اور انہوں نے تحقیق و تنقید کے اس پہلو سے آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی خدمت اور حفاظت کی۔ پھر کچھ ائمہ حدیث نے فنی طور پر حدیث
جمع کرنے میں اپنے کمالات تالیف دکھائے اور کچھ علماء حدیث نے اسماء الرجال کا فن
ترتیب دے کر تاریخ شرائع میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ یہ سب حضرات اپنے اپنے
دائرہ کار میں حدیث کی خدمت کرتے رہے اور حق یہ ہے کہ ان دوائر علم میں ہر دائرہ کے محدثین
کے اکابر اپنے اپنے موقف کے ائمہ حدیث تھے۔ پھر جن بزرگوں نے حدیث کی شرح کی
ان تمام موضوعات پر فنی گفتگو کی۔ وہ حضرات بھی اپنی جگہ ائمہ حدیث تھے۔ آج کی مجلس میں علم
حدیث کے انہی مردان اہل کا تذکرہ ہے جو اپنی مختلف ادوار و حیثیتوں سے علم حدیث کے وہ
چراغ روشن کر گئے جن کی تابانی رہتی دنیا تک طالبان علم کو روشنی بخشتی رہے گی۔

---

[1] استنباط۔ نبط سے ہے جو کنویں کی تہہ سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں۔ کنواں کھودنے میں جو پانی
پہلی مرتبہ نکلتا ہے اسے ماء مستنبط کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد کسی بات کی تہہ تک پہنچ کر اس کی صحیح
حقیقت معلوم کرنا ہے۔ اسی طرح فقہاء کا کسی دبی بات کو نکال لینا استنباط ہوتا ہے۔ فقہاء کرام
موجد احکام نہیں ہوتے صرف مظہر احکام ہوتے ہیں کہ جو بات گہرائی میں دبی تھی اسے ظاہر کر دیا۔ ترجیح
کا ایجاد ہمیشہ شریعت کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ بھی اپنی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے شریعت کی
بات کہتے ہیں۔

ائمہ حدیث کی مختلف انواع

ائمہ حدیث کا عنوان بہت وسیع ہے۔ اس سے ائمہ اجتہاد Theorist بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ جن کے پاس حدیث پہنچ کر اپنے تمام پہلوؤں سے کھلتی ہے اور اس میں وہ ائمہ جرح و تعدیل Critics بھی آجاتے ہیں جن کی کسوٹی حدیث کے راویوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ ائمہ کرام جنہوں نے احادیث کو مختلف ترتیبوں سے منضبط کیا۔ وہ مدونین Compilers کہلائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تالیفات کو زندگی اور قبولیت بخشی۔ یہ بھی ائمہ حدیث ٹھہرے۔ اور جن حفاظ رجال نے اسماء الرجال کو منضبط کیا اور اس دائرہ کار میں حدیث کی خدمت کی وہ بھی اس فن کے امام ٹھہرے جنہوں نے کسی بھی جہت سے حدیث کی کوئی خدمت کی اور اہل علم نے اس فن میں اس پر اعتماد کیا ایسے تمام حضرات ائمہ حدیث کے ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

ہم آج کے اس موضوع کو اس تفصیل کے پیش نظر ان عنوانات سے پیش کریں گے۔

(۱) علماء حدیث (۲) ائمہ روایت (۳) ائمہ جرح و تعدیل (۴) ائمہ مدونین (۵) ائمہ رجال۔

یہ ان پاک لوگوں کا تذکرہ ہے جن کی علمی خدمات عامہ اور امت اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں وجہ اتصال اور رابطہ تھیں اور انہی کی کوشش سے علم اسلام زندہ رہا۔ طلبہ حدیث کو چاہیئے کہ محدثین کے نام یاد رکھتے ہوئے ہر محدث کے بارے میں ذہن میں رکھیں کہ وہ کس دائرہ اور کس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب تک ہر محدث کا دائرہ کار ہمہ وقت ذہن میں نہ رہے۔ طلبہ ان کی خدمت سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے شام، حجاز اور عراق کے رواۃ حدیث اپنے اپنے ہاں کس کس انداز میں حدیث کی خدمت کرتے رہے۔ ان شاء اللہ ہر ایک کا اجمالی نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا کہ محدثین کس جذبہ دین کے ساتھ قرآن کریم کے گرد حفاظت کا پہرہ دیتے رہے ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ۔

ائمہ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد:

علمائے حدیث علماء حدیث سے وہ علماء فن مراد ہیں جو حدیث کے معنی و مضمون، منطوق و مفہوم، اس کے عموم و خصوص اور اس کے مناط حکم کو پوری طرح سمجھتے ہوں۔ انہیں فقہاء حدیث بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات فقہ حدیث کے فارس تھے۔ ان کے سوا جو کچھ ہے وہ صرف متون حدیث کی نقل و روایات اور ان کے اسانید و رجال کی معرفت ہے۔ حافظ ذہبیؒ تذہیب التہذیب کے مقدمہ میں امام علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) سے نقل کرتے ہیں:

التفقه في معاني الحديث نصف العلم ومعرفة الرجال نصف العلم.[1]

(ترجمہ) حدیث کے معانی میں غور و فکر کرنا اس پر شرع کا نصف علم ہے اور نصف ثانی حدیث کے رجال کی معرفت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہ حدیث کے معانی کو سمجھنے کا ہی نام ہے۔ یہ حدیث کے متوازی کسی اور ماخذ کا نام نہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ فقہاء ہی علم حدیث کے صحیح وارث ہیں۔ حضرت امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) جنائز Funerals کی ایک بحث میں لکھتے ہیں:

وكذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث.[2]

(ترجمہ) اور فقہاء نے ایسا ہی کہا ہے اور یہی لوگ حدیث کے معانی کو اچھی طرح سمجھنے والے ہیں۔

---

[1] مقدمہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للحافظ صفی الدین الخزرجی (المتوفی ۹۲۳ھ) مطبع کبریٰ بولاق طبع ۱۳۰۱ھ [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص [illegible]

فقہائے کرام حدیث کو صرف سمجھتے ہی نہیں اس سے احکام غیر منصوص اور وہ احکام جن کے بارے میں نص injunction موجود نہ ہو ان کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ اجتہادی امور میں بھی حضرات اولی الامر یا فہم حدیث میں انہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور معاملات دنیا میں انہی کا فیصلہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم۔[1]

(ترجمہ) اور اگر وہ پہنچا دیتے اسے رسول تک اور اپنے اولی الامر تک
تو اسے وہ لوگ جو ان میں تحقیق (استنباط) کرنے والے ہیں معلوم کر لیتے

امام ابوبکر جصاص رازی (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں۔ حضرت جابرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حسن بصریؒ، حضرت عطاؒ اور مجاہدؒ اولی الامر کی تفسیر اولو الفقہ والعلم سے کرتے ہیں، امام تفسیر حضرت قتادہؒ کہتے ہیں: هم اولوا العلم والفقه۔[2]

حضرت ابوہریرہؓ اس سے حکام مراد لیتے ہیں۔ الفاظ فقہاء اور امراء دونوں کو شامل ہیں۔ امراء تدبیر جیوش کرتے ہیں اور علماء حفظ شریعت کرتے ہیں اور جائز و ناجائز بتلاتے ہیں۔ سو لوگ ان کی اطاعت پر مامور ہوں گے اور انہیں ان کی پیروی کا حکم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اولی الامر حکام کو کہتے ہیں جس دائرہ کار میں جس کا حکم چلے وہی اس دائرہ میں اولی الامر بنتا ہے۔ حافظ جصاص رازی لکھتے ہیں:

جائز ان يسمى الفقهاء اولى الامر لانهم يعرفون اوامر الله ونواهيه ويلزم
غيرهم قبول قولهم فيها فجائز ان يسموا اولى الامر من هذا الوجه كما قال في
آية اخرى: ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم
لعلهم يحذرون، فاوجب الحذر بانذارهم والزم المنذرين قبول قولهم۔[3]

صحیح تفسیر یہی ہے کہ اولی الامر سے مراد فقہاء محدثین ہیں علماء کے یہی طبقہ کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں اور اندر دائرہ شریعت ان کے احکام کی اطاعت واجب ہے۔

---

[1] پ ۵ سورۃ النساء ع ۱۱ [2] احکام القرآن جلد ۲ ص [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۲۱۳

لہٰذا اس وجہ سے ان پر بھی اولی الامر کا اطلاق[1] درست ہے۔ اولی الامر حکام کو کہتے ہیں جن
دائرہ کار میں ان کا حکم چلے۔ اسی دائرہ عمل کے اولی الامر ہوں گے۔ یہ الفاظ اپنے عموم میں ان
فقہاء کو یقیناً شامل ہیں جن کا فیصلہ مسلمانوں میں عملاً چلتا ہے۔ گو وہ اسے اپنے اختیار سے اپنے
اوپر نافذ ٹھہراتے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علماء حدیث Scholars اور رواۃ حدیث Transmitters میں فرق کیا ہے۔ آپ نے راوی حدیث کو فقط حامل فقہ bearer of knowledge کہا اور عالم حدیث کو فقیہ Jurist کے نام سے ذکر فرمایا۔ تاریخ حدیث میں راوی حدیث اور عالم حدیث کا یہ فرق ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نضر الله عبداً سمع مقالتي فحفظها ووعاها وأداها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه[2]۔

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز کرے جس نے میری بات سنی، اسے یاد کیا اور محفوظ رکھا اور اسے آگے پہنچایا۔ کیونکہ کئی ایسے بھی حاملین علم bearer of knowledge ہوتے ہیں جو خود عالم scholar (فقیہ) نہیں ہوتے اور کئی ایسے بھی حامل علم ہوتے ہیں جو اپنے سے زیادہ سمجھ والے کو بات پہنچا دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ بات کی تہہ اور حقیقت کو پا لیں۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں علماء حدیث فقہاء ہی تھے اور محض راوی حدیث ہونا آپ کے نزدیک اس کی ایک ابتدائی منزل تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عالم حدیث کا راوی حدیث نہ بننا اس کے علم حدیث میں ہرگز کوئی کمی کی وجہ نہیں۔ صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی روایات اگر کم ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ابوہریرہؓ سے علم میں رہ گئے تھے۔

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ — [2] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۵ رواہ الشافعی واحمد والدارمی وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی۔

اسلام میں علم و حکمت کا مرتبہ

قرآن کریم میں علم کے اس اونچے درجے کو جس میں گہرائی اور گیرائی دونوں درکار ہوں۔ حکمت کہا گیا ہے اور اسی کو وہ خیر کثیر ہے جو اس امت میں نبوت کے قائم مقام رکھی گئی تھی۔ قرآن کریم میں ہے۔[1]

من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔

ترجمہ: جسے حکمت و دانائی ملی پس تحقیق اسے بہت بڑی خیر ملی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیر کے حامل کو فقیہہ ارشاد فرمایا ہے اور حق یہ ہے کہ فقہاء ہی شریعت کے حکماء ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین۔[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ عطا فرما دیتا ہے

وہ حاملین حدیث نبوی جو اس درجے میں شریعت کا مغز پا گئے کہ مسائل منصوصہ کے حصول میں تمام مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت کر سکیں وہ اس دریافت اور استخراج کے اصول بھی انہی نصوص میں پا گئے اور انہوں نے انہیں بھی پوری قوت نظری سے مستنبط کیا یہ وہ مجتہدین کرام ہیں جن سے مسائل کے باب میں معلوم کرنا ضروری ٹھہرا حقیقت میں یہی اہل علم ہیں جن کی طرف ان مسائل میں جو قرآن و حدیث میں صراحتاً ملتے ہوں رجوع کیا جا سکتا ہے۔ حضور نے حضرت عقبہ بن عامر کو اس صورت میں اسی قاعدہ کی تعلیم دی تھی۔

فاما حلہ النبی الاجتہاد بحضرتہ علی الوجہ الذی ذکرناہ[3]

اپنے سامنے اس طریق کے مطابق جو ہم نے ذکر کیا ہمیں آپ نے ان کے لئے اجتہاد کرنا جائز ٹھہرا دیا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ بھی آپ سے اجتہاد کرنے کی اجازت پا چکے تھے۔

فقہاء حدیث کی کاوش رہی کہ احادیث سے زیادہ سے زیادہ احکام استنباط کریں

---

[1] پ ۳ البقرہ ع ۲۶ [2] مشکوٰۃ ص ۳۲ متفق علیہ [3] احکام القرآن جصاص ۲

اور شریعت اسلامی آنے والی ہر ضرورت پر قابو پا سکے اور حق یہ ہے کہ اسی سے اسلام کی شانِ جامعیت ہر دور میں اپنی وسعت سے نکھرتی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کو دولتِ حدیث سے وافر حصہ ملتا تھا اور اس کے رد و قبول اور تحقیق و تنقیح میں انہیں پوری گہرائی میں جانا ہوتا تھا۔ اس سے انہیں اس فن کی پوری بصیرت حاصل ہو جاتی تھی اور وہ اس کے درجات اور احکام سے پوری طرح باخبر ہوتے تھے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ ان کی محنتیں زیادہ تر حدیث کی روایت نہیں اس کے فہم و درایت پر صرف ہوتی تھیں۔ حدیث ان کے پاس آکر اس طرح ہے کہ اس کی طرح اچھلتی تھی جس کے نیچے بے شمار موتی دبے ہوں۔ یہ فقہاء حدیث کبھی نیچے تو وہ وہ جاب میں حدیث کی سند بھی روایت کر دیتے۔ لیکن تحدیث زیادہ تر ان کا موضوع نہ تھا۔ وہ احادیث کے معانی میں غوطے لگاتے تھے اور فہمِ حدیث کے پہلو سے تو حدیث اور حفاظِ حدیث میں شمار ہوتے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ ثابت و دلیل نہیں کہ حدیث میں کامل دسترس کے بغیر کوئی شخص مجتہد نہ ہو سکتا تھا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ تا واقف لوگ ان کی مرویات کو کم دیکھ کر ان کی صحیح قدر کرنے سے محروم رہے اور خود اپنے آپ کو ہی کاٹتے رہے۔ اس طبقے میں ہم امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ)، امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ)، سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ)، امام مالکؒ (۱۷۹ھ)، امام ابویوسفؒ (۱۸۲ھ)، امام محمدؒ (۱۸۹ھ)، امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)، اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا تذکرہ کریں گے۔ امام احمد سے گو روایتِ حدیث کا سلسلہ بھی خوب چلا۔ تاہم ایک مجتہد کی حیثیت سے ان کا تذکرہ اسی باب میں ہوگا۔

علماءِ جرح و تعدیل

پھر محدثین کا وہ طبقہ سامنے آتا ہے جن کا موضوع زیادہ تر رواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال رہا۔ وہ جرح و تعدیل کے امام تھے۔ ان کی توجہ تحقیقِ رواۃ پر اس درجہ مبذول رہی کہ ایک نیا مستقل فن وجود میں آیا۔ جسے علم اسماء الرجال کہا جاتا ہے۔ جس طرح معانیٔ حدیث میں فقہ و تحقیق اس موضوع کا ایک اہم حصہ ہے معرفتِ رجال بھی اس موضوع کا نصف علم ہے۔ امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) کی یہ رائے آپ پہچان گئے ہیں۔ الفقہ فی معانی

الحدیث نصف العلم و معرفۃ الرجال نصف العلم ۔ یہ علم دو ہیں ۔ (۱) فقہ اور (۲) فن اسماء الرجال ۔ ایک علم متن حدیث سے متعلق ہے تو دوسرا سند حدیث سے ۔

علماء جرح و تعدیل نے رواۃ حدیث کے متعلق درجات معلوم کیے ۔ ان کا فنی تجزیہ کیا ۔ باہمی اختلاف کی صورت میں تنقیح و تمیز کی راہیں تلاش کیں ۔ یہ حضرات اس جہت سے محدث قرار پائے ۔ بعد کے آنے والے محققین ان کی کاوشوں سے ہی فیصلوں کی راہیں تلاش کرتے ہیں ۔ اور اس گروہ کو جتنا خراج تحسین ادا کیا جائے کم ہے ۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا — لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون

اس طبقے میں ہم امیر المؤمنین فی الحدیث عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) ، امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ (م ۱۶۰ھ) ، وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ) ، یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) ، عبد الرحمن بن مہدی (م ۱۹۸ھ) ، سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) ، علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) اور یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) کا تذکرہ کریں گے ۔ پھر ان کے بعد ان تالیف کا ذکر ہوگا جنہوں نے کتابیں لکھیں ۔

جامعین حدیث

محدثین کا وہ طبقہ سب سے آگے ہے ۔ جن کا موضوع زیادہ تر روایت و تحدیث رہا ۔ فقہ و تفریع پر صاحب نظر ہونے کے باوجود وہ فقہی استنباط میں زیادہ مصروف نہ ہوسکے ۔ پھر ان حضرات کے مختلف طبقے ہوئے ۔ کچھ ایسے تھے جو صحت اسناد سے احادیث جمع کرتے رہے اور کچھ وہ تھے جو ہر طرح کی سنائی احادیث آگے لاتے رہے اور نقد و جرح بھی کرتے رہے اور کبھی اسے پڑھنے والوں پر بھی چھوڑ دیتے تھے ۔ یہ سب حضرات حدیث کے اہل تالیف ہیں ۔ پھر ان حفاظ حدیث میں کئی ایسے بھی ہوئے جو حدیث کے تو حامل رہے مگر اس کے معنی کی گہرائی میں جانا ان کا موضوع تحقیق نہ تھا ۔ ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی توجیہ چکے

اور بے شک ان حضرات کی مساعی اور خدمات بھی اپنی جگہ بہت ممتاز ہیں۔ امتِ اسلامی کو اپنے ان ائمہ حدیث پر بجا طور پر ناز ہے جنہوں نے تدوین کے دورِ ثانی میں حدیث کو کتابی صورت میں جمع کیا اور وہ کمالات دکھائے کہ تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس باب میں وہ تمام متقدمین پر بھی سبقت لے گئے اور آج زیادہ تر انہی کے ذخائرِ حدیث علماء کے مصادر و مراجع ہیں۔ یہی حضرات ائمہ تالیف ہیں۔

ائمہ تالیفِ حدیث

جہاں تک مطلق تالیف کا تعلق ہے حدیث حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی معرضِ تحریر documentary records میں آنے لگی تھی اور صحابہ کے جمع کردہ صحیفے آئندہ کے اہلِ علم کے پاس موجود رہے۔ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے امام زہری اور صالح بن کیسان جیسے تابعین حضرات نے حدیث خاصی تعداد میں جمع کر لی تھی تاہم زمانے کو انتظار تھا کہ محدثین فنِ تدوین کو ترقی دے کر حدیث کی ایسی تالیفات سامنے لائیں کہ فنی اعتبار اور ضرورت کے اعتبار سے یہ مجموعہ ہائے حدیث دیرپا قبولیت پائیں۔ اس دائرہ اور دور میں محدثین کی پوری کاوش رہی کہ یہ علمی ذخیرے اس طرح ترتیب پائیں کہ مختلف پہلوؤں سے تعلیم و تدریس کا مرکز بن جائیں اور آئندہ امت پر حفظ و ضبط اور جمع و تدوین کا وہ بوجھ نہ رہے جو اب تک صحابہ و تابعین اور تبع تابعین اٹھاتے چلے آ رہے تھے۔

قدماء بے شک قدماء ہیں اور بنیادی فضیلت انہیں کو ہی جاتی ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فنِ تالیف تیسری صدی ہجری میں جس پایۂ تکمیل کو پہنچا اس کی نظیر پہلے علمی ذخیروں میں نہیں ملتی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا علمِ حدیث مسلّم۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث کے باب میں درایت ہو یا روایت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فنِ حدیث میں پورے مجتہد تھے۔ امام سفیان ثوریؒ ۱۶۱ھ اور امام محمدؒ ۱۸۹ھ اور عبدالرزاق بن ہمام ۲۱۱ھ کی کتابوں میں [illegible]

صحابہ میں فقہائے حدیث

ان میں فقہائے حدیث بھی تھے جیسے حضرت معاذ بن جبل (م ۱۸ھ)، حضرت ابی بن کعب (م ۱۹ھ)، حضرت عبداللہ بن مسعود (م ۳۲ھ)، حضرت ابوالدرداء (م ۳۲ھ)، حضرت علی (م ۴۰ھ)، حضرت زید بن ثابت (م ۴۵ھ)، ام المؤمنین حضرت عائشہ (م ۵۸ھ)، حضرت عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ)، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری (م ۷۴ھ)، حضرت عبداللہ بن عمر (م ۷۳ھ) وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

روایت میں سبقت لے جانے والے

حضرت ابوذر غفاری (م ۳۲ھ)، حضرت حذیفہ بن یمان (م ۳۶ھ)، حضرت عمران بن حصین (م ۵۲ھ)، حضرت سعد بن ابی وقاص (م ۵۵ھ)، حضرت ابوہریرہ (م ۵۹ھ)، حضرت سمرہ بن جندب (م ۶۰ھ)، حضرت عبداللہ بن عمرو (م ۶۵ھ)، حضرت براء بن عازب (م ۷۲ھ)، حضرت ابوسعید خدری (م ۷۴ھ)، حضرت انس بن مالک (م ۹۳ھ) وغیرہم جن اکابر روایت حدیث میں بہت آگے نکلے اور یہاں تک آگے بڑھے کہ فقہائے حدیث بھی ان کے خوشہ چین ہوئے صرف ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں جو کثرت روایت میں بھی ان اکابر کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

تابعین کرام میں فقہائے حدیث

حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ)، مسروق بن اجدع (م ۶۳ھ)، حضرت سعید بن المسیب (م ۹۳ھ)، سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)، ابراہیم نخعی (م ۹۶ھ)، مکحول (م ۱۰۱ھ)، عامر شعبی (م ۱۰۳ھ)، حضرت سالم (م ۱۰۶ھ)، قاسم بن محمد (م ۱۰۶ھ)، حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ)، ابن سیرین (م ۱۱۰ھ)، قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۷ھ)، حماد بن ابی سلیمان (م ۱۲۰ھ) فقہائے حدیث میں اس دور کی معروف شخصیتیں تھیں۔

تابعین کرام میں اساتذہ روایت

حضرت طاؤس بن کیسان (م ۱۰۶ھ)، امام زہری (م ۱۲۴ھ)، ابوالزناد (م ۱۳۰ھ)، سلیمان تیمی

ہمام بن منبہ، اعمش، ہشام بن عروہ، عمرو بن دینار وغیرہم اساتذۂ کبار روایت حدیث کے نہایت درخشندہ ستارے تھے۔ ان حضرات کے پاس صحابہؓ کی جمع کردہ تحریریں بھی تھیں۔ ان کی خدمات حدیث کا کچھ تذکرہ تدوین حدیث کی بحث میں آچکا ہے۔ اس بحث میں ائمہ حدیث کے صرف تراجم پیش نظر ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حدیث کے باب میں درایۃً ہو یا روایۃً فقہ کے عنوان سے ہو یا نقل روایت کے عنوان سے عمومی اقتدار ان متقدمین سے نہیں بلکہ بعد کے بزرگوں سے جاری ہوئی۔ یہ اس لیے کہ ہر فن ابتدائی بہت سی منازل طے کرنے کے بعد ہی اس درجے میں قائم ہوتا ہے کہ اس پر آئندہ باقاعدہ اصول و فروع کی بنیاد رکھی جا سکے۔ سو ہم ائمہ حدیث کے عنوان سے انہی اکابر حضرات کا تذکرہ کریں گے جن کی اقتداء امت میں جاری ہوئی۔ وہ فقہاء حدیث ہوں یا ائمہ نقاد، ائمہ تصنیف ہوں یا علماء تراجم رجال۔ جو جو حضرات اپنے اپنے فن کے امام ٹھہرے ہم انہیں ہی ائمہ حدیث کے مختلف طبقوں کے تحت ذکر کریں گے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے دائرہ میں حدیث کی خدمت اور قوم کی امامت کی اور حق یہ ہے کہ یہ حضرات خدمت حدیث میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ اب تاریخ اس باب میں انہی کے سر پر سیادت کا تاج رکھتی ہے۔ ہاں صحابہ کرامؓ جو اپنے کسی فنی کمال کی بنا پر نہیں، اپنے شرف صحابیت کی وجہ سے امت کے مقتدا اور پیشوا ہیں۔ ان کی پیروی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ جیسے ائمہ اصول ان حضرات کے آگے سر اٹھانے کی جرأت نہ کرتے تھے اور ان کے ارشادات کو اپنے لیے سند سمجھتے تھے۔

اب ہم ان مختلف الانواع ائمہ حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے یہ سب ائمہ حدیث ہیں، فقہاء حدیث ہوں یا ائمہ جرح و تعدیل، جامعین حدیث ہوں یا ائمہ تخریج، علماء تراجم رجال ہوں یا عہد اول کے شراح حدیث۔ یہ سب حضرات اس فن کے محسنین میں سے ہیں۔ اور حق ہے کہ ہم ان سب کو ائمہ حدیث میں جگہ دیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

کرتے تھے اور انہیں بلاشبہ فقہائے صحابہؓ کا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ ہماری مراد یہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ہے جو اہلبیت رسالت میں اس نوعمری میں لائی گئیں تاکہ معاملات رسالت کو اس عمر میں پوری طرح محفوظ کرنے کی ان سے بجا طور پر امید کی جا سکے۔ اس عمر میں آپ نے کلام نبوت کو اپنے پاس اس طرح محفوظ کر لیا کہ حضور کریمؐ کے بعد نصف صدی تک ان کے علوم سے مستفیض کرتی رہیں۔ ہم نے دوسرے فقہائے صحابہؓ کی فہرست میں ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ آپ ہر جہت سے یکتا اور ممتاز ہیں اور یہ مرکز علم ہے جو تمام اطراف میں ان ہی کا فیض یاب رہا ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) حفاظ حدیث کے تذکرہ میں حضرت ام المؤمنین کے بارے میں لکھتے ہیں:

أم عبد الله حبيبة رسول الله صلى الله عليه وسلم بنت خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم أبي بكر الصديق من أكبر فقهاء الصحابة و كان فقهاء أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجعون إليها۔[1]

ترجمہ: ام عبد اللہ حضور پاک کی حبیبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی بیٹی فقہائے صحابہؓ میں سے تھیں۔ فقہائے صحابہؓ اپنے مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اب ہم فقہائے صحابہؓ کا مختصر حال ترتیب سے ذکر کریں گے۔ یہ ترتیب ان کے مراتب کی نہیں بلکہ سن وفات سے لی گئی ہے۔

(۱) حضرت معاذ بن جبلؓ (م ۱۸ھ) ابو عبد الرحمن الانصاری

آپ ان ستر صحابہؓ میں سے ہیں جو بیعت عقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل۔[2]

ترجمہ: ان میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۸ [2] مشکوٰۃ ص ۵۶۶ رواہ احمد والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

آپ کی فقہی شان کی ایک یہ بھی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور انہیں مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کرنے کی اجازت دی۔ آپ کی نظر میں حضرت معاذ بن جبلؓ ایک مجتہد کی پوری اہمیت رکھتے تھے اور واقعی آپ ایک حاذق مجتہد تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں آپ کو رسول رسول اللہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ۔[۱]

ترجمہ: سب تعریف اس خدا کی جس نے اپنے رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں جو تاریخی خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا تھا کہ۔

من اراد ان یسأل عن الفقہ فلیأت معاذاً ومن اراد ان یسأل عن المال فلیأتنی فان اللہ جعلنی لہ خازناً وقاسماً۔[۲]

ترجمہ: جو شخص فقہ کا کوئی مسئلہ پوچھنا چاہے وہ معاذ کے پاس آئے اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا خازن اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہؓ میں علم فقہ کی کیا عظمت تھی اور مجتہد صحابہؓ کی اجتہادی شان کے کیا چرچے ہوتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ حضرت معاذؓ کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

کان من نجباء الصحابۃ وفقہائہم۔[۳] آپ چیدہ صحابہ اور ان کے فقہاء میں سے تھے۔

(۲) حضرت ابی بن کعبؓ (م ۱۹ھ) ابو المنذر الانصاری

حضرت ابوبکر الصدیقؓ سید المہاجرین ہیں تو حضرت ابی بن کعب سید الانصار تھے۔ آپ سے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے روایات لی ہیں۔ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ، عبداللہ بن عباسؓ، سہل بن سعدؓ، انسؓ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے اکابر نے آپ سے کتاب وسنت کی

---

[۱] مشکوٰۃ ص۳۲۴ رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۲۰ [۳] ایضاً ص۱۹

تیسرا یہ کہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:- حصل منه الکتاب والسنۃ۔[۱]

ترجمہ: آپ سے ان صحابہ نے کتاب و سنت کا علم حاصل کیا ہے۔

آپ کی شخصیت اتنی بڑی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی بعض دقیق مسائل میں آپ کی طرف رجوع فرماتے۔ آپؓ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقرءھم ابی بن کعب[۲]

ترجمہ: صحابہؓ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھے ہوئے ابی بن کعبؓ ہیں۔

حضرت مسروق تابعی (م ۶۳ھ) نے جن چھ بزرگوں کو مرکز قوت علم کہا ہے ان میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔[۳]

حافظ ذہبی آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:-

اقرء الصحابۃ وسید القراء شہد بدرا وجمع بین العلم والعمل۔[۴]

ترجمہ: صحابہؓ میں سب سے بڑے قاری، قاریوں کے سردار، جنگ بدر میں شامل ہونے والے اور علم و عمل کے جامع تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں صرف تین راتیں تراویح کی نماز پڑھائی اور چوتھی رات کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے کہ آپ کو خشیت تھی کہ یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں صحابہؓ مسجد میں تراویح کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھا کرتے رہے۔ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتفاقاً وہاں آنکلے تو دیکھا کہ حضرت ابی بن کعبؓ مسجد کی ایک طرف تراویح پڑھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا اور جواب ملنے پر ان کے عمل کی تصویب فرمائی۔ ارشاد فرمایا: اصابوا ونعم ما صنعوا۔[۵]

انہوں نے درست کیا اور اچھا ہے جو انہوں نے کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ تراویح کی نماز ابی بن کعبؓ کی جماعت سے جاری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات جب حضور کے نوٹس میں آئی تو آپ نے اسے صحیح عمل قرار دیا، اس سے منع نہیں کیا۔

۱؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۶ ۲؎ مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۶ رواہ احمد والترمذی ۳؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۳
۴؎ ایضاً صفحہ ۱۶ ۵؎ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۰۲

بن عبدالرحمٰن (ولادت ۲۰ھ) نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوفہ صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہی مرکز علمی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی یہاں تشریف لا چکے تھے اور جن صحابہؓ نے وہاں سکونت اختیار کی وہ بھی ایک ہزار پچیس کے قریب تھے۔ جن میں چوبیس حضرات بدری بھی تھے۔ ابوالحسن احمد عجلی کی روایت میں وہاں بسنے والے صحابہؓ کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی۔

(۴) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ) عویمر بن زید الانصاری

حافظ ذہبیؒ انہیں الامام الربانی اور حکیم الامت کہتے ہیں۔ آپؓ اہل شام کے عالم، فقیہ اور قاضی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں چار انصار صحابہؓ کو قرآن کریم یاد تھا۔

۱۔ ابوالدرداءؓ ۲۔ معاذ بن جبلؓ ۳۔ زید بن ثابتؓ ۴۔ ابی زیدؓ

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: ــــــــــــ مات النبیؐ ولم یجمع القرآن غیر اربعة ابی الدرداء ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وابی زید۔[۱]

حضرت مسروق تابعیؒ کہتے ہیں:

وجدت علم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتهی الی ستة الی عمر وعلی وعبد اللہ ومعاذ وابی الدرداء وزید بن ثابت رضی اللہ عنهم۔[۲]

ترجمہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے علم کو ان چھ میں تمام ہوتے پایا۔

۱۔ حضرت عمر ۲۔ حضرت علی ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ۴۔ حضرت معاذ ۵۔ حضرت ابوالدرداء ۶۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حدیث میں آپؓ کی علمی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک شخص ایک لمبے سفر سے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اُسے دمشق آنے میں سوائے آپؓ سے حدیث سننے کے اور کوئی غرض نہ تھی۔ وہ حدیث سنتا ہے اور واپس چل دیتا ہے۔ آپؓ یقیناً اپنے وقت میں اپنے پورے علاقہ کے مرجع اور معلم تھے۔ کثیر بن قیسؒ اس وقت حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ ص۲۴ [۲] ایضاً

كنت جالساً مع ابي الدرداء في مسجد دمشق فجاءه رجل فقال يا ابا الدرداء اني جئتك من مدينة الرسول لحديث بلغني انك تحدثه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما جئت لحاجة [1]

(ترجمہ) میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اس نے کہا اے ابوالدرداءؓ میں مدینہ شریف سے آپؓ کے پاس صرف ایک حدیث کے لیے آیا ہوں مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ اسے حضورؐ سے روایت کرتے ہیں میں اور کسی غرض کے لیے آپؓ کے پاس نہیں آیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کی شخصیت کریمہ اس وقت اکناف عالم مرجع علم تھی حضرت علقمہ بن قیسؒ، سعید بن المسیبؒ، خالد بن معدانؒ، ابو ادریس خولانیؒ جیسے اکابر تابعین اور آپؓ کے بیٹے حضرت بلالؓ نے آپؓ سے روایات لی ہیں اور انہیں روایت کیا ہے۔ امام اوزاعیؒ آپؓ کی ہی علمی سند کے وارث تھے۔ آپؓ کی اہلیہ ام الدرداءؓ بھی علم فقہ میں بہت اونچا مقام رکھتی تھیں۔

⑤ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ)

آپؓ بلاشبہ شہر علم کا دروازہ تھے۔ کوفہ آپؓ کی مسند علمی تھا اور یہیں آپؓ کی مسند خلافت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) پہلے سے ہی کوفہ میں فقہ و حدیث کا درس دے رہے تھے۔ ان کی وفات سے کوفہ میں جو علمی خلا پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ کے وہاں جانے سے کسی حد تک پورا ہو گیا۔ لیکن حضرت علیؓ کے گرد کچھ ایسے لوگ بھی جمع تھے جو عبداللہ بن سبا یہودی کے تحت تھے اور سبائی سازش کے پروگرام کے تحت مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے نام سے اتنی روایات بنائیں کہ ان کی ہر روایت مشتبہ ہونے لگی کہ حضرت علیؓ نے ایسا کہا ہو گا یا نہ کہا ہو گا۔ سو احتیاط اسی میں سمجھی جاتی رہی کہ حضرت علیؓ کی وہی روایات سبائی سازش سے محفوظ سمجھی جائیں۔ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کریں۔ کوفہ کا یہی علمی حلقہ قابل اعتماد رہ گیا تھا۔ اس علمی حلقہ کو حضرت

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۴ وہ حدیث کونسی تھی اسکے لئے اس کتاب کا ص ۲۳ دیکھئے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت موسیٰ اشعریؓ نے بھی بود و باش کی تھی اور وہاں کے لوگوں کو ان حضرات سے علمی استفادہ کا پورا موقع مل چکا تھا۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:-

كان اهل الكوفة قبل ان يأتيهم علي قد اخذوا الدين عن سعد بن ابي وقاص و ابن مسعود و حذيفة و عمار و ابي موسى و غيرهم ممن ارسله عمر الى الكوفة۔[1]

یہ وہ ذخیرہ روزگار ہستیاں تھیں جو حضرت عمرؓ کے حکم سے اس سرزمین میں آ کر مقیم ہوئیں اور کوفہ کو دار الفقہ بلکہ دار الفضلاء بنا دیا تھا۔ افسوس کہ یہ سرزمین حضرت علیؓ کے علوم کو بھی طرح محفوظ نہ رکھ سکی اور حضرت علیؓ کے نام سے بہت سی روایات وضع کر لی گئیں۔ سبائیوں نے جن مذکورہ سازشوں سے مسلمانوں کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا وہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے نام سے روایات گھڑ کر ان کی اصل روایات کو بھی بہت حد تک مشتبہ کر دیا۔ دوسری طرح امت علم کے ایک بہت بڑے ذخیرہ سے محروم ہو گئی۔ محققین کے نزدیک فقہ جعفری حضرت علیؓ یا حضرت امام جعفر صادقؒ کی تعلیمات نہیں ہیں بلکہ یہ وہ ذخیرہ ہے جو سواد اعظم سے انحراف کرنے کے لئے ان حضرات کے نام سے وضع کیا گیا ہے۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت علیؓ کی مرویات اور ان کے بیشتر فقہی فیصلے اہل سنت کی کتب فقہ و حدیث میں بھی بڑی مقدار میں موجود ہیں اور ان کے ہاں حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ مجتہد صحابہ میں ایک خصوصی مرتبہ رکھتے تھے۔

حضرت علیؓ جب کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنتے تو اسے قسم دے کر پھر اسے قبول کیا کرتے تھے۔ لیکن قسم لینا محض مزید اطمینان کے لئے ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اخبار احاد ناقابل قبول نہیں تھیں۔ ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسی شخصیت ہیں کہ ان کی روایت کو حضرت علیؓ ان کے شہرۂ آفاق صدق کے باعث فوراً قبول کر لیتے۔ حضرت مقداد بن ایک روایت بھی آپ نے ایک دفعہ بغیر قسم لئے قبول کر لی تھی۔ آپ کی قوت فیصلہ خداتعالیٰ کا ایک بڑا عطیہ تھا کہ کسی وقت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

---

[1] منہاج السنہ جلد ۴ صفحہ ۱۵۶ [2] شرح صحیح مسلم للنووی جلد [illegible] صفحہ [illegible] [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ [illegible]

اپنے لیے بڑی عزت سمجھتے تھے۔ حضرت مسروق تابعیؒ (۶۳ھ) کہتے ہیں:

كان اصحاب الفتوى من الصحابة عمر وعلي وعبد الله وزيد وابي وابو موسى.[1]

خطیب تبریزی لکھتے ہیں:

كان احد فقهاء الصحابة — آپ فقہائے صحابہ میں سے ایک تھے۔[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ و تابعینؒ کے دور میں مدار شہرت و نقل علم فقہ تھا۔ روایت حدیث فقہاء کے بعد دوسرے درجے پر آتے تھے۔

قرأت خلف الامام جیسے معرکۃ الآراء مسئلے میں امام مسلمؒ نے آپ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔

عن عطاء بن يسار انه اخبره انه سأل زيد بن ثابت عن القراءة مع الامام

فقال لا قراءة مع الامام في شيء.[3]

ترجمہ: عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھا جا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی حصے میں قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں۔

④ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (۴۴ھ) ذہبی — خطیب تبریزی نے ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

آپ مکہ مکرمہ میں اسلام لائے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضورؐ نے انہیں یمن کا والی بنایا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بصرہ کا والی بنایا اور آپ کی اور دیگر صحابہؓ جن میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہؓ بن الیمان اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی تھے کی آمد سے عراق مرکز علم بن چکا تھا۔ اس دور میں علم سے مراد حدیث اور فقہ تھے۔ حضرت علیؓ نے معرکہ تحکیم میں آپ (حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ) کو اپنا نمائندہ بنایا تھا۔ یہ مسئلہ دو قوت آپ کی عظمت شخصی اور آپ کی قدر و فضیلت کے ایک گواہ ہیں۔ قرآن کریم بہترین آواز سے پڑھنا آپ پر ختم تھا۔ امام آپ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کے قائل نہ تھے۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی

اذا قرء فانصتوا[4] — امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ رہو

حضورؐ کے عہد میں جو چار صحابہؓ فتویٰ دینے کے مجاز تھے۔ آپ بھی ان میں سے تھے۔

---

۱ تذکرہ جلد ۱ ۲ الاکمال ص ۵۹۵ ۳ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۵ ۴ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۴

صفوان بن سلیمؒ (م ۱۳۲ھ) کہتے ہیں:

لم یکن یفتی فی زمن النبیؐ غیر عمر و معاذ و علی و ابی موسیٰ۔[1]

حافظ ذہبیؒ آپ کو ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

کان عالمًا عاملًا صالحًا تالیًا لکتاب اللہ الیہ المنتہی فی حسن الصوت بالقرآن روی علمًا طیبًا مبارکًا۔[2]

ترجمہ: آپ عالم تھے عامل تھے نیک تھے اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے تھے قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنے میں چوٹی کے تھے آپ نے علم پاکیزہ اور بابرکت روایت کیا ہے۔

آپؓ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو یہ حدیث سنائی۔ اذا استأذن احدکم ثلاثًا فلم یجب فلیرجع جب تم میں سے کوئی کسی کے دروازے پر تین دفعہ سلام کہے اور اسے جواب نہ ملے تو اسے واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس پر مزید شہادت طلب کی حضرت ابوموسیٰ بہت گھبرائے یہاں تک کہ آپ کو ایک انصاری کے ہاں اس کی تائید ملی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ میں سچے اکابر کی تعمیل حکم کا جذبہ کس درجہ کارفرما تھا۔ حضرت عمرؓ بھی آپ پر معاذ اللہ کوئی الزام نہ لگا رہے تھے۔ صرف دوسرے صحابہؓ کو احتیاط فی الروایۃ کا سبق دینا مقصود تھا۔ نہ آپ کی غرض یہ تھی کہ خبر واحد کا اعتبار نہ کیا جائے حضرت عمرؓ نے خود فرمایا:

اما انی لم اتہمک ولکنی خشیت ان یتقول الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3]

ترجمہ: میں آپ کو متہم نہیں کر رہا تھا میں صرف اس سے ڈر رہا تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی طرف سے باتیں نہ لگانے لگیں۔

یاد رکھئے کسی صحابی پر جھوٹ کا الزام نہیں تمام صحابہ سب عادل ہیں۔

⑧ تذکرہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (م ۶۸ھ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لیے دعا فرمائی تھی کہ اللہ انہیں علم و تفقے مالا مال کرے اور فہم قرآن کی شان بخشے۔ حضورؐ کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی حضورؐ کے بعد

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۳ [2] ایضاً صفحہ ۲۳ [3] موطا امام مالک صفحہ ۳۶۴

حضرت زید بن ثابتؓ سے تعلیم حاصل کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپؓ کو ترجمان القرآن کا عظیم لقب دیا۔[1] اعمشؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو امیر حج کی ذمہ داری سپرد کی۔ تو آپؓ نے ایسا خطبۂ حج دیا کہ اگر اسے ترک اور اہل روم سن لیتے تو سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ نعیم بن نعیمؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباسؓ ہمارے ہاں بصرہ میں آئے۔ تو عرب میں علم و فضل میں ان کا ثانی نہ تھا۔

وما فی العرب مثله حشما و علما و بیانا و جمالا و کمالا۔[2]

امام ترمذیؒ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ نے بھی حضورؐ کی احادیث آپؐ کے بعد جمع کرنا شروع کر دی تھیں اور وہ تحریریں لوگوں تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک مرتبہ طائف سے کچھ لوگ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے پاس آپؓ کی کچھ تحریرات تھیں اور انہوں نے انہیں آپؓ کے سامنے پڑھا۔[3]

⑨ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۷۳ھ) ابو عبدالرحمٰن العدوی المدنی

حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؒ انہیں حبر ھذہ الامۃ (اس امت کے بڑے عالم) کہا کرتے تھے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں۔

لا تعدلن برای ابن عمر فانه اقام ستین سنة بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یخف علیہ شئ من امرہ ولا من امر اصحابہ۔[4]

ترجمہ: تم ابن عمرؓ کے ساتھ کسی کی رائے نہ ملاؤ کہ وہ حضورؐ کے وصال کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے اس لیے نہیں مخفی رہا آپ پر حضورؐ کے امر سے اور نہ ہی آپؐ کے صحابہ کے امر سے

اہل الرائے ہونا کوئی عیب نہیں تھا جو امام زہریؒ عبداللہ بن عمرؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ علم کا وہ درجہ ہے جو مجتہدوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ آپؓ سے کثیر تعداد احادیث منقول ہیں لیکن علامہ ذہبیؒ نے انہیں الفقیہ کے معزز لقب سے ذکر کیا ہے۔ ان دنوں حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اختلاف جاری تھا اور ابھی خاصی تعداد اس بات کی حامی ہو گئی تھی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۰ [2] ایضاً صفحہ ۴۱ [3] کتاب العلل للامام الترمذی ص ۔ [4] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۳۷

کہ یہ دونوں بزرگ قیادت سے کنارہ کش ہو جائیں تو جو شخصیت ان دونوں بزرگوں کی نظر میں اس لائق تھی کہ اس پر امت جمع ہو جائے اور اس میں علم و فضل کی پوری استعداد ہو تو وہ آپؓ ہی تھے۔ لیکن آپؓ اس میدان میں آگے آنے کے لئے قطعاً تیار نہ ہوئے۔

حضرت سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) کہا کرتے تھے۔

یقتدی بعمر فی الجماعۃ وبابنہ فی الفرقۃ۔[۵]

(ترجمہ) لوگوں سے مل کر بیٹھنے میں عمرؓ کی پیروی کی جائے اور لوگوں سے کنارہ کشی میں ان کے بیٹے کو نمونہ بنایا جائے۔

⑩ حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (۷۸ھ)

ستر انصاریؓ جو بیعت عقبہ میں شامل ہوئے آپؓ ان میں سے تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے انہیں فقیہ اور مفتی مدینہ کے نام سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔

حمل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علماً کثیراً نافعاً۔[۱]

ترجمہ: آپؓ نے آنحضرتؐ سے بہت سا نافع علم پایا۔

حدیث کے لئے تڑپ یہ تھی کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے بارے میں سنا کہ ان کے پاس ایک حدیث ہے جو انہوں (عبداللہ بن انیسؓ) نے خود حضورؐ سے سنی ہے۔ وہ ان دنوں ملک شام میں مقیم تھے۔ اس پر آپؓ نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر ایک ماہ کا سفر کرتے کرتے ملک شام پہنچے۔ پیغام بھیجا کہ جابرؓ دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا جابر بن عبداللہ ہیں؟ فوراً باہر آئے۔ حضرت جابرؓ نے ان سے حدیث پوچھی۔ انہوں نے سنائی۔ انہوں نے سنی اور چلے گئے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں وہ حدیث یہ تھی:۔

من جابر عن عبداللہ بن انیس سمعت النبی یقول یحشر اللہ العباد فینادیہم بصوت یسمعہ من بعد کما یسمعہ من قرب انا الملک الدیان۔[۳]

ترجمہ: حضرت جابرؓ عبداللہ بن انیس سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے

۱؎ تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۴۳ ۲؎ ایضاً ۳؎ الادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۴۵ صحیح بخاری جلد ۱ ۴؎ تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۳۹
۵؎ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۳

صحابہؓ میں رواۃ حدیث

ویسے تو ہر صحابیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی بات کو دوسروں تک پہنچانے کا مکلف تھا۔ لیکن جو صحابہؓ کثرت روایت میں معروف ہوئے ہیں ان میں سے ان زیادہ ممتاز رواۃ حدیث کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے یہ حضرات گو اپنی جگہ فقہ میں بھی دسترس رکھتے تھے لیکن ان کی شہرت فقہ حدیث کی بجائے روایت حدیث میں زیادہ ہو رہی ہے۔ رواۃ حدیث میں فقہاء صحابہؓ کثیر الروایت تھے اور مقلین روایت۔

مقلین روایت (کم روایت والے)

حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زید بن ارقمؓ، عمران بن حصینؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ تھے جن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی دولت بے پایاں تھی لیکن وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط رہے۔ روایت کم کی۔ جو حدیثیں انہوں نے روایت کیں ان کی قلت روایت سے ان کے قلت علم پر استدلال کرنا اسی طرح ایک نادانی ہے جیسے کوئی احمق امام ابوحنیفہؒ کی قلت روایت پر نظر کرتے ہوئے ان کی قلت علم کا دعوے کرنے لگے امام صاحب کی شرائط روایت بھی تو بہت سخت تھیں یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے روایت حدیث کی بجائے فقہ حدیث کو اپنا موضوع بنایا اور اسی پر اپنی ساری عمر صرف کر دی گو اس ضمن میں بھی آپ کو ہزاروں احادیث روایت کرنی پڑیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے اپنے والد زبیرؓ سے پوچھا آپؓ حضورؐ سے اس طرح احادیث روایت کیوں نہیں کرتے جس طرح فلاں فلاں صحابہؓ کرتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا۔

اما انی لم افارقہ ولکن سمعتہ یقول من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

ترجمہ: میں آپؐ سے جدا تو کبھی نہیں ہوا لیکن میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اسے جہنم میں ٹھکانہ کرنا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ [illegible])

آپ کا منشا یہ تھا کہ حضورؐ کی بات روایت بالمعنی میں بدلتے ہوئے کوئی بے احتیاطی نہ ہو جائے۔ سو آپ کی قلت روایت قلت علم کی وجہ سے نہ تھی۔

جن حضرات نے نسبتہً کثرت سے احادیث روایت کیں ان میں سے ہم اس شمارہ کا بیان ذکر کرتے ہیں۔ مگر ان کے علاوہ بھی ایک کثیر تعداد ان صحابہؓ کی ہے جن سے بہت سی احادیث مروی ہیں اور کتب صحاح اُن کی مرویات سے پُر ہیں۔ تاہم یہاں صحابہؓ میں سے صرف چند رواۃِ حدیث کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہؓ میں رواۃ حدیث (محدثین کرام)

حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۶ھ) حضرت عمران بن حصینؓ (۵۲ھ) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ) حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) حضرت سمرہ بن جندبؓ (۶۰ھ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۵ھ) حضرت براء بن عازبؓ (۷۲ھ) حضرت ابوسعید الخدریؓ (۷۴ھ) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

① حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ)

سابقین اولین میں سے ہیں۔ آپؓ سے حضرت انس بن مالکؓ، زید بن وہبؒ، جبیر بن نفیرؒ، احنف بن قیسؒ اور جملہ تابعین میں سے ایک کثیر تعداد نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: وکان یوازی ابن مسعود فی العلم۔ علم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر تھے۔ حدیث روایت کرنا سب سے بڑا فرض جانتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

> قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم تلوار میری گردن پر رکھ دو اور مجھے گمان ہو کہ قبل اس کے کہ تم اس تلوار کو چلاؤ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات جو میں نے آپ سے سنی روایت کر سکتا ہوں تو میں ضرور اُسے روایت کر گزروں گا۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ کس طرح حضورؐ کی احادیث کو ایک علمی امانت سمجھتے تھے اور انہیں آگے پہنچانے کی ان حضرات کو کتنی فکر تھی۔ اتفاق دیکھیے کہ آپؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ

ایک ہی سال فوت ہوئے۔

② حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ) ابو عبداللہ العبسی

آپ سرّ رسول اللہ (حضورؐ کے رازدان صحابیؓ) کے طور پر معروف تھے۔ آپ سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوالدرداءؓ جیسے اکابر صحابہؓ نے احادیث روایت کی ہیں اور تابعین کی تو ایک بڑی تعداد نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔

③ حضرت عمران بن حصینؓ (۵۲ھ) ابو نجید الخزاعی

خیبر کے سال اسلام لائے۔ آپؓ کا اور حضرت ابوہریرہؓ کا اسلام لانے کا ایک ہی سال ہے کان من فضلاء الصحابة وفقهائهم[1]۔ حضرت عمرؓ نے آپؓ کو بصرہ روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔ آپؓ نے بصرہ ہی میں زندگی بسر کر دی۔ آپؓ سے حسن بصریؒ، امام محمد بن سیرینؒ اور علامہ شعبیؒ جیسے اکابر تابعینؒ نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

له احادیث عدة فی الکتب وکان من اجلاء الصحابة وفضلائهم[2]

آپؓ ان پانچ ممتاز صحابہؓ میں سے ہیں جو صفین کے معرکہ میں اہل شام اور اہل عراق میں سے کسی کے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔

④ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ)

آپؓ عشرہ مبشرہ صحابہؓ میں سے ہیں، جنگ بدر میں شامل ہوئے۔ پہلے قریشی ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ آپؓ سے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی روایات لی ہیں۔ حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت علقمہؒ، ابو عثمان النہدیؒ اور حضرت مجاہدؒ جیسے اکابر تابعینؒ آپؓ کے شاگرد تھے۔

آپؓ معرکہ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علیؓ

---

[1] الاکمال ص ۲۱۱ [2] تذکرہ جلد ۱ ص ۲۹ [3] ایضاً

آپؐ کے اس موقف میں آپ پر رشک کرتے تھے۔

⑤ حضرت ابوہریرہؓ الدوسی الیمانی (۵۸ھ)

جاہلیت میں نام عبدالشمس تھا۔ والد نے کنیت ابوہریرہ رکھی۔ اسلام لانے کے بعد عبدالرحمٰن سے موسوم ہوئے۔ خیبر کے سال اسلام لائے۔ مدینہ ہجرت کی۔ اصحاب صفہؓ میں سے تھے۔ حضرتؐ سے علم کثیر پایا۔ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور دوسرے کئی اور صحابہؓ سے روایات لیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آپؓ سے آٹھ سو کے قریب بزرگوں نے روایات لیں۔ ممتاز شاگردوں میں ہمام بن منبہ (۱۱۰ھ) سعید بن المسیب (۹۳ھ) مجاہد (۱۰۳ھ) علامہ شعبی (۱۰۴ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ) عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ) عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ابوصالح السمان کہتے ہیں۔ کان ابوھریرۃ من احفظ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ خود فرماتے ہیں:

لا اعرف احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احفظ لحدیثہ منی۔

(ترجمہ) حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے حضورؐ کی احادیث کا زیادہ یاد کرنے والا ہو۔

جہاں تک روایت کا تعلق ہے آپؓ سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے باقی سب صحابہؓ سے آگے تھے اور وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضورؐ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ لکھتے نہ تھے۔[۱]

آنحضرتؐ نے آپؓ کو قوت حافظہ کا دم کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ اس کے بعد کبھی نہ بھولے۔ آپؓ سے ساڑھے پانچ ہزار کے قریب حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے صحیح بخاری میں ۴۴۸ اور صحیح مسلم میں ۴۵۴ حدیثیں مروی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے بھی احادیث لکھنی شروع کر دی تھیں۔ آپ اپنے تلامذہ کو یہ تحریرات گاہے بگاہے دکھا بھی دیتے تھے۔ آپؓ کے شاگردوں

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳۲، صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲، المصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۹، جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ ۷۰

سعید بن المسیبؒ، عروہ بن الزبیرؒ، وہب بن منبہؒ، عکرمہؒ وغیرہم سب آپؓ کے شاگرد تھے۔ تابعی کبیر حضرت مجاہدؒ (م ۱۰۰ھ) ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے تکیے کے نیچے رکھا دیکھا تھا۔[۱]

حضرت ابوہریرہؓ کی کل مرویات ۵۳۷۴ ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات مجھ سے زیادہ ہیں اس لیے کہ وہ حضورؐ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

(۸) حضرت براء بن عازبؓ (م ۷۲ھ) ابو عمارۃ الانصاری

عبداللہ بن حنشؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براءؓ کے پاس لوگوں کو تختیاں ہاتھوں میں لیے (حدیثیں) لکھتے پایا۔[۲] آپؓ کوفہ میں رہتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ ان دنوں کس طرح علم حدیث کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ آپؓ جنگ جمل، صفین اور نہروان تینوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہے۔

خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:

روی عنہ خلق کثیر۔[۳] آپؓ سے بہت لوگوں نے احادیث روایت کیں۔

(۹) حضرت ابوسعید سعد بن مالکؓ الخدری (م ۷۴ھ) الانصاری الخزرجی

بیعت رضوان کے شاملین میں سے تھے۔ اہل صفہ میں سے تھے۔ آپ نے حدیث کثرت سے روایت کی۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

روی حدیثاً کثیراً وافتی مدۃ وابوہ من شہداء احد عاش ابوسعید ستا وثمانین سنۃ وحدث عنہ ابن عمر وجابر بن عبداللہ وغیرھما من الصحابۃ۔[۴] آپ نے بہت احادیث روایت کی ہیں اور مدتوں فتوے دیتے رہے۔ آپ کے والد شہدائے احد میں سے تھے۔ ابوسعید ۸۶ سال زندہ رہے۔ آپ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ نے روایت کی ہے۔

۱؎ جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۱، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳ ۲؎ سنن الدارمی جلد ۱ ص ۱۲۵، جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۶۳ ۳؎ الاکمال ص ۵۸۸ ۴؎ ایضاً ص ۵۹۸

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آپ کی متفق علیہ چالیس حدیثیں ہیں اور بخاری بالانفراد دونوں کتابوں میں ملا کر اسی بخاری حدیثیں ملتی ہیں۔ خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں۔

کان من الحفاظ المکثرین والعلماء الفضلاء العقلاء روی عنہ جماعۃ من الصحابۃ والتابعین[1]

ترجمہ: آپ کثرت سے احادیث بیان کرنے والے حافظوں میں سے تھے اور علماء و فضلاء میں سے تھے۔ آپ سے کئی صحابہ و تابعین نے روایت کی ہے۔

(۱۰) حضرت انس بن مالکؓ (م ۹۳ھ) ابو حمزۃ الانصاری الخزرجی

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (۱۰) سال کے قریب خادم رہے اور سفر و حضر میں حضورؐ کی احادیث سنیں۔ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور کئی دوسرے اکابر صحابہؓ سے فیض علم پایا۔ آپ بعض روایات حضورؐ سے حدیثیں لکھ بھی لیتے تھے بلکہ حضورؐ کو سنا بھی دیتے تھے۔ آپ کے شاگرد سعید بن ہلال کہتے ہیں۔

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالکؓ فاخرج الینا مجال عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبی ﷺ فکتبتھا و عرضتھا۔[2]

ترجمہ: جب حضرت انسؓ سے زیادہ روایات پوچھتے تو آپ اپنے مجلات (بیاضیں) نکال لیتے اور فرماتے یہ وہ روایات ہیں جو میں نے حضورؐ سے سنی ہیں۔ میں نے انہیں لکھا اور انہیں آپ کو پڑھ کر بھی سنا دیا۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: ولہ صحبۃ طویلۃ وحدیث کثیر وملازمۃ للنبی ﷺ۔ آپ نے حضورؐ کی لمبی صحبت پائی، بہت حدیث سنی اور آپ کی مجلس کو لازم پکڑا۔ ۔ ۔ ۔ آپ صحابہؓ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔[3]

---

[1] الاکمال ص ۶۰۱ [2] تذکرہ جلد ۱ ص ۴۲ [3] مستدرک جلد ۳ ص

حدیث امتیازی صورتوں میں علم حدیث کی خدمت کرتے رہے تھے۔ تابعین کرامؒ میں بھی فقہ حدیث بحیث کا رنگ غالب تھا مگر یہ رنگ نہ تھا۔ حدیث کی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہوئے تو پھر حضرات نے روایت حدیث کی حیثیت سے اس فن کی زیادہ خدمت کی اور یہ بھی صحیح ہے کہ بیشتر حضرات اپنے اپنے مقامات میں فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

تابعین کرامؒ میں فقہاء محدثین

حضرت علقمہ بن قیسؒ (۶۲ھ) مسروقؒ بن اجدعؒ (۶۳ھ) سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) حضرت سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) عکرمہؒ (۱۰۵ھ) عامر شعبیؒ (۱۰۴ھ) حضرت سالمؒ (۱۰۶ھ) حضرت قاسم بن محمدؒ (۱۰۶ھ) حماد بن ابی سلیمانؒ (۱۲۰ھ) کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

(۱) حضرت علقمہ بن قیس النخعی الکوفیؒ (۶۲ھ)

حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں صحابہ کرامؓ کے تذکروں کے بعد کبار تابعینؒ کا آغاز آپ سے کرتے ہیں۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کے بعد نصف صدی تک زندہ رہے۔ آپ فقیہ عراق ابراہیم نخعیؒ کے ماموں اور مرکز علم کوفہ ابو عمرو اسود بن یزید کے چچا تھے۔ علقمہ اور اسود دونوں حضرات فقہ حنفی کی اساس سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کے علمی تفوق کا اندازہ امام ربانی عبداللہ بن مسعودؓ کے اس ارشاد سے کیجئے:

ما اقرأ شيئا وما اعلم شيئا الا وعلقمة يقرؤه ويعلمه۔[1]

ترجمہ: جو کچھ میں پڑھتا اور جانتا ہوں علقمہ بھی اسے پڑھ چکے اور جان چکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس کہنے کا اثر تھا کہ حضرت علقمہ باوجودیکہ صحابی نہ تھے۔ صحابہ کرامؓ آپ سے مسائل پوچھنے آتے تھے۔ ان کی زبان سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علم بولتا تھا۔ قابوس بن ابی ظبیان کہتے ہیں:

ادرکت ناسا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسألون علقمة ویستفتونه۔[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۸ [2] ایضاً

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ آپؒ نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ سے بھی حدیث پڑھی، فقہ کی تعلیم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پائی۔

۲ حضرت مسروق بن اجدعؒ (۶۳ھ) ابو عائشہ الہمدانی الکوفی الفقیہ

آپ نے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت اُبی بن کعبؓ سے علم حاصل کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ کو متبنیٰ بنایا ہوا تھا۔ فقیہ عراق ابراہیم نخعیؒ، عامر شعبیؒ، ابوالضحیٰ، ابواسحاقؒ اور ایک کثیر تعداد لوگ آپ سے فیضیاب ہوئے۔ فقہ میں قاضی شریحؒ (حضرت عمرؓ کے زمانے کے مشہور قاضی) سے فائق سمجھے جاتے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں اھ

لہ وکان اعلم بالفتویٰ من شریح وکان شریح یستشیرہ وکان مسروق لا یحتاج الی شریح۔

ترجمہ: آپ فتویٰ میں شریح سے فائق تھے شریح آپ سے پوچھتے تھے لیکن آپ شریح کے محتاج نہ تھے۔

۳ حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) الفقیہ الکوفی

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوہریرہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور کئی دوسرے صحابہؓ سے حدیث پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپؒ کو افتاء کی سند دی۔ حضرت قتادہ بن دعامہ (۱۱۷ھ) کہتے ہیں میں نے سعید بن المسیبؒ سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔ امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) کہتے ہیں لا اعلم فی التابعین اوسع علماً من سعید وھو عندی اجل التابعین۔ آپؒ خود کہتے ہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کو جاننے والا اپنے سے زیادہ کسی کو نہیں پایا۔ امام زہریؒ (۱۲۴ھ) کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عدالتی فیصلوں کا بھی زیادہ علم انہی کو تھا۔

طلب حدیث کا بیان آپ خود یوں کرتے ہیں: ایک حدیث سننے کے لیے کئی کئی دن اور

لہ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص [illegible]

راتوں کا سفر اختیار فرماتے۔ سو یہ گمان نہ کیا جائے کہ فقہاء حدیث کے مخالف ہوتے ہیں۔ علم فقہ حدیث کے بغیر کیسے چل سکتا ہے۔

(۴) حضرت سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) الفقیہ الکوفی

آپ کے علم کا اندازہ اس سے کیجئے کہ موسم حج میں اہل کوفہ حضرت ابن عباسؓ سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتے تو آپ کہتے: الیس فیکم سعید بن جبیر؟ کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہیں؟ عبادت میں یہ سعادت ملی کہ کعبہ میں داخل ہو کر جوف کعبہ میں ایک قرآن ختم کیا؛ یہ سعادت کسی اور کو نہیں ملی۔

(۵) حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) فقیہ کوفہ

حضرت علقمہ بن قیسؒ، مسروقؒ، اسود بن یزیدؒ سے تعلیم پائی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسند علم کے وارث ٹھہرے۔ بچپن میں حضرت ام المؤمنینؓ کی بھی زیارت کی۔ مشہور محدث اعمشؒ فرماتے ہیں: کان ابراھیم صیرفیا فی الحدیث وکان یتوقی الشھرۃ ولا یجلس الی اسطوانۃ[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کس طرح علم حدیث کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ابراہیم نخعیؒ اگر دیگر محدثین کی طرح مرکز روایت بن کر بیٹھتے تو ان کی مجلس کی عزت گھٹ گئی تھی۔ ورنہ علم میں تو یہ حال تھا کہ جب وفات ہوئی علامہ شعبیؒ نے کہا۔

ما خلف بعدہ مثلہ — آپؒ نے اپنے بعد کوئی اپنا مثل نہیں چھوڑا۔

سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) کے بارے میں کوفہ والوں کو حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کیا تم میں سعید بن جبیرؒ نہیں ہیں؟ یعنی ان کے ہوتے ہوئے تم مجھ سے مسائل پوچھتے ہو؟ حضرت ابراہیم نخعیؒ کے علم کا یہ حال تھا کہ حضرت سعید بن جبیرؒ لوگوں سے کہتے۔

تستفتونی وفیکم ابراھیم النخعی۔

ترجمہ: تم مجھ سے مسائل پوچھتے ہو اور تم میں ابراہیم نخعیؒ موجود ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۷۰ من حماد بن ابی سلیمان [2] ایضاً صفحہ ۷۱

(۶) حضرت ابو عبد اللہ مکحول الہذلی (۱۰۱ھ) الحافظ فقیہ الشام

ابو امامہ الباہلی، واثلہ بن الاسقع، انس بن مالکؓ، محمود بن الربیع، عبد الرحمن بن غنم، ابو ادریس الخولانی سے حدیث پڑھی۔ حدیث کو مرسل بھی روایت کرتے اور ابی بن کعبؓ، عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ام المومنینؓ سے بھی درمیانے راوی کو گرا دیتے یعنی تدلیس کر دیتے تھے۔ آپ سے ایوب بن موسیٰ، حمید بن عامر، زید بن واقد، محمد بن یزید، حجاج بن ارطاۃ، امام اوزاعیؒ اور سعید بن عبد العزیزؒ نے روایات لی ہیں۔ آپ نے مصر، عراق اور حجاز میں جگہ جگہ طلب علم میں سفر کیا۔

امام زہریؒ فرمایا کرتے تھے علماء تین ہی ہیں، ان میں آپ مکحول کو بھی ذکر کرتے۔[1]

ابو حاتم کہتے ہیں۔ ما اعلم بالشام افقه من مکحول۔ شام میں ان سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔ خطیب تبریزیؒ کہتے ہیں :-

لم یکن فی زمن مکحول ابصر بالفتیا منه وکان لا یفتی حتی یقول لا حول ولا قوة الا بالله هذا الرای والرای یخطئ ویصیب۔ حضرت مکحولؒ کے زمانہ میں فتویٰ دینے کی بصیرت سب سے زیادہ آپ ہی کو تھی۔ آپ فتویٰ نہ دیتے جب تک لا حول ولا قوة الا باللہ نہ پڑھ لیتے اور فرماتے یہ میری رائے ہے اور رائے خطا بھی کرتی ہے اور درست بھی ہوتی ہے۔

نوٹ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان دنوں رائے اور قیاس کسی پہلو سے معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔

(۷) ابو عمرو علامہ شعبیؒ (۱۰۳ھ) الہمدانی الکوفی

آپ علامۃ التابعین کے لقب سے معروف تھے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں :-

کان اماماً حافظاً فقیهاً متقناً۔

آپ نے حضرت عمران بن حصین، جریر بن عبد اللہ، حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، عبد اللہ بن عمر، عدی بن حاتم، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احادیث لی ہیں۔ آپ امام ابو حنیفہؒ کے سب سے بڑے استاد تھے۔[2]

---

۱ دوسرے دو سعید بن المسیب اور علامہ شعبی ہیں۔ ۲ ایضاً ص۱۰۱ ۳ الاکمال ص۶۲۳ ۴ تذکرہ جلد ۱ ص۔

یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں :-

ما ادرکنا بالمدینة احدا نفضله علی القاسم بن محمد۔[۵]

(ترجمہ) ہم نے مدینہ شریف میں کسی کو نہ پایا جسے قاسم بن محمدؒ پر فضیلت دے سکیں۔

(۱۰) حماد بن ابی سلیمان (۱۲۰ھ)

حضورؐ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ (۱۶۰ھ) اور حضرت سفیان ثوریؒ نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔[۶] آپ ابراہیم نخعیؒ کے فیصلوں اور ان کی فقہی آراء کے سب سے بڑے نمائندہ تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے استاد تھے۔ حضرت حمادؒ کے بعد آپ ہی سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس مسند علمی کے وارث ہوئے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی آپ سے روایات لی ہیں۔

نوٹ تابعین میں فقہاء حدیث صرف یہی دس حضرات نہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس طبقہ میں بہت سے اکابر اعلام ہوئے جو فقہ اور حدیث کے جامع تھے۔ ان میں حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) قتادہ بن دعامہؒ (۱۱۸ھ) بھی بے شک فقہ حدیث اور استنباط مسائل میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔

اب ہم بیان تابعین کے ان اساتذہ روایت کا ذکر کرتے ہیں جو صحابہؓ کے علوم لے کر ہر جگہ پھیلے اور ان کی محنتوں سے روایت حدیث آگے تبع تابعین تک پہنچی۔ علم حدیث کو آج جن ان شخصیات کریمہ پر ناز ہے۔ تابعین کے فقہاء حدیث بے شک ائمہ روایت بھی ہیں اور ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ لیکن یہ اساتذہ روایت اس فن میں زیادہ معروف اور ممتاز ہوئے ہیں۔

تابعین کرام میں اساتذہ روایت

ابوبردہ (۱۰۴ھ) طاؤس بن کیسان (۱۰۶ھ) عکرمہ (۱۰۵ھ) حسن البصریؒ (۱۱۰ھ) ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ) امام نافع (۱۱۷ھ) میمون بن مہران (۱۱۷ھ) امام زہری (۱۲۴ھ) عمرو بن

---

[۵] الاکمال ص ۶۱۱ [۶] الاکمال ص ۵۹۲

بھی ہے کہ کچھ شیعہ رجحیت کا ذہن تھا، اس لیے امام مالکؒ اور امام مسلمؒ نے ان سے روایت نہیں لی۔
لیکن اس میں شک نہیں ان هذا الامام من بحور العلم کہ یہ امام علم کا ایک سمندر ہے۔

(۴) ابو سعید حسن بن ابی الحسنؒ (۱۱۰ھ) یسار البصری

حافظ ذہبیؒ نے امام حسن بصریؒ کا الامام اور شیخ الاسلام کہہ کر تعارف کرایا ہے۔ آپ نے حضرت عثمانؓ، عمران بن حصینؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبد الرحمن بن سمرۃؓ، سمرہ بن جندبؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور دیگر کئی صحابہؓ سے احادیث سنی ہیں۔ آپ سے قتادہ بن دعامہؒ، ایوبؒ، ابن عونؒ، یونسؒ، خالد الحذاء، ہشام بن حسان، حمید الطویل، جریر بن حازم، ربیع بن الصبیح اور ابان بن یزید وغیرہم نے روایات لی ہیں۔ امام حسن بصریؒ ثقہ، حجۃ، مامون، عابد، زاہد اور کثیر العلم تھے۔ خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں۔

هو امام وقته فی کل فن وعلم وزهد وورع وعبادة۔ [1]

ترجمہ: آپ اپنے وقت میں ہر فن ہر علم کے امام تھے زہد پرہیزگاری اور عبادت میں بھی۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

حافظ علامة من بحور العلم فقیه النفس کبیر الشان عدیم النظیر
ملیح التذکیر بلیغ الموعظة رأس فی انواع الخیر [2]

ترجمہ: حافظ تھے، علامہ تھے علم کے سمندر تھے فقیہ النفس تھے بڑی شان تھی ان کی نظیر نہ تھی وعظ بہت اچھا کہتے نصیحت موثر ہوتی انواع خیر کا مرکز تھے۔

البتہ آپ کی مرسل روایات کو محدثین نے قبول نہیں کیا۔

وما ارسله فلیس هو بحجة۔ مشہور بات چلی آتی ہے کہ آپ کی مرسل روایت حجت نہیں۔

(۵) امام ربانی محمد بن سیرین (۱۱۰ھ)

حضرت عثمانؓ کے آخر عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ علم تعبیر کے بے مثل عالم تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے حدیث پڑھی۔ آپ

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۷۲، الاکمال صفحہ — [2] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۷۲

⑦ امام نافع المدنیؒ (م ۱۱۷ھ)

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ، حضرت ابولبابہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے حدیث پڑھی۔ آپ سے امام اہل مکہ ابن جریجؒ، امام اہل شام امام اوزاعیؒ، امام اہل مدینہ امام مالکؒ، امام مصر لیث مصریؒ، عقیل بن خالدؒ، ایوبؒ اور ابن عونؒ نے احادیث روایت کی ہیں۔

جس طرح صحیح بخاری کو اصح الکتب کہا گیا ہے تمام محدثین کے ہاں مالک عن نافع عن ابن عمر کو اصح الاسانید کہا گیا ہے۔ حضرت نافع کہتے ہیں میں حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں تیس سال رہا۔ اس سے ان کی علمی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ روایت حدیث میں آپ ایک مرکزی شخصیت ہیں۔

⑧ میمون بن مہرانؒ (م ۱۱۷ھ) عالم اہل الجزیرہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت زبیرؓ سے بھی مرسل روایات لی ہیں۔

آپ سے ابوبشرؒ، خصیفؒ، جعفر بن برقان، حجاج بن ارطاۃ، سالم بن ابی المہاجر، امام اوزاعی، ابوالملیح، معقل بن عبیداللہ اور ایک خلق کثیر نے حدیث روایت کی ہے ——— مشہور فقیہ سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں خلافت ہشام میں چار ہی عالم تھے، حسن بصری، مکحول، میمون بن مہران اور زہری ——— امام احمد کہتے ہیں آپ عکرمہ سے زیادہ ثقہ ہیں، امام نسائی بھی آپ کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔

⑨ امام زہریؒ (م ۱۲۴ھ)

امام الحفاظ ابن شہاب زہری حدیث اور تاریخ کے بڑے امام تھے۔ آپ نے حدیث صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سہل بن سعدؓ، حضرت انس بن مالکؓ سے اور تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیبؒ، ابو امامہؒ اور ابوسلمہؒ وغیرہم من الائمۃ الاعلام سے پڑھی۔ آپ سے صالح بن کیسانؒ، معمرؒ، شعیب بن ابی حمزہؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، ابن ابی ذئبؒ، لیث المصریؒ

سفیان بن عیینہ اور دیگر کئی ائمہ علم نے روایت لی ہے۔ ابن المسیبؒ کے پاس آٹھ سال کے قریب رہے۔ لیث مصری کہتے ہیں میں نے زہری سے جامع علم کسی کو نہیں دیکھا۔ ترغیب و ترہیب کی احادیث ہوں یا انساب عرب کی، قرآن و سنت کی بات ہو یا حلال و حرام کی، ہر موضوع پر یہ سبقت لے گئے ہیں۔

ابوالزنادؒ کہتے ہیں:

كنا نطوف مع الزهري على العلماء ومعه الألواح والصحف يكتب كلما سمع۔[1]

ترجمہ: ہم امام زہری کے ساتھ علماء حدیث کے ہاں گھوما کرتے تھے آپ کے پاس کاغذات اور تختیاں ہوتیں آپ جو کچھ سنتے تھے لکھتے جایا کرتے تھے۔

ابن المدینی کہتے ہیں ثقہ راویوں کا علم حجاز میں زہری اور عمرو بن دینار پر، بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن کثیر پر، کوفہ میں ابو اسحٰق السبیعی اور الاعمش پر ختم ہوتا ہے۔ اکثر محدثین ابن شہاب زہری ادراج حدیث سے باخبر ہیں۔ محدثین امام زہری کی مرسل روایات کا اعتبار نہیں کرتے۔ آپ کہیں کہیں روایت حدیث کے دوران شرح الفاظ بھی کر دیتے تھے۔ علماء بعض اوقات ان کے ادراج کو حدیث کا جزو سمجھ لیتے اور اسے حدیث کے طور پر آگے روایت کر دیتے۔ تاہم ان کی علمی عظمت اور حدیثی جلالت ہر دائرہ علم میں مسلم رہی ہے۔ آپ جب اپنے شیخ کا نام لیں اور اس سے اوپر کے شیخ سے صیغہ عن سے روایت کریں تو اس سے آپ کی سماعت مجروح نہیں ہوتی۔ البتہ اس روایت کی صحت مشکوک ہو گی۔ شیعہ علماء نے اس تدلیس کو تقیہ سمجھ کر انہیں اپنے ہاں شیعہ شمار کر لیا تھا۔ سو جب بھی دونوں کی روایت پیش کریں تو یہ استدلال ان کے ہاں بحیثیت مناظرہ نہیں بحیثیت مجادلہ ایک نزاعی دلیل سمجھا جائے گا۔

(۱۰) امام حرم عمرو بن دینار الحافظ (۱۲۶ھ)

صحابہ میں سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت انس بن مالکؓ کے اور تابعین میں سے ابوالشعثاء، ابو صالح، کریب، مجاہد کے شاگرد تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ، ابن جریج، سفیان الثوری، حضرت حماد بن سلمہ، سفیان بن عیینہ اور حماد بن ابی سلیمان آپ کے شاگرد

---

[1] ایضاً ص

تھے شعبہؒ کہتے ہیں میں نے حدیث میں عمرو بن دینارؒ سے اثبت کسی کو نہیں پایا۔ آپ صرف محدث نہیں فقیہ بھی تھے۔ عبداللہ بن ابی نجیحؒ کہتے ہیں میں نے عمرو بن دینارؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، مجاہدؒ اور طاؤسؒ سے کسی کو فقہ میں زیادہ نہیں پایا۔

ان ائمہ روایت میں پانچ اور حضرات کا بھی تذکرہ شامل کر لیجئے۔ اس دور میں روایت پر توجہ زیادہ تھی۔ اس لیے ہم طبقہ میں یہ نام بھی اضافہ کیے گئے ہیں۔

(۱) ابو اسحٰق السبیعیؒ (۱۲۷ھ) عمرو بن عبداللہ

کثرت روایت میں امام زہریؒ کے اقران میں سے ہیں۔ حضرت علیؓ کو دیکھا ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عدی بن حاتمؓ، براء بن عازبؓ، جریر بجلیؓ، جابر بن سمرۃؓ سے حدیث پڑھی۔ تین سو کے قریب ساتھیوں سے روایت لی۔ آپ سے قتادہ، سلیمان التیمی، الاعمش، شعبہ، سفیان الثوری، ابو الاحوص، زائدہ، شریک اور سفیان بن عیینہ اور آپ کے بیٹے یونس اور پوتے اسرائیل نے روایت لی ہے — ابوداؤد الطیالسی کہتے ہیں چار شخصوں پر علم حدیث کا دار ہے۔ زہری، قتادہ، ابو اسحاق اور اعمش ہیں — قتادہ اختلاف روایت میں زہری کا ساتھ دیتے، ابو اسحٰقؒ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات میں، اعمش ان میں سے ہر ایک باب میں آگے تھے۔

(۲) ابو عبدالرحمٰن ابو الزناد (۱۳۱ھ) عبداللہ بن ذکوان فقیہ المدینہ

حضرت انس بن مالکؓ سے حدیث پڑھی۔ تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیبؒ جیسے اکابر سے علم حاصل کیا۔ آپ سے امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، لیث مصریؒ، سفیان بن عیینہؒ اور دوسرے کئی اکابر نے روایت لی ہے۔ لیث بن سعدؒ کہتے ہیں میں نے آپ کے پیچھے تین سو کے قریب فقہ کے طالب علم چلتے دیکھے۔ امام ابو حنیفہؒ جیسے فقیہ فرماتے ہیں میں نے ربیعۃ الرائی اور ابو الزناد دونوں کو دیکھا ہے اور ابو الزناد کو فقہ و علم فقہ میں زیادہ ماہر پایا ہے۔

قال ابو حنیفۃ رأیت ربیعۃ وابو الزناد، افقہ الرجلین۔[1]

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۶

حضرت امام جیسے نادرہ روزگار فقیہ کا ان کی ثقاہت پر شہادت دینا بتا دیتا ہے کہ آپ کس درجہ کے عالم تھے۔ اگرچہ ہم انہیں فقہاء تابعین میں ذکر کرتے تو زیادہ مناسب تھا لیکن چونکہ سفیان بن عیینہ آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں اس لیے ہم نے انہیں رواۃ حدیث میں ذکر کیا ہے۔

(۳) سلیمان بن طرخان التیمیؒ (۱۴۳ھ) البصری

حافظ ذہبیؒ انہیں الحافظ، الامام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ اور دیگر تابعین کرام سے حدیث پڑھی۔ آپ سے شعبہ، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت سفیان الثوری، یزید بن ہارون، سفیان بن عیینہ اور دیگر کئی ائمہ کبار نے روایت لی۔ حدیث بڑے ادب سے روایت کرتے۔ کان اذا حدث عن رسول اللہ تغیر لونہ۔[1] سفیان کسی بصری محدث کو سلیمان تیمی پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے ان سے زیادہ راست گو کسی کو نہیں دیکھا۔

(۴) ہشام بن عروہؒ (۱۴۶ھ)

حضرت زبیرؓ کے پوتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ آپ کو الامام، الحافظ، الحجۃ اور الفقیہ کے القاب سے ذکر کرتے ہیں۔ ان دنوں حدیث اور فقہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ بہت سے حفاظ حدیث فقیہ بھی ہوتے تھے۔ ہشام بن عروہ بھی انہی میں سے تھے۔ ابن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں: کان ہشام ثقۃ، ثبتاً، کثیر الحدیث، حجۃ ——— ابو حاتم الرازی آپ کو امام فی الحدیث لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور بچپن میں آپ کے لیے برکت کی دعا کی تھی۔ شعبہ، ایوب، امام مالک، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن سلمہ، حماد بن ابی سلیمان، یحییٰ بن سعید القطان جیسے اکابر آپ کے شاگرد تھے۔ امام یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا آپ ہشام کو ترجیح دیتے ہیں یا زہری کو؟ آپ نے کہا دونوں کو۔ اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی۔ آپ حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کے اقران میں سے تھے۔

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۲

⑤ ابو محمد سلیمان الاعمش الکوفی (م ۱۴۸ھ) الحافظ والثقہ

حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے۔ مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعی سے بھی حدیث سنی۔ آپ سے امیر المومنین فی الحدیث شعبہ، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، زائدہ، ابوحنیفہ و بہت سے لوگوں نے روایت لی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے بھی استاد تھے۔ ابن المدینی کہتے ہیں آپ سے تیرہ سو کے قریب احادیث مروی ہیں۔ صدق مقال کا یہ حال تھا کہ لوگ آپ کو مصحف (قرآن) کہتے تھے۔ یحییٰ بن سعید القطان آپ کو علامۃ الاسلام کہتے تھے۔ ستر سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی۔ سفیان بن عیینہ نے آپ کے بارے میں لکھا ہے۔

اقرأهم لكتاب الله واحفظهم للحديث واعلمهم بالفرائض

ترجمہ: سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے سب سے زیادہ حدیث یاد رکھنے والے اور علم وراثت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

نوٹ اس درجہ کے عالی مرتبت محدثین کوفہ میں بہت ہوئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ ان دنوں کس طرح علم و فضل کا مرکز تھا۔ سو یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ عراق علم حدیث میں حجاز سے پیچھے تھا۔ عراق نے علم حدیث کے وہ جلیل القدر اور جہابذہ روزگار محدث پیدا کیے کہ چشم فلک نے ان کی نظیر نہ دیکھی۔ تذکرۃ الحفاظ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ علم حدیث کا گہوارہ تھا۔ یہ تابعین کے اساتذہ روایت کا ذکر تھا۔ اب ہم ان ائمہ عراق کا ذکر کرتے ہیں جن کی علمی بلندی کے باعث درجہ اجتہاد پہ آئی اور امت میں ان کی پیروی جاری ہوئی یا وہ اس مرتبہ پر متمکن ہیں کہ ان کی پیروی کی جاسکے۔

فقہاء حدیث ائمہ مجتہدین

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

صحابہؓ و تابعینؓ کے بعد ائمہ مجتہدین کی باری آتی ہے۔ یہ حضرات علم اصول کے امام اور فقہ و احادیث کے جامع تھے مگر چونکہ ان کا زیادہ تر فقہ رہا اس لیے ان کی شہرت مجتہد کے طور پر زیادہ رہی۔ محدثین انہیں حفاظ حدیث میں بھی ذکر کرتے ہیں اور فقہاء انہیں اپنے میں سے مجتہد قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی امت میں پیروی جاری ہوئی اور بعض کی نہیں۔ بعض ان میں سے اپنے اساتذہ سے نسبت برقرار رکھنے کے باعث مجتہد منتسب سمجھے گئے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ یہ حضرات سب حدیث و فقہ کے جامع اور اپنے اپنے درجہ میں مجتہد مطلق کا مقام رکھتے تھے ـــــ ان میں ہم حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ) امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام ابویوسفؒ (۱۸۲ھ) امام محمدؒ (۱۸۹ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) امام اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ذکر کریں گے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان حضرات کو مجتہد تسلیم کیا ہے۔ ائمہ اربعہ، امام اوزاعی، سفیان الثوریؒ، لیث مصریؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ وہ حضرات ہوتے ہیں جو مجتہدین کہلاتے ہیں۔ یہ حضرات اپنے اپنے وقت کے فقہائے حدیث تھے اب ان کا فرداً فرداً ذکر ہوتا ہے۔

تراجم میں پہلے صحابہ کے فقہائے حدیث پھر صحابہ کے رواۃ حدیث پھر تابعین کے فقہاء حدیث اور پھر تابعین کے اساتذہ روایت کا ذکر ہوا۔ اب ائمہ اربعہ کے تراجم پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کے بعد ائمہ جرح و تعدیل کا ذکر ہوگا اور ان کے بعد ائمہ تالیف کی باری آئے گی۔

تراجم فقہائے حدیث

حضرت امام ابوحنیفہؒ

امام ابوحنیفہؒ (پیدائش ۸۰ھ) کی شہرت زیادہ تر امام مجتہد کی حیثیت سے ہے لیکن علمائے حدیث نے آپ کو محدثین میں بھی ذکر کیا ہے۔ محدثین کا ذکر اس عنوان سے کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فلاں فلاں سے احادیث سنیں اور ان سے آگے فلاں فلاں نے روایات لیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بھی یہ پیرایہ تعارف موجود ہے۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

قد قال الامام علی بن المدینی ابوحنیفة روی عنه الثوری وابن المبارك وحماد بن زید وهشام ووکیع وعباد بن العوام وجعفر بن عون وهو ثقة لاباس به وکان شعبة حسن الرای فیه۔[1]

(ترجمہ) امام علی بن المدینی کہتے ہیں کہ سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام، جعفر بن عون نے امام ابوحنیفہ سے حدیث روایت کی ہے۔ ابوحنیفہ ثقہ تھے ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور شعبہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:۔

حدث عن عطاء ونافع وعبدالرحمٰن بن هرمز الاعرج وسلمة بن کهیل وابی جعفر محمد بن علی وقتادة وعمرو بن دینار وابی اسحٰق وخلق کثیر ۔ ۔ ۔ وحدث عنه وکیع ویزید بن هارون وسعد بن الصلت وابو عاصم وعبدالرزاق وعبیدالله بن موسیٰ وابونعیم

[1] وروی حماد بن زید عن ابی حنیفة احادیث کثیرة۔ (الانتقاء ص۱۳۰)

وابو عبد الرحمٰن المقری و بشر کثیر وکان اماماً ورعاً۔[1]

(ترجمہ) امام ابو حنیفہ نے عطاء، نافع، عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج، سلمہ بن کہیل، ابی جعفر محمد بن علی، قتادہ، عمرو بن دینار، ابی اسحٰق اور بہت سے لوگوں سے حدیث روایت کی ہے۔ اور ابو حنیفہ سے وکیع، یزید بن ہارون، سعد بن صلت، ابو عاصم، عبد الرزاق، عبید اللہ بن موسیٰ، ابو نعیم، ابو عبد الرحمٰن المقری اور خلق کثیر نے روایت لی ہے۔ اور ابو حنیفہ امام تھے اور بڑے پرہیزگار تھے۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اہل مکہ کے محدث اور مفتی عطاء بن ابی رباح سے کس کس نے حدیث روایت کی ہے؟

ومنہ ایوب وحسین المعلم وابن جریج وابن اسحٰق والاوزاعی وابو حنیفہ وھمام بن یحییٰ وجریر بن حازم۔[2]

خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں:۔

سمع عطاء بن ابی رباح وابا اسحٰق السبیعی ومحمد بن المنکدر ونافعاً وھشام بن عروۃ وسماک بن حرب وغیرھم وروی عنہ عبد اللہ بن المبارک ووکیع بن الجراح ویزید بن ھارون والقاضی ابو یوسف ومحمد بن الحسن الشیبانی وغیرھم۔[3]

(ترجمہ) ابو حنیفہؒ نے عطاء بن رباح اور ابا اسحٰق السبیعی اور محمد بن المنکدر اور ہشام بن عروہ اور سماک بن حرب وغیرہ حضرات سے روایت لی اور ابو حنیفہؒ سے عبد اللہ بن مبارک اور وکیع بن الجراح، اور یزید بن ہارون اور قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن الشیبانی وغیرہ حضرات نے روایات لی ہیں۔

حضرت عبد الرحمٰن المقریؒ (۲۱۳ھ) جب آپ سے روایت کرتے تو فرماتے مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جو (فن حدیث میں) بادشاہوں کا بادشاہ تھا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

کان اذا حدث عن ابی حنیفۃ قال حدثنا شاھنشاہ۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ [2] ایضاً ص ۹۸ [3] الاکمال ص ۶۲۴

آپ کے اساتذہ و تلامذہ ان کے علاوہ بھی بہت سے تھے۔ آپ نے بلند پایہ محدثین سے محدثین کے طور پر روایات لیں اور آگے محدثین کے طرز پر انہیں محدثین سے روایت کیا۔ آپ کے تلامذہ میں سے عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن الجراح کے تذکرے کتب رجال میں دیکھیں۔ یہ حضرات فن حدیث میں اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان جیسے اکابر محدثین کا حدیث میں آپ کی شاگردی کرنا اس فن میں آپ کی عظمت شان کی کھلی شہادت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آپ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی طرح کثیر الروایت میں سے نہ تھے لیکن اس سے آپ کے علم حدیث میں کم ور ہونے کا شبہ کسی جاہل کو بھی نہ ہو سکے گا۔ محدثین آپ کے ذکر کے بغیر آگے نہ چلتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف حدیث کی کتاب ہے جس میں ایک روایت بھی آپ سے منقول نہیں۔ مگر خطیب تبریزی الاکمال فی اسماء الرجال میں آپ کے ذکر کے بغیر آگے نہیں چل سکے۔ آپ کے وفور علم کی شہادت آپ کو دینی پڑی اور ظاہر ہے کہ ان دنوں علم سے مراد علم حدیث ہی لیا جاتا تھا۔

مصنف مذکور لکھتے ہیں:۔

والغرض بإيراد ذكره في هذا الكتاب وإن لم نرو عنه حديثًا في المشكوٰة للتبرك به لعلو مرتبته و وفور علمه۔[1]

(ترجمہ) اور غرض اس کتاب میں آپ کا ذکر لانے سے یہ ہے کہ اگرچہ ہم مشکوٰۃ میں ان سے کوئی حدیث نہیں لائے مگر آپ کے ذکر سے برکت حاصل ہو جائے یہ آپ کے علو مرتبہ اور وفور علم کی وجہ سے ہے۔

وفور علم سے مراد حدیث کا علم وافر نہیں تو اور کیا ہے۔ اور فقہ تو یہ علم اسی وقت بنتا ہے جب یہ حدیث پر مرتب ہو اس کے لئے علم حدیث لازم ہے۔ یہی نہیں کہ آپ نے محدثین کے طرز پر روایات لیں اور آگے روایت کیں۔ بلکہ روایت حدیث اور راویوں کے صدق و کذب پر بھی آپ کی پوری نظر تھی۔ امام اوزاعیؒ سے ایک مسئلہ پر گفتگو ہوئی اور دونوں طرف سے احادیث مسند کے ساتھ پڑھی گئیں تو آپ نے دونوں طرف کے راویوں پر تبصرہ فرمایا اور باوجودیکہ دونوں طرف کے روات ثقہ تھے۔ آپ نے راویوں کے علو فہم پر بحث شروع کر دی[2] اور دونوں

---

[1] الاکمال فی اسماء الرجال ص ۶۲۴ [2] مسند الامام فی شرح مسند الامام ص ۲

طرف سے راویوں کا نام لے لے کر بتایا کہ حماد بن ابی سلیمان زہری سے زیادہ فقیہ ہیں اور فلاں فلاں سے فقیہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں اس سے واضح ہے کہ آپ راویوں پر تنقیدی نظر رکھتے تھے ایک دوسری جگہ راویوں کے صدق و کذب پر آپ گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ما رأیت احدا افضل من عطاء۔[1]

میں نے عطاء بن ابی رباح سے زیادہ اچھا راوی کسی کو نہیں دیکھا۔ ——— اور یہ بھی فرمایا۔

ما لقیت فیمن لقیت اکذب من جابر الجعفی۔[2]

میں جتنے لوگوں کو ملا ہوں ان میں جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا۔

حافظ ابن حجر نے زید بن عیاش کے بارے میں آپ کی رائے نقل کی ہے انہ مجہول۔[3] طلق بن حبیب پر آپ نے ان کے عقیدہ کی وجہ سے جرح کی ہے کہ وہ میری القدر تھے[4] محدثین بھی راویوں پر اسی درجہ تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں۔

قال ابو حنیفۃ رأیت ربیعۃ وابا الزناد وابو الزناد افقہ الرجلین۔[5]

ترجمہ: ابو حنیفہ کہتے ہیں میں نے ربیعہ اور ابو الزناد دونوں کو دیکھا، ابو الزناد زیادہ فقیہ تھے۔

محدثین کا آپ سے اس قسم کی آراء نقل کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آپ درایت حدیث کے فہم و درایت پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔

حضرت سفیان الثوری کے علمی مرتبہ اور شان علم حدیث سے کون واقف نہیں ہے آپ بڑے محدث کے بارے میں آپ سے رائے لی گئی کہ ان سے حدیث لی جائے یا نہ؟ امام بیہقی لکھتے ہیں:۔

عبدالحمید الحمانی قال سمعت ابا سعد الصاغانی یقول جاء رجل الی ابی حنیفۃ فقال ما تری فی الاخذ عن الثوری فقال اکتب عنہ فانہ ثقۃ ما خلا احادیث ابی اسحٰق عن الحارث وحدیث جابر الجعفی۔[6]

ترجمہ: عبدالحمید الحمانی کہتے ہیں میں نے ابو سعد صاغانی کو سنا کہ ایک شخص امام ابو حنیفہ کے پاس آیا اور پوچھا سفیان ثوری سے روایت لینے میں آپ کی رائے کیا

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۹۲ [2] تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۴۸ [3] تہذیب جلد ۳ صفحہ ۴۲۴ [4] الجواہر المضیئہ جلد ۱ صفحہ ۲ [5] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ [6] کتاب القراءۃ للبیہقی صفحہ ۱۳۳

ہے۔ آپ نے فرمایا ان سے حدیث لے لو ما سوائے ان حدیثوں کے جنہیں وہ ابو اسحٰق عن الحارث کی سند سے روایت کریں یا جنہیں وہ جابر جعفی سے نقل کریں غور کیجئے جب حضرت امام سفیان ثوری جیسے محدث کے بارے میں بھی آپ سے رائے لی جا رہی ہے۔ تو آپ کا اپنا مقام حدیث میں کیا ہوگا؟ اجتہاد و استنباط یا تطبیق و ترجیح میں تو مجتہدین آپ سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی مقام پر یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث حضرت امام کو نہ پہنچی ہوگی ہرگز درست نہیں۔ اس مدد کیا یہ بعض الظن اثم کے قبیل میں سے ہے۔ محدث جلیل ملا علی قاری احیاء العلوم کی ایک عبارت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فالظن بأبي حنيفة ان هذه الاحاديث لم تبلغه ولو بلغته لقال بها هذا من بعض الظن فان حسن الظن بأبي حنيفة انه حافظ للاحاديث الشريفة من الصحيحة والضعيفة ولكنه اما رجح الحديث الدال على الحرمة او حمله على الكراهة جمعاً بين الاحاديث وعملاً بالرواية والدراية۔ [1]

الحافظ اور الحجۃ کے درجے کے محدثین تو بہت ہوئے لیکن بہت کم ہوئے جن کا علم تمام احادیث کو محیط مانا گیا ہو۔ حضرت امام ان کبار محدثین میں سے ہیں جن کا علم تمام احادیث صحیحہ اور ضعیفہ کو محیط مانا گیا۔ ایک مرتبہ یحییٰ بن معینؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ثقہ ہیں ثقہ ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا حدیث میں وہ سچے ہیں اور دین کے بارے میں قابل اعتماد ہیں۔[2] امام ابو داؤد فرماتے ہیں:۔

ان ابا حنيفة كان اماماً [3] بے شک ابو حنیفہؒ امام تھے۔

حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کس پایہ کے محدث تھے یہ اہل علم سے مخفی نہیں آپ کوفہ آئے تو علماء حدیث تب آپ سے حدیث سننے کے لیے تیار ہوئے جب حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آپ کے محدث ہونے کی تصدیق کی۔ آپ نے فرمایا یہ شخص

---

[1] سند الانام ص۵۲ [2] تاریخ بغداد خطیب جلد ۱۳ ص ۴۲۰ [3] تذکرہ جلد ۱

کے ہاں اس کا عمل میں آیا ہوا ہونا ضروری تھا۔ جو حدیث معمول بہ نہ بنی ہو اس سے ان کے ہاں سنت ثابت نہیں ہوتی۔ سنت کے ثابت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر عمل بھی ہوتا آیا ہو

امام مالکؒ کا نظریہ حدیث بھی تقریباً یہی تھا۔ وہ حدیث کی بجائے سنت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ موطا میں بار بار سنت کا لفظ لاتے ہیں اور اس سے صحابہؓ و تابعینؒ کا توارث عمل مراد ہوتا ہے۔ جب نخے پچھلے دور میں حدیث کا بازار گرم ہوا تو محدثین روایت اور اسناد کے گرد پہرہ دینے لگے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں حدیث سے تمسک بذریعہ اسناد ہونے لگا اور توارث عمل کی اس طرح تلاش نہ رہی جس طرح پہلے دور میں ہوتی تھی۔ اس نئے دور کے مجدد حضرت امام شافعیؒ ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ پہلے دور میں حدیث کی بجائے سنت کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ حافظ شمس الدین ذہبیؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا نظریہ حدیث آپ کے اپنے الفاظ میں اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

آخذ بكتاب الله فما لم اجد فبسنة رسول الله والآثار الصحاح عنه التي فشت في ايدي الثقات عن الثقات فان لم اجد فبقول اصحابه آخذ بقول من شئت ـــــ واما اذا انتهى الامر الى ابراهيم والشعبي والحسن وعطاء فاجتهد كما اجتهدوا۔[1]

ترجمہ: میں فیصلہ کتاب اللہ سے لیتا ہوں جو اس میں نہ ملے حضورؐ کی سنت اور ان صحیح آثار سے لیتا ہوں جو حضورؐ سے ثقہ لوگوں کے ہاں ثقات کی روایت سے پھیل چکے ہوں۔ ان میں بھی نہ ملے تو آپ کے صحابہ کرامؓ سے لیتا ہوں اور جس کا فیصلہ مجھے جائز قوی لگے لے لیتا ہوں ـــــ اور جب معاملہ ابراہیم نخعیؒ، علامہ شعبیؒ، حضرت حسن بصریؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ تک پہنچے تو میں بھی اس طرح اجتہاد کرتا ہوں جس طرح ان پہلوں نے اجتہاد کیا تھا۔

حضرت امام یہاں آثار صحیحہ کے ساتھ پھیلے ہوئے ہونے پر زور دے رہے ہیں اور یہی ان کا نظریہ حدیث تھا۔ حضرت علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:۔

وقد كان الامام ابو حنيفة يشترط في الحديث المنقول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل العمل به ان يرويه عن ذلك الصحابي جمع اتقياء عن مثلهم۔[2]

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للذہبی ص ۲۱ [2] المیزان الکبریٰ للشعرانی جلد ۱ ص ۶۲

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ حضورؐ سے نقل شدہ حدیث کو معمول بہ ٹھہرانے سے پہلے یہ ضروری ٹھہراتے تھے کہ اسے اس صحابیؓ سے ان جیسے نیک لوگوں کی ایک جماعت نے روایت کیا ہو۔

محقق ابن الہمامؒ (۸۶۱ھ) کی حضرت امام کے اس اصل پر گہری نظر تھی۔ آپ تصریح کرتے ہیں کہ جب کوئی صحابیؓ اپنی روایت کردہ حدیث پر عمل نہ کرے اس کے خلاف فتویٰ دے تو وہ روایت از خود حجت نہ رہے گی کیونکہ اس کے ساتھ تواتر عمل ثابت نہیں ہو سکا۔ حضرت امام کا یہ نظریہ بے شک نہایت محتاط ہے۔ روایت کے ساتھ راوی کا عمل ساتھ ساتھ چلے۔ ایسے راوی آپ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی بکثرت پائیں گے۔ حضرت امامؒ تواتر عمل کے اس حد تک قائل تھے کہ وہ اس کی تائید میں ان روایات و آثار سے مدد لیتے تھے جو کہیں کہیں مرسل ہوں۔ مگر عملاً اتصال رکھتے ہوں۔ آپؒ کی املاء کردہ کتاب الآثار اور امام مالکؒ کے مؤطا میں آپ اسی نظریہ کو جگہ جگہ کارفرما پائیں گے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

انه كان يذهب في ذلك الى عرضها على ما اجتمع عليه من الاحاديث و معاني القرآن فما شذ من ذلك رده وسماه شاذا[1]

ترجمہ: امام صاحبؒ ایسے موقع پر اس روایت کو اس موضوع کی دوسری احادیث اور قرآنی مطالب سے ملا کر دیکھتے جو روایت اس مجموعی موقف سے علیحدہ ہوتی آپؒ اسے عمل میں قبول نہ کرتے اور اس کا نام شاذ isolated رکھتے۔

حضرت امامؒ کے نظریہ حدیث میں یہ اصول بھی کارفرما ہے کہ آثار صحابہ اور ضعیف حدیث کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ ان کے ہاں آثار صحابہ اور ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے اجتہاد اور قیاس سے کام نہ لینا چاہیئے۔ اپنی رائے پر ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو ترجیح دینی چاہیئے۔ یہ صرف حضرت امام کی ہی رائے نہ تھی کل فقہاء عراق اسی نظریہ کے تھے۔ علامہ ابن حزمؒ نے اس پر فقہاء عراق کا اجماع نقل کیا ہے۔

نوٹ: ضعیف حدیث سے یہاں وہ روایت مراد نہیں جس کا ضعف انتہائی شدید قسم کا ہو یا وہ موضوع ہونے کے بالکل قریب جا چکی ہو۔

---

[1] الموافقات للشاطبی جلد ۳ صفحہ ۲۲

حضرت امام اعظمؒ کی تابعیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جو عمر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تھی حضرت امامؒ تقریباً اسی عمر کے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہؓ موجود تھے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ (۸۷ھ) سہل بن سعد ساعدیؓ (۹۱ھ) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) حضرت عبداللہ بن بسر المازنیؓ (۹۶ھ) حضرت واثلہ بن الاسقعؓ (۸۵ھ) اس وقت زندہ تھے۔ حضرت عامرؒ کی وفات کے وقت حضرت امامؒ کی عمر ۲۰ سال کی تھی اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ تو بیشک کوفہ میں تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

مولدہ سنۃ ثمانین رأی انس بن مالکؓ غیر مرۃ لما قدم علیہم الکوفۃ۔[1]

ترجمہ: حضرت امامؒ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی آپ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) کو جب وہ کوفہ گئے تو کئی دفعہ دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضور ﷺ سے گیارہ برس کی عمر میں حدیث سنتے تھے ہیں تو حضرت امامؒ حضرت انسؓ سے حدیث کیوں نہ سن سکتے تھے یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ نے حضرت انسؓ کی بار زیارت کی ہو اور ان سے احادیث نہ سنی ہوں۔ نہ حضرت انسؓ کے بارے میں تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی مجالس میں احادیث نہ پڑھتے ہوں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ امامؒ نے انہیں روایت نہ کیا ہو

اہل کوفہ کی ایک منفرد عادت

اہل کوفہ حدیث کے بارے میں کچھ زیادہ ہی محتاط ہوتے ہیں۔ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں:

ان اہل الکوفۃ لم یکن احد منہم یسمع الحدیث الا بعد استکمالہ عشرین سنۃ۔[2]

ترجمہ: اہل کوفہ میں سے کوئی بیس سال کی عمر سے پہلے حدیث کا باقاعدہ سماع نہ کرتا تھا۔

اس صورت حال میں بہت ممکن ہے کہ آپ نے ان سے احادیث سنی تو ہوں لیکن بیس سال سے کم ہونے کے باعث انہیں آگے عام روایت نہ کیا ہو۔ دارقطنی کا یہ کہنا کہ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا تو ضرور ہے لیکن ان سے احادیث نہیں سنیں۔ اسی معنی پر محمول ہوگا کہ بیس سال سے کم عمر کے سماع کو اہل کوفہ سماع شمار نہ کرتے تھے اور جو کہیں حضرت امامؒ نے ان سے روایت کردی وہ محض تبرک کے طور پر ہوگی اور یہ عام عادت سے ایک مستثنیٰ ہوگا۔ حافظ بدر الدین عینیؒ اور ملا علی قاریؒ

---

[1] تذکرہ جلد ۱ ص ۱۶۸ [2] الکفایہ ص ۵۴

حضرت امام کے اقران

جو لوگ حضرت امام کو اپنے وقت کے دیگر اہل علم سے فروتر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت امام قرون مشہود لہا تک صحابہ و تابعین کے علم کے اسی طرح وارث شمار ہوتے رہے ہیں جس طرح حضرت سفیان الثوری، امام اوزاعی اور امام مالک وغیرہم جن جبال العلم اور آپ کا علم اسی درجہ میں سند سمجھا جاتا رہا ہے جس طرح ان حضرات کا۔ — حافظ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) ایک جگہ علم منطق جدل اور حکمت یونان پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لم يكن والله من علم الصحابة ولا التابعين ولا من علم الاوزاعي والثوري ومالك وابي حنيفة وابن ابي ذئب وشعبة ولا والله عرفه ابن المبارك ولا ابو يوسف ولا وكيع ولا ابن المهدي ولا ابن وهب ولا الشافعي ولا عفان ولا ابو عبيد ولا ابن المديني واحمد وابو ثور والمزني والبخاري والاثرم ومسلم والنسائي وابن خزيمة وابن سريج وابن المنذر وامثالهم بل كانت علومهم القرآن والحديث والفقه والنحو وشبه ذلك۔[1]

(ترجمہ) یہ علم بخدا صحابہ اور تابعین کے علوم میں سے نہیں نہ یہ امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ، ابن ابی ذئب اور امام شعبہ کے علوم میں سے ہیں۔ بخدا انہیں نہ عبداللہ بن مبارک نے جانا، نہ امام ابو یوسف نے، نہ امام وکیع نے، نہ عبدالرحمن بن المہدی نے، نہ ابن وہب نے اور نہ امام شافعی نے الخ

کچھ انصاف کیجئے اور دیکھئے کہ امت اسلامیہ کے جن جبال العلم کو جمع کیا اور جن کے علم وفن پر یہ امت اب تک نازاں ہے کیا ان میں جا بجا کسی شخص نے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان حضرات نے اگر حدیث کم روایت کی ہے تو اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ علمائے تابعین کا ایک طبقہ یہ مسلک رکھتا تھا کہ زیادہ حدیث روایت نہ کی جائے۔ علامہ شعبی فرماتے ہیں:

كره الصالحون الاولون الاكثار من الحديث۔[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۷۲

[2] ایضاً صفحہ ۸۴

علامہ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں امام ابو حنیفہؒ کو ان ائمہ کے ساتھ برابر کا شریک کیا ہے سفیان ثوری، امام مالک اور اوزاعی کے ساتھ امام یہ وہ حضرات ہیں کہ اگر کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اس کا سنت ہونا از خود ثابت ہو جاتا ہے۔ گو اس کی سنیت پر کوئی نص موجود نہ ہو۔

اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں:-

اذا اجتمع الثوری ومالک والاوزاعی علی امر فھو سنۃ وان لم یکن فیہ نص۔ تذکرہ ص!

اب آپ ہی اندازہ کریں کہ حضرت امامؒ کس درجے کے ائمہ کے ساتھ برابری کی نسبت رکھتے تھے اور یہ کہ آپ کے اقران میں کون کون سے جہان علم تھے۔

محدثین میں اہل الرائے

ائمہ حدیث میں اہل الرائے صرف وہی حضرات ہوئے جو مجتہد کے درجے تک پہنچے تھے نص موجود نہ ہونے کی صورت میں کسی مسئلہ میں رائے دینا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ ابن قتیبہ نے معارف میں اصحاب الرائے کا عنوان قائم کر کے ان میں سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی کو بھی ذکر کیا ہے۔ سو اگر کسی نے امام ابو حنیفہؒ کو اہل الرائے میں کہہ دیا تو یہ ان کے مجتہدانہ مقام کا ایک علمی اعتراف ہے محدث ہونے کا انکار نہیں پھر صرف حنفیہ ہی اہل الرائے نہیں حافظ محمد بن حارث الخشنی نے قضاۃ قرطبہ میں مالکیہ کو بھی اصحاب الرائے میں ذکر کیا ہے۔ علامہ سلیمان بن عبد القوی الطوفی الحنبلی نے اصول فقہ پر مختصر الروضہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں ہے:-

اعلم ان اصحاب الرای بحسب الاضافۃ ھم کل من تصرف فی الاحکام بالرای فیتناول جمیع علماء الاسلام لان کل واحد من المجتہدین لا یستغنی فی اجتہادہ عن نظر ورای ولو بتحقیق المناط وتنقیحہ الذی لا نزاع فی صحتہ۔

جان لو کہ اصحاب الرائے باعتبار اضافت تمام وہ علماء ہیں جو احکام میں فکر و رائے سے کام لیتے ہیں سو یہ لفظ تمام علماء اسلام کو شامل ہو گا کیونکہ مجتہدین میں سے کوئی بھی اجتہاد میں نظر و رائے سے مستغنی نہیں گو وہ تحقیق مناط سے ہو اور اس تنقیح سے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تدوین فقہ کے کام کو سرانجام دینے کے باعث حضرت امام کی محدثانہ حیثیت کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا گیا لیکن فقہی مباحث کے ضمن میں بہت سی احادیث آپ سے ہی تلامذہ کے سامنے روایت

گئیں۔ آپ کی جو روایات ثبت ہو گئے آپ کے تلامذہ میں باقی رہیں انہیں حصکفیؒ نے جمع کیا ہے پھر ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی نے تمام مسانید کو ۶۶۵ھ میں یکجا جمع کیا۔ اسی مجموعہ کو مسند امام اعظم کہا جاتا ہے۔ اس کے ناقل متواتر ہونے کے لیے موسیٰ بن زکریا الحصکفی کی ثقہ شخصیت کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عمدۃ المحدثین ملا علی قاریؒ جیسے اکابر نے اس مسند امام کی شرح لکھی ہے جو مسند الامام کے نام سے معروف ہے اور علماء میں بے حد مقبول ہے۔

امام وکیع بن الجراحؒ کی علمی منزلت اور فن حدیث میں مرکزی حیثیت اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم آپ کی مرویات سے بھری پڑی ہیں۔ علم حدیث کے اتنے بالغ نظر عالم کا امام ابو حنیفہؒ سے حدیث سننا اور پھر ان کے اس قدر گرویدہ ہو جانا کہ انہی کے قول پر فتوے دینا حضرت امام کی علمی منزلت کی ناقابل انکار تاریخی شہادت ہے۔ حافظ ابن عبدالبر المالکیؒ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں۔

وكان وكيع يفتي برأي أبي حنيفة وكان يحفظ حديثه كله وكان قد سمع من أبي حنيفة حديثاً كثيراً۔[1]

ترجمہ: حضرت وکیع حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ کے مطابق فتوے دیتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام احادیث یاد رکھتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی احادیث سنی تھیں۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) بھی وکیع کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

قال يحيى ما رأيت أفضل منه يقوم الليل ويسرد الصوم ويفتي بقول أبي حنيفة۔[2]

وکیع جیسے حافظ الحدیث اور عظیم محدث کا آپ کی تقلید کرنا اور فقہ حنفی پر فتوے دینا حضرت امامؒ کے مقام حدیث کی ایک کھلی شہادت ہے۔ پھر یہ نہیں آپ نے ان سے کثیر احادیث سنیں۔

علم حدیث اور علم فقہ کے علاوہ آپ کی علم کلام پر بھی گہری نظر تھی۔ اس کے کوفی اور بصری اعتزالی فتنوں نے حضرت امام کو اس طرف بھی متوجہ کر دیا تھا۔ آپ نے محدثین کے مسلک پر رہتے ہوئے ان اعتزالی فکر کا خوب تعاقب کیا۔ خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

علم عقائد اور علم کلام میں لوگ ابو حنیفہ کے عیال اور خوشہ چین ہیں۔[3]

---

[1] کتاب الانتقاء صفحہ ۱۳۶، جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۸۲ [3] تاریخ بغدادی جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۱

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں:- "والامام ابوحنیفۃ انما قلت روایتہ لما شدد فی الروایۃ والتحمل"۔[1]

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہ کی روایات تھوڑی اس لیے ہیں کہ آپ نے روایت اور تحمل روایت کی شرطوں میں سختی کی ہے۔

یوں آپ کثیر الروایۃ تھے وکیعؒ نے آپ سے کثیر احادیث سنی ہیں۔

حضرت امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ)

آپ شام کے محدث تھے اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ علامہ ذہبیؒ آپ کو شیخ الاسلام اور حافظ لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ اس قابل تھے کہ آپ کو خلیفہ وقت بنایا جائے۔[2] امام ابن سعدؒ (۲۳۰ھ) فرماتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ سے دین اور فقہ کا بڑا ذخیرہ منقول ہے۔ آپ اہل شام کے مرجع اور مفتی اعظم تھے۔ مدتوں اہل شام میں آپ کی پیروی جاری رہی۔ امام ابن مہدیؒ کا بیان ہے کہ حدیث کے مرکزی امام چار ہیں جن میں امام اوزاعیؒ بھی شامل ہیں اور فرمایا کہ اہل شام میں ان سے بڑا سنت کا کوئی عالم نہ تھا۔[3] امام ابواسحٰق فزاریؒ کا بیان ہے کہ اگر تمام امت کے لیے خلیفہ منتخب کرنے کا مجھے اختیار دیا جائے تو میں امام اوزاعیؒ کا انتخاب کروں گا۔ اہل شام کے ساتھ اہل اندلس میں بھی ایک عرصہ تک آپ کی تقلید جاری رہی۔[4] امام ابوحنیفہؒ کی طرح آپ بھی اس وقت کے امام متبوع رہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اسی جہت سے کہا کرتے تھے کہ آپ امام فی السنۃ ہیں امام فی الحدیث نہیں۔ اس سے مراد ان کے محدث ہونے کا انکار نہ تھا۔ مطلب یہ تھا کہ آپ سنت کی تعلیم میں مرکز بنے اور امت کے ایک طبقہ میں آپ کی پیروی جاری رہی۔

حافظ ابن کثیرؒ آپ کو امام اہل شام علامۃ الوقت اور فقیہ اہل الشام لکھتے ہیں۔ امام عبیداللہ بن عبدالکریمؒ نے فرمایا کہ میں نے امام اوزاعیؒ سے بڑھ کر عقلمند، پرہیزگار، عالم، فصیح، باوقار، حلیم اور خاموش طبع کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔[5]

امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ)

آپ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کی آمد کے باعث علم کا

[1] مقدمہ ابن خلدون ص [2] تذکرۃ الحفاظ [3] تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۲۴۲ [4] تذکرہ جلد ۱ ص۱۷۹
[5] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص۱۱۵ [6] کامل ص۲۲۵

ہو رہا تھا۔ گو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مسند نشین حضرت امام ابوحنیفہؒ ہوئے مگر اس میں شک نہیں کہ اختلاف ائمہ میں علی رضؓ کے الفاظ ان کو بھی شامل سمجھے جاتے ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں:

سفیان الثوری امام فی الحدیث ولیس بامام فی السنة والاوزاعی امام فی السنة ولیس بامام فی الحدیث ومالک بن انسؓ امام فیہما۔[1]

آپؒ نے ایک مجموعہ حدیث بھی مرتب فرمایا تھا جس کا نام جامع سفیان ثوری تھا۔ یہ مجموعہ آپ نے دور میں تحریر کیا تھا۔ فتح الباری وغیرہ میں جامع سفیان الثوری کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔[2]

عن ثابت الزاہد قال کان اذا اشکل علی الثوری مسئلة قال ما یحسن جوابہا الا من نحسدہ ثم یسأل من اصحابہ ویقول ما قال فیہ صاحبکم فیحفظ الجواب ثم یفتی بہ۔[3]

ثابت زاہد جو کہ امام سفیان ثوریؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ کے اساتذہ میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب امام سفیان ثوریؒ کو کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو فرماتے کہ اس کا جواب بہتر طور پر وہی دے سکتا ہے جس پر ہم لوگ (یعنی ہم ثوریؒ) حسد کرتے ہیں یعنی امام ابوحنیفہؒ۔ پھر امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ سے پوچھتے کہ تمہارے استاد اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں اور پھر اس کو یاد رکھتے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حدیث کا عالم فقط وہی نہیں ہے کہ حدیث کے الفاظ زیادہ یاد ہوں بلکہ حدیث کا اصل عالم اور امام وہی ہے۔ جو حدیث کے معانی اور اس کے حقائق و دقائق کو بخوبی سمجھتا ہو۔ اور حدیث کی حفاظت و خدمت کا جذبہ رکھتا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ حدیث کے اتنے قائل تھے کہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے۔ الحدیث الضعیف احب الی من الرای والقیاس ان کا مشہور قول ہے کہ ان کے محدثین حدیث کے بغیر فقیہ نا تمام سمجھے جاتے تھے۔

وکان سفیان الثوری وابن عیینة وعبداللہ بن سنان یقولون لو کان احدنا قاضیاً لضربت بالجرید فقیہاً لا یتعلم الحدیث ومحدثاً لا یتعلم الفقہ۔ (فتح الباری ص ۲۱۲)

ترجمہ: سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ اور عبداللہ بن سنان کہا کرتے تھے کہ اگر ہم

---

[1] اکمال ص ۶۲۴ [2] دیکھئے فتح الباری کتاب الجہاد ص ... [3] کتاب المناقب للموفق جلد ۱ ص ۲۲۸

میں سے کوئی ناواقف ہو جائے تو دو شخصوں کو ضرور کوڑے لگائیں۔ ایک وہ کہ جو فقہ سیکھتا ہو اور حدیث کا علم حاصل نہ کرتا ہو اور ایک وہ جو حدیث پڑھتا ہو اور فقہ حاصل نہ کرتا ہو۔[1]

علامہ ذہبی نے امام ثوریؒ کو: الامام شیخ الاسلام سید الحفاظ اور الفقیہ لکھا ہے۔[2] امام شعبہ، ابن معینؒ اور ایک کثیر تعداد جماعت کہتی ہے۔ سفیانؒ فن حدیث میں امیر المومنین تھے۔ ابن مبارکؒ نے کہا کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے احادیث کی سماعت کی ہے۔ ان میں سفیان ثوریؒ سے افضل کسی کو نہ پایا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سرزمین پر کوئی بھی ایسا نہیں رہا کہ جس پر تمام امت متفق ہو۔ ہاں مگر حضرت سفیان ثوریؒ ایسے ضرور تھے۔[3] حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ حافظ الاسلام اور عابد و متقی اور امام التابعین تھے۔[4] علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ائمہ مسلمین میں سے تھے۔ اور بڑے امام اور علماء دین کے بہت بڑے علم تھے۔ سب کا ان کی امامت پر اتفاق ہے۔[5] امام جوزیؒ لکھتے ہیں آپ کے مقلد پانچویں صدی کے بعد تک پائے جاتے رہے ہیں۔[6]

حضرت امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)

حضرت امام مالکؒ امام دار الہجرۃ کے نام سے معروف ہیں۔ حدیث کی خدمت میں آپ نے حدیث کی مشہور کتاب مؤطا تالیف کی۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے بعد ستر علماء کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو سب نے مؤطات موافقت اظہار کی۔ اسی لیے اس کا نام مؤطا رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قول کے مطابق مؤطا میں ستر سو کے قریب روایات ہیں جن میں سے ۶۰۰ مسند اور ۲۲۲ مرسل ہیں۔ بقایا فتاوی صحابہؓ اور اقوال تابعین ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے مؤطا پڑھنے والے حضرات میں امام شافعیؒ، یحییٰ لیثیؒ اور امام محمدؒ کے اسماء سر فہرست ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ما اصح الکتاب بعد کتاب اللہ الموطا۔ مگر یہ بات اس وقت کی ہے جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم تالیف نہ ہوئی تھی۔[7]

---

[1] تاریخ الاولیاء ص۲۶ [2] تذکرہ جلد ۱ ص۱۹۳ [3] ایضاً ص۱۹۴ [4] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص۱۳۴ [5] بغدادی جلد ۹ ص۱۵۲
[6] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۱۱۴ [7] تدریب الراوی ص۴۴

الحافظ فقیہ الاندلس شیخ الاسلام وہ امام دار الہجرت تھے۔[۱] آپ کا مسلک زیادہ تر اندلس و مغرب پہنچا۔[۲] افریقی ممالک خصوصاً مغربی افریقہ میں زیادہ تر انہی کے مقلد ہیں۔ امامت علم کے باوجود وہ امام ابو حنیفہ کے معتقد تھے۔ ینظر مالک فی کتب ابی حنیفة وینتفع بہا کما ذکرہ الدراوردی وغیرہ۔[۳]
یہ حقیقت ہے کہ امام مالک کا امام ابو حنیفہ کی کتابوں کو دیکھنا اور ان سے نفع حاصل کرنا ثابت ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)

آپ امام القاضی یعقوب ابو یوسفؒ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ حدیث کے بہت بڑے عالم اور امام تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ آپ اپنے دور قضا میں ہر روز دو سو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ ابن خلکانؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں قاضی القضاۃ کا لقب دیا گیا۔ آپ امام ابو حنیفہؒ کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔ سترہ سال آپ کے ساتھ رہے۔ سب سے پہلے اصول فقہ آپ نے ہی مرتب کئے۔ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں۔

ولم یختلف یحییٰ بن معین واحمد بن حنبل وعلی بن المدینی فی ثقتہ فی النقل۔[۱]

ترجمہ: نقل کے بارے میں یحییٰ بن معینؒ اور احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینیؒ کو آپ کی ثقاہت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

امام ابن عبد البرؒ امام طبریؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ فقیہ عالم اور حافظ تھے۔ پچاس ساٹھ تک احادیث وہ ایک ہی مجلس میں یاد کر لیا کرتے تھے اور وہ کثیر الحدیث تھے۔[۲] علامہ ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ ابو یوسفؒ حسن الحدیث ہیں۔[۳] امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں جب مجھے حدیث کا شوق پیدا ہوا تو سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔[۴] اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کس درجہ کے محدث تھے۔ علامہ عبد القادرؒ (۷۷۵ھ) کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب تک کی قضا انہی کے سپرد تھی۔[۵] امام نسائیؒ آپ کو ثقہ لکھتے ہیں۔[۶] امام بیہقیؒ نے بھی آپ کو ثقہ فرمایا ہے۔[۷] امام مزیؒ کا مات

[۱] تذکرہ جلد ۱ صفحہ [۲] عنوان المفیدین ص۲۱ [۳] انتقاء ص۳۱ [۴] ترجمان السنہ جلد ۱ ص۲۲ [۵] انتقاء ص۱۷۲
[۶] تبییض الصحیفة کی جلد ۸ ص۲۳ [۷] بغدادی جلد ۱۴ ص۲۵۵ [۸] الجواہر المضیئہ جلد ۲ ص۲۲۱
[۹] کتاب الضعفاء الصغیر ص [۱۰] سنن الکبریٰ جلد ۱ ص۲۲۴

ہے کہ فقہاء اور اصحاب الرائے میں ابو یوسفؒ سب سے زیادہ حدیث کی اتباع کرنے والے تھے[1]
امام ابن معینؒ آپ کو صاحب حدیث اور صاحب سنت کہتے ہیں[2]۔ اور ان سے یہ بھی منقول ہے
کہ اصحاب الرائے میں آپ سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے تھے اور ثبت فی
الحدیث تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے آپ کو الامام العلامہ اور فقیہ العراقین لکھا ہے[3]۔ امام ابن قتیبہؒ (۲۷۶ھ)
بھی آپ کو صاحب سنت اور حافظ لکھتے ہیں[4]۔ طلال بن یحییٰؒ نے فرمایا کہ تفسیر و مغازی اور تاریخ عرب
کے حافظ تھے اور فقہ تو آپ کے علوم کا ادنیٰ جزو تھا۔ آپ نے اعمشؒ، ہشام بن عروہؒ، سلیمان تیمیؒ،
ابو اسحاق شیبانیؒ، یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے بھی احادیث روایت کیں۔ آپ نے مختلف علوم میں تصانیف
کیں۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی مفصل فہرست لکھی ہے۔ کتاب الخراج آپ کی مشہور
تصنیف ہے جو خلیفہ ہارون الرشید کے نام آپ کی چند تحریروں کا مجموعہ ہے[5]۔ آپ کا ارشاد ہے

"وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان هو ابصر بالحدیث الصحیح منی"[6]

حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

آپ امام ابو حنیفہؒ کے نہایت قابل اعتماد شاگرد تھے بلکہ یوں کہیے کہ حضرت امامؒ کے علوم زیادہ تر
آپ ہی کے ذریعہ پھیلے۔ آپ نے حضرت امامؒ کی وفات کے بعد مزید تکمیل امام ابو یوسفؒ سے کی اور
اس کے بعد امام مالکؒ سے بھی مؤطا سنا مگر جو عقیدت حضرت امامؒ سے ہو چکی تھی اس کے نقوش کسی دوسرے عالم
میں مٹ نہ سکے۔ ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر قرآن کا عالم اور کوئی نہیں دیکھا۔ مشہور
ہے کہ آپ نے صغیر و کبیر میں ۹۹ کتب تصنیف کیں[8]۔ امام شافعیؒ بھی آپ کے تلامذہ میں سے تھے
حدیث کی مشہور کتاب موطا امام محمد آپ ہی کے نام سے معنون ہے۔ اس کی محدث کبیر ملا علی قاریؒ
نے مبسوط شرح لکھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے التعلیق الممجد کے نام سے اس پر ایک مبسوط

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۸۰ [2] تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۹ [3] تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۹ [4] معارف ابن قتیبہ ص ۲۵۱
[5] ترجمان السنہ جلد ۱ ص ۲۳۶ [6] سیرت النعمان ص ۱۶۲ [7] مقدمہ اعلاء السنن ص ۲-۳ نقلاً عن ابن
حجر المکیؒ [8] الفوائد البہیہ و ترجمان السنہ جلد ۱ ص ۲۵۸

دحرام کے ایک مسئلے کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے کہا خدا تجھ پر رحم کرے کسی اور سے پوچھ لے۔ سائل نے کہا حضرت ہم تو آپ ہی سے اس کا جواب سننا چاہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:

سل عافاک اللہ غیرنا سل الفقہاء سل ابا ثور۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھے عافیت سے رکھے کسی اور سے پوچھ لے فقہاء سے پوچھ ابو ثور سے پوچھ
اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ پر حدیث کا غلبہ تھا۔ فقہ میں آپ دوسرے ائمہ کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ سرخیل محدثین اور متقدمین سلف میں، اور اہلسنت کے امام ہیں۔ مگر مسائل کے بارے میں کس قدر احتیاط سے چلتے ہیں کہ دوسرے فقہاء کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اور خود فتوے دینے سے حتی الوسع احتراز کرتے ہیں۔ آپ فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا اس لیے حکم دیتے کہ فقہاء قرآن و حدیث کے مطابق ہی مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ امام احمدؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام سید المسلمین، الحافظ، الحجۃ[2] امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں امام احمدؒ سے بڑا کوئی نہیں دیکھا۔[3] حضرت ابراہیم حربیؒ کہا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ میں اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے علوم جمع کر دیئے تھے۔[4]

حضرت امام احمدؒ کا نظریۂ حدیث

حضرت امام احمد بن حنبلؒ آثار صحابہؓ کو اپنے لیے حجت اور سند سمجھتے تھے۔ آپؒ کا عقیدہ تھا کہ صحابہؓ آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں۔ امت پر ان کی پیروی لازم ہے۔ صحابی کی بات کو حجت تسلیم کرنے میں آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

وقال ابو عمرو: جعل للصحابۃ فی ذلک مالم یجعل لغیرہم واظن مال الی ظاہر حدیث اصحابی کالنجوم واللہ اعلم والی نحو ہذا کان احمد بن حنبل یذہب۔[5]

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ نے صحابہ کے لیے وہ درجہ مانا ہے جو دوسرے راویوں کے لیے نہیں
آپ حدیث اصحابی کالنجوم کے ظاہر کی طرف مائل ہیں۔ امام احمد کی بھی یہی رائے تھی۔

---

[1] [illegible] [2] تذکرہ جلد ۲ ص [illegible] [3] بغدادی جلد ۴ ص [illegible] [4] تذکرہ جلد ۲ ص [illegible] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۳۳۵ [illegible] تذکرہ جلد ۲ ص [illegible]
[5] جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۹۵

اسی طرح ان پر آپ کا موقف یہ تھا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے کیونکہ حضور کے صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ یہی صراحت سے فرما چکے ہیں کہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی مگر امام کے پیچھے۔ آپ ہی سوچیں کہ صحابی کا اس قدر صریح فیصلہ کیا نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ حدیث ضعیف کو اپنے قیاس اور اجتہاد پر مقدم کرنا چاہیے ضعیف حدیث کو کلیۃً نظر انداز کر دینا قطعاً صحیح نہیں جب کسی موضوع پر صحیح حدیث نہ ملے تو وہاں ضعیف حدیث کو ہی لے لینا چاہیے۔ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک اس باب میں ایک ہے۔ حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:-

تقدیم الحدیث الضعیف وآثار الصحابة علی القیاس والرای قوله وقول احمد۔[3]

ترجمہ: ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم کرنا امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور یہی قول امام احمد کا ہے۔

نوٹ صحابہؓ کی پیروی سے جو فقہ مرتب ہوئی اللہ تعالیٰ اسے بڑی قبولیت سے نوازتے رہے ہیں۔ تاریخ اسلامی میں حکومتی سطح پر زیادہ تر دو ہی فقہ نافذ العمل رہی ہیں فقہ حنفی اور فقہ حنبلی۔ دور اول میں قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسفؒ تھے۔ اس دور میں سعودی عرب کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ انہوں نے اللہ کی حدود قائم کیں اور فقہ حنبلی کے مطابق فیصلے کیے۔

جن حضرات کا ہم نے یہاں تذکرہ کیا ہے وہ سب ائمہ حدیث تھے۔ ائمہ حدیث میں صرف وہی حضرات شامل نہیں ہوتے جو کہ صرف روایات کو اسانید اور مختلف طرق سے بیان کر سکیں بلکہ وہ بھی ائمہ حدیث ہوتے ہیں جو حدیث کی کسی بھی نوع کی خدمت کریں، خواہ اسناد بیان کریں، خواہ مسائل کا استنباط کریں اور علماء کا اس پر اجماع ہے۔

صاحب کنز العمال لکھتے ہیں:-

حضرت صدیق اکبرؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو اہل الرائے اور اہل الفقہ کو مشورہ کے لیے بلاتے مہاجرین و انصارؓ میں سے اہل علم کو بلاتے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ،

---

۱ جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۔ ۲ موطا امام مالک ص ۔ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۔ ۳ اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۔

ائمہ جرح و تعدیل

ائمہ حدیث کی وہ جماعت جس نے روایت حدیث کی جانچ پڑتال پر زیادہ توجہ کی اور ان
کا موضوع خاص زیادہ تر راویوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کے صدق و کذب اور حفظ و ضبط کی دریافت
رہا۔ وہ علم حدیث کے بڑے محققین میں سے تھے۔ ان میں سے ہم یہاں حضرت امام شعبہ (۱۶۰ھ)
حضرت سفیان الثوری (۱۶۱ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) حضرت امام عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) حضرت
امام وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) حضرت عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) حضرت یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ)
امام سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) امام یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) اور امام احمد
بن حنبل (۲۴۱ھ) کا ذکر کریں گے۔

ان میں سے حضرت امام سفیان الثوری، امام مالک اور امام احمد کا ذکر تفصیل سے ائمہ مجتہدین
کے ذیل میں آچکا ہے۔ باقی ان بزرگوں کا ترجمہ یہاں ملاحظہ کیجئے۔ یہ صحیح ہے کہ امام بخاری (۲۵۶ھ)
امام سجستانی (۲۷۵ھ) امام نسائی (۳۰۳ھ) بھی جرح و تعدیل میں بہت اونچی شخصیت رکھتے ہیں لیکن ان کے
تذکرے چونکہ ارباب صحاح ستہ کے ذیل میں آرہے ہیں اس لیے ہم یہاں ان کا ذکر نہ کریں گے۔ ان
کے علاوہ بھی بہت شخصیات ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل میں نمایاں کام کیا اور ان کے نام کتب
اسماء الرجال میں مذکور ہیں لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم انہی بزرگوں کے تراجم پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج (۱۶۰ھ) نزیل البصرہ و محدثہا

ان کی وجہ سے عراق میں علم حدیث بہت پھیلا۔ شیخ صالح بن محمد جزرہ کہتے ہیں کہ علم
الرجال میں سب سے پہلے شعبہ نے کلام کیا، پھر یحییٰ بن سعید القطان نے پھر امام احمد اور یحییٰ بن معین
نے ——— مزید چند حضرات اس فن کے بانیوں میں سے ہیں۔ آپ نے ثابت بنانی، قتادہ بن

البنانیؒ ۔ اعمشؒ، معاویہ بن قرۃؒ، عمرو بن مرۃؒ، حکمؒ، سلمہ بن کہیلؒ، انس بن سیرینؒ، یحییٰ بن ابی کثیرؒ اور حضرت قتادہؒ سے حدیث سنی۔ آپ نے چار سو کے قریب تابعینؒ سے روایت لی ہے۔ آپؒ سے حضرت سفیان الثوریؒ، ایوب السختیانیؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جیسے اکابر نے حدیث پڑھی۔ امام سفیان الثوریؒ آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے تھے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں، آپ فن رجال اور حدیث کی معرفت میں فرد کامل تھے۔ ابن المدینیؒ کہتے ہیں۔ شعبہ احفظ للشیوخ وسفیان احفظ للابواب۔ ——— سلیمان بن ابی الشیخ کہتے ہیں:۔

منشأ شعبۃ واسط وعلمہ کوفی۔[1] شعبہ نے پرورش واسط میں پائی اور علم کوفہ میں پایا۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کس طرح علم حدیث کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔

(۲) حضرت امام عبداللہ بن المبارکؒ (م ۱۸۱ھ)

علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں۔ الامام الحافظ العلامۃ شیخ الاسلام فخر المجاہدین قدوۃ الزاہدین[2]۔ ایک ہزار اساتذہ سے روایت لی۔ ابو اسامہؒ کہتے ہیں، امیر المؤمنین فی الحدیث آپ کے تلامذہ کی متفقہ رائے آپ کے بارے میں یہ تھی:۔

جمع بین العلم[3] والفقہ والادب والنحو واللغۃ والزہد والشجاعۃ والشعر والفصاحۃ وقیام اللیل والعبادۃ والحج والغزو۔[4]

ابن سعدؒ آپ کو ثقہ، مامون، حجۃ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں[5]۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں:۔

"ابن المبارکؒ کے زمانہ میں آپ سے زیادہ جلیل القدر، بلند مرتبہ اور تمام عمدہ خصائل کا جامع ہمارے علم میں نہیں گزرا۔"

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ اس جلالت شان کے باوجود برملا فرماتے:۔

ہم امام ابو حنیفہؒ کے سامنے بیٹھتے تو اس طرح محسوس کرتے جیسے چڑیاں باز کے سامنے بیٹھی ہوں۔ حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں، ان کی امامت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ تمام

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۸۰ [2] ایضاً صفحہ ۲۵۰ [3] علم سے مراد اس دور میں علم حدیث لیا جاتا تھا [4] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۱
[5] تہذیب الاسماء جلد ۱ صفحہ ۲۸۶

مجتہدوں کے امام تھے۔ ان کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کی محبت بخشش کی امید کی جاتی ہے آپ مرو کے رہنے والے تھے بار بار بغداد آئے امام ابوحنیفہ سے کوفہ میں ہی پڑھا۔

③ امام وکیع بن الجراحؒ (م ۱۹۷ھ) الامام الحافظ محدث العراق

کوفہ کے جلیل القدر امام ابوسفیان الرواسی وکیع بن الجراحؒ نے ہشام بن عروہؒ، جعفر بن برقانؒ، اعمشؒ، سفیان الثوریؒ اور امام اوزاعیؒ سے حدیث سنی۔ آپ سے علی بن المدینیؒ، یحییٰ بن معینؒ اور امام احمدؒ نے روایت لی۔ آپ سفیان الثوریؒ کے علمی جانشین سمجھے جاتے تھے۔ آپ فقہ میں بھی بہت بالغ النظر تھے۔ ابراہیم بن شماسؒ کہتے ہیں: کان وکیع افقہ الناس۔ ابن عمار کہتے ہیں:

ما کان بالکوفۃ فی زمان وکیع افقہ ولا اعلم بالحدیث منہ۔[1]

ترجمہ: امام وکیع کے زمانے میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور بڑا محدث کوئی نہ تھا۔

آپ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔[2] اتنے بڑے امام کا حضرت امام کا مقلد ہونا پتہ دیتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب کس قدر حدیث کے قریب تھا۔ الجواہر المضیئہ میں صیمری سے نقل ہے کہ آپ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد بھی تھے۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں:

ما رأت عینی مثل وکیع قط یحفظ الحدیث ویذاکر الفقہ۔[3]

ترجمہ: میری آنکھوں نے وکیع کی طرح کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ حدیثیں یاد کیا کرتے اور فقہ کی بات چیت جاری رکھتے تھے۔

امام احمدؒ کو ان کی شاگردی پر بڑا ناز تھا۔ جب ان سے حدیث روایت کرتے تو فرماتے کہ یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تمہاری آنکھوں نے اس کی مثل نہ دیکھا ہوگا۔ یحییٰ بن اکثمؒ کہتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے اور ہر رات قرآن ختم کرتے۔

④ عبدالرحمٰن بن المہدیؒ (م ۱۹۸ھ)

محمد بن المدینیؒ کہتے ہیں: عبدالرحمٰن بن المہدیؒ کا علم حدیث جادو اثر تھا۔ اسماعیل قاضیؒ کہتے

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۸۲ [3] ایضاً صفحہ ۳۰۲

یہی آپ علم حدیث میں امام الناس تھے۔[1] آپ نے معاویہ بن صالح، شعبہ، سفیانؒ سے حدیث سنی۔ امام احمدؒ اور علی بن المدینیؒ اور اسحاق بن راہویہؒ آپ کے شاگرد تھے۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن حضرت وکیعؒ سے اثبت تھے۔

علی بن المدینیؒ کہتے ہیں۔ اگر میں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے مابین کھڑا ہوں تو حلف اٹھا سکتا ہوں کہ میں نے کسی کو عبدالرحمن کی مثل نہیں دیکھا۔ فقہاء سبعہ کے اقوال کو جاننے میں امام زہری اور امام مالک کے بعد عبدالرحمن ہی تو ہیں۔ آپ صرف محدث ہی نہیں بلند پایہ فقیہ بھی تھے۔ فتوے دینے کی پوری بصیرت رکھتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں :۔

کان عبدالرحمن فقیہاً بصیراً بالفتویٰ عظیم الشان۔[2]

اس واضح ہے کہ ان دنوں علم حدیث اور علم فقہ ساتھ ساتھ چلتے تھے اور کسی حلقہ علم میں یہ نہ کہا جاتا تھا کہ حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی کیا ضرورت ہے۔

⑤ حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ)

امام نسائیؒ کہتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے حدیث رسول کے امین تین حضرات ہی ہیں۔

۱۔ امام مالک، ۲۔ شعبہ، ۳۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ آپ نے ہشام بن عروہ، عطاء بن السائب، سلیمان التیمی، یحییٰ بن سعید الانصاری اور اعمش سے حدیث پڑھی۔ آپ سے حضرت عبدالرحمن بن المہدی، اور امام احمد نے روایات لیں۔ صحاح ستہ والوں نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ علی بن المدینی کہتے ہیں۔ ما رأیت احداً اعلم بالرجال منہ۔[3]

(ترجمہ) میں نے اسماء الرجال کا عالم ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔

رواۃ کی تحقیق میں اس قدر کمال تھا کہ بہت بڑے محدث کہتے جس کو یحییٰ چھوڑ دیں گے اس کو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔[4] فقہی مسلک میں حنفی تھے اور امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں :۔ کان یحییٰ القطان یفتی بقول ابی حنیفۃ۔[5]

یحییٰ بن سعید القطانؒ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔

---

[1] ایضاً [2] ایضاً ص۲۷۵ [3] فتح المغیث ص[illegible] [4] تذکرہ جلد ۱ ص۲۹۲

حافظ ذہبی نے آپ کو امام المسلمین سید الحفاظ کے لقب سے ذکر کیا ہے۔[1] فقہ میں اتنے
ماہر اور بالغ نظر تھے کہ جب کسی مسئلہ پر کلام کرتے تمام فقہاء احترام سے خاموش ہو جاتے۔ ابن عماد کہتے
ہیں: اذا تکلم انصت له الفقهاء۔[2] حدیث میں یہ مقام تھا کہ امام احمد کہا کرتے تھے:

یحیی القطان اثبت الناس وما کتبت عن احد مثله۔[3]

ترجمہ: یحیی بن سعید القطان حدیث میں سب سے زیادہ پختہ ہیں میں نے ان سے
بھی حدیث لکھی، ان جیسا کوئی نہ پایا۔

حدیث میں اتنے بڑے جلیل القدر امام کا حنفی المذہب ہونا اس بات کی قوی شہادت
ہے کہ حنفی فقہ حدیث کے بہت قریب ہے، ورنہ اتنے بڑے بڑے ائمہ فن امام کے قول پر فیصلے نہ دیتے۔

⑥ حضرت سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ)

ابن المدینی کہتے ہیں امام زہری (م ۱۲۴ھ) سے جس قدر لوگوں نے حدیث پڑھی، ان میں
سفیان بن عیینہؒ سے زیادہ متقن اور پختہ فہم کوئی نہ تھا۔ آپ نے عمرو بن دینارؒ، زہریؒ، اسود بن
قیسؒ، یزید بن مسلمؒ، عبداللہ بن دینارؒ، الاعمشؒ اور شعبہ سے حدیث سنی اور آپ سے عبدالرحمن
بن المہدیؒ، حضرت امام شافعیؒ، امام محمدؒ، امام یحیی بن معینؒ اور اسحق بن راہویہؒ نے روایات لیں۔ آپ
کبھی اپنے شیخ کا نام چھوڑ کر اوپر کے راوی سے بھی روایت کر دیتے۔ لیکن محدثین کہتے ہیں کہ آپ
کبھی غیر ثقہ شیخ کا نام چھوڑتے تو ثقہ ہی ہوتے تھے۔ عبدالرحمن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ آپ اہل حجاز کی روایات
کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اگر امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجاز
میں علم نہ رہتا۔[4] حافظ ذہبی انہیں الحافظ الامام شیخ الاسلام کہہ کر ذکر کرتے ہیں۔
آپ کو علم حدیث پر سب سے پہلے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے متوجہ کیا تھا۔[5]

⑦ حضرت امام یحیی بن معینؒ (۲۳۳ھ)

آپ نے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ، معتمر بن سلیمانؒ، یحیی بن ابی زائدہ وغیرہم من الائمہ

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ [2] ایضاً صفحہ ۲۹۰ [3] ایضاً [4] ایضاً صفحہ ۲۴۲ [5] الجواہر المضیۃ جلد ۱ صفحہ ... ابن خلکان

ملک بابے حدیث پڑھی اور آپ سے امام احمدؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام ابوزرعہؒ اور ابویعلیٰؒ نے روایات لیں۔ امام احمدؒ آپ کے ہمعصر تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین ہم میں سب سے زیادہ اسماء الرجال کے ماہر تھے۔ یحییٰ بن معین اعلمنا بالرجال۔[1] امام علی المدینی کہتے ہیں:۔

لا نعلم احداً من لدن آدم علیہ السلام کتب من الحدیث ما کتب یحییٰ بن معین۔[2]

ترجمہ: آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اتنی حدیثیں لکھی ہوں جتنی یحییٰ بن معین نے لکھیں۔

امام احمدؒ کا قول ہے کہ جس حدیث کو یحییٰ نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا میں نے سوچا آپ کو کسی صاحب علم کے سامنے حقیر نہیں پایا سوائے یحییٰ بن معین[3] کے۔ آپ فقہی جہت سے حنفی المذہب تھے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔[4]

۸ امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ)

زیادہ تر علم اپنے والد عبداللہ بن جعفر اور حماد بن [illegible] سے پایا۔ امام بخاری، امام ابویعلیٰ موصلی اور امام ابوداؤدؒ جیسے تلامذہ میں سے تھے۔ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ جیسے استاد بھی آپ کو اعلم الناس بحدیث رسول اللہ کہتے تھے۔ امام نسائی نے فرمایا انہیں علم حدیث میں یہ انہماک تھا گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا ہی اسی لیے کیا ہے۔

حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) — محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری حضرت امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی طرح فارسی النسل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین ثریا ستاروں سے بھی لٹک رہا ہو تو بعض ابنائے فارس اسے وہاں سے بھی پالیں گے۔[5] حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرح آپ بھی اس بشارت کا مصداق ہیں۔ آپ کے پردادا مغیرہ پہلے عام ابنائے فارس کی طرح مجوسی تھے۔ پھر آپ ہی نے میر بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا۔ آپ کو محض اسی نسبت سے جعفی کہا گیا ہے ورنہ آپ نسلاً جعفی نہ تھے۔ آپ کے والد اپنے زمانے کے مشہور محدث تھے۔ اور امام

---

[1] ایضاً جلد ۹ صفحہ [illegible] [2] ایضاً [3] الرسالۃ المستطرفہ صفحہ ۱۱۰ [4] مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۷
[5] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۲

مالک (۱۷۹ھ) اور امام عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) کے شاگرد تھے۔ امام بخاری ابھی صغیر السن تھے کہ والد وفات پا گئے۔ باپ کے ترکہ سے آپ کو کافی دولت ملی آپ نے اسے بیشتر اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔

بخارا سے سولہ سال کی عمر میں حج کے لیے نکلے۔ اٹھارہ سال کی عمر تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ پھر چار سال کے قریب مدینہ منورہ میں رہے۔ ان چھ سالوں میں آپ نے حجاز کی ساری علمی دولت پالی۔ پھر آپ نے طلب حدیث میں شام، مصر، بغداد، جزیرہ اور عراق کے سفر کیے۔ اور جہاں سے بھی آپ کو کوئی روایت مل سکی آپ نے اس کے حصول میں اپنی طرف سے کوتاہی نہیں کی۔ حافظ ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ آپ آٹھ دفعہ بغداد گئے۔[1] خود فرماتے ہیں:

ولا احصی کم دخلت الی الکوفۃ وبغداد مع المحدثین[2]

میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد گیا ہوں

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ ان دنوں علم و فضل کا گہوارہ تھا اور بڑے بڑے محدثین طلب حدیث میں ادھر آتے رہتے تھے کوفہ صحابہ کے وقت سے ہی مرکز اسلام بن چکا تھا۔ صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمان (۳۶ھ) فرماتے ہیں۔ الکوفۃ قبۃ الاسلام[3]

مشہور تابعی امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) لکھتے ہیں:

میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھ رہے تھے[4]

حضرت امام بخاری کا بار بار جانا کوفہ کی علمی عظمت پر ایک کھلی شہادت ہے

حضرت امام بخاری نے ایک ہزار سے زائد محدثین سے حدیث سنی[5] اور نوے ہزار کے قریب تلامذہ نے آپ سے براہ راست صحیح بخاری سنی۔ آپ کے اساتذہ میں ابوبکر عبداللہ الحمیدی (۲۱۹ھ) امام یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ)، امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ)، قتیبہ بن سعید (۲۴۰ھ) امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)، اسحاق بن راہویہ (۲۳۸ھ) سرفہرست ہیں۔ ثقات تابعین سے

---

[1] ارشاد الساری ص ۳۲ [2] مقدمہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۰۸ [3] مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۴۶۳ [4] تہذیب

روایت کرنے والوں میں سے آپ نے محمد بن عبداللہ انصاری (   ) ابو عاصم النبیل (ھ) سے براہ راست حدیث سنی معاصرین میں سے آپ نے محمد بن یحییٰ الذہلی اور ابو حاتم (ھ) سے روایات لیں۔ امام مسلمؒ آپ کے جلیل القدر معاصر تھے۔ انہوں نے بھی آپ سے حدیث سنی۔ حضرت امام مسلم نے آپ سے قسم کھا کر کہا:

اشہد انہ لیس فی الدنیا مثلک[1]

آپ جیسا محدث روئے زمین پر نہیں ہے میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں۔

امام ابو عیسیٰ الترمذی (۲۰۹ – ۲۷۹ھ) اور امام ابو عبدالرحمٰن النسائی (۲۱۵ – ۳۰۳ھ) حضرت امام بخاری کے تلامذہ میں سے تھے۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں آسمان کے نیچے کسی عالم کو امام بخاری سے بڑھ کر نہیں پایا۔[2] اپنے حافظہ کے اعتبار سے آپ آیۃ من آیات اللہ، اللہ کی قدرت کا ایک نشان تھے۔

ائمہ اربعہ سے روایت

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے کوئی روایت نہیں لی۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت امام بخاریؒ کو ان سے کوئی بغض اور تعصب تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ تو امام بخاری کے براہ راست استاد تھے اور علم حدیث میں فائق الاقران تھے۔ صحیح بخاری میں آپ نے ان سے بھی صرف دو روایتیں لی ہیں۔ ایک تعلیقاً اور دوسری ایک واسطہ سے ——— امام مالکؒ سے مروی صرف پانچ روایتیں صحیح بخاری میں ملتی ہیں ——— یہ صورت حال اس لئے نہیں کہ ائمہ اربعہ کے پاس حدیثی سرمایہ کم تھا۔ بلکہ اس لئے کہ آپ ان رواۃ حدیث کے علمی سرمایہ کو محفوظ کرنا چاہتے تھے جن کے فقہی مسلک نہ بنے تھے اور جن کا علم اسلامی دنیا میں متفرق طور پر پھیلا ہوا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ علم حدیث چند حلقوں میں محدود نہ سمجھا جائے۔ اس پر عالمی سطح پر یہ بیش حاصل نظر رہے اور ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ کا علم تو ان سے بہت پہلے اکناف عالم

[1] مقدمہ فتح الباری جلد دوم [2] تہذیب الاسماء واللغات جلد اول

میں پھیل چکا تھا۔

پھر ائمہ اربعہ کا اپنا اپنا طریق استخراج ہے اور حضرت امام بخاریؒ نے ابواب صحیح میں اپنے فہم اور غور سے حدیث سے استنباط کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ پہلے مجتہدین سے ذرا ہٹ کر چلے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان ائمہ کبار سے ذہناً دور تھے یا ان کے خلاف دل میں کوئی بوجھ رکھتے تھے۔

حضرت امام بخاریؒ کا مسلک

علمائے اہلحدیث کے ہاں امام بخاری شافعی المسلک ہیں[1] علامہ تاج الدین السبکی (۷۷۱ھ) نے بھی آپ کو طبقات شافعیہ میں ذکر کیا ہے[2]۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) بھی آپ کو امام شافعی کے قریب لکھتے ہیں[3] علامہ طاہر جزائری کی رائے میں آپ مجتہد تھے اور استنباط و استخراج میں آپ کی راہ الگ تھی۔ صحیح بخاری کے ابواب آپ کے فقہی نقطۂ نظر کے آئینہ دار ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ آپ بہت سے مسائل میں امام شافعیؒ کے تابع چلے۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ آپ نے شیخ عبداللہ الحمیدی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ الحمیدی شافعی المذہب تھے۔ تاہم ان مسائل کی بھی کمی نہیں جن میں آپ نے فقہ شافعی سے اختلاف کیا اور فقہ حنفی کو اختیار کیا۔ اس کا باعث آپ کے استاد اسحٰق بن راہویہ کو سمجھا جاتا ہے۔ محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنیؒ نے فیض الباری کی جلد چہارم کے آخر میں ان مسائل کی ایک فہرست دی ہے جن میں امام بخاری فقہ حنفی کے مطابق چلے ہیں۔

امام بخاریؒ کی مجتہدانہ بصیرت

یہ آپ کی مجتہدانہ بصیرت ہے کہ آپ نے صحیح بخاری کو صرف مرفوع احادیث

---

[1] ابجد العلوم صفحہ ۸۱۰ از نواب صدیق حسن خان صاحب [2] طبقات شافعیہ ص
[3] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۳

رآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال تک محدود نہیں رکھا، اس میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی لائے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے بغیر شریعت کی پوری ترجمانی نہ ہو سکتی تھی۔ ——— اور آپ کے دور تک یہ آواز کہیں سنائی نہ دی گئی تھی کہ ہمیں صرف حضورؐ کے اقوال و اعمال سے غرض ہے۔ صحابہ اور تابعین کے فیصلے اسلام میں کوئی وزن نہیں رکھتے۔ آپ نے اپنے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک کتاب قضایا الصحابۃ والتابعین بھی تالیف[1] کی۔ اس سے آپ کے ذہن و فکر اور آپ کی مجتہدانہ بصیرت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کس طرح پوری امت کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی مرویات پر جا بجا قرآنی آیات سے ابواب باندھے ہیں اور قرآن و حدیث کو یک جا پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ آپ کے نزدیک حدیث قرآن کے مقابل نہیں قرآن کے ذیل میں اس کی ایک عملی تفصیل ہے۔

حضرت امامؒ کی دیانت و امانت

آپ کے اجتہاد اور استنباط سے اختلاف ہو سکتا ہے ——— علماء مجتہدین کے آپس میں کتنے اختلافات ہیں۔ لیکن آپ کی دیانت و امانت سے اب تک کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ آپ نے اپنے فقہی موقف کو ثابت کرنے کے لیے صحیح بخاری میں کوئی کمزور روایت درج نہیں کی۔ صحیح بخاری آپ نے ایک خاص معیار روایت کے ساتھ ترتیب دی ہے۔ امام صاحب کو کسی خاص موضوع پر اگر اپنی شرائط کے مطابق روایت نہیں ملی تو آپ نے کسی کم درجہ کی روایت کو وہاں جگہ نہیں دی ہے بلکہ اس کی جگہ اجتہاد اور قیاس سے کام لے لیا ہے۔ حدیث کے باب میں آپ اپنے قائم کردہ معیار سے نیچے نہیں اترے۔

مسئلہ آمین بالجہر میں آپ کے پاس صحیح بخاری کی شرطوں کے مطابق کوئی روایت نہ تھی ——— آپ کے پاس کسی صحیح حدیث سے حضورؐ کا بلند آواز سے آمین کہنا مروی

[1] مقدمہ فتح الباری جلد ۲ ص ۴۹۱

نہ تھا۔ اسی طرح آپ کے پاس فاتحہ خلف الامام کی کوئی روایت جس میں امام کے پیچھے پڑھنے کی صراحت ساتھ کی گئی ہو، صحیح بخاری کی شرطوں کے مطابق آپ کے پاس موجود نہ تھی ——— آپ نے دونوں جگہ قیاس سے کام لیا اور نص کی بجائے استدلال سے اپنی بات کہی ہے۔ کہ آپ جس طرح سمجھ پائے اس اپنی سوچ کو آپ نے ترجمۃ الباب میں لکھ دیا۔ مگر متن میں وہی روایت لکھی جو ان کی صحیح بخاری کی شرطوں کے مطابق تھی۔ مگر اس میں اس موضوع کی صراحت نہ ہو۔

قیاساتِ حضرت امام بخاریؒ

مسئلہ آمین بالجہر میں دیکھئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا امن الامام فامنوا۔[1]

جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔

مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا پتہ کیسے چلے؟ امام کے بلند آواز آمین کہنے سے ——— اس حدیث میں امام کے بلند آواز سے آمین کہنے کی تصریح نہ تھی۔ آمین بالجہر کی دوسری حدیثیں صحیح بخاری کی شرائط صحت پہ پوری نہ اُترتی تھیں اور امام بخاری آمین بالجہر کے مسلک کے تھے۔ اب دیکھئے آپ باوجود شدتِ ضرورت کے صحیح بخاری میں کوئی حدیث نہیں لا سکے اور آمین بالجہر نص سے نہیں قیاس سے ثابت کرتے ہیں آپ کا استدلال یہ ہے کہ اگر امام باوازِ بلند آمین نہ کہے تو مقتدیوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ اس نے آمین کہی ہے یا نہ؟ اور وہ پھر کیسے اس کے ساتھ آمین کہہ سکیں گے۔

استدلال ہذا اسی صورت میں درست بیٹھتا ہے کہ مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کی اس کے آمین بالجہر کہنے کے بغیر کسی اور طریق سے اطلاع نہ ہو سکے ——— لیکن مقتدیوں کو اسی اطلاع کا اگر کوئی اور ذریعہ بھی ہو سکے تو یہ استدلال درست نہیں رہتا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۸

اب آپ نے اس قیاس کے مقابل ایک حدیث نبوی دیکھئے ۔۔۔ حضورؐ نے فرمایا :۔

اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین فان الملئکۃ تقول آمین وان الامام یقول آمین۔[1]

ترجمہ: جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ فرشتے بھی اس وقت آمین کہتے ہیں اور امام بھی اس وقت آمین کہہ رہا ہوتا ہے۔

اس حدیث نے امام کے آمین کہنے کی خبر دے دی اور مقتدی بھی بتلا دیا کہ امام کب آمین کہتا ہے۔ اب جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو مقتدی اس کے بعد آمین کہیں ——— امام بھی بجائے حدیث اس وقت آمین کہہ رہا ہوتا ہے ——— اور مقتدیوں کی آمین امام کی آمین سے متعلق ہو جاتی ہے ——— سو ضروری نہیں کہ مقتدیوں کو امام کے بلند آواز سے آمین کہنے کا اس کی بلند آواز سے ہی پتہ چلے۔

مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا اس خبر رسول سے پتہ چلا امام سے خود آمین سن کر نہیں ——— سو وہ سوال جاتا رہا کہ مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا کیسے پتہ چلے اور اس کی تائید اس دوسری حدیث سے بھی ہو گئی کہ حضورؐ نے مقتدیوں کی آمین کو غیر المغضوب علیہم سے متعلق کر دیا۔ سو اب اس میں امام کی آمین بالجہر کا کوئی اشارہ نہ رہا۔

مسئلہ فاتحہ خلف الامام

امام بخاریؒ امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھنے میں بھی حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر تھے۔ امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھنے کی صریح حدیثیں جو جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہیں سنداً صحیح نہ تھیں چہ جائیکہ صحیح بخاری کی شرطوں پر پوری اترتیں۔ امام بخاریؒ کو اپنے ترجمۃ الباب کی مطابقت کے لیے ان کی شدید ضرورت ہے۔ مگر حضرت امام کی امانت اور دیانت دیکھئے۔ وہ ان ضعیف حدیثوں کو صحیح بخاری میں نہیں لائے آپ حضرت عبادہ بن صامتؓ (م ۳۴ھ) کی صرف اتنی حدیث نقل کرتے ہیں

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ

جو سنداً صحیح ہے اور ان کی شرطوں کے مطابق ہے اور اس میں امام کے پیچھے ہونے کی کوئی تصریح نہیں۔ صحیح بخاری میں اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب۔[1]

اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

امام بخاری نے اس کے عموم سے استدلال کیا ہے اور مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنی لازم کی ہے۔ اس حدیث میں امام کے پیچھے ہونے کی صراحت نہ تھی اور عام کی دلالت کسی فرد پر صریح نہیں ہوتی۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں مقتدی اس عموم میں داخل ہے؟ امام بخاری کے اساتذہ امام احمد اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم امام اور منفرد کے لیے ہے مقتدی اس میں داخل نہیں۔ جامع ترمذی میں حضرت امام احمد (م ۲۴۱ھ) سے اس کے یہ معنی منقول ہیں۔

معنی قول النبی لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب اذا کان وحده۔[2]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی کا مطلب یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا ہو تو فاتحہ پڑھے بغیر اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) سے بھی یہی معنی مروی ہے کہ یہ حدیث منفرد کے لیے ہے مقتدی کے لیے نہیں۔ لمن یصلی وحده۔[3] یہ اس کے لیے ہے جو اکیلا ہو۔ اب آپ ہی کہیں لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب سے مقتدی پر فاتحہ لازم کرنا حضرت عبادہ کی یہ روایت کیا اس پر نص قطعی ہے؟ یا امام بخاری اسے محض اس کے عموم سے مقتدی پر لازم کر رہے ہیں اور اپنا اجتہاد کر رہے ہیں؟ ——— ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ نے یہاں اپنے مسلک کو نص سے نہیں محض استدلال سے پیش کیا ہے ——— کیا حضرت امام کے پاس مقتدی پر فاتحہ لازم کرنے کی کوئی صریح حدیث موجود تھی؟ یقیناً ہوگی لیکن چونکہ وہ سنداً صحیح نہ تھی اس لیے امام بخاریؒ نے اسے یہاں جگہ نہیں دی۔ آپ کی ثقاہت کی کھلی شہادت ہے کہ باوجود ضرورت کے آپ اس میں مزید روایات نہیں لائے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۴۲ [3] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۱۹

امام بخاریؒ کی دوسری تالیفات

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی دوسری تالیفات میں صحت کا وہ معیار قائم نہیں رکھا جو ہمیں صحیح بخاری میں ملتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی صحیح بخاری کی شرائط کو کوئی شرعی درجہ نہ دیتے تھے محض احتیاط کی ایک اختیار تھی۔ ورنہ آپ اس سے فروتر درجے کی روایات کا کہیں اعتبار نہ کرتے نہ ان کا ذکر کرتے۔

صحیح بخاری کا سلسلہ اسناد آپ تک متواتر پہنچا ہے۔ ہزاروں محدثین نے آپ سے بالمشافہ اس کتاب کو سنا اور آگے روایت کیا ہے۔ جو ان کتب میں سے ہے جو ہمیں مصنفین تک سند متواتر سے پہنچی ہیں۔ ذیل کچھ دو کتابیں بھی ہیں جو امام بخاری کی طرف منسوب ہیں لیکن ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ واقعی ان کی ہوں گی ——

ایک رسالہ جزء القرأۃ کے نام سے اور ایک جزء رفع الیدین پر آپ کے نام سے ملتا ہے حضرت امام بخاری سے صرف ایک شخص محمود، انہیں ذکر کرتا ہے اور اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون ہے ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ تعجب ہے کہ جس امام نے صحیح بخاری روایت کرنے والے ہزاروں افراد ہوں، اس سے ان دو رسالوں کو نقل کرنے والے دو شخص بھی نہ ملیں۔

امام صاحبؒ کی ثقاہت

حضرت امام ثقہ ہیں ور حفظ و ضبط اور دیانت و امانت کے کسی پہلو سے مجروح نہیں۔ مگر افسوس کہ آپ کے بعض معاصرین نے آپ پر بھی جرح کر دی۔ امام ابو حاتم رازی، ... ان کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ... —— نام سے لکھی ہے۔ امام خود اپنے کام کی خبر دے رہا ہے۔

ائمہ کبار کے حق میں اس قسم کی جرحوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ حضرت امام ابو حنیفہ پر جرح نہیں ہوئی؟ کیا ابن ابی ذئب نے حضرت امام مالک پر جرح نہیں کی؟ امام

کہی جاتی ہے کیونکہ حضرت امام بخاری ان سے اکثر بطریق مناولہ روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم ان سے مشافہۃً روایت لیتے ہیں۔ امام مسلم اس میں ان روایات کو لاتے ہیں جن پر اس وقت کے اکابر اہل علم اور شیوخ حدیث متفق ہوں۔ آپ نے صحیح مسلم لکھ کر امام الجرح والتعدیل امام ابوزرعہ کے سامنے پیش کی، جن روایات پر انہوں نے کہیں بھی انگلی رکھی آپ نے انہیں ترک فرما دیا۔

صحیح مسلم کی روایات حذف مکررات کے بعد چار ہزار کے قریب ہیں۔ آپ نے اس میں صرف مرفوع روایات نہیں لیں۔ صحابہ کے بہت سے آثار بھی ساتھ ساتھ روایت کیے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں علم حدیث صحابہ کی مرویات کے بغیر مکمل نہ سمجھا جاتا تھا۔ قرأت خلف الامام جیسے اہم موضوع پر آپ کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) کا اثر ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

عن عطاء بن يسار انه اخبره انه سأل زيد بن ثابت عن القراءة مع الامام فقال لا قراءة مع الامام في شيء ۔[1]

ترجمہ: عطاء بن یسار کہتے ہیں میں نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا امام کے ساتھ مقتدی قرآن پڑھے یا نہ؟ آپ نے فرمایا: امام کے ساتھ کسی حصہ قرأت میں مقتدی کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ امام قرأت شروع کرے تو تم چپ رہو — اذا قرأ فانصتوا دو صحابیوں سے مروی ہے۔ (۱) ابوموسیٰ اشعریؓ (۵۲ھ) (۲) حضرت ابوہریرہؓ (۵۸ھ)۔ آپ نے صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت جریر عن سلیمان عن قتادہ کی روایت سے لکھی لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نہ لکھی۔ آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا میرے نزدیک وہ بھی صحیح ہے۔ آپ سے کہا گیا آپ نے اسے اپنی صحیح میں کیوں روایت نہیں کیا، اس پر آپ نے فرمایا: اس کتاب صحیح مسلم میں میں نے ہر وہ روایت نہیں لکھی جو میرے نزدیک صحیح ہو۔ [illegible]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷۴

امام مسلمؒ کا فقہی مسلک

جماعت اہلحدیث کے نزدیک آپ شافعی المسلک تھے۔[۱] ہمارے اکابر کی تحقیق یہ ہے کہ آپ امام شافعی کے اس طرح مقلد ہیں جس طرح امام طحاوی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد تھے۔ یعنی محض مقلد نہیں کہیں کہیں اپنے امام سے قوت دلیل پر اختلاف بھی کر جاتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

وکان اهل الحديث قد ينسب الى احد المذاهب لكثرة موافقته[۲]

ترجمہ: اور محدثین اپنے مذہب کی زیادہ موافقت کے باعث کبھی کسی امام کی طرف بھی منسوب ہو جاتے تھے۔

سو ان حضرات کا مقلد ہونا صرف اسی معنی میں ہے۔ اس طرح نہیں جس طرح کہ ہم حنفی مقلد ہیں۔ گو نیت ہماری بھی یہ ہونی چاہئے کہ اگر کوئی صحیح اور صریح حدیث جس کے خلاف کوئی اور حدیث نہ پائی جائے، ہمیں مل جائے اور ہمارے امام کا فتوے اس کے خلاف ہو تو ہم قول امام چھوڑ دیں گے حدیث نبوی کو نہ چھوڑیں گے۔

امام ابو داؤدؒ ــــ سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۷۵ھ)

امام ابو داؤد برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں سے بہت قریب کی نسبت رکھتے ہیں۔ سیستان جو ہرات اور سندھ کے مابین ایک قصبہ ہے، وہاں کے رہنے والے تھے۔ عرب اسے سجستان پڑھتے ہیں اور اسی نسبت سے امام ابو داؤد کو سجستانی کہا جاتا ہے۔ آپ تحصیل علم کے لیے بغداد تشریف لے گئے۔ زندگی کا بیشتر حصہ وہیں گزارا۔ وہیں سنن ابی داؤد تالیف کی۔ پھر آخر میں بصرہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ طلب حدیث میں شام، عراق، خراسان اور الجزائر وغیرہ کے متعدد سفر کیے۔ سینکڑوں اساتذہ سے حدیث سنی۔ امام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ بہت سے اساتذہ میں شریک ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین

۱۔ الحطہ ص۹۹ نواب صدیق حسن خاں ۲۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص۱۵۲

بالالیہ طیالسی عبداللہ بن مسلمہ قعنبی ان کے بھی استاد تھے اور امام ترمذی اور امام نسائی ان کے بھی شاگرد تھے۔ یہ حدیث، امام احمد بن حنبل جیسے ابو داؤد سے بھی روایت کی ہے ۔۔۔ سے حدیث معتبرہ کہا جاتا ہے۔ امام ابو داؤد حسن پر ناز کرتے تھے اور ان کے استاد امام احمد نے ایک حدیث ان سے سنی ہے۔

وکیع (۱۹۷ھ) کہتے ہیں:

لا یصیر الرجل عالماً حتی یاخذ عمن هو فوقه وعمن هو دونه وعمن هو مثله۔[1]

ترجمہ: کوئی شخص حدیث کا عالم نہیں بن سکتا جب تک اپنے سے اوپر کے درجے کے علماء سے اور اپنے کم درجے کے علماء سے اور اپنے ہم رتبہ علماء سے سب سے اخذ علم نہ کرے۔

امام حاکم ان کے متعلق فرماتے ہیں:

امام اهل الحدیث[2] فی عصره بلا مدافعة

آپ بلاشبہ اپنے دور میں محدثین کے امام تھے

حافظ موسیٰ بن ہارون (۲۹۴ھ) کہتے ہیں:

امام ابوداؤد دنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ آپ نے سنن مکمل کر کے اپنے استاد امام احمد کے سامنے پیش کی آپ نے اسے پسند فرمایا۔

---

[1] مقدمہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ... امام وکیع کو علم حدیث پر امام ابو حنیفہ نے متوجہ کیا تھا۔

[2] اہل حدیث کا لفظ ان دنوں محدثین کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اس سے کوئی خاص فقہی مسلک مراد نہ لیا جاتا تھا یہ اہل سنت ہی تھے جو اس خاص فن حدیث میں آگے نکل گئے اور بیشتر حضرات یہ فقہ میں بھی ساتھ ساتھ ماہر ہوتے۔ امام نووی (۶۷۶ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں

هذا الحديث على ظاهره عند اهل الحديث والفقه والمتكلمين من اهل السنة خلافاً لما تاوّلته الباطنية (شرح صحیح مسلم جلد ... صفحہ ...) اس لفظ سے غیر مقلدین کا گروہ مراد نہیں یہ اصطلاح مزید بہت بعد کی ہے ہم انشاء اللہ العزیز اسے آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں اگر جب آپس میں ٹکرائی ہوئی ملیں تو فیصلہ اسی پر ہوگا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے کس روایت پر عمل کیا

ان حالات میں امام ابو داؤد امام ابو حنیفہؒ کے علم و فضل کے بڑے قائل تھے، آپ نے فرمایا رحمہ اللہ ابا حنیفۃ کان اماما[1] اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہؒ پر رحم فرمائے آپ واقعی امام تھے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب نے امام ابو داؤد کو شافعی المسلک لکھا ہے۔ مگر حافظ ابن تیمیہ انہیں حنبلی کہتے ہیں اور یہی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے ہے۔ سنن ابی داؤد کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حنبلی تھے۔ آپ نے مراسیل ابی داؤد کے نام سے ایک اور کتاب لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ شوافع مرسل کو حجت نہیں سمجھتے۔

سنن ابی داؤد کی کل روایات چار ہزار آٹھ سو کے قریب ہیں۔ ان میں ایک حدیث ثلاثی بھی ہے۔ صحیح بخاری میں کئی ثلاثیات ہیں۔

ابو داؤد کی روایات کا درجہ

جس حدیث کو امام ابو داؤد روایت کریں اور اس پر کوئی جرح ذکر نہ کریں تو وہ حدیث صالح للاستدلال شمار ہوگی محدثین کے ہاں ابو داؤد کا سکوت جرح نہ ہونے کا قرینہ رکھتا ہے۔ ما لم اذکر فیہ شیئاً فہو صالح[2] صحت کے اعتبار سے پھر اس کے کئی درجے ہو سکتے ہیں۔ اس میں صحیح اور حسن دونوں کا احتمال ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو[3] ابن جوزی نے سنن ابی داؤد کی نو احادیث کو موضوع کہا ہے۔ علامہ سیوطی نے ان میں سے چار کا جواب القول الحسن فی الذب عن السنن میں دیا ہے باقی پانچ کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے کہ ابن جوزی نقد روایات میں بہت متشدد ہیں۔ سو ان کی جرح حجت نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ سنن ابی داؤد موضوع احادیث سے

۱۔ الانتقاد ص ۔ ۲۔ تدریب الراوی ص۹۷ ۳۔ بذل المجہود جلد ۱ ص۶

۴۔ مرقات جلد ۱ ص۲۱

بالکل پاک[1] ہے۔ وہاں امام احمد قیاس پر ضعیف حدیث کو بھی ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ
امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ سوال یہ ہے اگر ضعیف روایات بھی ہیں تو ان پر تعجب نہ
ہونا چاہیے۔ مجتہد کو کبھی ان کی ضرورت بھی پڑ جاتی ہے۔[2] ہم یہ ہے کہ آپ نے کوئی
حدیث متروک الحدیث راوی سے نہیں لی۔

سنن ابی داؤد کے نسخے

سنن ابی داؤد کے کئی نسخے ہیں۔ مگر ان میں سے چار مشہور ہیں۔ ۱۔ روایت ابی بکر
محمد بن عبدالرزاق بن داسہ (م ۳۴۶ھ)۔ ۲۔ ابو علی محمد بن احمد بن عمرو لؤلؤی (م ۳۳۳ھ)
۳۔ اسحٰق بن موسیٰ بن سعید (حافظ ابو عیسیٰ) رملی (م ۳۲۰ھ)۔ ۴۔ حافظ ابوسعید احمد بن
محمد ابن الاعرابی (م ۳۴۰ھ)۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ)

امام محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی کی کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ ترمذ دریائے جیحون کے
ساحل پر واقع ہے۔ امام ترمذی کو حضرت امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام ابوداؤدؒ سے
شرف تلمذ ہے۔ جامع ترمذی میں آپ نے امام مسلم سے صرف ایک روایت لی ہے۔ امام
بخاری نے آپ سے آپ کے استاد ہونے کے باوجود دو روایتیں لی ہیں۔ امام ترمذی
نے باب مناقب علی اور کتاب التفسیر (سورۂ حشر) میں ان دونوں روایتوں کی نشاندہی
بایں الفاظ کی ہے۔ سمع منی محمد بن اسمٰعیل (یہ حدیث امام بخاری نے مجھ
سے لی ہے)۔ وکیع کہتے ہیں انسان کا علم کامل نہیں ہوتا اگر وہ اپنے سے کم مرتبہ اور
اپنے ہم مرتبہ علماء حدیث سے روایت لینے میں عار محسوس کرے (نقل بالمعنی) آپ
نے طلب علم میں چند اساتذہ پر اکتفا نہیں کی۔ طلب حدیث میں حجاز، مصر، شام، کوفہ، بصرہ
بغداد اور خراسان کے متعدد سفر کیے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں۔[3]

۱؎ الحطہ ص۱۱۱ ۲؎ اصول علل شعبان ورمضان (جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۸)

پہلو سے جامع ترمذی حدیث کی مفید ترین کتاب ہے۔

حدیث کی ثلاثی تقسیم (صحیح، حسن اور ضعیف) گو اپنی جگہ پہلے سے موجود تھی، مگر متون حدیث کے ساتھ اس کی نشاندہی حدیث کی کسی اور کتاب میں اس طرح نہیں ملتی جس طرح ہم اسے جامع ترمذی میں دیکھتے ہیں۔ امام ترمذی علم و فن کو موتیوں کی طرح پروتے چلے جاتے ہیں۔ امام ترمذی کے ہاں ضعیف احادیث بھی بہت ملتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ضعیف حدیثیں محدثین کے ہاں کلیۃً متروک یا مردود نہ سمجھی جاتی تھیں۔ نہ انہیں موضوع قرار دیا جاتا تھا۔ بلکہ ان کا بھی ایک علمی وزن ہوتا ہے جسے مجتہدین اور ماہرین فن ہی جانتے تھے۔

امام ترمذی ائمہ امصار کے مذاہب پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور مختلف ابواب میں ان مذاہب کا بھی تذکرہ کرتے جاتے ہیں۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ثقہ ہیں اور ان کی ثقاہت پر مجمع علیہ ہے۔ علامہ ابن حزم (۴۵۶ھ) نے انہیں مجہول لکھا ہے یہ صحیح نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ابن حزم کی جامع ترمذی اور ان کی کسی کتاب تک رسائی ہی نہ ہوئی تھی اور وہ انہیں جانتے نہ تھے۔ اسی طرح ملا علی قاری سے بھی ایک تسامح ہوا ہے انہوں نے امام ترمذی کی ایک روایت کو ثنائی (جو دو واسطوں سے حضورؐ تک پہنچے) تسلیم کیا ہے[1]۔ حالانکہ ان کے شیوخ امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد کے ہاں جو سب سے بڑی عالی سند ہے، وہ ثلاثیات کی ہے۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ)

احمد بن علی ابوعبدالرحمن النسائی بھی اکابر قادرین میں سے ہیں۔ خراسان میں مرو کے قریب نسا ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ نساء نون کی زبر سے ہے۔ نون کی زیر سے لفظ نسوہ (عورتیں) بنتا ہے۔ نادان امام ابوعبدالرحمن نسائی کو نِسائی پڑھتے ہیں

[1] دیکھئے مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳

یہ غلط ہے۔ نسائی ہمزہ کے مد اور قصر دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔

امام نسائی ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ خراسان ان دنوں علم و فن کا مرکز تھا۔ امام نسائی تحصیل علم میں خراسان سے فارغ ہوئے تو پھر دوسرے مراکز علمی کی طرف رخ کیا۔ محدثین نے طلب حدیث میں بڑے بڑے سفر کئے ہیں۔ امام نسائی نے طلب حدیث میں حجاز، عراق، مصر، شام اور جزیرہ کے سفر کئے۔ پندرہ سال کی عمر میں وقت کے جلیل القدر محدث قتیبہ بن سعید (م ۲۴۰ھ) کے پاس پہنچے اور ایک سال سے کچھ زیادہ وہاں قیام پذیر رہے جن اساتذہ کی روایتیں آپ خراسان میں بالواسطہ پہنچے تھے ایسے بہت سے بزرگوں سے بالمشافہ بھی حدیث سنی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

رحل الى الآفاق واشتغل بسماع الحديث والاجتماع بالائمة الحذاق و[1]
سمع من خلائق لا يحصون[2]

دنیا کے کناروں تک سفر کیے۔ حدیث سننے اور ماہرین فن سے
مجلسیں کرنے میں عمر بھر مصروف رہے۔ اتنے بزرگوں سے حدیث
سنی کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

مصر کو اپنا مرکز بنایا[3] اور وفات سے تقریباً ایک سال پہلے شام (دمشق) چلے آئے[4] وفات سے چند دن پہلے آپ مکہ مکرمہ چلے گئے۔

امام اسحٰق بن راہویہ، محمد بن بشار، قتیبہ بن سعید، امام ابو داؤد، ابو حاتم رازی، امام ابو زرعہ اور حضرت امام بخاری آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

امام ابو بکر بن احمد بن السنی (۳۶۴ھ) محمد بن قاسم الاندلسی (۳۲۸ھ) حافظ ابو بشر الدولابی (۳۱۰ھ) اور حافظ ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) اور علی بن جعفر الطحاوی (۳۵۱ھ) آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ سے سنن نسائی امام طحاوی کے بیٹے علی بن جعفر طحاوی نے روایت کی ہے۔

امام نسائی حدیث میں ثقہ، ثبت اور حافظ تھے۔ طرق روایت، جرح و تعدیل اور

---

۱ البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۱۲۳ ۲ تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۷ ۳ شذرات الذہب جلد ۲ ص ۲۴۱ ۴ تہذیب التہذیب ص ۳۷

در معرفت علل حدیث میں سب سے زیادہ ممتاز تھے، وہ علم حدیث میں اپنے وقت کے امام تھے۔ کان امام عصرہ فی الحدیث۔[1]

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں کہ آپ علل حدیث اور رجال حدیث کی معرفت میں امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابو داؤد سے بھی آگے نکلے ہوئے تھے اور اس بارے میں امام ابو زرعہ اور امام بخاری کی صف کے آدمی تھے۔ یہ بات صرف شخصیات کے بارے میں ہے۔ جہاں تک ان کی تالیفات کا تعلق ہے صحیح مسلم اور ابو داؤد فنی اعتبار سے سنن نسائی پر فائق ہیں۔

امام نسائی کا مسلک

حضرت امام اپنی عمر کے آخری حصے میں دمشق چلے گئے تھے آپ نے خصائص علی کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمایا۔ آپ پر شیعیت کا الزام لگا۔ ہمیں افسوس ہے کہ جنہوں نے کتاب اس پر یہ الزام لگا دیا ہے شاید یہ بے خبر رہ گئے۔ امام نسائی پر شیعیت کا الزام بالکل غلط ہے۔ سنن نسائی کے باب امامۃ اہل العلم والفضل کا مطالعہ کریں۔ وہاں آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ ملیں گے۔

الستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امر ابا بکر
ان یصلی بالناس فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابا بکر قالوا نعوذ باللہ
ان نتقدم ابا بکر۔[2]

ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو مرض وفات میں لوگوں کی امامت پر مامور فرمایا۔ سو اب تم میں سے کون چاہتا ہے کہ ابو بکر سے آگے بڑھے۔ سب نے کہا ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں کہ ابو بکر سے آگے بڑھنے کی جسارت کریں۔

کیا شیعہ علماء بھی اس قسم کی روایات اپنی کتابوں میں لا سکتے ہیں؟ حضرت امام جب

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۲۸ [2] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۹۱

دمشق میں آئے ان دنوں وہاں خارجیت کا بہت چرچا تھا۔ حضرت امام نے مذہب اہلسنت کے تحفظ کے لیے حضرت علیؓ کے فضائل پر خصائص علی کے نام سے ایک کتاب لکھی خارجیوں نے اس کتاب کے حوالے سے آپ پر تشیع کا الزام لگایا فقہی اعتبار سے آپ شافعی المذہب تھے۔ سنن نسائی کے کتاب الحج سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جماعت اہلحدیث کے نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی آپ کو شافعی قرار دیا ہے[1]۔ البتہ مولانا انور شاہ کشمیری نے آپ کو حنبلی لکھا ہے[2] اور سنن نسائی کے باب وقت الجمعہ سے اسکی شہادت ملتی ہے۔ امام احمد کے نزدیک نماز جمعہ زوال آفتاب سے پہلے بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں امام نسائی نے وہی موقف کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ مگر امام نسائی یہاں قرآن کریم کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (پ ۹ الاعراف آخر) کا باب باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ واذا قرأ فانصتوا[3] (جب امام پڑھنا شروع کرے تو تم چپ ہو جاؤ) یعنی امام کے پیچھے قرآن پڑھنا نہیں چپ رہنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات شافعی مسلک کے مطابق نہیں۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ محدثین کرام اپنے مسلک میں ہرگز تنگ نظر نہ تھے انہوں نے ہر مسلک اور ہر قسم کی روایات اپنی کتابوں میں پیش کی ہیں۔ امام نسائی کا مسلک حنبلی مذہب کے موافق رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کا ہے۔ اسی طرح وہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کے قائل تھے۔ مگر ان کی انصاف پسند طبیعت دیکھیے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی سند سے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (راوی حدیث) کی یہ روایت لاتے ہیں کہ کیا میں تمہیں حضورؐ کے طریقے کے مطابق نماز پڑھاؤں آپ نے نماز پڑھائی اور شروع نماز میں رفع یدین کیا پھر کہیں نہ کیا[4]۔

محدثین اہلسنت کی انصاف پسندی اور وسعت نظری کی داد دیجیے کہ اپنے مسلک سے قطع نظر کر کے شاذ روایتوں کو بھی اپنی کتابوں میں جگہ دیتے ہیں لیکن یہ روش

---

[1] بستان المحدثین ص۲۲۱ [2] ابجد العلوم ص۱۱۵ [3] سنن نسائی جلد ۱ ص۱۴۶ [4] ایضاً ص۱۶۱

[5] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۱۰، ۱۲۰۔

ہیں۔ یہ تراجم امام نسائی کی فقہی نظر کے آئینہ دار ہیں۔ امام نسائی کے تراجم بعض مقامات پر متن سے متعلق نہیں سند سے متعلق بھی ہوتے ہیں اور یہ بات صحیح بخاری کے تراجم میں نہیں۔ اس پہلو سے سنن نسائی ایک بے مثال کتاب ہے۔

امام ابن ماجہ قزوینی (٢٧٣ھ)

ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ ایران کے شہر قزوین میں ٢٠٩ھ میں پیدا ہوئے طلب حدیث میں بصرہ، کوفہ اور بغداد، مکہ، مدینہ اور شام کے سفر کیے۔ خراسان بھی گئے اور وہاں کے علماء سے حدیث سنی۔ امام مالک اور امام لیث مصری کے تلامذہ سے استفادہ کیا۔[1] حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں آپ کی کتاب سنن کے موضوع پر نہایت عمدہ کتاب ہے۔

کتابہ فی السنن جامع جید۔ تہذیب التہذیب جلد ٩ ص ٥٣١

ابن ماجہ نے سنن میں کوشش کی ہے کہ زیادہ تر وہ حدیثیں لائیں جو پہلی پانچ مشہور کتابوں میں نہیں ملتیں، وہ ضعاف بھی ہوں تو دوسری صحیح اور حسن احادیث کو سمجھنے میں ان سے بہت مدد ملتی ہے۔ آپ کہیں کہیں علاقوں کی نسبت سے بھی سند کی نشاندہی کرتے ہیں جس کی مثال پہلی کتابوں میں نہیں ملتی۔ مثلاً حدیث کل مسکر حرام کی ایک سند کے متعلق لکھتے ہیں۔ هذا حديث المصريين، یہ مصر والوں کی سند ہے اور دوسری سند کے بارے میں فرماتے ہیں۔ هذا حديث العراقيين۔[2] عراقی اسے اس سند سے نقل کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثی احادیث ہیں جو عالی سند کے اعتبار سے اس کتاب کا ایک بڑا امتیاز ہیں۔ یہ پانچوں روایات ایک ہی سند سے مروی ہیں۔ سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں صرف ایک ایک روایت ثلاثی ہے اور علیحدہ علیحدہ سند سے ہے صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ایک بھی ثلاثی حدیث نہیں۔ البتہ صحیح بخاری میں بائیس ثلاثی

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۲۲ [2] سنن ابن ماجہ ص

روایات موجود ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ثلاثیات کی جو سند ہے اس میں کثیر بن سلیم راوی پر محدثین نے جرح کی ہے۔ امام دارمی (۲۵۵ھ) کی مسند میں ثلاثیات دیگر سب کتابوں سے زیادہ ہیں۔

سنن ابن ماجہ کا صحاح ستہ میں شمار

علماء حدیث میں اختلاف رہا ہے کہ صحاح ستہ میں چھٹی کتاب کون سی ہے۔ ابن صلاح (۶۴۳ھ) اور امام نووی (۶۷۶ھ) نے پانچ کتابوں کو مرکزی حیثیت میں دکھایا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی (۵۰۷ھ) اطراف الکتب الستہ اور شروط الائمہ میں اور حافظ عبدالغنی مقدسی (۶۰۰ھ) اپنی تالیفات میں سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کر چکے تھے۔ خطیب تبریزی (۷۴۲ھ) نے بھی الاکمال فی اسماء الرجال میں سنن ابن ماجہ کے ساتھ چھ کتابوں کے رجال کو جمع کیا ہے۔

اختلاف کرنے والے حضرات

مشہور محدث رزین (۵۲۰ھ) نے کتاب التجرید میں جن چھ کتابوں کی تجرید کی ہے ان میں چھٹی کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ) نے بھی جامع الاصول میں چھٹی کتاب مؤطا ہی رکھی ہے۔ امام ابوسعید العلائی (۷۶۱ھ) مسند دارمی کو چھٹی کتاب کا درجہ دینا چاہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) بھی مسند دارمی کو بھی چھٹی کتاب کے طور پر شامل کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسند امام احمد کو چھٹے نمبر پر رکھنا چاہتے ہیں۔

اختلاف کرنے والوں کا اختلاف چنداں مؤثر نہیں ہے اور جمہور اہل علم نے سنن ابن ماجہ کو ہی صحاح ستہ میں جگہ دی ہے۔ ابن خلکان (۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

کتابہ فی الحدیث احد الصحاح الستة۔

ترجمہ: آپ کی کتاب سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں سے ایک ہے۔

سنن ابن ماجہ کی بائیس حدیثیں ایسی مکرر ہیں کہ ان پر وضع کا حکم بھی لگ سکتا ہے ایک ہزار کے قریب روایات پر جرح ہو سکتی ہے۔ تاہم اس کے علو مرتبہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:

کلہا جیاد سوی الیسیرۃ[1] اس کی سب حدیثیں ماسوائے چند کے جید ہیں

سنن ابن ماجہ میں بتیس بڑے ابواب ہیں جنہیں کتاب کہتے ہیں جیسے کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج اور پندرہ سو ماتحت ابواب ہیں۔ کل حدیثیں چار ہزار کے قریب ہیں

درجات: صحاح ستہ کی احادیث میں صحت کے لحاظ سے فرق ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صحت کا معیار نہایت بلند ہے اور سنن اربعہ پر صحاح کا اطلاق تغلیباً ہے۔ ان میں حسان اور ضعاف بھی ہیں اور مجموعی لحاظ سے ان چھ کتب پر صحاح ستہ کا اطلاق درست ہے۔

اب ہم کچھ ان ائمہ حدیث کا ذکر کرتے ہیں جو گو ائمہ صحاح میں سے نہیں۔ لیکن فن کی معرفت اور خدمت میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں گو ان کے درجات دو نسبت سے ہیں۔ لیکن امام فن ہونے کے لحاظ سے یہ حضرات بھی کچھ پیچھے نہیں

۱۔ امام سعید بن منصور (۲۲۷ھ) صاحب السنن

الامام الحافظ ابو عثمان المروزی سعید بن منصور ثقہ محدث ہیں۔ آپ نے امام مالک، لیث بن سعد، ابو عوانہ جیسے اکابر سے حدیث سنی۔ آپ سے امام احمد بن حنبل، مسلم بن الحجاج اور امام ابو داؤد نے روایت لی۔ سعید بن منصور کی سنن بہت معروف ہیں۔ خدا کرے یہ چھپ جائے اس کی اشاعت علم میں ایک باب کا اضافہ ہوگا۔

۲۔ ابوبکر بن ابی شیبہ (۲۳۵ھ)

ثقہ ہیں۔ آپ عبداللہ بن مبارک، شریک بن عبداللہ القاضی، سفیان بن عیینہ، علی بن مسہر، عباد بن العوام، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن سعید القطان، اسماعیل بن عیاش، اسماعیل بن علیہ جیسے محدثین کے شاگرد تھے۔ ان سے امام بخاری، امام مسلم،

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص

امام ابوداؤد، امام نسائی اور ابن ماجہ اور دوسرے کئی محدثین نے حدیث روایت کی ہے۔ ترمذی میں ان سے کوئی روایت نہیں۔ ان کی کتاب کا نام مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ ہے۔ مصنف ایک خاص طرز کی کتاب کہتے ہیں جیسے مصنف عبدالرزاق (۲۱۱ھ) اس نوع کی کتاب معروف تھی۔ یہ عبدالرزاق بن ہمام محدث ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں

۳۔ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی (۲۵۵ھ)

سمرقند کے قبیلہ دارم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یزید بن ہارون، نضر بن شمیل اور دوسرے کئی ائمہ کبار سے حدیث سنی۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد اور حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: خراسان میں چار شخص حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ۱۔ امام ابوزرعہ ۲۔ امام بخاری ۳۔ امام دارمی۔ ۴۔ حسن بن شجاع البلخی ——— امام نسائی نے بھی سنن صغریٰ کے باہر آپ سے روایت کی ہے ——— امام بخاری کو آپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو صدمہ سے سر جھکا لیا اور بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اس سال اور بھی کئی محدث راہی ملک بقا ہوئے۔ نیشاپور میں محدث عبدالرحمٰن، واسط میں محمد بن حرب النسائی، دمشق میں موسیٰ بن عامر نے انتقال فرمایا۔

مسند دارمی سنن کے طرز کی کتاب ہے مسند کی ترتیب پر نہیں۔ ہندوستان میں ۱۲۹۳ھ میں مطبع نظامی کانپور میں چھپی تھی۔ اب مصر میں بارہا شائع ہو چکی ہے۔ حافظ ابو سعید خلیل العلائی (۷۶۱ھ) اسے سنن ابن ماجہ کی جگہ صحاح ستہ میں جگہ دیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) سے بھی اس کی تائید منقول ہے۔ مسند دارمی میں ساڑھے تین ہزار کے قریب احادیث ہیں اور اس دور کی دیگر کتابوں کی نسبت سے اس میں ثلاثیات زیادہ ہیں۔ یہ صرف مرفوع روایات پر مشتمل نہیں۔ صحابہؓ کی روایات بھی اس میں کافی ہیں۔ باب کراہیۃ اخذ الرائے کی ایک روایت ملاحظہ ہو۔

مسجد میں کچھ لوگ دائرہ بنائے بیٹھے بعد نماز ذکر کر رہے تھے وہاں تسبیحات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی آ نکلے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

تم کس قدر جلدی تباہ ہونے لگے۔ ابھی تو تمہارے سامنے بہت سے صحابہؓ زندہ موجود ہیں۔ ابھی تو حضورؐ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور آپ کے استعمال کے برتن بھی نہیں ٹوٹے ۔۔۔ کیا تم ایسے دین پر آگئے ہو جو حضورؐ کے دین سے زیادہ ہدایت والا ہے یا گمراہی کا راستہ کھول رہے ہو۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین اس دور میں صرف مرفوع احادیث ہی کو نہیں چنتے تھے صحابہؓ کو ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی وہ کڑی حدیث سنت کا درجہ بھی جاتی تھی جس پر صحابہؓ کا عمل موجود ہو اور آگے آنے والے مسلمان اس طریق کار کو ما انا علیہ و اصحابی کی راہ کہہ سکیں۔

۴۔ ابن ابی الدنیا (۲۸۱ھ)

بغداد کے رہنے والے تھے۔ وہیں تعلیم شروع کی۔ بغداد میں اس وقت ممتاز محدث ابوبکر عبداللہ بن محمد تھے۔ ان سے حدیث سنی۔ ابن ابی حاتم نے آپ کو ثقہ کہا ہے خلیفہ المعتضد عباسی کے اتالیق بھی رہے۔ شارحین حدیث نے آپ کی روایات کے جا بجا حوالے دیئے ہیں۔

۵۔ حافظ ابوبکر البزار (۲۹۲ھ)

حافظ احمد بن عمرو البزار البصری جلیل القدر حافظ حدیث ہیں۔ دارقطنی نے آپ کو ثقہ کہا ہے ۔۔۔ البزار نے عبدالاعلیٰ بن حماد، حسن بن علی بن راشد، محمد بن یحییٰ بن فیاض اور ان کے اقران سے حدیث کا سماع کیا۔ اجلہ محدثین نے آپ سے حدیث سنی ہے۔

۶۔ حافظ ابو یعلیٰ الموصلی (۳۰۷ھ)

امام احمد بن علی الموصلی الحافظ حضرت امام ابو یوسفؒ کے شاگرد حافظ بشر بن الولید کے شاگرد تھے اور حنفی المذہب تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

قال ابو علی: کان حافظا ولم یشتغل ابو یعلی بکتب ابی یوسف علی بشر بن الولید الا بعد ان بالبصرة ایام الوداع البیا شیوخ۔[2]

---

[1] مسند دارمی جلد ۱ صفحہ ۳۶ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۹

ترجمہ۔ اگر ابو یحییٰ بشر بن الولید کے ہاں امام ابو یوسف کی کتابوں میں مشغول
نہ رہتے تو امام ابو داؤد طیالسی کو بصرہ میں پالیتے۔[2]

ابو یعلیٰ یحییٰ بن معین کے بھی شاگرد تھے اور یحییٰ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔ آپ کے شاگرد ابو علی نیشاپوری آپ کے حفظ و ضبط کے بڑے مداح تھے۔ ابن حبان نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔ سمعانی کہتے ہیں مسند ابی یعلیٰ ایک سمندر ہے جس میں سب چیزیں ملتی ہیں۔ مسند ابی یعلیٰ عام ملتی ہے۔ حدیث کی بہت اہم اور مفید کتاب ہے۔

۷۔ ابن جارود نیشاپوری (۳۰۷ھ)

ابن جارود ابو محمد عبداللہ بن علی النیشاپوری مکہ میں مقیم رہے۔ ذہبی لکھتے ہیں: الحافظ الامام المتقن۔[1] کتاب المنتقی فی الاحکام آپ کی تالیف ہے۔ آپ نے ابو سعید بن الاشج، علی بن خشرم، یعقوب بن ابراہیم الدورقی، عبداللہ بن ہاشم الطوسی اور زعفرانی سے حدیث سنی۔ ان سے محمد بن نافع مکی، یحییٰ بن منصور اور طبرانی نے حدیث روایت کی ہے۔

۸۔ حافظ ابو بشر الدولابی (۳۱۰ھ)

محمد بن احمد ابو بشر الدولابی حافظ حدیث ہیں۔ محمد بن ابو بشر الرازی، ہارون بن سعید اور علی بن عامر الدمشقی، زیاد بن ایوب کے شاگرد تھے۔ طلب حدیث میں حجاز، عراق، مصر اور شام کے سفر کیے۔ طبرانی، ابن حبان البستی اور ابو بکر المقری آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ دارقطنی کہتے ہیں بعض محدثین نے ان کی ثقاہت میں کلام کیا ہے۔ مگر ان میں بجز خیر اور بھلائی چیز ثابت نہیں ہوئی

۹۔ حافظ ابو بکر بن خزیمہ (۳۱۱ھ)

محمد بن اسحٰق ابو بکر بن خزیمہ خراسان کے رہنے والے تھے۔ محمد بن حمید اور اسحٰق

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۲ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۸۹

بن راہویہ کے شاگرد تھے۔ دارقطنی کہتے ہیں نہایت پختہ کار اور بے نظیر عالم تھے
ذہبی لکھتے ہیں:

انتہت الیہ الامامۃ والحفظ فی عصرہ بخراسان۔[1]

ترجمہ: خراسان میں امامت اور حدیث کا حفظ آپ کے عہد میں آپ پر ختم تھا۔

نوٹ: صحیح ابن خزیمہ کی چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔

۱۰۔ حافظ ابو عوانہ الاسفرائنی النیشاپوری (۳۱۶ھ)

یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ابو عوانہ، محدث شہیر محمد بن یحییٰ ذہلی، علی بن شکاب، یونس بن عبدالاعلیٰ اور امام مزنی کے شاگرد تھے۔ آپ سے حافظ احمد بن علی الرازی، ابو علی نیشاپوری، ابن عدی، طبرانی اور اسمٰعیلی نے حدیث سنی۔ ذہبی لکھتے ہیں: ثقہ جلیل۔[2] آپ نے صحیح مسلم پر استخراج کرتے ہوئے المسند الصحیح لکھی جو مسند ابی عوانہ کے نام سے مشہور ہے۔ صحیح مسلم کی احادیث پر اس میں مزید سندیں ملتی ہیں۔ اس کی دو جلدیں حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہیں

۱۱۔ امام ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ)

یمن کے قبیلہ ازد میں سے ہیں۔ مصر پر اسلام کا پرچم لہرایا تو ان کے آباء یمن سے مصر آگئے۔ طحا مصر میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ آپ کے بزرگ اس گاؤں کے قریب ایک بستی میں آباد ہوئے تھے۔ امام شافعی کے شاگرد تھے۔ امام مزنی آپ کے ماموں اور استاد بھی تھے۔ امام طحاوی سنن شافعی کے راوی، مزنی کے واسطے سے ہیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں علماء بعض اوقات سنن شافعی کو سنن طحاوی بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ امام طحاوی کی تالیف ہو کر بھی اس کی روایات امام شافعی کی ہیں۔

کرنے کے بعد مصر کی زمین علم و فضل کا بڑا مرکز سمجھی جاتی تھی۔ یمن سو کے قریب

۱؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۳ ۲؎ ایضاً جلد ۳

صحابہؓ یہاں آکر مقیم ہوئے۔ عمرو بن الحارث، یحییٰ بن ایوب، حیوۃ بن شریحؒ اور لیث بن سعد جیسے محدثین اس سرزمین سے اٹھے۔ یہاں سے لے کر ابن وہب، ابن قاسم امام شافعی، امام ابراہیم مزنی اور امام طحاوی تک علم حدیث کا یہاں بہت چرچا رہا۔ امام طحاوی نے دیکھا کہ امام مزنی امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی کتابوں کا بہت مطالعہ کرتے ہیں۔ آپ اس سے بہت متاثر ہوئے، اور آپ نے محسوس کیا کہ فقہ حنفی میں ایسی گہرائی ہے کہ اپنے مسلک کے لوگ تو درکنار دوسرے مذاہب کے ائمہ کبار بھی اس سے مستغنی نہیں۔ اس کے بعد آپ شافعی مسلک چھوڑ کر حنفی مذہب پر آگئے۔ مصر میں فکری انقلاب کا یہ ایک نیا رُخ تھا۔

امام طحاوی کے اساتذہ میں مصر کے مرکزی عالم یونس بن عبدالاعلیٰ (م ۲۶۴ھ) بہت شہرت رکھتے ہیں۔ آپ نے ہارون بن سعید، عیسیٰ بن مثرود، بحر بن نصر اور دوسرے کئی اکابر سے حدیث سنی۔ ۲۶۸ھ میں شام گئے اور وہاں کے محدثین سے استفادہ کیا ایک سال بعد پھر مصر آگئے۔ آپ کے شیوخ میں مصری بھی، شامی کوفی بصری، حجازی اور خراسانی ہر علاقے کے علماء شامل ہیں۔ آپ امام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ ان کے بہت سے اساتذہ میں شریک ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں شیخ احمد بن قاسم الخشاب، امام طبرانی، احمد بن عبدالوارث زجاج، قاضی صمیہ اور عبدالعزیز بن محمد جوہری خاص طور پر معروف ہیں۔ آپ کا سال وفات امام محمد مصطفیٰ کی تاریخ سے نکلتا ہے۔ جس سال آپ فوت ہوئے اسی سال ہرات میں ابو علی احمد بن محمد، اصفہان میں ابو علی الحسن، بغداد میں ابو عثمان سعید بن محمد اور مصر میں آپ کے شیخ ابو جعفر احمد بن عبدالوارث زجاجی ملک بقا ہوئے

امام طحاوی کا علمی مقام

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

وکان ثقۃ ثبتا فقیہا عاقلا لم یخلف مثلہ[1]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص

آپ ثقہ ہیں، فقیہ ہیں، حافظ ہیں، اپنے پیچھے انہوں نے اپنے جیسا کوئی نہیں چھوڑا۔[1]

کسے معلوم نہیں کہ کوفہ امام سفیان ثوری، حضرت امام ابو حنیفہ، امام وکیع بن جراح، امام ابو یوسف، سفیان بن عیینہ جیسے جبال علم کے باعث علم و فضل کا بڑا مرکز تھا۔ امام طحاوی مصر کے علمی مراکز میں ایک مرکزی شخصیت ہوتے ہوئے محدثین کوفہ کے سیر و اخبار اور ان کے فقہ و اجتہاد پر بھی نہایت جامع نظر رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر حافظ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

كان الطحاوي من اعلم الناس بسير الكوفيين و اخبارهم و فقههم مع مشاركته في جميع المذاهب۔[2]

ترجمہ: آپ علماء کوفہ کے سیر و اخبار (وہاں کی احادیث) اور ان کی فقہ کے جامع ترین عالموں میں سے تھے اور یہی حال آپ کا جمیع مذاہب کے بارے میں تھا۔

ابن عماد حنبلی بھی امام طحاوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

الثقة الثبت برع في الحديث والفقه۔[3]

ترجمہ: آپ ثقہ ہیں ضبط میں پختہ ہیں۔ حدیث اور فقہ میں براعت (انتہائی کمال) پائے ہوئے ہیں۔

ابن جوزی کے تشدد سے کون آگاہ نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

كان ثبتا فهما فقيها عاقلا۔[4]

ترجمہ: قوی الضبط محدث ذہین فقیہ اور سمجھدار عالم تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی راویوں کی جرح و تعدیل میں کہیں کہیں امام طحاوی کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جرح و تعدیل کے بھی امام تھے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۲۱ [2] لسان المیزان جلد ۱ صفحہ ۲۷۵ [3] شذرات الذہب ص [4] المنتظم جلد ۶ صفحہ ۲۵۰

آپ نے علامہ کرابیسی کے رد میں "نقض المدلسین" اور ابو عبیدہ کی کتاب النسب کے رد میں الرد علی ابی عبید جیسی شاندار تالیفات سے اس باب میں اپنا سکہ منوایا۔ ابن تغری آپ کو امام الاعلام اور شیخ الاسلام کا خطاب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقہ و حدیث، احکام اور عربیت اور نحو میں نظیر نہ رکھتے تھے۔[1]

امام طحاوی پر اعتراضات

بعض علماء نے حدیث رد الشمس روایت کرنے پر آپ پر سخت تنقید کی ہے۔ اس قسم کے مسائل پر اس قسم کا اختلاف تعجب خیز نہیں۔ کیا حافظ ابو الفتح ازدی، ابن جوزی اور عراقی نے بھی اس حدیث کو حسن نہیں کہا؟ تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر یہاں تو مسلمہ بن قاسم اندلسی کا اعتراض بڑے اہتمام سے ذکر کرتے ہیں، لیکن اسی مسلمہ نے جب اسی قسم کا ایک اعتراض امام بخاری پر کیا تو حافظ صاحب اسی مسلمہ کو مجہول قرار دیتے ہیں۔[2]

امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) نے امام طحاوی پر جو اعتراضات کیے ہیں شیخ عبد القادر قرشی نے الحاوی میں ان کے جوابات دیئے ہیں۔ قاضی القضاۃ علامہ علاء الدین الماردینی نے الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی میں امام بیہقی کے اعتراضات کو ناقابل التفات قرار دیا ہے۔

آپ کی کتاب شرح معانی الآثار دورۂ حدیث میں پڑھائی جاتی ہے اور اپنے فن اور انداز میں نظیر نہیں رکھتی۔ اسے پڑھانا ہر استاد کے بس میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اس کے اہل استاد میسر نہ ہوں وہاں اسے نہیں پڑھاتے۔ علامہ عینی (م ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ پر اس کی ترجیح اس قدر واضح ہے کہ اس میں کوئی نادان ہی شک کر سکے گا۔[3] علامہ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) اسے سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے درجہ پر رکھتے ہیں۔[4] حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے

---

[1] النجوم الزاہرہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ [2] تہذیب التہذیب جلد صفحہ [3] الحاوی فی تخریج معانی الآثار للطحاوی صفحہ ۳ للحافظ عبد القادر القرشی [4] مقدمہ تحقیق الحمیدی مرتبہ امام محمد [illegible]

ہیں۔ میرے نزدیک شرح معانی الآثار سنن ابی داؤد کے قریب ہے۔ اس کے بعد جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے[1]۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد حافظ سخاوی نے جن کتب حدیث کو خصوصی طور پر قابل مطالعہ قرار دیا ہے ان میں شرح معانی الآثار بھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اتحاف المہرہ میں جن دس کتابوں کے اطراف جمع کیے ان میں طحاوی شریف بھی ہے۔

علامہ میر اتقانی فرماتے ہیں:۔

فانظر شرح معانی الآثار ھل تری لہ نظیرا فی سائر المذاھب فضلا عن مذھبنا ھذا[2]

ترجمہ: امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کو دیکھو اپنے مسلک کی بات نہیں کیا دوسرے تمام مذاہب میں تم اس کی نظیر پیش کر سکتے ہو؟

علامہ عینی جیسے جلیل القدر محدث نے برسوں طحاوی شریف کا درس دیا اور اس کی ایک ضخیم شرح بھی لکھی ہے[3] جو پچھلی تمام شروح کا سرمایہ ہے۔

امام طحاوی کی دیگر تالیفات

۱۔ مشکل الآثار۔ حیدرآباد دکن سے اس کی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق پوری کتاب ابھی کہیں شائع نہیں۔ قاضی ابن رشد نے اس کا ایک اختصار لکھا ہے علامہ عینی کے استاد قاضی جمال الدین یوسف بن موسیٰ نے اس اختصار کا ایک اختصار المعتصر من المختصر کے نام سے کیا ہے۔ اس میں کئی ایسی احادیث ملتی ہیں جو مشکل الآثار کی مطبوعہ چار جلدوں میں

---

[1] فیض الباری جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] [illegible]

[3] مبانی الاخبار شرح معانی الآثار چھ جلدوں میں ہے۔ علامہ عینی نے رجال طحاوی پر مغانی الاخیار فی رجال معانی الآثار علیحدہ کتاب لکھی ہے۔ اس کی ایک تلخیص معانی الاخیار کے نام سے بھی کی ہے جس کی تلخیص کشف الاستار کے نام سے دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔

تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب اگر پوری طبع ہو تو کم از کم آٹھ جلدوں میں طبع ہوگی۔ امام طحاوی کی ان کے علاوہ دیگر تالیفات بھی ہیں۔

۱۔ اختلاف العلماء ۲۔ احکام القرآن ۳۔ کتاب الشروط الکبیر ۴۔ النوادر الفقہیہ
۵۔ اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ[1] ۶۔ شرح جامع صغیر امام محمد ۷۔ اختلاف الروایات علی الکوفیین
۸۔ شرح جامع کبیر امام محمد ۹۔ کتاب صحیح الآثار ۱۰۔ التسویہ ۱۱۔ کتاب الفرائض ۱۲۔ التاریخ الکبیر
۱۳۔ کتاب الوصایا ۱۴۔ کتاب المحاضر والسجلات۔

یہ سب کتابیں اگر شائع ہو جائیں تو ان سے حدیث و فقہ کی تحقیقات میں کئی نئے ابواب کا اضافہ ہوگا۔ آپ کی تالیفات صرف حدیث سے متعلق نہیں فقہ میں بھی آپ طبقہ ثالثہ کے مجتہدین میں سے ہیں۔ آپ نے نہایت مفید اور عمیق فقہی ذخیرہ چھوڑا ہے جن میں مختصر الطحاوی ایک نہایت جیب اور وجیز متن ہے۔ مختصر الطحاوی نہایت بلند پایہ فقہی متن ہے جو حیدرآباد سے شائع ہوا اور برصغیر پاک و ہند میں متداول ہے۔

عقائد میں آپ نے محدثین کے مسلک پر ایک رسالہ تالیف کیا جو متکلمین کی آمیزش سے مبرا اور سلف کے عین مطابق ہے۔ سعودی عرب میں یہی ایک کتاب عقائد ہے جو پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ ابن ابی العز حنفی نے اس کی مفصل شرح لکھی ہے۔ جو مکہ مکرمہ سے چھپ کر آب و تاب سے شائع ہوئی۔ شیخ البانی نے اس پر تحقیقاتی کام کیا ہے۔

۱۲۔ ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی علی الجرجانی (م ۳۵ھ)

انہوں نے صحیح بخاری کی شروط پر ایک نہایت بلند پایہ کتاب تالیف کی۔ افسوس کہ وہ کتاب عام مروج نہ ہو سکی، ورنہ علوم میں مقام پاتی۔ خطیب تبریزی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

الامام الحافظ حجة في الفقه والحديث ورئاسة الدين والدنيا۔[2]

ترجمہ۔ حدیث کے امام و حافظ ہیں۔ فقہ و حدیث کے جامع ہیں اور دین اور دنیا میں بڑے لوگوں میں سے ہیں۔

---

[1] یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ [2] الاکمال ص ۴۲

حافظ ابویعلیٰ موصلی، حافظ ابن خزیمہ، محمد بن یحییٰ المروزی، اور فریابی سے حدیث سنی حاکم ان کے شاگرد تھے۔ فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ شیخ المحدثین والفقہاء انہیں کہا جاتا تھا۔[1] دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے بڑے تھے۔

۱۲۔ حافظ ابن حبان البستی (۳۵۴ھ)

حافظ محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم تمیمی البستی۔ حسین بن ادریس الہروی، امام نسائی، حافظ ابویعلیٰ، حافظ ابوبکر ابن خزیمہ اور جعفر بن احمد دمشقی کے شاگرد تھے۔ امام حاکم کے شیخ تھے۔ فقہ، لغت اور حدیث کے جامع تھے۔ کان من فقہاء الدین وحفاظ الآثار۔[2] آپ فقہی نظر کے مالک تھے اور حدیث کے بڑے حافظ تھے۔

۱۳۔ امام طبرانی (۳۶۰ھ)

سلیمان بن ایوب ابوالقاسم الطبرانی (۲۶۰ھ) میں شام کے قصبہ عکا میں پیدا ہوئے آپ امام طحاوی کے نامور شاگرد تھے اور ان کی طرح کثیر التصنیف بھی تھے۔ حدیث میں آپ کے تین معجم، معجم صغیر، معجم اوسط، معجم کبیر کے ناموں سے مشہور ہیں —— حافظ ابن مندہ نے آپ کی کتابوں میں کتاب المناسک، کتاب عشرۃ النساء، کتاب الفوائد اور دلائل النبوت کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ نے طلب علم میں حجاز، عراق، کوفہ، بصرہ، بغداد، یمن، شام، مصر اور اصفہان کے سفر کیے اور بڑی مشقتیں جھیلیں۔ ابوالعباس احمد بن منصور کہتے ہیں میں نے طبرانی سے تین لاکھ حدیثیں سنی ہیں۔ اس سے ان کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۳۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حافظ ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ طبرانی طبریہ کی طرف منسوب ہیں طبرستان کی طرف نہیں۔ مشہور مورخ ابن جریر طبری طبرستان سے نسبت رکھتے ہیں۔

۱۵۔ امام احمد السنی (۳۶۴ھ)

حافظ ابوبکر احمد بن اسحٰق بن محمد سنی امام نسائی کے شاگرد ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب

---

[1] تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۔۔ [2] ایضاً ص ۔۔

عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی کی تالیف ہے۔ ۱۳۵۸ھ میں حیدر آباد سے شائع ہوئی۔ حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ الحافظ امام النسوی۔ آپ سنن نسائی کے راوی ہیں۔ احمد بن عبد نصر اصبہانی ان کے شاگرد تھے۔

۱۶۔ الحافظ ابو الشیخ بن حیان الانصاری الاصبہانی (۳۶۹ھ)

حافظ ابو یعلیٰ الموصلی (۳۰۷ھ) کے شاگرد تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں کان حافظاً ثبتاً متقناً۔[1] علم بہت وسیع اور حافظہ کے بہت پختہ تھے۔ نہایت نیک اور باخدا بزرگ تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں:

کان مع سعة علمه وغزارة حفظه صالحاً خيّراً قانتاً لله صدوقاً۔[2]

ترجمہ: وسعت علم اور کثرت حفظ کے ساتھ بہت نیک صالح، عابد اور راست گو تھے۔

۱۷۔ ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی (۳۸۵ھ)

بغداد کے محلہ دارقطن کے رہنے والے تھے۔ خطیب تبریزی لکھتے ہیں:

کان فرید عصره وقریع دهره ونسیج وحده وامام وقته انتهی الیه علم الحدیث والمعرفة بعلله واسماء الرجال ومعرفة الرواة مع الصدق والامانة والثقة والعدالة۔[3]

ترجمہ: اپنے عہد کے بے مثال محدث تھے زمانے کا مرجع اور امام وقت تھے۔ علم حدیث اس کی معرفت علل اسماء الرجال اور راویوں کو ان کے صدق و امانت اور اعتماد و عدالت سے پہچاننا ان پر ختم تھا۔

معرفت علل میں اس درجہ پر تھے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتابوں پر تعقبات کیے گو اکثر مقامات پر ان کی پکڑ بے جا تھی اور علمائے صحیحین کی طرف سے ان کے شافی وافی جواب دیئے۔ تاہم ان کی اس جرأت سے ان کے علم و عظمت کی ایک جھلک ضرور سامنے آتی ہے۔ امام ابو حنیفہ پر بھی اس نے علم میں جرح کی لیکن ائمہ الجرح والتعدیل

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ [2] ایضاً ص [3] ایضاً ص [4] اکمال ص

امام یحییٰ بن معین کی توثیق کے سامنے ان کی کیا شنوائی ہو سکتی تھی۔ آپ شافعی المسلک تھے اور آپ کی اس جرح میں بلاشبہ ان کے تشدد کو دخل تھا۔

اسمٰعیل صفار، ابو سعید اصطخری اور دیگر اساتذۂ فن سے حدیث سنی۔ طلب حدیث میں کوفہ، شام، واسط اور مصر کے کئی سفر کیے۔ ابو عبد اللہ الحاکم (۴۰۵ھ)، ابو محمد عبد الغنی ([illegible]ھ)، حافظ ابو نعیم صاحب حلیہ (۴۳۰ھ)، ابو بکر محمد البرقانی (۴۲۵ھ) اور قاضی ابو الطیب الطبری ([illegible]ھ) ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ آپ کی طبیعت میں تیزی اور تشدد تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ علل حدیث اور معرفت رجال میں اپنے وقت کے مقتدا تھے۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) کو آپ کے اس تفوق کا پورا اعتراف ہے۔

آپ اپنے مقام کے مناسب حدیث کی کوئی جامع کتاب نہ لکھ سکے۔ سنن دارقطنی بیشک ایک مجموعہ حدیث ہے اور اس میں کئی ایسی حدیثیں ملتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں لیکن افسوس کہ آپ اس میں رجال اور اسانید کا کوئی معیار قائم نہ رکھ سکے اور موضوع روایات تک کو اس میں جگہ دے دی۔ شارح بخاری علامہ عینی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وروی فی سننہ روایات سقیمۃ ومعلولۃ ومنکرۃ وغریبۃ وموضوعۃ[1]

ترجمہ: اس نے سنن میں سقیم، معلول، منکر، غریب اور موضوع روایات تک روایت کر دی ہیں۔

سنن دارقطنی کو کسی جہت سے صحیح دارقطنی نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں سوائے مرزا غلام احمد قادیانی کے کسی نے اسے صحیح دارقطنی نہیں لکھا۔ مرزا غلام احمد ایک مقام پر لکھتا ہے:

یہ حدیث اگر قابل اعتبار نہیں تھی تو دارقطنی نے اپنی صحیح میں کیوں اس کو درج کیا۔ حالانکہ وہ اس درجہ کا آدمی ہے کہ وہ صحیح بخاری پر بھی تعاقب کرتا ہے[2]

۱۸۔ ابن عدی صاحب کتاب الکامل وکتاب الضعفاء (۳۶۵ھ)

کان حافظا متقنا لم یکن فی زمانہ احد مثلہ[3]

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۲۵ [2] تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۱ مطبوعہ ۱۹۰۲ء۔ اس میں رمضان میں کسوف وخسوف کی ضعیف روایت نقل کی گئی ہے۔ [3] تذکرہ جلد ۳ صفحہ [illegible]

محمد بن ابی سوید، امام نسائی اور ابو یعلیٰ سے حدیث سنی ان سے ابو العباس بن عقدہ نے۔

۱۹۔ الخطابی (۳۸۸ھ)

حافظ ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی صاحب معالم السنن شرح ابی داؤد و غریب الحدیث

۲۰۔ امام ابو عبداللہ الحاکم (۴۰۵ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم، صاحب مستدرک حاکم نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ نیشاپور ان دنوں علم و فضل کا مرکز تھا۔ امام مسلم (صاحب صحیح) بھی اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔ حاکم نے نیشاپور میں ایک ہزار کے قریب اساتذہ سے استفادہ کیا۔ طلب حدیث میں خراسان، ماوراء النہر اور دیگر کئی علاقوں کے سفر کئے اور دو ہزار کے قریب شیوخ سے حدیث سنی۔ آپ کے تلامذہ میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) ابو القاسم القشیری (۴۶۵ھ) اور ابو ذر ہروی (ھ) جیسے نامور تھے۔ صحیح بخاری جن حضرات سے آگے چلی۔ ان میں یہ ابو ذر ہروی بھی ہیں جو امام حاکم کے شاگرد تھے۔

ان پر تشیع کا الزام بھی لگا لیکن ان دنوں اس لفظ سے روافض مراد نہ لئے جاتے تھے۔ نہ یہ لوگ حضور کے بعد کسی آسمانی سلسلہ امامت کے قائل تھے۔ علامہ تاج الدین السبکی نے طبقات شافعیہ میں اس الزام کی پر زور تردید کی ہے۔ خطیب بغدادی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ مگر انہوں نے بھی ان پر شیعیت کی جرح کی۔

مستدرک حاکم کی کئی روایات ان کی شیعیت کی تردید کرتی ہیں۔ روافض کی بناء آسمانی عقیدہ امامت، عقیدہ تحریف قرآن اور انکار خلافت خلفاء ثلاثہ پر ہے اور ظاہر ہے کہ حاکم ان عقائد سے بالکل پاک تھے۔ جو شخص اہلبیت اور ذریت طیبہ کی محبت میں ذرا زیادتی کر لے ان دنوں اسے بھی شیعہ کہہ دیتے تھے۔ حاکم کی بات بھی کچھ اس سے بڑھ کر نہیں۔

حاکم کی کتاب چار ضخیم جلدوں میں حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ حاکم تصحیح میں متساہل ہیں۔ علماء اس کا اعتبار نہیں کرتے۔ اس کے ذیل میں علامہ ذہبی کی تلخیص المستدرک

ہے۔ اس کی تنقید کے بغیر مستدرک کی کسی روایت کو علی شرط الشیخین دیکھنا چاہیئے۔

امام حاکم بہت بڑے مصنف تھے۔ ابن خلکان نے ان کی تالیفات ڈیڑھ ہزار کے قریب بتائی ہیں۔ علم تفسیر میں ان کی کتاب الاکلیل اپنے فن کی بہت معرکۃ الآراء کتاب ہے۔

۲۰۔ حافظ ابو نعیم اصبہانی (۴۳۰ھ)

ابو الشیخ اصبہانی (۳۶۹ھ) کے بعد اصبہان سرزمین سے اٹھنے والے یہ دوسرے عظیم محدث ہیں۔ خطیب تبریزی ان کے ذکر میں لکھتے ہیں:

ھو من مشائخ الحدیث الثقات المعمول بحدیثھم المرجوع الی قولھم کبیر القدر ولد سنۃ ۳۳۴ھ[1]

ترجمہ: حدیث کے ان ثقہ مشائخ میں سے ہیں جن کی روایت معمول بہ اور جن کا قول لائق قبول رہا ہے۔ آپ بڑے درجے کے محدث تھے ۳۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔

علامہ نور الدین الہیثمی (صاحب مجمع الزوائد) نے آپ کی کتاب حلیۃ الاولیاء کو ابواب پر مرتب کیا ہے اور یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

۲۱۔ ابن حزم الاندلسی (۴۵۶ھ)

ابو محمد علی بن احمد بن حزم فارسی الاصل تھے۔ آباء و اجداد سپین جا بسے تھے۔ ابن حزم ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ پہلے شافعی المذہب تھے۔ پھر داؤد ظاہری کا مسلک اختیار کیا اور قیاس کا سرے سے انکار کیا۔

حدیث پر بڑی گہری نظر تھی۔ مگر فقہ کے انکار سے ان سے کما حقہ استفادہ کرنے کے دروازے خود اپنے آپ پر بند کر چکے تھے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ ان کے علم سے ایک عالم مستفید ہوا۔ امام غزالی نے بھی ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ علوم عربیت پر علماء تیزی کو دیکھیے بھی بڑی دسترس ہوتی ہے اور یہ تو اس باب میں سبق الغایات تھے۔

---

[1] الاکمال ص۶۳۲ مع المشکوٰۃ

ان کی کتابوں میں کتاب الاحکام، المحلی اور کتاب الفصل فی الملل والنحل عام طور پر
مشہور ہیں۔ شیخ عزالدین کہتے ہیں جتنا علم میں نے محلی ابن حزم اور مغنی ابن قدامہ میں دیکھا ہے
اتنا کسی اور اسلامی کتاب میں نہیں دیکھا۔ تعجب ہے کہ امام ترمذی (۲۷۹ھ) کو آپ نے
مجہول لکھا ہے۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ جامع ترمذی وغیرہ کتب دیکھ ہی نہ پائے تھے
محلی مطبع منیر مصر نے ۱۳۴۷ھ میں ۱۱ ضخیم جلدوں میں شائع کی۔

۴۴۔ امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (۴۵۸ھ)

خطیب تبریزی اکمال میں لکھتے ہیں:-

کان اوحد دھرہ فی الحدیث والتصانیف ومعرفۃ الفقہ وھو من
کبار اصحاب الحاکم ابی عبد اللہ[1]

ترجمہ: آپ حدیث میں یکتائے روزگار تھے۔ فن تالیف اور معرفت فقہ
میں نظیر نہ رکھتے تھے اور امام حاکم کے بڑے شاگردوں میں سے ایک تھے

آپ نے ابوطاہر، ابوعلی رودباری اور ابو عبدالرحمٰن سلمی سے بھی استفادہ کیا اور
طلب حدیث میں کوفہ، بغداد، خراسان، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر کئی ممالک کے سفر
کیے۔ شافعی المسلک تھے اور فقہ شافعی کی حمایت میں بہت تیز تھے۔ امام الحرمین کہتے ہیں:-

ہر شافعی مذہب والے پر امام شافعی کا احسان ہے۔ لیکن بیہقی ہیں جن کا
خود امام شافعی پر احسان ہے کیونکہ ان کی فقہ کو اس طرح مضبوط اور مدلل
کرکے مدون کرنا اسی کا سہرا ان کے سر ہے۔[2]

آپ نے ابن فورک متکلم سے بھی استفادہ کیا ہے۔ کتاب الاسماء والصفات میں اس
کی جھلک ملتی ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے استوا علی العرش کے مسئلہ میں امام بیہقی سے
استناد کیا تھا۔ مگر ان کے دوسرے معاصرین نے اسے مذہب محدثین سے خروج قرار دیا حالانکہ
امام بیہقی بالاتفاق ایک جلیل القدر محدث ہیں۔

---

[1] الاکمال صفحہ ۶۲۲ مع مشکوٰۃ [2] ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰۴ مختصراً

امام بیہقی کا مسلک اہلسنت میں تصلب

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دربار میں ایک علامہ ابوالنصر منصور بن محمد الکندری وزارت کے منصب پر آگیا تھا جس نے معتزلہ کی حمایت میں بہت کوششیں کیں اور دو مسئلوں کو اپنا محور بنایا۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر قبر میں جماد محض ہے اور وفات کے بعد اب آپ رسول نہیں رہے۔ رسول کی وفات سے رسالت ختم ہو جاتی ہے۔

۲۔ وفات کے بعد روح و بدن کی کلی مفارقت ہے اور برزخ کے تمام معاملات روح پر گزرتے ہیں، جسم عنصری سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ــــ یہاں تک جھوٹ بولا گیا کہ امام ابوالحسن اشعری بھی انہی عقائد پر تھے۔ دیکھ کہ ہم بھی اہلسنت میں ان سے خارج نہیں ہیں۔

امام بیہقی (۴۵۸ھ) اور امام ابوالقاسم قشیری (۴۶۵ھ) نے بڑی قوت سے ان بدعتیوں کا مقابلہ کیا۔ علامہ قشیری نے شکایۃ اہل السنۃ بما نالہم من المحنۃ لکھی اور امام بیہقی نے رسالہ حیات الانبیاء لکھ کر معتزلہ اور کرامیہ پر حجت تمام کی۔

حافظ ابن عساکر (۵۷۱ھ) نے تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام الاشعری لکھ کر کرامیہ اور معتزلہ کی تردید کی ہے اور انہیں کذاب اور مفتری قرار دیا ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں:

فان قيل فمن اين وقعت هذه المسئلة ان لم يكن لها اصل قيل ان بعض ــــ
الكرامية ملأ الله تعالى قبره نارا وظن ان الله قد فعل ، المنبر
بعض اصحابنا ....الخ

ترجمہ اگر پوچھا جائے کہ یہ مسئلہ اگر اس کی کوئی اصل نہ تھی کہاں سے آ گیا تو کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے خدا ان کی قبر کو آگ سے بھرے اور اپنا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا ہے۔ ہمارے بعض بزرگوں کو الزام دیا کہ ان کے عقیدہ میں حضور اپنی قبر میں نبی اور رسول نہیں ہیں....الخ

یہ مسئلہ کہ برزخ کے سارے معاملات صرف روح پر گزرتے ہیں بدن پر نہیں

حیات الانبیاء تحریر فرمائی۔ اس میں محض حدیث کی روایت آپ کے پیش نظر نہ تھی نہ اس میں
آپ کا موضوع راویوں کی جرح و تعدیل ہے۔ اس کتاب کا مقصد محض مذہب اہل سنت کی
نشاندہی تھی اور وہ آپ نے کر دی۔ جو روایات آپ نے اس کتاب میں جمع کی ہیں آپ نے
ان کے تمام طرق اور شواہد یہاں جمع نہیں کئے اور نہ یہ ان کا یہاں موضوع تھا۔ اس مسئلہ
میں محدثین کس عقیدہ پر رہے ان کے پیش نظر محض اس کا بیان تھا۔ سو اس کتاب کو اسی
پس منظر میں پڑھنا چاہئے کہ یہ معتزلہ کرامیہ کے رد میں لکھا گیا تھا اور اس کا مقصد محض مذہب
اہل سنت کا اظہار تھا۔ ورنہ ان روایات کے دوسرے طرق جو اور کتابوں میں ملتے ہیں ان
روایات کی پوری توثیق کرتے ہیں۔ امام بیہقی کا یہ رسالہ حیات الانبیاء روایات کی صحت و
ضعف کا بحث نہیں۔ یہ مذہب اہل سنت اور کرامیہ کے باہمی تصادم کا بیان ہے اور یہ
بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

نوٹ: جس طرح جامع ترمذی امام ابن حزم کے مطالعہ سے نہ گزر سکی اسی طرح امام
بیہقی سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ تک رسائی نہ پا سکے تھے۔

سنن کبریٰ بیہقی کے بعد معرفۃ السنن والآثار آپ کی اہم کتاب ہے۔ آپ کی
کتابیں شعب الایمان اور دلائل النبوت بھی بار ہا چھپ چکی ہیں۔ کتاب الاسراء، کتاب البعث
اور دعوات الکبیر ہماری نظر سے نہیں گزریں۔ کتاب الاسماء والصفات اسماء الٰہیہ اور مسئلہ
صفات میں ایسی بلند پایہ تالیف ہے کہ سابقین میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جس طرح امام بخاری
نے خلق افعال العباد اور الرد علی الجہمیہ عقائد کی اصلاح کے لیے لکھیں، امام مسلم نے کتاب الایمان
لکھی۔ امام طحاوی نے عقیدۃ الطحاوی لکھی، امام بیہقی نے بھی اپنے وقت میں عقائد اہل سنت کے
گرد حفاظت کا پہرہ دیا اور محدثین اس باب میں کبھی غافل نہیں رہے

نوٹ: کتاب الاسماء والصفات میں آپ اگر کہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم یا کسی محدث
کا حوالہ دیتے ہیں تو اس سے ان کے الفاظ کی پابندی اور ان روایات کی قید کی تخریج آپ کے
پیش نظر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح امام ترمذی کسی روایت کو نقل کرنے
کے بعد وفی الباب عن فلاں عن فلاں کہہ دیں۔ حالانکہ روایات کے الفاظ اپنے اپنے ہوتے

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بیہقی مسندین (اپنی سند سے روایت لانے والوں) میں سے
ہیں، مخرجین (تخریج کرنے والوں) میں سے نہیں۔ صاحب مشکوٰۃ، صاحب بلوغ المرام،
صاحب آثار السنن، صاحب مجمع الزوائد، صاحب اعلاء السنن یہ مخرجین میں سے ہیں۔ انہیں
الفاظ کی کمی بیشی یا روایت بالمعنی کا حق نہیں پہنچتا ـــــ امام ترمذی ہوں یا امام بیہقی
ان کے اس قسم کے حوالوں سے جن میں الفاظ کی پابندی نہ ہو طلبہ کو شک میں نہ پڑنا چاہیئے
مسندین کا مقام اور ہے اور مخرجین کا اور ـــــ آج بھی کئی لوگ غلط حوالے دے دیتے
ہیں اور پھر امام بیہقی سے اس کا جواز ڈھونڈتے ہیں۔

۴۳۔ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ)

جامع بیان العلم، الاستیعاب اور تجرید التمہید آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ اہم ترین
تالیف کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ہے جو حال میں شائع ہوئی ہے۔ اس
کی بیس جلدیں ہیں۔ مراکش کے محکمہ شئون اسلامی نے اسے شائع کیا ہے۔ ابن عبدالبر بیشتر
روایات اپنی سند سے لاتے ہیں۔ جامع بیان العلم سے ایک عالم فیضیاب ہے۔

آپ نے خلف بن قاسم، عبدالوارث بن سفیان، عبداللہ بن محمد بن عبدالمؤمن، ابوعثمان سعید
بن نصر اندلسی، ابوالفضل احمد بن قاسم البزاز، ابوعمر احمد بن محمد الطلمنکی اور ابو عمر احمد الجسوری
سے حدیث سنی۔ آپ سے ابو عبداللہ الحمیدی، ابو علی غسانی، ابوالحسن طاہر بن مفوز بن محمد المعافری
اور ابو بحر سفیان بن ابی العاص نے حدیث روایت کی۔

۴۴۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)

شام اور عراق کے محدث ہیں۔ بغداد کے بعد شام اور پھر اصفہان گئے۔ حافظ ابونعیم سے
بھی سماع کیا۔ معرفت حدیث، حفظ، ضبط اور علل و اسانید کے ماہر تھے۔ سمعانی کہتے ہیں میں نے
خطیب کے سولہ شاگردوں سے حدیث پڑھی ہے۔ شرف اصحاب الحدیث، الکفایہ فی علوم الروایۃ،
الجامع اور تاریخ بغداد آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ تاریخ میں یا طلب دنیا میں لگے رہتے ہیں۔

چھٹی صدی میں تالیف حدیث نئے دور میں

اسلام کی پہلی پانچ صدیوں کے محدث مسندین تھے۔ ان ادوار میں مسندوں کی جرح و تعدیل اور سندوں کے اتصال و انقطاع، مسائل کے اثبات و نسخ اور عقائد کے احقاق و ابطال کی بحثیں خوب رہیں چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں گو اپنے اسناد سے چلنے والے محدثین جیسے ابوالحسن رزین (۵۲۵ھ) ابن جوزی (۵۹۷ھ) مبارک بن محمد ابن اثیر الجزری (۶۰۶ھ) بھی رہے لیکن محدثین کی زیادہ تر توجہ پچھلے ذخائر حدیث کو نئی نئی تالیفات میں لانے میں لگی رہی۔ محمد بن ابی نصر الحمیدی الاندلسی (۴۸۸ھ) جنہوں نے بغداد میں اصحاب دارقطنی سے حدیث سنی تھی، انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو جمع کر کے کتاب الجمع بین الصحیحین لکھی۔

۱۔ ابو محمد حسین البغوی (۵۱۶ھ)

صاحب معالم التنزیل نے کتاب المصابیح[1]، شرح السنۃ لکھیں۔ الکمال میں ہے:

كان إماماً في الفقه والحديث وكان متورعاً ثبتاً حجة صحيح العقيدة في الدين۔[2]

۲۔ ابوالحسن رزین بن معاویہ (۵۲۵ھ)

کتاب التجرید فی الجمع بین الصحاح لکھی۔ آپ حفاظ حدیث میں شمار کیے گئے ہیں۔ آپ نے بعض روایات اپنی سند سے بھی نقل کی ہیں۔ مشکوٰۃ میں ان کی بھی تخریج ملتی ہے۔

۳۔ المبارک بن محمد الجزری (۶۰۶ھ)

ابن اثیر جزری جزیرہ کے رہنے والے تھے۔ پھر ۵۶۵ھ میں موصل منتقل ہو گئے۔ بغداد بھی گئے اور اکابر سے حدیث سنی۔ حدیث اور لغت میں امام تھے۔ جامع الاصول اور النہایہ انہی کی تالیفات میں۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ان کی نہیں، ان کے بھائی کی تالیف ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح اسی پر مرتب کی گئی ہے۔ [2] الاکمال ص

۴۔ شیخ زکی الدین المنذری (۶۵۶ھ)

عبدالعظیم بن عبدالقوی زکی الدین ابو محمد المنذری اصلاً شامی ہیں۔ پھر مصر چلے آئے۔ وہاں بیہقی کے بیٹے السلفی اور حافظ علی بن المفضل المقدسی سے حدیث سنی۔ حافظ ابو محمد الدمیاطی، تقی الدین بن دقیق العید اور شریف عز الدین کے شاگرد ہیں۔

عديم النظير في علم الحديث على اختلاف فنونه۔ عالماً بصحيحه وسقيمه ومعلوله وطرقه۔ متبحراً في معرفة احكامه ومعانيه ومشكله۔ قيماً بمعرفة غريبه واعرابه واختلاف الفاظه، ماهراً حجة ثبتاً ورعاً۔ (طبقات الحفاظ)

۵۔ حافظ قطب الدین الحلبی (۷۳۵ھ)

کبار محدثین میں سے ہیں۔ مذہباً حنفی تھے۔ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی انہی کی تالیف ہے۔

۶۔ خطیب تبریزی (۷۴۳ھ)

کتاب المصابیح کی اساس پر مشکوٰۃ المصابیح تصنیف کی اور حدیث کی پندرہ کتابوں سے تین مختلف فصول میں ان کے درجات کے مطابق روایات نقل کی ہیں۔ آپ شافعی المسلک ہیں۔

۷۔ حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ)

صاحب نصب الرایہ (چار ضخیم جلدوں میں)۔ جمال الدین زیلعی فخر الدین الزیلعی شارح کنز سے کچھ متاخر ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے نصب الرایہ کی تلخیص الدرایہ کے نام سے کی ہے۔

۸۔ نور الدین ابو الحسن الہیثمی (۸۰۷ھ)

قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں فوت ہوئے۔ ابو الفتح میدومی، ابن الملوک، ابن القطروانی سے مصر میں اور ابن الخباز اور ابن قیم الضیائیہ سے شام میں استفادہ کیا۔ زین الدین عراقی (۸۰۶ھ) کے ہمیشہ رفیق رہے۔ حجاز و شام کے سفر انہوں نے اکٹھے کیے۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد جیسی

ضخیم کتاب ہیثمی کی تالیف ہے۔ اس میں آپ نے مسند امام احمد، طبرانی کے تین معجموں، مسند بزار اور مسند ابی یعلیٰ سب کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب مطبع انصاری دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں پھر مصر ۱۳۵۲ھ سے دس ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے نصف مجمع الزوائد ان سے پڑھی تھی۔ مجمع الزوائد میں آپ نے بعض جگہ راویوں پر جرح و نقد بھی کی ہے اور روایات پر صحت و سقم کا حکم بھی لگایا ہے۔ ان میں سے بعض امور میں حافظ ابن حجر کو اختلاف تھا لیکن آپ نے ان کے احترام میں اس پر کچھ نہیں لکھا۔ حافظ ابن حجر آپ کی حدیثی مہارت کے پوری طرح قائل تھے۔ آپ نے حافظ ابو نعیم کی کتاب الحلیہ کو بھی ابواب پر مرتب کیا۔ یہ بھی حدیث کی بڑی خدمت تھی۔ علماء میں آپ زین الدین العراقی صاحب المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الآثار کے جانشین کے طور پر مشہور تھے۔

ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ) کے جامع الاصول اور نور الدین الہیثمی کے مجمع الزوائد سے جمع الفوائد لکھی گئی جو مطبع خیریہ میرٹھ سے ۱۳۴۵ھ میں شائع ہوئی۔

یہاں کتابوں کا تذکرہ مقصود نہیں۔ سو ہم کتب حدیث کے تحت بیان کر چکے ہیں یہاں ہم انہی ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہاں اصل موضوع محدثین کا تذکرہ ہے جو اپنی حدیثی خدمات میں علمائے مسندین کے بعد علمائے مخرجین کی حیثیت سے حدیث کی برابر خدمت کرتے رہے اور اپنے وقت میں اس فن کی ریاست اور موضوع کی سیادت انہی کے ہاتھ رہی۔ علمائے امت نے ہر دور میں جن کو امام فن سمجھا۔ ان میں امام ابن صلاح (۶۴۳ھ) حسن صغانی لاہوری (۶۵۰ھ) امام نووی صاحب ریاض الصالحین (۶۷۶ھ) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) حافظ قطب الدین الحلبی (۷۳۵ھ) ابن قیم جوزیہ (۷۵۱ھ) ابن کثیر صاحب البدایہ والنہایہ (۷۷۴ھ) زین الدین العراقی (۸۰۶ھ) حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) حافظ بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) علامہ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) وغیرہم شمس فن میں روشنی کے مینار ہیں۔

یہ حضرات بیشتر برصغیر پاک و ہند سے باہر کے ہیں۔ اس برصغیر میں کون کون سے علماء

گذرے جنہوں نے نمایاں طور پر حدیث کی خدمت کی۔ ان میں سے بعض حضرات کے اسماء گرامی
لکھ لیجئے۔ جنہیں اپنی صف کے ائمہ حدیث میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ کچھ علمائے حدیث تو ایسے ہوں گے
گجرات کے علاوہ احمد آباد کے شیخ راجح بن داؤد (۹۰۴ھ) شاگرد امام سخاوی، شیخ
علی المتقی (۹۷۵ھ) صاحب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، شیخ محمد طاہر الفتنی (۹۸۶ھ)
صاحب مجمع البحار، المغنی فی ضبط اسماء الرجال و تذکرۃ الموضوعات، شیخ رحمت اللہ سندھی
(۹۹۳ھ) صاحب تلخیص تنزیہ الشریعہ عن الاحادیث الموضوعہ، شیخ وجیہ الدین علوی شارح
شرح نخبۃ الفکر (۹۹۸ھ) مولانا محمد عثمان سندھی شارح بخاری (۱۰۰۸ھ) شیخ عبد الحق محدث
دہلوی (۱۰۵۲ھ) صاحب لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، شیخ نور الحق محدث دہلوی
(۱۰۷۳ھ) شارح صحیح البخاری، ابو یوسف محمد بن یعقوب بنانی لاہوری (۱۰۹۸ھ) صاحب
الخیر الجاری بشرح صحیح البخاری و المعلم بشرح صحیح مسلم، شیخ محمد بن جعفر گجراتی صاحب زینۃ النکات
فی شرح المشکوٰۃ (۱۱۱۸ھ) محدث ابو الحسن السندھی شارح صحاح ستہ (۱۱۳۸ھ) شیخ محمد افضل
سیالکوٹی (۱۱۴۶ھ) شیخ نور الدین احمد آبادی (۱۱۵۵ھ) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)
علامہ مرتضیٰ زبیدی (۱۲۰۵ھ) صاحب عقود الجواہر المنیفہ و اتحاف النبلاء و تاج العروس
حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر مظہری، مخدوم عبد اللہ سیہوانی (۱۲۲۳ھ)
مؤلف الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) شاہ رفیع الدین
دہلوی (۱۲۳۳ھ) شاہ عبد القادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) مولانا عبد العزیز پرہاروی صاحب
نبراس (۱۲۳۹ھ) شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ) شاہ عبد الغنی مجددی (ھ) محدث العصر
مولانا مملوک علی (۱۲۶۷ھ) مولانا احمد الدین ججوی (۱۲۸۶ھ) نواب قطب الدین دہلوی شارح
مشکوٰۃ (۱۲۸۹ھ) مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری (۱۲۹۷ھ) بانی دار العلوم دیوبند مولانا
محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) حضرت مولانا عبد اللہ غزنوی (۱۲۹۸ھ) مولانا حیدر علی فیض آبادی
صاحب منتہی الکلام (۱۲۹۹ھ) مولانا محمد مظہر نانوتوی (۱۳۰۲ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتوی
(۱۳۰۲ھ) حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی شارح موطا امام محمد (۱۳۰۴ھ) مولانا فضل الرحمٰن گنج
مراد آبادی (۱۳۱۳ھ) مولانا فخر الحسن گنگوہی (۱۳۱۵ھ) محدث محمد بن علی الیمنی صاحب آثار السنن

(۱۲۹۰ھ) نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) مولانا رشید احمد محدث گنگوہی (۱۳۲۳ھ)
مولانا احمد حسن محدث امروہی (۱۳۳۰ھ) مولانا سید نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) حافظ عبدالمنان
وزیر آبادی (۱۳۳۴ھ) مولانا شمس الحق عظیم آبادی شارح ابی داؤد و سنن دارقطنی (ھ)
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۳۳۹ھ) مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری شارح
ابی داؤد (۱۳۴۶ھ) مولانا عبدالجبار غزنوی (ھ) حضرت مولانا محمد علی مونگیری (۱۳۴۶ھ)
حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی (۱۳۴۷ھ) مولانا فخر الدین گنگوہی (۱۳۵۰ھ) امام العصر مولانا
انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) مولانا عبدالرحمن مبارکپوری شارح ترمذی (۱۳۵۳ھ)
حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں والے (۱۳۶۳ھ) مولانا عبدالعزیز گوجرانوالوی صاحب
نبراس الساری (ھ) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی شارح صحیح مسلم (۱۳۶۹ھ)
محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی (ھ) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ
دہلوی (۱۳۷۲ھ) حضرت مولانا محمد حسن محدث فیض پوری (۱۳۷۱ھ) حضرت مولانا سید
حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ) حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (۱۳۸۱ھ) مولانا فخر الدین امروہوی
شیخ الحدیث دیوبند (۱۳۹۲ھ) سید مظہر حسین حیدر آبادی صاحب زجاجۃ المصابیح (ھ)
محدث دیوبند میاں سید اصغر حسین (ھ) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی مؤلف اعلاء السنن
وقواعد علوم الحدیث (ھ) مولانا محمد ادریس کاندھلوی مؤلف التعلیق الصبیح علی المشکوٰۃ و تحفۃ
البخاری فی حل مشکلات البخاری (ھ) مولانا شمس الحق افغانی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ
ڈابھیل (ھ) حضرت مولانا عبدالرحمن کیمبل پوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور
(ھ) شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی (ھ) محدث العصر مولانا یوسف البنوری
شارح جامع ترمذی (ھ) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب (ھ) حضرت مولانا
خیر محمد جالندھری بانی خیر المدارس جالندھر (ھ) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب شیخ الحدیث
سراج العلوم سرگودھا (ھ) حضرت مولانا عبدالغفار ... ثم المدنی (ھ) قاضی
شمس الدین صاحب گوجرانوالہ (ھ) شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد گوندلوی از گوجرانوالہ

اہل حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد۔

اہل حدیث کا عنوان دو اصطلاحوں میں مختلف معانی کا حامل ہے ① اہلحدیث باصطلاحِ قدیم ② اہلحدیث باصطلاحِ جدید ——— اصطلاحِ قدیم میں اس سے مراد وہ لوگ تھے جو حدیث روایت کرتے، پڑھاتے، اس کے راویوں کی جانچ پڑتال کرتے اور اس کی شرح میں مشغول رہتے تھے۔ انہیں محدثین بھی کہا جاتا تھا [illegible] یعنی اس فن کے اہل سمجھے جاتے تھے۔ سو اصطلاحِ علم کی اصطلاحِ قدیم میں اہل حدیث سے مراد حدیث کے اہل لوگ تھے۔ اہل ادب، اہل حدیث، اہل تفسیر سب اسی طرح کی اصطلاحیں ہیں ——— حافظ محمد ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں:

ومن المعلوم ان اهل الحديث اسم لمن عني به وانقطع في طلبه......

فهؤلاء هم اهل الحديث من اي مذهب كانوا۔[1]

ترجمہ: یہ بات معلوم ہے کہ اہل حدیث اس طبقے کا نام ہے جو اس فن کے درپے ہو، اس کی طلب میں منہمک رہے۔ ایسے سب لوگ اہل حدیث ہیں۔ خواہ وہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محدثین خواہ وہ کسی بھی فقہی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں، اس فن کے اعتبار سے اہلحدیث کہلاتے تھے۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:

بعض جگہ ان کا ذکر لفظ اہل حدیث سے ہوا ہے اور بعض جگہ اصحاب حدیث سے، بعض جگہ اہل اثر کے نام سے اور بعض جگہ محدثین کے نام سے، مرجع ہر لقب کا یہی ہے۔[2]

---

[1] الروض الباسم جلد ا صفحہ [illegible] [2] تاریخ اہلحدیث صفحہ ۳۸۔

اصطلاح جدید میں اہل حدیث سے مراد اہل علم کا کوئی طبقہ نہیں بلکہ ایک خاص فقہی مسلک
ہے جو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی کا قائل نہیں۔ اہل حدیث کی یہ اصطلاح بہت بعد کی ہے قرون
وسطیٰ میں یہ کسی فقہی مسلک کا نام نہ تھا۔ اصطلاح جدید میں اس سے مراد جماعت اہلحدیث ہے۔ اس
میں پڑھے ہوئے اور ان پڑھ دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں۔

آج کے ملتان میں "اہلحدیث" کا لفظ اسی جدید اصطلاح میں ہے اور اس سے مراد
جماعت اہلحدیث ہے۔ انہیں غیر مقلدین بھی کہتے ہیں۔ یہ حضرات براہ راست حدیث سے
انتساب کے مدعی ہیں۔ سو یہاں اہلحدیث سے مراد حدیث کے ماننے والے نہیں جیسا کہ اس کی
لفظی دلالت ہے کیونکہ حدیث کو تو سب مسلمان پہلے سے حجت مانتے ہیں۔ اور سب فرقے
اس سے تمسک کے مدعی ہیں۔ جو حدیث کو نہیں مانتا وہ تو مسلمان ہی نہیں ہے۔ سو یہ کیسے ہو سکتا
ہے کہ مسلمانوں کا صرف ایک فرقہ اہلحدیث یعنی حدیث کو ماننے والا ہو ——— اور باقی
مسلمانوں کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ وہ حدیث کو نہیں مانتے اور یہ وہ بھی مسلمان۔ انا
للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تو ایک بڑی غلطی ہوگی۔

سوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست ؏

حجیت حدیث کی بحث میں ہم بتا آئے ہیں کہ جو شخص حدیث ماننے کا قائل نہ ہو۔ وہ
مسلمان نہیں ہے۔ اس پر یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ یہاں "حدیث" سے مراد "حدیث کے
ماننے والے" نہیں لیے جا سکتے۔ بلکہ وہ ایک خاص فرقہ ہے جو فقہی مسائل میں کسی امام کی پیروی کا
قائل نہیں اور لفظاً وہ براہ راست حدیث سے انتساب کا مدعی ہے۔

اور اگر سطح پر اگر اہلحدیث کے معنی "حدیث کے ماننے والے" کیے جائیں تو اس سے
منکرین حدیث کو بہت قوت ملے گی اور وہ یہ کہیں گے کہ مسلمانوں کا صرف ایک فرقہ جو
برصغیر پاک و ہند میں پانچ فیصد سے زیادہ نہیں، حدیث ماننے کا قائل ہے۔ باقی سب
مسلمان خواہ وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں ان کے ہاں حدیث حجت نہیں اور اسے
ماننا ضروری نہیں۔ حدیث اگر سب مسلمانوں کے ہاں حجت سمجھی جاتی۔ اور اس کا ماننا سب
مسلمانوں کے نزدیک ضروری ہوتا تو ایک فرقے کا نام اہلحدیث کیوں ہوتا؟ ہوا یا گندم نمی

ہے کہ مسلمانوں کے کسی ایک فرقے کو اہلحدیث سے موسوم کرنا پہلے دور سے بہت بعد کی اور ایک جدید اصطلاح ہے۔ قرون وسطیٰ میں اس نام سے کوئی فقہی مسلک یا فرقہ معروف نہ تھا۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے۔ بجائے آپ کو اہلحدیث کہنا اسی طرح صحیح نہیں جس طرح منکرین حدیث کا۔ بجائے آپ کو اہل قرآن کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کو تو سبھی مسلمان مانتے ہیں۔ ان میں کسی ایک فرقے کی کیا تخصیص ہے اور حدیث کو بھی سبھی مسلمان مانتے ہیں اس میں بھی کسی ایک کی کیا تخصیص ہے قرآن و حدیث کو اصولاً تسلیم کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا —— مگر جب اس عنوان سے ایک مسلک اپنی جگہ معروف ہو چکا تو ضروری ہے کہ حدیث کے طلباء اس سے بھی کچھ نہ کچھ تعارف ضرور رکھتے ہوں۔ لیکن ضروری ہے کہ وہ ہر دو اصطلاحوں کو پیش نظر بھی رکھیں۔

اہلحدیث متقدمین کی اصطلاح میں

قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں اہلحدیث سے مراد وہ اہل علم تھے۔ جو حدیث پڑھتے پڑھاتے راویوں کی جانچ پڑتال اور حدیث کی شرح و درایت میں مشغول رہتے ہوں۔ حدیث ان کا فن ہو۔ اور وہ علمی طور پر اس کے اہل ہوں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ان ادوار میں اہلحدیث سے محدثین مراد لیے جاتے تھے۔ اگر کوئی علمی طور پر اس درجے میں نہیں کہ حدیث پر کوئی فیصلہ دے یا اس کے راویوں کو پہچانے۔ تو صاف کہہ دیا جاتا تھا کہ وہ اہلحدیث میں سے نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) ایک مقام پر محدثین کی اس عادت پر کہ فضائل میں ضعیف حدیثیں بھی روایت کر دیتے ہیں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والبیہقی یروی فی الفضائل کثیرا ضعیفة بل موضوعة کما جرت عادة امثاله من اهل الحدیث۔[1]

ترجمہ: بیہقی فضائل میں بہت سے ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی لے آتے ہیں جیسے کہ ان جیسے اہلحدیث کی عادت جاری ہے۔

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۴ ص

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ جس طرح علم نحو میں نحویوں کی طرف، لغت میں علماء لغت کی طرف، شعر میں علماء ادب کی طرف، اور طب میں علماء طب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل حدیث سے بڑھ کر وہ علماء فن ہو سکتے ہیں جن کی طرف اس فن میں رجوع کیا جا سکے۔

المنقولات فيها كثير من الصدق وكثير من الكذب والمرجع في التمييز بين هذا وبين هذا الى اهل الحديث كما يرجع الى النحاة في النحو ويرجع الى علماء اللغة فيما هو من اللغة وكذلك علماء الشعر والطب وغير ذلك فلكل علم رجال يعرفون به والعلماء بالحديث اجل هؤلاء قدرا واعظمهم صدقا واعلاهم منزلة واكثرهم دينا۔ [1]

ترجمہ: اس باب میں صدق و کذب پر مشتمل روایات بہت ہیں، سچی اور جھوٹی کی تمیز کے لیے محدثین کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا جیسے نحو کے باب میں نحویوں کی طرف، لغت کے باب میں علماء لغت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے —— ہر علم کے کچھ رجال ہوتے ہیں انہیں اس علم کے پرکھنے والا جانا جاتا ہے، علماء حدیث ان سب سے زیادہ جلیل القدر ہیں، سب سے زیادہ سچے ہیں اور سب سے اونچا درجہ رکھتے ہیں اور ان میں دین بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) ابن دحیہ سے نقل کرتے ہیں

ويجب على اهل الحديث ان يتحفظوا من قول الحاكم فانه كثير الغلط ظاهر السقط وقد غفل عن ذلك كثير ممن جاء بعده وقلده في ذلك۔ [2]

ترجمہ: اہل حدیث پر لازم ہے کہ حاکم کے قول سے بچیں وہ بہت غلطیاں کرتے ہیں اور ان کی غلطی ظاہر ہیں بہت سے لوگ جو ان کے بعد آئے اور اس میں ان کی پیروی کرتے رہے اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

دوسری صدی کے جلیل القدر محدث حضرت امام شافعی ایک جگہ حدیث لا وصیۃ لوارث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۴ صفحہ ۱۱، الاجوبۃ الفاضلۃ صفحہ ۳۱ [2] نصب الرایہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۴

وھو ضعیف عند اھل الحدیث۔ وہ اہل حدیث کے ہاں ضعیف ہے۔

امام ترمذی اہلحدیث کو کہیں کہیں اصحاب الحدیث کہہ کر بھی ذکر کرتے ہیں حدیث لا تزال

طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان سے مراد اصحاب الحدیث ہیں

امام بخاری نے بھی تصریح کی ہے کہ اس سے مراد علم حدیث کے ماہر اہل العلم ہیں۔[1]

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) ابو عبداللہ الحاکم کے اس زعم پر کہ حدیث طیر اور حدیث من

کنت مولاہ صحیحین کی شرطوں کے مطابق ہیں جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فانکر علیہ اصحاب الحدیث ذلک ولم یلتفتوا الی قولہ ولا صوبوا علی فعلہ۔[2]

ترجمہ:۔ اصحاب الحدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور اس کی بات پر توجہ نہیں کی

اور اسے اس کے عمل میں درست نہیں کہا۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) بھی ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

وقالت فرقۃ من اھل الحدیث ان وطئ فی الدم فعلیہ دینار وان

وطئ فی انقطاع الدم فنصف دینار ورأت فرقۃ من اھل الحدیث

تطویل السجود فی ذلک۔[3]

ترجمہ:۔ اہل حدیث کی ایک جماعت نے کہا ہے اگر اس نے ایام میں اس سے

صحبت کی تو اسے ایک دینار صدقہ لازم آئے گا اور بعض اہل حدیث

نے کہا ہے کہ اس پر طویل تر سجدہ اس کے ذمہ ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہلحدیث میں فقہی مسلک کے کئی فرقے تھے۔ اہلحدیث

خود کوئی فقہی مسلک یا فرقہ نہ تھا نہ ان کی کوئی علیحدہ جماعت بندی تھی۔

امام نووی شارح صحیح مسلم ساتویں صدی ہجری کے نامور محدث ہیں۔ آپ نے ایک مقام پر

حذف الفاظ کی بحث کی ہے۔ اس میں آپ محدثین کی عادت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

جرت عادۃ اھل الحدیث بحذف قال ونحوہ فیما بین رجال الاسناد

فی الخط وینبغی للقاری ان یلفظ بہا۔[4]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۷ [2] تاریخ بغداد جلد ۵ صفحہ ۴۷۴ [3] تمہید جلد ۳ صفحہ ۱۷۷ [4] مقدمہ شرح نووی صفحہ ۱۹ دہلی

ترجمہ: اہلِ حدیث کا طریقہ تحریری رجالِ اسناد میں قال وغیرہ کے الفاظ کو حذف کر دینا رہا ہے۔ لیکن قاری کو چاہیے کہ وہ انہیں پڑھا کرے۔

ظاہر ہے کہ یہاں اہلِ حدیث سے مراد اصحابِ اہلِ فن علماءِ حدیث ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ کسی ایک فقہی مسلک کے عوام۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری تک اہلِ علم کے ہاں اہلحدیث سے مراد محدثین ہی لیئے جاتے تھے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

یجوز عند اهل الحديث التساهل فى الاسانيد الضعيفة ورواية ما سوى الموضوع من الضعيف والعمل به۔[1]

ترجمہ: اہلِ حدیث کے ہاں اسانید ضعیفہ میں بشرطیکہ موضوع کی حد تک نہ ہوں، درگزر سے کام لینا اور اس پر عمل کرنا جائز رکھا گیا ہے۔

صحیح البخاری کے "فاعطنا بازوه" کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

فمعنى قول البخارى فاجازوه اى قبلوه منه ولم يقصدوا الاجازة المصطلحة بين اهل الحديث۔[2]

ترجمہ: امام بخاری نے فاجازوه کے الفاظ اجازت کے اس معنی میں استعمال نہیں کیے۔ جو اہلحدیث کی اصطلاح ہے۔

حافظ ابن حجر کے ان الفاظ سے یہ بات واضح ہے کہ ان دنوں اہلحدیث سے کوئی فقہی مکتبِ فکر ہرگز مراد نہ تھا۔ بلکہ اس سے اہلِ فن محدثین ہی مراد لیئے جاتے تھے اور ان کی اپنی اپنی اصطلاحات تھیں اور اس سے یقیناً اہلِ علم کا ہی ایک طبقہ مراد ہوتا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ایک اور مقام پر حدیث لن تزال هذه الامة قائمة على امر الله کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

وقد جزم البخارى بان المراد بهم اهل العلم بالآثار وقال احمد بن حنبل ان لم يكونوا اهل الحديث فلا ادرى من هم۔[3]

ترجمہ: امام بخاری نے پورے یقین سے کہا ہے کہ اس سے مراد احادیث کے اہلِ علم ہیں اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر اس سے اہلحدیث مراد نہ ہوں تو میں نہیں جانتا کہ پھر کون لوگ مراد ہوں گے۔

---

[1] تقریب بشرح التدریب صفحہ ۲۹۸ [2] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ [3] فتح الباری صفحہ ۲۹۳ جلد ۱۳

لا نورث ما ترکنا صدقۃ مشہور حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی، ہم جو چیز چھوڑیں وہ صدقہ میں جائے گی۔ شیعہ علماء نے اسے اپنے مقصد کے خلاف سمجھتے ہوئے لا نُورث کے الفاظ کو لا یُورث سے بدل دیا۔ اب معنی یہ ہو گئے کہ ہم مسلمان جو چیز صدقہ میں چھوڑیں اسے وراثت میں نہ لایا جائے۔ اب یہ مسئلہ وراثت انبیاء سے نکل کر ایک عام ضابطہ میں آ گیا کہ صدقہ میں دی گئی چیز پھر اپنی ملکیت میں نہیں لی جاتی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہاں دیکھنا چاہیے محدثین کی اصل روایت کیا اور انہوں نے حدیث کو کن الفاظ میں ضبط کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

والذی توارد علیہ اهل الحدیث فی القدیم والحدیث لا نورث بالنون[1]

یہاں اہل حدیث سے مراد فن حدیث کے ماہرین ہیں۔ اس وقت تک اہل حدیث کا لفظ انہی معنوں میں بولا جاتا تھا جو عہد قدیم میں اس لفظ کے معنی تھے۔ یہ لفظ اہل علم کے اس طبقے کے لیے استعمال ہوتا تھا جو محدثین تھے۔ یہ کسی ایک مکتب فکر یا فرقے کا نام نہ تھا۔ یہ ماہرین فن سب اس پر متفق ہیں کہ اصل روایت نون سے ہے یا سے نہیں۔
اہل حدیث الفاظ حدیث کو ان کے اصل مراجع و مصادر سے پہچانتے ہیں اور وہ محدثین ہیں۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل حدیث باصطلاح قدیم سے مراد فن حدیث کے جاننے والے تھے۔ اہل الحدیث سے یہی مراد ہے۔ علامہ شامی محقق ابن ہمام (٨٦١ھ) سے یہ بحث نقل کرتے ہیں کہ خوارج کو کافر کہا جائے یا نہ؟ محقق ابن ہمام نے لکھا ہے:

ذهب بعض المحدثین الی کفرهم قال ابن المنذر ولا اعلم احدا وافق اهل الحدیث علی تکفیرهم[2]

ترجمہ: بعض محدثین ان کی تکفیر کے قائل ہیں۔ ابن المنذر نے کہا ہے میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس پر محدثین کی موافقت کی ہو۔

---

[1] فتح الباری کتابی حاشیہ ابی داؤد صفحہ ٢٠٠
[2] رد المحتار جلد ٣ صفحہ ٣٠٩

نویں صدی کے محدثین میں حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اور حافظ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) کے ناموں سے کون واقف نہیں. جیسے بزرگ شافعی ہیں اور دوسرے حنفی، اور دونوں اہل حدیث۔ سے حدیث کے علماء فن مراد لیتے تھے۔ ان الفاظ سے کوئی خاص فقہی مسلک مراد نہیں لیا جاتا تھا۔

اہل فن محدثین میں پھر کئی فرقے اور مسالک تھے۔ ان میں حنفی بھی تھے اور شافعی بھی۔ اہلحدیث خود کسی فرقے کا نام نہ تھا، کسی محدث کا فقہی مسلک اس کے اہلحدیث ہونے کے خلاف نہ سمجھا جاتا تھا۔ محدث ہونے کی وجہ سے سب اہل حدیث تھے۔

نویں صدی کا حال اور اس دور کے علماء کی اصطلاح ابن ہمام کی اس تحریر سے ظاہر ہے پھر علامہ شامی (م ۱۲۵۲ھ) اسے تیرہویں صدی ہجری میں نقل کرتے ہیں اور اس میں کہیں اختلاف ذکر نہیں کرتے کہ اہلحدیث نام سے ان دنوں کوئی غیر مقلد جماعت بھی مراد لی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اہلحدیث سے وہ اہل علم ہی مراد لیے جاتے تھے جو فن حدیث میں حاذق اور صاحب الرائے ہوں۔ جس طرح تفسیر پڑھنے پڑھانے والے اہل تفسیر اور زبان پر کامل دسترس رکھنے والے اہل لغت کہلاتے تھے۔ محدثین کا یہ طبقہ اہل حدیث کے نام سے بھی کبھی ذکر ہوتا تھا۔ ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے حدیث کی باقاعدہ اشاعت ہوئی آپ کے دور تک لفظ اہل الحدیث اسی پرانی اصطلاح سے جاری تھا۔ حضرت شیخ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

وکانوا اصحاب من التابعین وتبع تابعیہم وکلہم کانوا اہل الحدیث والفقہ والزہد والورع۔[1]

ترجمہ: تابعین اور تبع تابعین میں ان کے کئی ساتھی تھے اور وہ سب محدث و فقیہ و زاہد و ورع تھے۔

اہلحدیث سے مراد ترک تقلید کے نام سے ایک فقہی مسلک ہو یہ جدید اصطلاح اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں کہیں نہیں ملتی۔ اس کا آغاز چودھویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ یوں سمجھئے تیرہویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں اس کے لیے کچھ حالات سازگار ہو گئے تھے۔

---

[1] [illegible] ماثبت بالسنۃ [illegible] مطبع [illegible] دہلی

اہلحدیث باصطلاح دورِ جدید

اس اصطلاح جدید میں جماعت اہلحدیث سے مراد پاک و ہند کا ایک معروف دینی طبقہ ہے جو جمہور اہل السنۃ مسلمانوں سے ترک تقلید پر مختلف ہے لیکن بنیادی عقائد میں یہ حضرات زیادہ تر اہل السنۃ ہی ہیں۔ ان کے حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ سے تقریباً اسی قسم کے فروعی اختلافات ہیں جس طرح کے اختلافات مذاہب اربعہ آپس میں ہیں۔ کچھ ایسے اختلافات بھی ہیں جن میں یہ چاروں اماموں کے خلاف ہیں۔ جیسے طلاق ثلاثہ ایک مجلس میں، اسے یہ ایک ہی طلاق قرار دیتے ہیں اور چاروں اماموں میں سے ایک بھی اس طلاق کے ایک ہونے کا قائل نہیں۔ امام نووی شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں:

قال العلماء فیمن قال لامرأته انت طالق ثلثا فقال الشافعی ومالک وابو

حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث۔[1]

ائمہ اربعہ اور سلف و خلف کے جمہور علماء کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں

اسی طرح یہ حضرات آٹھ رکعت تراویح کے قائل ہیں، حالانکہ چاروں اماموں میں سے ایک بھی بیس سے کم کا قائل نہیں۔ مسجد حرام و مسجد نبوی میں آج تک بیس رکعت تراویح ہی پڑھی جاتی ہیں اور یہی حنابلہ کا موقف ہے۔ امام شافعی بھی اسی جمہور امت کے ساتھ ہیں۔ امام ترمذی لکھتے ہیں۔

اکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول

سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی هکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة۔[2]

اس قسم کے چند مسائل ہیں جن میں یہ غیر مقلدین حضرات جمہور اہل السنۃ والجماعت سے مختلف ہیں لیکن ان بنیادی اختلافات کو دیا جائے اور دیگر فروعی اختلافات کو ترک عمل پر محمول کیا جائے تو اختلاف مسلک کے باوجود یہ حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے موقف پر جمہور اہل السنۃ کے ساتھ ایک حیثیت قائم رہ سکتے ہیں۔ شیعہ یا معتزلہ یا خوارج کے بالمقابل سنی کا لفظ ان کے

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۷۸ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۹ طبع دوم صفحہ ۱۲۱

میں شریک تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں:-

خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں۔ اس وقت سے آج تک یہ لوگ (ہندوستان کے مسلمان) مذہب حنفی پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل اور قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاوے ہندیہ جمع کیا اور اس میں شاہ عبدالرحیم صاحب والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی بھی شریک تھے۔[1]

سقوط سلطنت کے بعد جب مسلمانوں پر کوئی اجتماعی گرفت نہ رہی تو عام ذہن کچھ آزادی فکر کی طرف مائل ہوئے۔ نواب صدیق خاں صاحب اس سے پہلے لکھ گئے ہیں:-

کتب تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو امن و آسائش و آزادگی اس حکومت انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی کسی حکومت میں بھی نہ تھی اور وجہ اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھی گئی کہ گورنمنٹ نے آزادی کامل ہر مذہب کو دی۔[2]

عہد جدید کی اس آزادی میں تقلید کا جمود ٹوٹا اور پھر دیکھتے دیکھتے کچھ لوگ مختلف کشتیوں میں بہہ نکلے اور تاریخ نے مسلمانوں کا وہی حال کیا جو منتشر اقوام کا ہوتا ہے۔ پیش نظر بحث سے لے کر اہلحدیث باصطلاح جدید پر کچھ تاریخی بحث کی جائے کہ اس نام سے ایک فقہی مسلک کی ابتدا کب سے ہوئی اور اس نام سے ایک فرقہ عمل کب سے موسوم ہوا۔ مناسب ہوگا کہ مختصر طور پر بتلا دیا جائے کہ اورنگ زیب سے بہت پہلے ہندوستان میں علم حدیث آچکا تھا اور اس وقت تک لفظ اہلحدیث اصطلاح قدیم کے مطابق ہی چلا آرہا تھا۔

ہندوستان میں نامور محدثین کی آمد

علماء حدیث کی یہاں تشریف آوری علماء فقہ کی آمد سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ پانچویں صدی ہجری میں علم حدیث لاہور میں آچکا تھا۔ یہ عہد غزنوی کی بات ہے۔ شیخ اسمٰعیل کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں:-

[1] ترجمان وہابیہ تصنیف نواب صدیق حسن خاں مرحوم ص۱۰ [2] ایضاً ص۶

اول کہ علم حدیث یہاں پیدا ہو رہا تھا ——— پھر شیخ صغانی لاہوری (۶۵۰ھ) آئے اور صحیح بخاری اور
صحیح مسلم کی قولی احادیث مجموعہ مشارق الانوار کے نام سے جمع کیں یہ کوششیں ان دنوں کے
مسلمانوں کے ذوق حدیث کا پتہ دے رہی ہیں ——— شیخ نورالدین شیرازی (۷۰۵ھ) محمد شاہ
اول کے عہد میں ہندوستان کے علاقہ گجرات میں آچکے تھے۔ ان کی صحیح بخاری کی سند بہت عالی تھی۔
اور دور دور سے طالب آپ سے سند لینے آتے تھے۔ مولانا سید نواب چشتی جونپوری کی خدمات
حدیث کو کون بھلا سکتا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ چشتی حضرات علمی پہلو سے اہل حدیث نہ تھے۔ آخر یہ
محدث جلیل بھی تو سلسلہ چشتیہ سے ہی تھے۔ پھر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد حافظ
شمس الدین سخاوی کے دو شاگرد شیخ وجیہ الدین مالکی (۹۱۹ھ) اور شیخ جمال الدین محمد بن عمر
حضرمی (۹۳۰ھ) ہندوستان آئے ——— پھر شیخ محمد طیب سندھی (۹۴۰ھ)، شیخ علاؤ الدین
علی المتقی (۹۷۵ھ)، پٹنہ کے شیخ طاہر صاحب مجمع البحار (۹۸۶ھ) شیخ عبدالوہاب المتقی (ھ)
اور ان کے شاگرد شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) شیخ علی بن احمد (۱۰۷۰ھ) صاحب السراج المنیر
فی شرح الجامع الصغیر، شیخ نورالحق محدث دہلوی (۱۰۷۳ھ) شارح بخاری کو دیکھئے یہ سب
حضرات اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی جگہ حدیث کی بڑی خدمات سرانجام دے چکے تھے
شیخ ابوالحسن سندھی (۱۱۳۹ھ) کے صحاح ستہ پر حواشی اب تک اہل علم کا عظیم سرمایہ حدیث سمجھے
جاتے ہیں فقہی پہلو سے ان میں سے بیشتر محدثین حنفی تھے۔ مگر فن کے لحاظ سے بلاشبہ وہ محدث
تھے اور انہوں نے پوری عمر حدیث کی خدمت میں گزاری ——— سو اس بات میں کوئی
شبہ نہیں کہ علم حدیث ہندوستان میں بہت پہلے دور میں آچکا تھا۔

پھر بارھویں اور تیرھویں صدی ہجری میں حدیث کی جو خدمت علمی حضرت شاہ ولی اللہ
محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی
کے ذریعہ انجام ہو چکی تھی۔ یہ سب حضرات محدث کے نام سے معروف تھے اور پورے ہندوستان
میں انہی محدثین دہلی کی سند چلتی تھی۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین
محدث دہلوی حضرت شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان محدثین کا یہ سارا گھرانہ علم حنفیہ
کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ) اس سارے خاندان کو

ہندوستان کے مشہور عالم دین مولانا محمد شاہ صاحب شاہجہانپوری لکھتے ہیں۔

پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں۔ مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کا نام بھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہلحدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں۔ مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک جماعت کسی ایک نام سے موسوم نہ تھی۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی کوششوں سے یہ جماعت اہلحدیث کے باصطلاح جدید کے نام سے موسوم ہوئی۔ مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی لکھتے ہیں۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت خدمت کی۔ لفظ وہابی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔[2]

سر چارلس ایچی سن صاحب جو اس وقت پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر تھے آپ کے خیر خواہ تھے۔ انہوں نے گورنمنٹ ہند کو اس طرف توجہ دلا کر اس درخواست کو منظور کرایا۔ اور پھر مولانا محمد حسین صاحب نے سیکرٹری گورنمنٹ کو جو درخواست دی اس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

استعمال لفظ وہابی کی مخالفت اور اجراء نام اہلحدیث کا حکم پنجاب میں نافذ کیا جائے۔[3]

وہابی نام سے اختلاف کی وجہ

وہابی نام سے ان کی اسی مناسبت کے سبب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو قرار دیئے جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ سب حضرات مقلد تھے اور امام احمد بن حنبل کی تقلید کرتے تھے اس لیے اہلحدیث جو ترک تقلید کے عنوان سے جمہور اہلسنت سے علیحدہ سمجھے جاتے ہیں مجتہدین کی طرف اپنی نسبت پسند نہ کرتے تھے۔ اس لیے وہ لفظ وہابی کو اپنے لیے پسند نہ کرتے تھے۔

---

[1] الارشاد الی سبیل الرشاد ص۱۲ [2] سیرت ثنائی ص۳۷۲ [3] اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ شمارہ نمبر ۲ ص۲۶

مقلدین سے غیر مقلدین کا اصولی اختلاف رہا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"وہ مذہب نجدی مذکور کا حنبلی تھا اور اس نے بصروں اور بدوؤں پر چڑھائی کی تھی، اس کا مذہب حنبلی مذہب ہے، کتابیں ہندوستان میں رائج نہیں ہیں۔"[1]

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی لکھا

"محمد بن عبدالوہاب نجد میں پیدا ہوا تھا جو مذہب حنبلی کا پیرو تھا۔ محمد بن عبدالوہاب مقلد تھا اور اہلحدیث کے نزدیک تقلید جائز نہیں۔ اہلحدیث کو اس سے مسئلہ تقلید میں اختلاف تھا اور اب بھی ہے۔"[2]

نوٹ: موجودہ اہلحدیث اب شیخ کی مخالفت نہیں کرتے تاکہ سعودی عرب سے مالی امداد بند نہ ہو جائے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب خود لکھتے ہیں:-

ونحن ایضاً فی الفروع علی مذهب الامام احمد بن حنبل ولا ننکر علی من قلد الائمة الاربعة دون غيرهم لعدم ضبط مذاهب الغير[3]

ترجمہ: ہم فروعات میں امام احمد کے مذہب پر ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی کسی کی تقلید کرے ہم اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے۔

یہ تو شیخ کے الفاظ تھے، اب سوانح نگار کے الفاظ بھی سن لیجئے۔

واتباعه الحنابلة متعصبون لمذهب الامام احمد فی فروعه ککل اتباع المذاهب الاخرى فهم لا يدعون لا بالقول ولا بالكتابة انهم تميزوا بمذهب جديد ولا اخترعوا شيئا غير ما كان عند السلف[4]

ترجمہ: اور یہ سب حنبلی المذہب تھے، امام احمد کے مذہب پر سختی سے کاربند تھے جیسے کہ دوسرے مذاہب کے پیرو اپنے اپنے امام کے طریقے پر کاربند ہیں تاہم زبانی اور تحریری انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کوئی نیا دین لائے اور انہوں نے کوئی نئی چیز دریافت کی جو پہلوں کے پاس نہ تھا۔

---

[1] ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۳ [2] فتاویٰ ثنائیہ جلد صفحہ ۲۸۳ [3] سیرۃ الشیخ محمد بن عبدالوہاب صفحہ ۵۸ [4] ایضاً صفحہ ۵۹

انگریز ہندوستان میں آئے تو یہاں بھی انہوں نے جسے ذرا سر اٹھاتے دیکھا اسے وہابی
کا نام دے دیا قطع نظر اس سے کہ اس کا شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کوئی علمی یا روحانی رشتہ
ہے یا نہیں عربی نہ جاننے کے باعث انگریز نہ جان سکے کہ شیخ کی نسبت کے بغیر کسی کو وہابی کا نام دینا
علمی اعتبار سے درست نہیں۔ وہ اس لفظ کو جھگڑالو اور جہاد کے معنی میں لے کر ہر آزادی پسند اور
بہادر مسلمان کو وہابی کہتے رہے اور جہاں کہیں آزادی کی کوئی تحریک چلی، وہ اسے وہابیوں
کی یلغار بتلاتے۔ اگرچہ ان کا شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کوئی بھی تعلق نہ ہوتا تھا۔

ہندوستان میں لفظ وہابی کا استعمال

مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
کے روحانی خلیفہ اور شاگرد تھے۔ محدثین دہلی کا یہ گھرانہ بقول نواب صدیق حسن خاں صاحب بیت
علم حنفیہ، حنفیوں کے علم کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ مگر چونکہ انہوں نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا اور
سکھ ان دنوں انگریزوں کے حلیف تھے، تو انگریزوں نے انہیں بھی باوجود حنفی ہونے کے وہابی
کہا۔ ہندوستان میں لفظ وہابی کا یہ پہلا استعمال تھا۔ انگریز مؤرخ ڈاکٹر [illegible] لکھتا ہے۔

> شمالی ہند میں ایک وہابی جانباز سید احمد نے پنجابی مسلمانوں کو ابھار کر حقیقتاً ایک
> مذہبی سلطنت قائم کرلی۔ مگر ان کی ناگہانی موت سے شمالی ہند میں وہابی فتوحات
> کا امکان جاتا رہا۔ اس سلطنت کو سکھوں نے ۱۸۳۱ء میں برباد کیا۔ لیکن جب
> انگریزوں نے اس ملک کو فتح کیا تب وہابی عقائد کی سلگتی ہوئی چنگاریوں
> نے بہت کچھ پریشان کیا۔ یہ خیالات سرحد تک [illegible] ہے۔ اور اسی سبب غدر میں
> مدد ہوئے اور انہی عقائد نے افغانستان اور شمال مغربی سرحد کے وحشی قبائل
> کو ہمیشہ کے لیے مذہبی تعصب میں رنگ دیا۔

یہاں وہابی عقائد سے مراد لڑنا اور حملہ آور ہونا ہے۔ یہاں اس کا معنی مجاہدین سے
صف بندی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ورنہ حضرت سید احمد شہید تو حنفی تھے آل شیخ کی طرح حنبلی نہ

لہ

غیر مقلدین کا طریقہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پیروؤں کے طریقہ سے ملتا جلتا تھا۔ گو وہ مقلدین ہیں اور یہ غیر مقلدین۔ لیکن چونکہ نماز کی ہیئت ترکیبی دونوں میں ایک سی تھی، اس لیے ان پر بھی یہ نام چسپاں کر دیا گیا۔ وہابی ہونے کے لیے انگریز یہاں کوئی نسبت نہ تھی مگر ایک مناسبت ضرور تھی مولانا پر تاریخی پس منظر سے مذہبی عملی پہلو سے یہ لفظ بولا جانے لگا۔ موحدین ہند نے اسے بہت برا منایا اور پھر کوشش کی کہ کسی طرح انہیں اس لفظ سے رہائی ملے اور انگریز انہیں مخالف نہ جانیں۔

غیر مقلدین کا وہابیوں سے لاتعلقی کا اظہار

لفظ وہابی انگریزی سیاست میں کسی نہ کسی شبہ پر آ ہی جاتا تھا۔ غیر مقلدین نہ چاہتے تھے کہ انہیں ایک جنگ جو یا جانباز قوم سمجھا جائے۔ وہ صرف ترک تقلید کے عنوان سے ایک علیحدہ مکتب فکر قائم کرنا چاہتے تھے یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ وہ اپنے آپ کو میدان جنگ میں نہیں صرف ایک مذہبی دائرہ میں رکھنا چاہتے تھے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ وہ مولانا اسماعیل شہیدؒ سے اور ان کی جماعت مجاہدین سے پوری لاتعلقی کا اظہار کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ ان کا وہابیان نجد سے کوئی تعلق نہیں۔ انگریز اس جماعت مجاہدین کو حنفی ہونے کے باوجود وہابی کا نام دے چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہندوستان میں حکومت حاصل کرنے کی سعی میں ان کے خلاف ایک خطرہ ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

> برخلاف ان بزرگوں کے جو لفظ وہابی کو پسند نہیں کرتے اور اہل سنت و حدیث ہیں ان کے دین میں حکومت حاصل کرنے کی تگ و دو کرنا اور رعیت میں فساد پھیلانا اور مذہبی تعصب کو رونق دینا اور پھر کسی پر نفسانیت و عداوت سے مدعی ہونا سخت گناہ اور حرام ہے۔[1]

شیخ محمد بن عبدالوہاب سے لاتعلقی کا اظہار

نواب صدیق حسن خاں صاحب نہ چاہتے تھے کہ ان کی جماعت کسی پہلو سے حکومت

---

[1] ترجمان وہابیہ صفحہ

کی نظروں میں معتوب ٹھہرے۔ اس لیے وہ تقلید وہابی سے لاتعلقی کے ساتھ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے بھی کلیۃً لاتعلقی چاہتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

> اور سچ تو یہ ہے کہ وہابی ہونا عبارت ہے تقلید مذہب خاص ہونے سے،
> کیونکہ پیشوا وہابیوں کا محمد بن عبدالوہاب مقلد مذہب حنبلی تھا اور تابعین حدیث
> کسی مذہب کے مذاہب متعددہ میں سے مقلد نہیں، پس وہابیوں اور اہلحدیث
> میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔[1]

> اصل وہابی وہی لوگ ہیں جو پیرو محمد بن عبدالوہاب کے ہیں جس نے سنہ ۱۱۰۰
> میں نشان مخالفت کا ملک نجد عرب میں قائم کیا تھا اور خود یہ ایک غریب
> جنگجو تھا اس کے جو مقلد ہیں وہی وہابی مشہور ہیں۔[2]

شیخ محمد بن عبدالوہاب سے اس کھلی مخالفت کے باعث غیر مقلدین حضرات لفظ وہابی کو اپنے لیے گالی سے کم نہ سمجھتے تھے۔ وہ نہ چاہتے تھے کہ ان کی شیخ عبدالوہاب سے کوئی نسبت ہو۔ نواب صاحب مرحوم ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

> ہم کو وہابی کہنا ایسا ہے جیسا کوئی کسی کو گالی دے۔[3]

پھر ایک اور جگہ شیخ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> وہ مذہب خاص رکھتا تھا اور یہ لوگ (نواب صاحب کے گروہ کے) مذہب
> خاص نہیں رکھتے۔ قرآن اور حدیث پر عمل کرتے ہیں یہی ان کا مذہب ہے اور
> صرف خدا کی بات سے ہزاروں کوس بھاگتے ہیں اور نام سے وہابی کے انکار
> و تعجب کرتے ہیں اور وہابیت کو دین میں ایک بدعت جانتے ہیں۔[4]

نواب صاحب مرحوم کا ملکی آزادی کی تحریک سے دور رہنا ان کا سیاسی موقف ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں لیکن آپ کا شیخ کے مسلک کو بدعت قرار دینا یہ ہمیں کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی رائے یہ ہے: اس وقت کی سیاسی فضا میں یہ جرأت مندانہ بیان دیکھئے۔

---

[1] ترجمان وہابیہ صفحہ ۳۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۲۲ [3] ایضاً صفحہ ۱ [4] ایضاً صفحہ ۱

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے
اور مذہب ان کا حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی۔[1]

سو غیر مقلدین حضرات کا شیخ محمد بن عبدالوہاب کے عقیدے کو بدعت قرار دینا اور وہابیوں کو بدعتی سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں، یہ مقلدین حقیقت میں حدیث کے ہی پیرو ہیں۔

تقلید کرنے والے کو بدعتی کہنا اور آل شیخ کو بھی مبتدعین قرار دینا ایک زیادتی ہے۔ مقلدین ائمہ کی پیروی سے حدیث کی پیروی ہی مراد لیتے ہیں، امام کی ذاتی پیروی ان کے پیش نظر نہیں ہوتی وہ اس لیے اُن کی بات مان رہے ہوتے ہیں کہ وہ امام حدیث کے مطابق یا مراد حدیث کے مطابق بات کہتے ہوں گے۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید کے ساتھی حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی کا جو میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے شیخ حدیث تھے، لکھتے ہیں:۔

مقلدان ایشان را ہرگز بدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث
شریف است۔ پس ہمچو حدیث را بدعتی گفتن ضلال و موجب نکال است۔[2]

اس وقت یہ تاریخی موضوع پیش نظر نہیں کہ ہندوستان میں لفظ وہابی کی آمد کیسے ہوئی کس طرح یہ لفظ "وہابیان ہزارہ" (جو مذہب حنفی کے مقلد تھے) پہ آزمایا گیا۔ پھر کس طرح یہ لفظ غیر مقلدین ہند پہ اس مناسبت سے کہ ان کی حیثیت نماز آل شیخ کی ہیئت نماز سے ملتی جلتی تھی، لایا گیا اور پھر اس لیے کہ جن لوگوں میں اس لقب کا سیاسی مفہوم کارفرما نہ تھا. یہ لقب اُن سے واپس لے کر انہیں اہلحدیث سے موسوم کیا گیا. یہ مباحث اس وقت موضوع گفتگو نہیں، اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے. کہ ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کا قیام کب سے عمل میں آیا اور ترک تقلید کے عنوان سے اس دور میں یہ جماعت کیسے بنی. مذکورہ تفصیلات سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ترک تقلید کے عنوان سے جماعت کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی تھے. لیکن ان کے عہد تک جماعت مختلف ناموں سے معروف تھی. کبھی یہ حضرات محمدی کہلاتے تھے کبھی انہیں موحدین کہا جاتا تھا اور کبھی انہیں اہلحدیث بھی کہہ دیتے تھے. نواب صدیق حسن خاں صاحب کے دور تک کچھ اسی طرح کی کیفیت رہی.

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ [2] مأۃ مسائل سوال ۱۲ صفحہ ۴۲

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی پہلے شخص ہیں جنہوں نے بڑی تگ و دو سے اپنے گروہ کے لیے حکومت سے یہ نام منظور کرایا اور اسی وقت سے جماعت اہلحدیث کے نام سے چل رہی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں ترک تقلید کے عنوان سے جس شخص نے پہلے زبان کھولی وہ عبدالحق بنارسی تھا لیکن کسی پہلو سے اس کی کوئی خاص حیثیت نہ تھی۔ اس جماعت کے شیخ الکل جناب میاں نذیر حسین صاحب ہی سمجھے گئے اور یہیں سے اس مسلک کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس وقت اس گروہ کے چند اکابر کا کچھ مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ ان متقدمین سے ان کے متاخرین کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی (بانی مسلک جنہیں جماعت شیخ الکل کہتی ہے)

آپ ١٢٢٠ھ کو موضع سورج گڑھ ضلع مونگیر (بہار) میں پیدا ہوئے اور ١٣٢٠ھ میں سو سال کی عمر پا کر وفات پائی۔ آپ کے استاد اور خسر مولانا عبدالخالق صاحب (متوفی ١٢٦١ھ) آپ کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔ آپ پہلے رفع یدین نہ کرتے تھے حالانکہ آپ حدیث پڑھ چکے تھے۔ سرسید احمد خاں صاحب کی تحریک سے آپ نے رفع یدین شروع کی اور نئے مسلک کی بنیاد ڈالی۔ سرسید ایک خط میں لکھتے ہیں:

> جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی غیر مقلد وہابی بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر اس کو سنت ہونا جانتے تھے میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے ——— میرے پاس سے اٹھ کر جامع مسجد میں نماز عصر پڑھنے گئے اور اس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔[1]

پھر حکومت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ مولوی فضل حسین صاحب بہاری نے "الحیاۃ بعد المماۃ" کے نام سے آپ پر ایک کتاب لکھی ہے اس میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز سرکار آپ کے بارے میں کس طرح سوچتی تھی۔

---

[1] موج کوثر صفحہ [illegible] مؤلفہ شیخ محمد اکرام صاحب

کسے پتہ نہیں کہ سرسید احمد خاں کے حکومت سے کیا روابط تھے۔ ان کے کہنے سے رکوع کے وقت رفع یدین کرنا اور حکومت سے ۱۸۸۶ء میں شمس العلماء کا خطاب پانا اس پورے پس منظر کو واضح کر رہا ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت شاہ محمد اسحٰق نے انہیں سند حدیث کیوں دی سو یہ خود محل بحث ہے۔ مولوی فضل حسین بہاری لکھتے ہیں۔

آپ نے میاں صاحب کو صرف اطراف صحاح کی سند دی تھی میاں صاحب نے استعجابا آپ سے صحاح ستہ پڑھیں نہ ان کی سند لی میاں صاحب خود اس سند کو چیز ہی سمجھتے تھے۔[1]

آپ مطلق تقلید کے قائل تھے فقہ حنفی سے فتوی دینا جائز سمجھتے تھے۔ ائمہ کی شان میں گستاخ نہ تھے اور اسی وجہ سے آپ کا احترام ہر طبقے میں موجود تھا۔ غیر مقلد حلقوں میں گستاخ اور تفرقہ انگیز عناصر کے داعی عبدالحق بنارسی اور ابوالحسن محی الدین تھے۔ یہ دونوں نومسلم تھے۔ جو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے کے لیے داخل کئے گئے تھے اصلاً یہ ہندو تھے۔
عبدالحق بنارسی کا عقیدہ ملاحظہ کیجئے۔ میاں صاحب کے شاگرد قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی ان سے نقل کرتے ہیں عبدالحق نے کہا۔

عائشہ علی سے لڑی اگر توبہ نہ کی تو مرتد مری۔[2] (معاذ اللہ)

زبان اور ذہنیت دونوں ملاحظہ ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے شیعہ بھی ترک تقلید کی اس تحریک کے پیچھے بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے اور اہل سنت نہ جانتے تھے کہ ان کے حلقوں میں آزاد خیالی کی ہوا کہاں سے تیز کی جارہی ہے ——— ابوالحسن محی الدین جس نے الفتح المبین لکھ کر اس آگ کو اور بھڑکایا اس کا اصل نام ہری چند تھا۔ یہ لوگ ان چند زہر بھرے نشتروں سے مسلک تقلید پر ضرب لگا گئے جو [illegible] اس کے اثرات اب تک ملک کے ہر حصے میں موجود ہیں۔ اور منکرین حدیث کافی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں اور ترک تقلید کی یہ روش اب انہیں کفر کی سرحد کے بہت قریب لا چکی ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن لکھی گئی ہے۔ جس پر مولف کا نام نہیں چھپا ہے۔

---

[1] دیکھئے الحیات بعد الممات ص۲۹ [2] کشف الحجاب ص۲۲

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ

میاں نذیر حسین صاحب کے بعد جماعت کے بڑے بزرگ جناب نواب صدیق حسن صاحب سمجھے جاتے ہیں۔ ۱۲۴۸ھ میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے اور ۱۳۰۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کی رحلت کے وقت میاں نذیر حسین صاحب زندہ تھے۔ نواب صاحب مفتی صدر الدین صاحب دہلوی تلمیذ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے۔ ان کے ذریعہ ہندوستان میں ترک تقلید کی بڑی تیزی سے چلی ملکہ بھوپال شاہجہاں بیگم سے آپ کی شادی ہوئی تھی۔ اس دولت کی بدولت آپ کو مسلک کی اشاعت اور علمی خدمات کا خوب موقع ملا۔

آپ امت کے کثیر التصنیف علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو موحد اور اپنے گروہ کو موحدین ہند کہتے تھے جماعت کے لفظ اہلحدیث کا تعین اس وقت تک نہ ہوا تھا۔ ریاست بھوپال سے تعلق کی وجہ سے آپ چاہتے تھے کہ موحدین ہند ہر اس تحریک سے نفرت کریں جو انگریزوں کے خلاف ہو۔ چنانچہ مجاہدین بالاکوٹ جن کی قیادت حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید نے کی تھی۔ آپ نے ان سے ان الفاظ میں لاتعلقی ظاہر کی ہے۔

> گورنمنٹ ہند کے دیگر فرق اسلام نے یہ دلنشین کر دیا ہے کہ فرقہ موحدین ہند مثل وہابیان ملک عرب ایک بدخواہ فرقہ ہے اور یہ لوگ (موحدین ہند) ویسے ہی دشمن و فسادی ملک گورنمنٹ برٹش ہند کے ہیں۔ جیسے کہ دیگر شریر اقوام سرحدی (مجاہدین بالاکوٹ وغیرہ) بمقابلہ حکومت ہند سوچا کرتے تھے[1]

لفظ وہابی کے بارے میں انگریزوں اور نواب صاحب کی ایک سوچ

ملحوظ رہے کہ نواب صاحب نے وہابی کا لفظ ان لڑنے والوں کے لیے اس معنی میں استعمال کیا ہے جس معنی میں انگریز ان مجاہدین کو پکارا کرتے تھے اور اپنے لیے ان سے ممتاز نام موحدین ہند اختیار کیا ہے۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ جماعت صرف ہندوستان میں ہے اور ہندوستان سے باہر ان دنوں ترک تقلید کے عنوان سے کوئی مکتب فکر موجود نہ تھا بلکہ حقیقت کو دو

---

[1] ترجمان وہابیہ ص ۳ [2] ایضاً ص ۱۲

نے جب یہ درخواست منظور کر لی کہ اشتہار مقلدین کو وہابی نہ کہا جائے تو اس میں صراحت کی کہ یہ لوگ وہابیان ملک ہزارہ و مولانا اسماعیل شہید وغیرہم سے نفرت رکھتے ہیں چنانچہ نواب صاحب لکھتے ہیں:

> پس جب لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر موصوف نے اس درخواست کو منظور کیا اور پھر ایک اشتہار اس مضمون کا دیا گیا کہ موحدین ہند پر شبہ بدخواہی گورنمنٹ عامہ نہ ہو، خصوصاً جو لوگ کہ وہابیان ملک ہزارہ سے نفرت رکھتے ہوں اور گورنمنٹ ہند کے خیر خواہ ہیں ایسے موحدین مخاطب بہ وہابی نہ ہوں گے۔[1]

موحدین ہند اس وقت تک صرف اس درجہ تک پہنچے تھے کہ لفظ وہابی ان پر نہ بولا جائے اور مولانا اسماعیل شہید سے ان کا کوئی تعلق ظاہر نہ ہو لیکن ابھی تک یہ مرحلہ باقی تھا کہ حکومت سے چپکے چپکے سرکاری سطح پر لفظ اہل حدیث الاٹ کرا لیا جائے اور لفظ وہابی سرکاری طور پر ان کاغذات سے نکال دیا جائے۔ یہ خدمت مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے سرانجام دی۔

نواب صاحب کی سیاسی فکر

ترک تقلید کی فضا ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ آپ شیخ عبدالوہاب نجدی اور ان کے پیروؤں کے بھی سخت خلاف تھے۔ لفظ وہابی سے سخت نفرت تھی۔ انگریزوں کو بار بار یہ باور کراتے کہ ہم وہابی نہیں ہیں اور وہابیوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہاب عرب کے وہابی امام، نجد کے مقلد ہیں اور ہم غیر مقلد ہیں۔

> وقت کی سیاسی فضا میں مسلمانوں میں آزادی کی لہر پیدا کر گئی۔ ان خدمات کے باعث آپ کی انگریزی سرکار میں بہت قدر و منزلت تھی۔ آپ کو ایک لاکھ چھ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔[2] آپ کی صاحبزادی نفیس دلہن بیگم کو بھی حکومت سے بارہ لاکھ کی جاگیر ملی تھی۔[3] ان مراعات کے ہوتے ہوئے ان کی وفاداری کسی پہلو سے بھی مشکوک نہ تھی۔

---

[1] ترجمان وہابیہ ص ۲۲ [2] دیکھئے ترجمان وہابیہ ص [3] المحفوظ ص ۱۵ [4] دیکھئے اقتصادی مسئلہ مرزا حسن بیگ

موحدین ہند کی علمی اور عملی حالت

نواب صاحب کے معتقدین غیر مقلدین اہلحدیث کے نام سے موسوم نہ تھے۔ ترک تقلید کی فضا خاصی معروف ہو چکی تھی اور یہ لوگ موحدین ہند کہلاتے تھے۔ یہ لوگ کس علمی اور عملی حالت میں تھے۔ اسے خود نواب صاحب سے سنیئے :-

یہ لوگ معاملات کے مسائل میں حدیث کی سمجھ اور بوجھ سے بالکل عاری ہیں اور اہل سنت کے طریق پر ایک مسئلہ بھی استنباط نہیں کر سکتے، حدیث پر عمل کرنے کی بجائے زبانی جمع و خرچ اور سنت کی اتباع کی جگہ شیخی کی شیخیات پر اکتفا کرتے ہیں اور اسکو عین دین تصور کرتے ہیں[1]۔

نواب صاحب نے معاملات کی قید اس لئے لگائی ہے کہ عبادات میں ان لوگوں نے آمین بالجہر اور رفع الیدین وغیرہ کی کچھ روایات ضرور یاد کی ہوتی ہیں سو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ فن حدیث سے کچھ آشنا ہیں۔ نواب صاحب عبادات میں بھی ان غیر مقلدین سے چنداں موافق نہ تھے۔ آپ کے صاحبزادہ حسن علی لکھتے ہیں:-

آپ حنفی نماز کو ہمیشہ اقرب الی السنۃ فرماتے رہے تھے[2]

پیش نظر رہے کہ عبدالحق بنارسی اور میاں نذیر حسین صاحب کے دور تک یہ حضرات اہلحدیث (اصطلاح جدید) میں معروف نہ تھے۔ نہ اس وقت تک یہ اصطلاح باضابطہ طور پر قائم ہوئی تھی۔ تبھی یہ حضرات ترک تقلید کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ یا موحدین ہند کے نام سے

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی

مولانا بٹالوی ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ اور نواب صدیق حسن خان صاحب ہم استاد تھے۔ مولانا بٹالوی کے استاد بھی مفتی صدر الدین صاحب دہلوی تھے آپ نے حدیث میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے پڑھی۔ آپ مولانا عبدالمجید صاحب سوہدری کا یہ بیان پہلے سن آئے ہیں :-

---

[1] الحطہ صد۵ [2] مآثر صدیقی حصہ ا صد۳

لفظ وہابی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔[۲]

یہیں سے جماعت اہلحدیث ایک مستقل مکتب فکر کے طور پر ابھرتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس فرقے کا مولد و مسکن ہندوستان سے باہر کہیں نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اہل حدیث کہلانے سے پہلے موحدین ہند کہلاتے تھے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ ان دنوں یہ فرقہ اہلحدیث کے عنوان سے مشہور نہ تھا۔ وہاں کے تمام علماء تقریباً انہی بزرگوں کے شاگرد در شاگرد ہیں جنہیں جماعت کے مؤسسین کے طور پر ہم ذکر کر آئے ہیں۔ مولانا حافظ عبد المنان وزیرآبادی، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، مولانا عبد الوہاب ملتانی (بانی فرقہ امامیہ اہلحدیث) اور حافظ محمد لکھوی، حافظ غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ والے سب میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے ہی شاگرد تھے۔ البتہ غزنی سے چند ایسے اور بزرگ مزید تشریف لائے جو اس مکتب فکر میں شامل ہوئے اور بجا طور پر محنت و خدمت سے پنجاب میں ایک ممتاز گروہ بن گیا جسے یہ گروہ غزنوی نام سے معروف ہے۔

> مولانا عبد اللہ غزنوی میاں صاحب سے حدیث پڑھ کر واپس غزنی چلے گئے۔ وہاں مسلمانوں کو ترک تقلید کی دعوت دی۔ ان کی یہ تحریک وہاں مسلمانوں کی وحدت ملی کو توڑنے کا موجب بھی گئی اور یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اس کے پیچھے انگریزوں کی افغانستان پر قبضہ کرنے کی سازش کارفرما نہ ہو۔ اس پر حکومت افغانستان نے انہیں ملک سے نکال دیا۔ اور یہ حضرات ہندوستان آگئے۔ ہندوستان میں ان دنوں مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلدین کے نہایت ایڈووکیٹ تھے۔ آپ جہاد کے خلاف رسالہ الاقتصاد لکھ کر انگریزوں کو مطمئن کر چکے تھے اور پھر انہیں سرکار انگلشیہ سے ایک وسیع جاگیر بھی مل چکی تھی۔

سو ہندوستان میں غیر مقلد ہو کر رہنا اب ان حضرات کے لئے چنداں مشکل نہ تھا۔ یہاں کے غیر مقلدوں نے ان علمائے غزنی کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔

پنجاب میں غزنوی علماء کی آمد

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے عہد میں پنجاب میں غزنوی علماء کی آمد ہوئی۔ حضرت مولانا عبداللہ غزنوی افغانستان سے جلاوطن ہوئے تھے۔ ان حضرات کا رجحان ترک تقلید کی طرف تھا۔ انہیں یہاں بنا بنایا میدان مل گیا۔ ہندوستان کے دیگر اہلحدیث حضرات سے ان کا ایک موضوع میں اختلاف رہا۔ یہ حضرات تصوف اور بیعت وسلوک کے قائل تھے۔ مولانا عبدالجبار غزنوی نے اثبات الالہام والبیعۃ کے نام سے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی۔ مولانا عبداللہ غزنوی کے دو بیٹے مولانا عبدالجبار اور مولانا عبدالواحد تھے۔ مولانا عبدالجبار کے بیٹے مولانا داؤد غزنوی اور مولانا عبدالغفار تھے۔ مولانا عبدالواحد کی اولاد میں سے مولانا اسماعیل غزنوی اپنے حلقے میں معروف ہوئے۔ مولانا اسماعیل غزنوی سعودی عرب کے ملک عبدالعزیز بن آل سعود کے وزیر رہے ہیں۔ آپ کے واسطے سے سعودی عرب کے اور نجد کے علماء اور اہلحدیث ہند کے مابین خاصے تعلقات قائم ہو گئے یہاں تک کہ اس مناسبت سے پھر سے نجدی وہابی کی اصطلاح ہند میں آ گئی۔ اب یہ لوگ نجدی وہابی سے زیادہ گریز نہ کرتے تھے کیونکہ سعودی تعلقات سے ان کی ایک نسبت آل شیخ سے قائم ہو چکی تھی۔ سو لفظ وہابی یہاں اور قوت پکڑ گیا اسی دور میں غزنوی حضرات جماعت میں اپنی حکومت در حکومت سے ایک مرکز بنا گئے۔ پھر یہ ایک دور تک جماعت اہلحدیث کی قیادت ان کے ہاتھ میں رہی۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری علماء دیوبند اور جماعت اہلحدیث کے مابین ایک نقطۂ اتصال تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ گو مسلک ترک تقلید کا ہی رہا تاہم آخر دم تک علماء دیوبند سے بہت قریب کا تعلق رہا۔ غیر مقلدین میں سے آپ نے مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی سے حدیث پڑھی۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے بھی شاگرد تھے۔ ملک کی سیاسی جدوجہد میں آپ علماء دیوبند کے ساتھ شریک ہوئے اور فرق باطلہ کے رد میں بھی علماء دیوبند کے شانہ بشانہ کام کیا۔ انگریزوں کی ڈائری میں تحریک ریشمی رومال کے ذیل میں لکھا ہے۔

جو وہابیوں کی فہرست میں میجر جنرل ہے یہی شخص مولوی ثناء اللہ امرتسری ہے
انجمن اہلحدیث پنجاب کا صدر ہے۔ ہندوستان میں شاید سب سے ممتاز وہابی
ہے۔ امرتسر سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اردو اخبار اہلحدیث کو
مرتب کرتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری مولانا محمود الحسن کا شاگرد ہے اور
شاید بیس پچیس برس گزرے ان سے حدیث پڑھی تھی[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز جواب پھر سے لفظ وہابی ان حضرات کے لیے واپس لائے تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے جب رسالہ تنسیخ جہاد پر دستخط کیے اور وہابیان ہندوستان سے نفرت کا اظہار کیا تھا تو لفظ وہابی ان موحدین ہند سے اٹھا لیا گیا تھا اور جونہی ان میں سے کسی نے مولانا محمود الحسن سے نسبت ظاہر کر دی تو پھر اُسے وہابی قرار دیا جانے لگا۔ انگریزی سیاست کے اس مد و جزر میں معلوم نہیں کتنے لوگ ڈوبے ہوں گے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی

آپ مولانا غلام حسن صاحب سیالکوٹی (شاگرد نواب صدیق حسن صاحب) اور حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی کے شاگرد تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری سے گہرے تعلق کی بنا پر یہ بھی علماء دیوبند کے بہت قریب ہو گئے تھے یہاں تک کہ آپ کے بارے میں انگریزوں کی ڈائری میں یہ الفاظ ملتے ہیں:۔

ابراہیم مستری ولد قادر بخش سکنہ سیالکوٹ ——— مشہور اور نہایت با اثر اور متعصب
وہابی مبلغ ——— ہندوستان میں سفر کرتا رہتا ہے۔ اور وہابیوں کے جلسوں میں اور
دوسرے فرقوں سے مناظروں کے دوران نہایت پُرجوش تقریریں کرتا ہے
اس لیے اس کی ہر وقت مانگ رہتی ہے ——— ظفر علی کا کٹر حامی ہے اور
ثناء اللہ امرتسری کا ساتھی اور مولوی عبدالرحیم عرف بشیر احمد اور عبداللہ پشاوری
کتب فروش کا ساتھی ہے[2]

---

[1] تحریک ریشمی رومال (انگریزوں کی اپنی ڈائری) ص   [2] ایضاً

جنگ طرابلس، جنگ بلقان اور کانپور کی مسجد کے واقعہ پر اس نے
سیالکوٹ میں کافی بے چینی اور شورش پھیلا دی تھی۔ میر ابراہیم کے بارے
میں شبہ ہے کہ برطانیہ کے خلاف مسلم پروپیگنڈے میں اس کا ہاتھ ہے۔[1]

کیا ستم ظریفی ہے کہ جماعت اہلِ حدیث کے جس فرد نے کسی قومی کام یا تحریکِ آزادی میں حصہ لیا، انگریز پیچھے اس کے لیے لفظ وہابی ڈھونڈ لائے، اور باوجودیکہ شمس العلماء میاں نذیر حسین صاحب، نواب صدیق حسن صاحب اور مولانا محمد حسین بٹالوی نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ ان کا کوئی تعلق مولانا اسماعیل شہید سے ثابت نہ ہو اور وہ اپنے ماحول میں وہابیانہ مزاج سے ہر گونہ اظہارِ نفرت بھی کرتے رہے۔ مگر وہابی کا نام جماعت سے پھر بھی کلیۃً اٹھ نہ سکا اور ان سے تعلق کا داغ دھل نہ سکا۔

یہاں تک گفتگو اس موضوع میں تھی کہ جماعت اہلحدیث (بہ اصطلاحِ جدید) کب سے قائم ہوئی اور اس کے مؤسسین کون کون حضرات تھے۔ اس ضمن میں لفظ وہابی بھی زیرِ بحث آگیا اور ہم نے اختصارِ وقت کی رعایت کرتے ہوئے اس پر بھی کچھ تاریخی بحث کی ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ بنیادی عقائد میں جماعت اہلحدیث عام مسلمانوں سے الگ کوئی جماعت نہیں۔ ترکِ تقلید کی تحریک میں جو لوگ حد سے بڑھنے والے تھے وہ اپنی اپنی جگہ خود ہی جماعت سے نکل گئے۔ کوئی مرزائیت میں چلا گیا، کوئی انکارِ حدیث کی لہروں میں جا ڈوبا، کسی نے نیچریت کی قبا زیبِ تن کی، اور جماعت اہلحدیث نے اپنی موجودہ شکل میں اپنے لیے سلفی کا عنوان اختیار کر لیا۔ یہ مذہب باعتبار دور کی ایک اچھی تعبیر ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تبدیلی ان میں سعودی عرب سے وابستگی کے بعد آئی ہے چونکہ علماء آلِ سعود زیادہ تر سلفی ہیں۔ یہ اس لیے سلفی ہو گئے کہ ان سے رابطہ اس کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔ حقیقت میں یہ سلف کے پیرو ہیں یا نہیں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، ایک بدگمانی ہے جو بلا شہادت جائز نہیں۔ جو بات ذوق و اتفاق کے قریب ہو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے جب تک بات اس کے خلاف کھل کر سامنے نہ آجائے۔

---

[1] انگریزوں کی فائلوں میں تحریک ریشمی رومال ص

ترکِ تقلید کے نتیجے میں نئے نئے مذاہب

ہندوستان میں مغلیہ عہد میں صرف دو ہی فرقے پائے جاتے تھے سُنّی تھے یا شیعہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ سے مذہب شیعی یا حنفی رکھتے ہیں۔[1]

انگریزوں نے جب یہاں مذہبی آزادی کا اعلان کیا تو سلاطین مغلیہ کی وہ گرفت جو عام مسلمانوں کو ایک ہی مذہب پر رکھے ہوئے تھی ڈھیلی پڑ گئی۔ نواب صاحب گورنمنٹ کی پالیسی کے بارے میں لکھتے ہیں:

جو امن و آسائش و آزادگی اس حکومت انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی کسی حکومت میں بھی نہ تھی اور وجہ اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھی گئی کہ گورنمنٹ نے آزادی کامل ہر مذہب والے کو دی ہے۔[2]

شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب نے اس آزادی سے فائدہ اٹھایا۔ سر سید احمد خان نے کل سلف سے ہی علمی بغاوت کر دی۔ نیچری فرقہ کے عنوان سے مستقل ایک نئی شکل میں سامنے آئے مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اور مرزا غلام احمد قادیانی جو مدتوں اہلحدیث مسلک پر رہ کے کام کرتے رہے تھے۔ ان میں سے مرزا غلام احمد کا پڑا نے اسلام سے بغاوت کر گئے اور قادیانی مذہب وجود میں آیا۔ میاں نذیر حسین صاحب کے شاگرد مولانا سلامت اللہ جیراجپوری اہلحدیث دیا مصلح جدید ین کے نامور عالم تھے، مگر ان سے ان کے بیٹے حافظ اسلم جیراجپوری ترک تقلید میں آگے بڑھ کر ترک حدیث کی سرحد پر آ گئے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے شاگرد مولوی عبداللہ چکڑالوی نے لاہور میں جماعت اہلحدیث کی پہلی مسجد چینیاں والی کے امام و خطیب تھے، رفتہ رفتہ منکرین حدیث کے پیشوا بنے اور پھر انہی ہندوستان میں قادیانی، نیچری، چکڑالوی سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر آ کھڑے ہوئے۔ یہ تلخ تجربے کے گھاٹ۔ اہلحدیث اگر پھر سے پیچھے پر غور کیا کر ترک تقلید کا یہ انداز آخر کہاں تک چلا ہے کہ کہیں یہ ساری جماعت کو ہی اسلام سے باہر نہ کر دے۔

---

[1] ترجمان وہابیہ صفحہ ۲ [2] ایضاً صفحہ ۳

اکابر جماعت اہلحدیث کے بیانات

مرزا غلام احمد قادیانی کے پرانے دوست مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں :-

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔[1]

پھر آپ یہ بھی لکھتے ہیں :-

گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جاتے ہیں۔[2]

مولانا سید علی میاں ندوی کے والد مولانا سید عبدالحی مرحوم نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد میں مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

وشدد النكير على مقلدي الائمة الاربعة لاسيما الاحناف وتعصب في ذلك تعصباً غير محمود فثارت به الفتن وازدادت المخالفة بين الاحناف واهل الحديث وخرجت المناظرة الى المكابرة والمجادلة الشائنة ثم لما كبرت سنه ورأى ان هذه المنازعة كانت سبباً للمروق من الاسلام ورجع المسلمين الى غاية من النكبة والمذلة رجع الى ما هو اصلح لهم في هذه الحالة ــــــ

واما ما كان عليه من المعتقد والعمل فهو على ما قال في بعض الرسائل ، ان معتقده معتقد السلف الصالح مما ورد به الاخبار وجاء في صحاح الاخبار ولا يخرج مما عليه اهل السنة والجماعة ومذهبه في الفروع مذهب اهل الحديث المتمسكين بظواهر النصوص۔[3]

ترجمہ: مولانا بٹالوی نے مقلدین ائمہ اربعہ خصوصاً احناف کے خلاف شدت اختیار کی اور اس میں ایسے تعصب سے چلے کہ اسے اچھا نہیں کہا جا سکتا، پس اس سے

---

[1] اشاعۃ السنہ جلد ۱۱ نمبر ۴ ۲ ایضاً ۳ نزہۃ الخواطر للعلامۃ الشیخ عبدالحی ...

تھے جو کہ آپ نے اور احناف اور فرقہ اہلحدیث کے مابین مخالفت زیادہ ہو گئی
معلوم ہے۔ مکہ مدینہ و حجاز بلکہ مشرق تک پہنچے۔ پھر جب آپ بڑی عمر کو پہنچے اور
آپ نے دیکھا کہ مقلدین سے بیگانگی ضعف اسلام کا سبب ہو گیا ہے اور مسلمان
دہریت اور بدتہذیبی کے گڑھے میں جا رہے ہیں تو آپ پھر اس طرف مڑے جو مسلمانوں
کے لئے اس حالت میں بہتر تھا ——— ہاں جہاں تک آپ کے اعتقاد اور
عمل کا تعلق ہے وہ یہ ہے جیسا کہ آپ نے اپنے بعض رسالوں میں کہا ہے
کہ ان کا اعتقاد سلف صالحین کا ہے جو اخبار اور صحیح احادیث میں آیا ہے
اور وہ اس حد سے نہیں نکلیں گے جو اہل سنت و جماعت کی حد ہے۔ رہیں
فروعات تو اس میں وہ اپنا اہلحدیث کے طریقے پر رہیں گے جو نصوص کے ظواہر
سے تمسک کرتے ہیں۔

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی فکری کروٹ پر پوری جماعت اہلحدیث کو روشن ہونا جانا چاہئے تھی۔ لیکن افسوس کہ وہ لفظ حنفی اور شافعی وغیرہ سے اسی طرح چڑ گئے تھے کہ کسی وجہ میں وہ فقہ کے قریب آنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولانا محمد حسین بٹالوی کے مسلک کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت کی ایک لہر تھی۔ جو جماعت کے پیش نظر عمل کرتے رہے۔ ان میں بہت کم تھے جو معتدل مزاج رہے اور اہل السنۃ والجماعت کے دائرہ کے اندر رہے۔ تاہم ۱۳۲۱ھ کو اس قدر ہے کہ جماعت اہلحدیث کے اعیان و اراکین لاہور میں جمع ہوئے اور انجمن اہلحدیث کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ جس کے صدر مولانا محمد حسین بٹالوی قرار پائے۔ مولانا بٹالوی مرزا غلام احمد قادیانی کا حال دیکھ کر ڈر رہے تھے کہ غیر مقلدین فقہ اور مقلدین سے جو نفرت بڑھا رہے ہیں اس سے اندیشہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت یہ لوگ (غیر مقلدین) پورے سواد اعظم سے ہی منحرف نہ ہو جائیں۔ انہوں نے اہلحدیث کے ساتھ اپنے کو حنفی کہنے کی راہ نکالی۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں:۔

لاہور میں ایک مجلس اہلحدیث کے نام سے مقرر ہو کر قائم ہوئی ہے جس کے

لے یہ مجلس نامزد ہو کر قائم ہوئی تھی حکومت برطانیہ نے یہ نام اہلحدیث انہیں الاٹ کیا تھا۔

صدر ہونے کی عزت اس ناچیز کو بخشی گئی ہے۔ اس میں یہ امر بحث میں آیا تھا کہ
اہلحدیث (جس کی طرف یہ انجمن منسوب ہوئی ہے) کی کیا تعریف ہے اور اہلحدیث
سے کون شخص موسوم ہو سکتا ہے (جو اس انجمن کے ارکان اور مجلس منتظمہ میں داخل
ہونے کا استحقاق رکھتا ہو) اس کا تصفیہ رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۲۰ کے صفحہ ۷
(جو اہلحدیث قوم کا اور گورنمنٹ میں معتبر ایڈوکیٹ Representative
و ریپریزنٹیٹو ہے) کے اس بیان سے ہو گیا کہ اہلحدیث وہ ہے جو اپنا دستور العمل
والاستدلال احادیث صحیحہ اور آثار سلفیہ[1] کو بنا دے اور جب اس کے نزدیک
ثابت و محقق ہو جائے کہ ان کے مقابلہ میں کوئی معارض مساوی یا ان سے
قوی پایا نہیں جاتا، تو وہ ان احادیث و آثار پر عمل کرنے کو مستعد ہو جاوے
اور اس عمل سے اس کو کسی امام یا مجتہد کا قول بلا دلیل[2] مانع نہ ہو۔

چونکہ اس تعریف کی رو سے بے تعصب و منصف مزاج مقلدین
مذاہب اربعہ حنفیہ وغیرہ جو عمل بالحدیث کو جائز رکھتے اور سعادت سمجھتے
(تقلید مذہب ان کو اس عمل بالحدیث سے مانع نہ ہوتی ہو) داخل ہو سکتے ہیں۔ نظر
برآں اس انجمن کے صدر مقام کی یہ رائے قرار پائی کہ اس انجمن کے نام میں ایسی
تعمیم و توسیع ہو جانی چاہیے کہ اس کا نام سنتے ہی وہ مقلدین جو عمل بالحدیث
کو سعادت سمجھتے ہیں داخل سمجھے جائیں۔ بنا بریں اس کی تجویز یہ ہوئی کہ لفظ
انجمن اہلحدیث کے ساتھ بریکٹ میں حنفیہ وغیرہ بڑھا دیا جائے۔[3]

پھر مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی اپنی رائے ملاحظہ کیجئے۔

---

[1] احادیث کے ساتھ آثار سلفیہ کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ارشادات کو بھی اپنے لیے نمونہ سمجھے
[2] غیر مقلد علماء تقلید کو بلا دلیل کسی قول کی صفت بتاتے ہیں۔ یعنی وہ بات جس پر شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو
ظاہر ہے کہ اس کا ماننا کسی کے ہاں معتبر نہیں۔ مقلدین نے تقلید کی صفت نہیں ماننے کی صفت سمجھتے
ہیں کہ کسی مجتہد کی بات کو اس سے دلیل طلب کئے بغیر اس کے اعتماد پر مان لینا کہ قرآن و حدیث کے مطابق
ہی بتلا رہا ہو گا۔ [3] ماہنامہ الہدیٰ بابت ماہ ذیقعدہ [illegible] باہتمام مولوی کریم بخش مہتمم و مالک مطبع مفید عام پریس لاہور

کفر و نفاق کے تھے اور بدعتی ملاحدہ اور زنادقہ کا تھا۔ اسی طرح یہ جاہل، بدعتی اہلحدیث اس زمانہ میں بابیہ اور وہابیہ اور بدعتی ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہ مثل اہل التشیع کے۔[1]

اس عبارت سے واضح ہے کہ ان پڑھ جاہلوں کا اہلحدیث کہلانا کس طرح آئندہ دینی فتنوں کی اساس بنتا رہا اور یہ بھی عیاں ہے کہ اس جماعت غیر مقلدین کے اعتدال پسند علماء کتنی دیر سے ترک تقلید کے کڑوے پھل چکھتے رہے ہیں اور ان کا ذائقہ بھی ساتھ ساتھ بتاتے رہے ہیں۔

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے اچھا کیا جو اپنے آپ کو اہلحدیث حنفی کہنے لگے۔ یہ کسی درجہ میں فقہ کی طرف رجعت کا ایک قدم تھا۔ اس پر دیگر علماء فرقہ اہلحدیث بہت سیخ پا ہوئے۔ تاہم مرزا غلام احمد کے مناظرہ کا یہ ایک طبعی اثر تھا جو اس کے پرانے دوست مولانا محمد حسین صاحب پر اس تبدیلی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالحق سیالکوٹی لکھتے ہیں:

"جناب فہیم و ذکا، صاحب صدق و صفا کی خدمت میں عرض ہے کہ کچھ عرصے سے جناب مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے اپنے آپ کو اہلحدیث حنفی لکھا ہے۔ آپ کے اس لقب پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر اخبار اہلحدیث نے ایک نوٹ لکھا ہے۔"[2]

اس سے واضح ہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی میں یہ تبدیلی بعد میں آئی۔ اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی دینی تباہی آنکھوں سے دیکھی تھی۔

مولانا وحید الزماں کی رائے

غیر مقلدین کا گروہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی ـــــ قرآن کی تفسیر صرف لغت سے ـــــ اپنی من مانی کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں مانتے۔[3]

---

[1] کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ ص ۲۶۱ [2] الانصاف لرفع الاختلاف ص ۱۰ مصنفہ مولانا عبدالحق مطبوعہ ۱۳۰۸ھ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور۔ [3] وحید اللغات مادہ شعب، حیات وحید الزماں

مولانا عبدالعزیز سیکرٹری جمعیت مرکزیہ اہلحدیث ہند

اہلحدیث جو اپنے ایمانیات و عقائد کی پختگی میں ضرب المثل تھے ۔ ۔ ۔ ۔ معتزلہ
و متکلمین کی شریعت کو دوبارہ زندہ کرنے والے حضرات ہم میں پیدا ہو گئے
اور ان کی بڑی قدر افزائی کی گئی ـــــ نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج جمعیت اہلحدیث
ایک جسم بے جان رہ گئی بلکہ جسم کہتے ہوئے بھی قلم رکتا ہے۔ آج ہم میں تفرق و
تشتت کی یہ حالت ہے کہ شاید ہی کسی جماعت میں اس قدر اختلاف و افتراق ہو۔[1]

ترک تقلید کا یہ نتیجہ ان حضرات کے اپنے قلم سے آپ کے سامنے ہے۔ کاش کہ یہ حضرات مولانا محمد حسین بٹالوی کی بات مان لیتے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس وقت تو اپنے استاد مولانا بٹالوی کی مخالفت کی لیکن ترک فقہ کے نتیجہ میں جب ترک حدیث کی اٹھتی ہوئی لہر دیکھی قرآن کے ذہن نے بھی پھر پلٹا کھایا۔ مرزا غلام احمد کے ترک تقلید نے مولانا محمد حسین بٹالوی میں فکر کا شعور بیدار کیا۔ تو مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تحریک ترک حدیث نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو سوچنے پر مجبور کیا۔ کہ ترک حدیث کی ان لہروں کا پس منظر کیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مولوی عبداللہ چکڑالوی امام مسجد چینیاں والی لاہور کے بارے میں رقمطراز ہیں :

جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے ہیں تو
انہوں نے احادیث پر نکتہ چینی شروع کر دی اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحلہ بھی
طے ہو جائے گا تو وہ جمع و تدوین قرآن میں رخنے نکالنا شروع کر دیں گے اور
جب تک لوگوں کو اس عیاری کا پتہ نہ چلے گا وہ عوام اور نئے تعلیم یافتہ طبقے
کے دل و دماغ کو اتنا مسموم کر چکے ہوں گے کہ اس کا تدارک کسی سے نہ ہو سکے گا۔[2]

آزادی رائے کا غلط استعمال

میاں نذیر حسین صاحب سے لے کر مولانا محمد حسین بٹالوی تک ہندوستان میں مطلق

[1] فیصلہ مکہ ص [illegible]   [2] فتاوی ثنائیہ جلد ا ص [illegible]

تقلید کا انکار کہیں نہ تھا۔ غیر مقلدین بھی صرف تقلید شخصی کے خلاف تھے اور جملہ موحدین مجتہد اجتہادی مسائل میں فقہ حنفی کا فیصلہ لیتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے عہد سے غیر مقلدین مطلق تقلید کے انکار کے درپے ہوئے پھر انہی کے عہد میں ترک تقلید کی فضا اپنی پوری بہار پر آئی۔ غیر مقلدین نہ صرف مقلدین سے برسر پیکار ہوئے، بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہوگئے۔

قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری نے مولانا ثناء اللہ کے خلاف ایک کتاب لکھی۔ اور اس کا نام کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ رکھا اور اسے اظہار کفر ثناء اللہ بجمیع اصول آمنت باللہ سے ملقب کیا کہ مولوی ثناء اللہ ایمان کی تمام بنیادوں کا منکر ہے۔

غزنوی حضرات نے مولانا ثناء اللہ کے خلاف اربعین لکھی اور اس پر چالیس کے قریب علماء اہلحدیث (باصطلاح جدید) نے دستخط کیے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کو اہلحدیث سے خارج قرار دیا۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے مظالم روپڑی بر مظلوم امرتسری لکھ کر جماعت کی اندرونی حالت پوری طرح بے نقاب کی۔[1]

مولانا عبدالوہاب ملتانی کے خلاف بانوے علماء اہلحدیث نے دستخط کیے اور کہا کہ مدعی امامت مولانا عبدالوہاب ملتانی گمراہ ہے، اہلحدیث سے خارج ہے اور حدیث من لم یعرف امام زمانہ کا مستحق ہے۔ پھر مولانا عبدالوہاب کے شاگرد خصوصی مولانا محمد جوناگڑھی نے مولانا عبداللہ روپڑی کے بارے میں لکھا۔

> یہ مولوی صاحب جو لکھے ہیں بدعقیدہ ہیں اسے علم دین سے بلکہ خود دین سے بھی مس نہیں ...... اس کا وعظ ہرگز نہ سنو بلکہ اگر بس ہو تو وعظ کہنے بھی نہ دو، نہ اس کے پیچھے جمعہ جماعت پڑھو۔[2]

مولوی محمد یونس مدرس اول مدرسہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے حافظ

---

[1] دیکھئے سیرت ثنائی ص ۳۸۲ اور ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹۹ مؤلفہ مسعود عالم ندوی

[2] مظالم روپڑی ص ۳۴ تالیف مولانا ثناء اللہ امرتسری

عبداللہ صاحب روپڑی کے بارے میں فرمایا:۔

شخص مذکور ملحد ہے ...... ایسے لوگوں سے قطع تعلق ضروری ہے[1]

ان حضرات کی یہ تیر آزمائی صرف اپنے علماء تک محدود نہ تھی، مولانا عبدالوہاب صاحب نے دراصل اہلحدیث کو بھی اپنے اس فتنے میں گھسیٹ لیا۔ مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی مولانا عبدالوہاب سے نقل کرتے ہیں:۔

جب تک مسلمان امام کو نہیں مانتا اس کا اسلام ہی معتبر نہیں[2] ...... کوئی کام نکاح ہو یا طلاق بغیر اجازت امام وقت جائز نہیں[3]

ان حضرات کے اخبار محمدی کی ایک سرخی ملاحظہ ہو۔ بدعتی کا خوفناک پھیرا[4]

ان کتابوں اور عنوانوں سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ترک تقلید کے جوش میں یہ لوگ اپنے گھر میں کیسی خوفناک آگ سے دوچار تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی خدمات اہلحدیث پر ان کے ہمنوا علماء انہیں سردار اہلحدیث کہتے تھے۔ مولانا عبداللہ روپڑی کو ان کی یہ حیثیت پسند نہ تھی۔ آپ نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

ٹھیلے کے نیچے کتا چل رہا تھا وہ سمجھا کہ ٹھیلے کو میں کھینچ رہا ہوں تمہاری مثال یہ ہے[5]

غیر مقلدین کی اس سرد جنگ سے یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ ترک تقلید کی تحریک اس وقت کس مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ دین اور سلف صالحین سے بے نیازی کی روش جماعت اہلحدیث میں کہاں تک آزادی پیدا کر چکی تھی۔ تاہم یہ غنیمت ہے کہ جماعت کے بعض حضرات کو اس کا شدت سے احساس ہوا اور جو لوگ ترک تقلید میں حد سے بڑھتے جا رہے تھے وہ اپنی جگہ

---

[1]   [2] مقاصد الامامۃ ص۱۶ [3] ایضاً

[4] اخبار محمدی دہلی یکم جون ۱۹۳۹ء [5] ثنائی نزاع ص تالیف عبداللہ روپڑی صاحب

زود ہی جماعت سے نکل گئے اور اہلحدیث (بہ اصطلاح جدید) اپنی موجودہ شکل میں کچھ نہ کچھ سنبھل گئے اور انہوں نے صحابہ کرام سے تمسک کرنے کو بعض صورتوں میں داخل کرلیا۔

مسلک اہلحدیث میں اقوالِ صحابہ کا درجہ

اہل السنۃ والجماعت کی بنیاد ہی صحابہ کرام سے وابستگی پر ہے اور یہی جماعت ہے جس کی طرف منسوب ہو کر وہ اہل السنۃ والجماعت کہلاتے ہیں۔ جب تک ان کے قول و فعل سے تمسک ہے غیر مقلدین بھی جماعت (اہلحدیث بہ اصطلاح جدید) کے دائرہ میں رہیں گے اور اس گروہ کے جو لوگ حضرت صحابہ سے علیحدگی کی بے تابی کا نشانہ بنیں۔ وہ انجام کار اسلام کی سرحد کو بھی پار کر جائیں گے۔ جماعت کے معتمد عالم حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی لکھتے ہیں:

> جب انسان کو کوئی مسئلہ قرآن و حدیث سے صراحۃً نہیں ملتا تو وہ قرآن و حدیث میں اجتہاد و استنباط کرتا ہے اور وہ اجتہاد و استنباط قرآن و حدیث سے الگ نہیں کہلاتا۔ اسی طرح صحابی کے اس قول کو جو اجتہاد و استنباط کی قسم سے ہو اس کو قرآن و حدیث سے الگ نہ سمجھنا چاہئے۔ بلکہ قرآن و حدیث میں داخل سمجھنا چاہیئے ہے[1]
>
> اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ صحابہ کے آثار میں اول تو رفع یعنی رسول کی حدیث ہونے کا احتمال قوی ہے اور اگر کہیں فہم کا دخل ہو تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کی طرف زیادہ نزدیک ہیں کیونکہ صحابہ آپ کی طرز بستہ [illegible] کو دیکھتے تھے اور آپ کے کنایہ اور اشارہ سے خوب سمجھتے تھے اور بعض قرائن مشاہدہ سے تحقیق بھی ان کو خوب واقف تھے اور پچھلے لوگ ان باتوں سے محروم ہیں۔ اس لئے پچھلوں کے اجتہاد پر صحابہ کے اقوال کو مقدم کرنا لازم ہے اور صحابہ چونکہ ان باتوں میں برابر ہیں اس لئے ان کے اقوال آپس میں ایک دوسرے کو رد کرنے لازم نہیں۔[2]

لے تنظیم اہلحدیث ص [illegible] ۲ے ایضاً ص [illegible]

مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی اس سے پہلے ساری بحث کا حاصل ان لفظوں میں لکھ چکے ہیں:

"قول صحابہ کے ساتھ استدلال کرنا حنفیہ اسلام میں داخل ہے۔"[1]

کتنا اچھا ہو کہ گروہ اہلحدیث کے دیگر حضرات بھی صحابہ کے قول و عمل سے استفادہ جائز سمجھیں اور سے اپنی رائے پر ہر حال میں مقدم کریں۔ یہ صحابہ کی اتباع اور پیروی کا عقیدہ ہے جو اہلحدیث حضرات کو اہل السنۃ والجماعت میں داخل کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ائمہ کرام کا ادب و احترام بھی ضروری ہے۔ ان کے کسی فیصلے سے اختلاف دوسری بات ہے اور مجموعی طور پر ان کی جلالت قدر سے کھیلنا اور ان کی علمی امامت کے انکار سے بڑھ کر اکابر امت کی تجہیل کرنا یہ وہ خوفناک روش ہے کہ اس راہ پہ چلنے والے کبھی اہل السنۃ والجماعۃ میں نہیں رہ سکتے۔ جماعت اہلحدیث کے جو علماء ائمہ حدیث و فقہ اور جمیع علماء مجتہدین ائمہ اربعہ کا اکرام و احترام کرتے ہیں انہیں چند فروعی اختلافات کی بنا پر اہل السنت کے دائرہ عقیدت سے باہر نہ سمجھا جائے۔

علماء اہلحدیث کے ہاں امام ابوحنیفہ کا مقام

مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے بہت قریبی دوست ہونے کے باعث علماء دیوبند سے بھی نسبتاً زیادہ قریب تھے۔ امام ابوحنیفہ کے بہت معتقد تھے۔ اکثر فرماتے کہ امام ابوحنیفہ کا احترام مجھے روحانی طور پر بتلایا گیا ہے۔

میں ان شخصوں کو جن کو حضرت امام سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں افسوس تم لوگوں پر مجھے جو کچھ عالم بیداری اور خواب میں دیکھا اس نے مجھے جھگڑا کرنے سے روک دیا ہے۔[2]

جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔[3]

آپ نے تاریخ اہلحدیث کے نام سے محدثین اور اپنے اکابر جماعت کی ایک تاریخ لکھی تھی۔ اس میں آپ نے امام ابوحنیفہ کا بھی ذکر کیا۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس دہلی اس کو شائع کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ لوگ اس پر رضامند نہ تھے کہ امام ابوحنیفہ کو محدثین میں ذکر کیا جائے۔

---

[1] تنظیم رسالہ اہلحدیث ص [illegible] [2] تاریخ اہلحدیث ص [illegible] [3] ایضاً ص [illegible] نقوش ... الحافظ عبدالستار

انہوں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ حضرت امام صاحب کا ذکر اس کتاب سے نکال دیں۔ مولانا ابراہیم صاحب نے کتاب ان سے واپس لے لی۔ مگر امام صاحب کا نام اس کتاب سے نہ نکالا اور فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کا نام محدثین سے کبھی الگ نہیں ہو سکتا۔

غزنوی خاندان کے ہر فرد بھی حضرت امام صاحب کی شان میں بہت مؤدب رہے ہیں۔ سید ابوبکر غزنوی نے اپنے والد مولانا محمد داؤد غزنوی کے سوانح حیات میں مولانا محمد اسحٰق بھٹی کا ایک مقالہ بھی درج کیا ہے۔ اس میں آپ سید محمد داؤد غزنوی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> ائمہ کرام کا ان کے دل میں انتہائی احترام تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اسم گرامی بے حد عزت سے لیتے۔ ایک دن میں اُن کی خدمت میں حاضر تھا کہ جماعت اہلحدیث کی تنظیم سے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ بڑے درد ناک لہجہ میں فرمایا:۔
>
> مولوی اسحٰق! جماعت اہلحدیث کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کر رہا ہے۔ کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بڑا احسان کرے تو وہ انہیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد اور یک جہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے۔ (مولانا داؤد غزنوی ص ۳۷۳)

ان دنوں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وصیت جو آپ نے اپنے بیٹے حماد کے نام لکھی نئی نئی طبع ہو کر آئی تھی۔ آپ اسے آنے جانے والوں کو دکھاتے اور فرماتے حضرت امام ابوحنیفہ کی نظر کم از کم پانچ لاکھ احادیث پر تھی۔

اب بھی جماعت اہلحدیث میں بہت سے لوگ ہیں جو ائمہ کرام اور فقہائے اسلام کا احترام کرتے ہیں لیکن افسوس کہ چند نا عاقبت اندیش متعصب افراد کی جسارت اور دوسروں کی اس پر مصلحت آمیز خاموشی پوری جماعت کو اہل السنت والجماعت سے الگ کر رہی ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لیکن افسوس کہ ان کے نصیب قسم کے علم اور جہالت میں اپنی تھوڑی شخصیت ابھارنے والے فقہ حنفی سے یہ سر عام کھیلتے ہیں۔ حضرت امام کے علم حدیث کا تمسخر اڑاتے ہیں اور یہ مسخرے نہیں جانتے کہ حضرت امام کی ہر دو صاحبین کے بھی شامل حال ہوئی وہ قادیانی ہو کر مرزا یا رفض کی گود میں گر گیا یا اسے منکرین حدیث میں جگہ ملی اور یا وہ پاگل ہو گیا۔ علامتیں اسے یہاں سے رخصتی نہیں ہوئی۔ اعاذنا اللہ من سوء الادب فی ائمۃ المجتہدین۔

یہ درست ہے کہ اس حلقے میں بعض حضرات معتدل مزاج بھی تھے۔ انہوں نے کوشش کی کہ جماعت کو مطلق العنان ہونے سے بچایا جائے اور انہیں پابند کیا جائے کہ کسی مسئلہ میں سلف کی حدود سے نہ نکلیں۔ اس جذبہ سے بہت سے لوگ جو کبھی پہلے جو لوگ قال اللہ و قال الرسول کے سوا کچھ نہ سنتے تھے اب سلف کی پیروی میں فخر محسوس کرنے لگے۔ یہ ان لوگوں میں پہلی نظریاتی تبدیلی ہے جو عمل میں آئی ہے۔

ز اجتہاد عالمان کم نظر   اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

ہمیں پورا احساس ہے کہ موضوع زیر بحث (جمودیت ۔ باصطلاح جدید) کا تعارف ہے۔ یہ چند باتیں ہم نے صرف تاریخی پہلو سے کہی ہیں۔ کسی فریق کے کسی موقف کا اثبات یا ابطال ہرگز پیش نظر نہیں۔ حدیث کے طلبہ کے لئے حدیث سے متعلق جملہ مباحث لائق مطالعہ ہوتے ہیں۔ ہم نے ضرورت کے مطابق یہ تاریخی نقوش آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ کسی عزیز نے کسی بات پر کوئی گرانی محسوس کی ہو تو ہم اس سے معذرت خواہ ہیں۔ تاریخی حقائق سے صرف نظر تو کی جا سکتی ہے لیکن انہیں مٹایا نہیں جا سکتا۔

یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ جو درخت تقریباً ایک صدی پہلے ترک تقلید کے نام سے بویا گیا تھا اس کے تیکھے کانٹوں سے غزنوی کے دامن بھی خون آلودہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ غزنوی حضرات اس لئے ان مفاسد سے بچے رہے کہ وہ سلوک و احسان کے قائل تھے۔ مولانا عبدالجبار غزنوی کی کتاب اثبات الالہام والبیعۃ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

یہ کتاب مولوی غلام علی قصوری کی ایک کتاب کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ مقلدین کے بارے میں آپ کا نظریہ یہ تھا:-

> مذاہب اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے جیسا صحابہ کرام میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا۔ باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور ہم سب و شتم نہیں کہتے مثل نواصب و روافض کے، سلف اور ائمہ دین کی محبت جزو ایمان ہے۔[1]

مولانا عبد الجبار غزنوی مولانا عبد اللہ غزنوی کے بیٹے تھے۔ مولانا عبد الجبار کے بیٹے مولانا محمد داؤد غزنوی اور مولانا عبد الغفار تھے۔ مولانا عبد اللہ غزنوی کے ایک دوسرے پوتے مولانا اسماعیل غزنوی تھے۔ جو سعودی عرب کے ملک عبد العزیز بن آل سعود کے مقربین میں سے تھے۔ ان کے باعث سعودی حکومت اور موحدین ہند میں خاصے روابط پیدا ہوگئے اور اب تک یہ روابط قائم ہیں۔ اس مناسبت سے پھر سے لفظ وہابی ان حلقوں میں عام ہوگیا ہے۔ یہ حضرات اب اس لفظ سے نفرت نہیں کرسکتے۔ سعودی عرب سے تعلقات رکھنے کے لیے انہیں اب اس نام کی ضرورت ہے ورنہ عملاً آل سعود تو مقلدین ہیں اور حنبلی مذہب رکھتے ہیں۔

مولانا وحید الزمان حیدرآبادی۔ المتوفی ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

کتب حدیث کے اردو تراجم اور وحید اللغات لکھنے کے باعث آپ فرقہ اہل حدیث میں سب سے بڑے مصنف سمجھے جاتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں کے بعد اس باب میں انہی کا نام ہے۔ پہلے نواب صاحب نے آپ کو تراجم کے لیے تنخواہ پر ملازم رکھا۔ آپ کے دور میں مولوی شمس الحق عظیم آبادی، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی عبد اللہ غازی پوری، مولوی فقیر اللہ صاحب پنجابی غیر مقلدین کی نمایاں شخصیتیں تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی خاصے معروف ہوچکے تھے۔

آپ نے میاں نذیر حسین صاحب سے حدیث پڑھی غیر مقلد ہونے کے بعد شیعیت

---

[1] ـ [illegible] الانام [illegible] صفحہ [illegible] جلد دوم

کی طرف خاصے مائل ہو گئے۔ آپ کی کتاب ہدیۃ المہدی آپ کے شیعی خیالات کی ترجمان ہے۔

مجھ کو میرے ایک دوست نے کہا کہ جب سے تم نے کتاب ہدیۃ المہدی تالیف کی ہے تو اہلحدیث کا ایک بڑا گروہ . . . تم سے بددل ہو گئے ہیں۔

اور عامہ اہلحدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا ہے[1]

آپ فخر الدین الطریحی شیعی (م ۱۰۸۵ھ) کی کتاب مطلع نیرین و مجمع البحرین سے خاصے متأثر تھے۔ وحید اللغات کی اس قسم کی عبارات شیعی خیالات کی تائید کرتی ہیں

شیخین کو اکثر اہلسنت حضرت علیؓ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس امر پر بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ملتی۔ نہ یہ مسئلہ کچھ اصول دین اور ارکان دین سے ہے۔ زبردستی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کر دیا ہے[2]

"حضرت علیؓ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق جانتے تھے اور سچ بھی یہی ہے[3]

حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل حضرت و رضی اللہ عنہ سخت دلیری اور بیباکی ہے[4]

پھر محرم کے بارے میں رقمطراز ہیں:۔

یہ مہینہ خوشی کا نہیں رہا ..... محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا ہے[5]

ان خیالات کے باوجود جماعت اہلحدیث انہیں اپنے بزرگوں میں سے سمجھے تو اسے دعا دیں۔ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں مولانا وحید الزماں شیعہ کتب حدیث کو اہلسنت کتب حدیث کی کتابوں کے قریب لانا چاہتے تھے اور اسی لیے انہوں نے مسلک اہلحدیث اختیار کیا تھا، حالانکہ شیعہ کتب حدیث ہمارے ہاں اصولاً ثابت نہیں ہیں۔ آپ کی لغات حدیث اسی فکر پر مرتب ہوئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے آپ خود لکھتے ہیں:۔

وقار اللغۃ جو جامع لغات احادیث صحاح و احادیث فریقین یعنی امامیہ و اہلسنت ہے بڑی محنت اور جانفشانی سے مرتب کی ہے[6]

وقار اللغۃ، انوار اللغۃ، وحید اللغات ایک ہی کتاب کے نام ہیں۔

بحث اہل حدیث یہاں ختم ہوتا ہے۔

---

[1] وحید اللغات مادہ شر [2] مادہ خرم [3] مادہ حجر [4] ایضاً [5] مادہ عزو [6] جلد ۱ ص ۲ طبع بنگلور

منکرین حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد!

ابتدائے آفرینش سے حق کے مقابلے میں باطل اور نور کے بالمقابل ظلمت نبرد آزما رہے ہیں۔ آدم نے ابھی خلعت خلافت نہ پہنی تھی کہ ابلیس ملائکہ کی صف سے علیحدہ ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ اقتدار نمرود کے ہاتھوں میں تھا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے سے پہلے تخت مصر پر فرعون براجمان تھا۔ حدیث نبوی نے جس طرح قرآن کریم کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا اور عملاً ایک امت کی تشکیل کی اور اسے وراثت عمل بخشا ـــــ ضروری تھا کہ اس کے بالمقابل بھی ظلمت کی گھٹائیں اٹھتیں۔ امت کو اتحاد کی بجائے انتشار ملے۔ قرآن اپنے احکام کے تعین میں ممبران اسمبلی کا دست نگر ہو اور عقل کی ہر بدلتی لہر تعلیم نبوت کے کانٹے تولی جائے۔ منکرین حدیث انہی تقاضوں سے اٹھے اور مختلف عنوانوں سے سامنے آئے۔

انکار حدیث کی تحریک کسی دور میں منفی عنوانوں سے نہیں چلی۔ اس نے اپنی منفی آواز کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لیا ہے۔ منکرین حدیث کبھی (۱) اہمیت قرآن کا نعرہ لے کر اٹھے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں یعنی حدیث کی ضرورت نہیں۔ کبھی ان لوگوں نے کہا (۲) قرآن کریم کے ابدی قوانین ہر زمانے کے تقاضوں کے تحت ڈھلتے ہونے چاہئیں۔ قرآنی احکام کی جو تشکیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوئی۔ وہ صرف اس دور کے لیے تھی۔ اس نئے دور میں قرآنی احکام کی تشکیل اسمبلیوں کے ذریعے ہونی چاہئے۔ (۳) کبھی ان لوگوں نے بعض حدیثوں کے خلاف عقل ہونے کا بہانہ لیا اور اس کے ذریعہ کل ذخیرہ حدیث کو گندا کرنا چاہا۔ ابتدائی عنوان ان کا یہ رہا کہ ہم ان حدیثوں

کر کیسے داخل ہیں جن میں یہ مضامین ہیں ——— ان لوگوں نے چند متشابہات کے باعث کل احادیث ہی کا قطعی انکار ٹھہرا دیا اور کہیں انہوں نے باطنی تاویلات کی راہ سے احادیث کا انکار کیا کہ ہم اہل معرفت خود ہی حدیث کو دیکھ لیتے ہیں تمہارے ذخیرہ حدیث میں سے ہمیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں، اہل قال اہل حال کو کیا کہیں ——— کوئی کچھ کہتا رہا کوئی کچھ ——— آوازیں مختلف اٹھتی رہیں۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ حقیقت رہی اور اس میں شک نہیں کہ انکار حدیث کی تحریک پوری تاریخ میں کبھی منفی عنوان سے نہیں چلی۔ چودھویں صدی ہجری نے جہاں اور بہت سے گل کھلائے انگریزی نبی کھڑے کیے، فتنہ انکار حدیث کو بھی نیا عروج بخشا۔ اب یہ فتنہ اچھا خاصا معروف ہو چکا ہے اور کچھ لوگ اب منفی عنوان اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور یہ تحریک اب زور پکڑتی جا رہی ہے۔ ایک منکر حدیث کہتا ہے اور کتنا کھل کر کہتا ہے :-

> یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگاڑ پیدا کیا یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متعدد فرقوں میں بکھیر کے ٹکڑے کر کے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں مذہبی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلائی۔ اور یہ سنت ہی تھی جس نے دولت عثمانیہ کو ناقابل علاج مریضوں کی آماجگاہ بنایا۔[1]

یاد رکھیے فتنہ انکار حدیث کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے تھے حضرت مقدام (م ۸۷ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

> الا یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه۔[2]

ترجمہ: قریب ہے کہ ایک سیر آدمی اپنے صوفے پہ بیٹھے درس دے کہ تمہیں یہ قرآن کافی ہے تم اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال کہو اور جس چیز کو حرام پاؤ اسے ہی حرام کہو۔

---

[1] بشکریہ روزنامہ تسنیم لاہور ۹ فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۲ کالم ۴ [2] مشکوٰۃ ص ۲۹

اس حدیث میں جہاں اس فتنے کی خبر دی، ایک یہ اشارہ بھی کر دیا کہ انکارِ حدیث کی آواز پہلے امراء کے اسی قسم کے حلقوں سے نکلے گی جو لوگ مسندوں پر بیٹھے، گدیلوں میں ٹیک لگائے حدیث کا انکار کریں گے اور یہی لوگ ہیں جو منکرینِ حدیث کی صف باندھیں گے۔

پیشتر اس کے کہ ہم فتنہ انکارِ حدیث کی کچھ تفصیل کریں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ، شیعہ اور قادیانیوں کے حدیثی موقف کو جن پہلوؤں سے تحریکِ انکارِ حدیث سے ملتا ہے کچھ پہلے بیان کر دیں۔ تاکہ ان میں اور اس زمانے کے دوسرے منکرینِ حدیث میں کچھ مطابقت واضح ہو جائے۔

معتزلہ کا انکار

معتزلہ اخبارِ آحاد کو حجت مان کر اہل السنت والجماعت کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ کلام الٰہی کا اس کی صفت ہونا، مخلوق نہ ہونا، معجزہ کا خرقِ عادت ہونا انہیں ظاہری اسباب سے مسبب نہ ملتا۔ عذابِ قبر، رؤیتِ باری تعالیٰ وغیرہ امور کو حجت مان کر ان کے لیے عقلاً ممکن نہ تھی۔ انہوں نے حیلہ کیا کہ عام عقل کو ارشادِ رسالت پر غالب کر کے ان تعلیمات کے ارشادِ رسالت ہونے سے ہی انکار کر دیا جائے۔ اخبارِ آحاد کے انکار سے حدیث کا ذخیرہ بہت سمٹ جاتا تھا۔ بہت کم احادیث رہ جاتی تھیں جو تواتر سے پوری اتریں اور پھر ان میں بھی تاویل کی راہ اختیار کرتے۔ جن احادیث کو مانتے ان کا ماننا بھی نہ ماننے کے برابر رہ جاتا۔ ان کے اس طریقِ عمل سے پورے کا پورا ذخیرۂ حدیث ان کے ہاں مشتبہ تھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے بھی اصولی طور پر حجیتِ حدیث کا انکار نہیں کیا۔ گو یہ صحیح ہے کہ ان کی فکرِ عام عقل سے شرعی تعاملوں کے فیصلے لیتی رہی تاہم دائرہ عقلیت اہل السنت والجماعت کے مقابلہ میں دائرہ تعنت ہی رہا۔ حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ لکھتے ہیں:۔

اسلام میں تقریباً پہلی صدی تک صحیح احادیث کو بلا تفصیل متفقہ طور پر حجت سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ معتزلہ ظاہر ہوئے۔ ان کے دماغوں پر عقل کا غلبہ تھا۔ انہوں نے حشر و نشر، رؤیتِ باری تعالیٰ، صراط و میزان، جنت و جہنم اور

اس قسم کی دوسری احادیث کو قابل تسلیم نہ سمجھا اور اپنے اس مزاجی فساد کی وجہ
سے اخبار متواترہ کے سوا بقیہ احادیث کا سرے سے انکار کر دیا اور بہت
سی قرآنی آیات میں جو اپنے مذاق کے خلاف دیکھیں تاویلیں کر ڈالیں۔[1]

حافظ ابن حزم (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ

> اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابل حجت سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا۔[2]

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا۔ اس لیے انکار حدیث میں انہیں بہت کچھ پیچ و تاب کھانا پڑا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت نے یہ تصریح کی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے (یعنی اس کے راوی آگے سے آگے تک ہر طبقہ میں دو دو ہوں) تو چونکہ وہ مفید یقین ہو جاتی ہے اس لیے وہ حجت ہو جائے گی۔ حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) نے ابو علی جبائی (ھ) سے نقل کیا کہ حدیث کی صحت کے لیے اس کا عزیز ہونا شرط ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکار حدیث سے ان کا مقصد دین سے پوری سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ وہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط بنیاد پر قائم ہو گئی تھی۔[3]

تحریک اعتزال کا بانی واصل بن عطا تھا جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں ابھرا، وہ عقل کے ہتھیاروں کی تیزی میں بہت سے ذخیرۂ حدیث کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے نکل گیا۔ دوسری صدی میں حضرت امام شافعیؒ آئے اور آپ نے سب سے پہلے اس فتنہ انکار حدیث کا رد کیا۔

نیچریوں کا انکار

اس تحریک کے بانی سرسید احمد خاں تھے۔ ان کے شاگرد نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی (۱۸۹۵ء) جیسے لوگ ایک مستقل فکری حلقہ بنا چکے تھے۔ تیرھویں صدی کے آخر میں یہ

---

[1] ترجمان السنہ جلد ۱ صفحہ ۹۲ [2] الاحکام جلد ۱ صفحہ ۱۱ [3] ترجمان السنہ جلد ۱ صفحہ ۹۳

معتزلہ کی نشاۃ جدیدہ تھی۔ ان کا انکار بھی عقلی شبہات کی روشنی میں پروان چڑھا۔ انکارِ حدیث کا عنوان انہوں نے بھی اختیار نہ کیا تھا پھر یہ بھی یاد رہے کہ مسلمانوں نے اگرچہ سرسید کا ساتھ دیا تو وہ ان کی تعلیمی پالیسی کی وجہ سے تھا۔ مذہبی پہلو سے وہ ان کے ساتھ نہ تھے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> پہلی تحریک علی گڑھ سے اٹھی جس کے محرک سرسید احمد خان مرحوم تھے۔ یہ تحریک انگریزی تعلیم کی ترقی کے لیے تھی۔ اس لیے مسلمان اس کے حامی کار ہوئے۔ مگر سرسید مرحوم نے مسلمانوں کے عقائد میں دخل دینا شروع کیا۔ تو ہنگامہ شروع ہو گیا۔ [1]

سرسید اور ان کے حلقۂ فکر میں اسلام کس قسم کی نشوونما پا رہا تھا۔ انگریزی سلطنت کے سایہ تلے پورے اسلام کی بیخ کنی ہو رہی تھی۔ اس سوال کا جواب مولوی چراغ علی صاحب کی اس صاف گوئی سے ملتا ہے:

> مردم شماری ہوئی تو انہوں نے مذہب کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام کے سامنے لفظ شیعہ لکھ دیا لیکن اپنے اور اپنے بیٹوں کے نام کے مقابل صفر صفر لکھ دیئے۔ [2]

جہاں تک ان کے کسی مکتب فکر یا مسلک کا تعلق تھا۔ حق یہ ہے کہ وہ صفر ہی تھا۔ احادیث کو چھوڑ کر جو مسلک قائم ہو گا وہ صفر سے آگے نہیں بڑھ سکتا

شیعہ کا انکار

شیعہ حضرات اہل سنت کے سامنے جب کبھی ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہاں متداول ہیں یا صحاح ستہ میں بھی ہوتی ہیں۔ تو وہ انہیں الزامی طور پر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کے مدعی ہوتے ہیں کہ یہ روایات اہل سنت کے ہاں معتبر ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کے اپنے عقیدہ کا تعلق ہے۔ وہ ان کتابوں کو معتبر سمجھتے ہیں

---

[1] مولانا مودودی سے خطاب [2] چند ہم عصر از مولوی عبدالحق صفحہ ۵۹ طبع ۱۹۵۰ء انجمن ترقی اردو پاکستان

کے ہوتے ہوئے انہیں جنابِ رسالت مآب کی احادیث کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قادیانیوں کا انکارِ حدیث

قادیانی لوگ علمی مباحث میں جب کبھی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، تو ان کی یہ کوشش بسبیلِ الزام ہوتی ہے۔ خود وہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ یہ انداز محض اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ مسلمان حدیثِ نبوی کے قائل ہوتے ہیں اور وہ اسے اپنے لیے خود قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں اور علم و عمل کی سند جانتے ہیں۔

ورنہ جہاں تک قادیانیوں کا اپنا تعلق ہے وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی اس پوری امت کے لیے حکم بن کر آیا ہے۔ اور اب حدیث وہی قابلِ قبول ہے جسے وہ صحیح قرار دے اور وہ حدیث ضعیف ہے جسے وہ ناقابلِ قبول ٹھہرائے۔ ان کا یہ عقیدہ مرزا غلام احمد کی ایک تحریر میں اس طرح مرقوم ہے:

> اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔[1]
>
> میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں، اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔[2]

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ معتزلہ، شیعہ اور قادیانیوں کے اختلافات عام مسلمانوں سے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے حجت اور سند ہونے پر یہ پھر بھی متفق ہیں۔ حدیث کے ثبوت اور عدمِ ثبوت پر تو ان میں اختلاف ہو سکتا ہے، کسی حدیث کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے میں بھی ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن حجیتِ پیغمبر پر ان لوگوں نے بھی عام مسلمانوں سے کہیں اختلاف نہیں کیا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

---

۱ حاشیہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰ ۲ ضمیمہ نزول المسیح ص ۳۰

بلکہ بالفرض کسی قوم میں منکر کے متعلق کسی کے لیے یہ کہنا جائز ہوتا کہ اس پر مسلمانوں
کا ہمیشہ اجماع رہا ہے تو خبر واحد کی حجیت کے لیے بھی میں یہ لفظ کہہ لیتا۔ مگر
احتیاط کے خلاف ہو کر اتنا پھر بھی کہتا ہوں کہ میرے علم میں فقہائے مسلمین میں
کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔ ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۱

قادیانی تو ویسے ہی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت ہیں۔ شیعہ کے عوام پر گو غیر مسلم ہونے کا فتویٰ نہیں۔ تاہم یہ عنصر ہے اثنا عشری شیعہ علماء اسلامی صفوں میں کچھ وزن نہیں رکھتے۔ ان کے جمہور مسلمانوں سے اختلافات فروعی اور بنیادی ہیں۔ فروعی اور صرف مسلکی نہیں۔ اتنے اصولی اختلافات کے باوجود یہ لوگ بھی کھلم کھلا حدیث کا انکار نہیں کر سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید کے بعد اسلام کا سب سے بڑا نکتہ اتفاق یہ ہے کہ پیغمبر کی علمی و عملی قیادت اور سیادت کسی پہلو سے بھی محل بحث و نفی نہ پا سکے۔

اب معتزلہ تو ان کا اعتزال اس دور میں مستقل نہیں رہا شیعیت اور نیچریت میں جذب ہو چکا ہے۔ شیعہ حضرات اہل بیت کے نام سے معتزلہ کی عقل پرستی کا ساتھ دیتے ہیں اور نیچری حضرات قانون فطرت اور کائنات کی عادت جاریہ کے سہارے ذخیرہ احادیث کی اخبار آحاد کا انکار کرتے ہیں۔

مستشرقین نے بھی اس پہلو سے صف اسلام میں بہت انتشار پیدا کیا ہے۔ حدیث سے اعتماد اٹھانے اور شک کے کانٹے دور تک بکھیرے۔ گولڈ زیہر اور مستشرقات نے اس معرکے میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں اور یورپی ممالک میں حدیث کے خلاف ہر طرف تشکیک کی راہیں کھل گئیں ـــــ بحمد اللہ ان کے ملک میں جامعہ ازہر اور سعودی عرب کے بعض علماء نے اس محاذ پر کام کیا ہے اور اس فتنے کا پوری طرح سدباب کیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند براہ راست برطانوی عملداری میں تھا یہاں ان لوگوں کو کام کرنے کے بہت مواقع میسر آئے۔ عربی زبان نہ جاننے کے باعث بڑے بڑے مفکرین ان سے متاثر ہوئے اور حقیقت یہ ہے کہ فتنہ انکار حدیث جو اور کسی جگہ اپنی جڑیں زیادہ نہیں پھیلا سکا تھا پاک و ہند میں الحاد کی پوری توانائی اور کم علمی کی پوری دانائی سے جدید طبقوں میں اپنے قدم جمانے لگا ـــــ ہم یہاں صرف اسی علاقے کے منکرین حدیث کا ذکر کریں گے۔

ہندوستان کے منکرینِ حدیث

(۱) مولوی عبداللہ چکڑالوی

پہلا شخص جس نے ہندوستان میں علم کھلا حدیث کا انکار کیا قاضی غلام نبی تھا۔ یہ شخص چکڑالہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا۔ اور قاضی نور عالم مرحوم کا بیٹا تھا۔ حدیث سے یہاں تک نفرت بڑھی کہ اپنا نام غلام نبی بدل کر عبداللہ رکھ لیا۔ اسی کو عبداللہ چکڑالوی کہتے ہیں۔

قاضی غلام نبی المعروف بہ عبداللہ چکڑالوی شیخ نذیر احمد کے شاگرد تھے۔ [illegible] میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ شیخ نذیر احمد ترکِ تقلید کی طرف مائل تھے۔ ان کے زیرِ اثر قاضی غلام نبی صاحب بھی آہستہ آہستہ ترکِ تقلید کی رو میں بہنے لگے۔ پھر عرصہ اہلحدیث رہنے کے بعد انہوں نے سرے سے حدیث کا انکار شروع کر دیا۔ چکڑالہ کے لوگوں نے آپ کو خطابت اور اقتداء سے الگ کر دیا اور آپ نے یہاں سے ضلع ملتان جا کر ملازمت کر لی۔ پھر اس علاقے کی دینی قیادت قاضی قمر الدین صاحب کے سپرد ہوئی۔ قاضی قمر الدین صاحب قاضی غلام نبی کے چچا زاد بھائی تھے۔

آپ نے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے حدیث پڑھی تھی۔ اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے بھی استفادہ کیا تھا۔ آپ نے فتنۂ انکارِ حدیث کا خوب کھل کر مقابلہ کیا۔ مولوی عبداللہ کے بیٹے قاضی ابراہیم نے اپنے والد کے مسلک کو قبول کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ والد کی جائیداد سے بھی محروم ہو گئے۔ ان کے بھائی قاضی محمد عیسیٰ کچھ دنوں تک اپنے والد کے ساتھ رہے۔ بالآخر وہ بھی اس سے منحرف ہو گئے اور انکارِ حدیث سے تائب ہو کر مسلکِ حق اختیار فرمایا ——— مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نے ترجمۃ القرآن بآیات القرآن کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی جس کے چند اقتباسات درج کرتے ہیں۔ ان سے مولوی عبداللہ چکڑالوی کا نظریہ انکارِ حدیث کھل کر سامنے آتا ہے۔

کتاب اللہ کے مقابلہ میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی احادیث قولی، فعلی، تقریری کو پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد رسول اللہ سلام علیہ کے مقابل وہی حضرات بھی قطعی اور یقینی طور پر اہلحدیث ہی تھے۔ [1]

کسی جگہ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور شے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اگر کوئی شخص کسی شے میں قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز سے دین اسلام میں حکم کرے گا تو وہ مطابق آیات مذکورہ بالا کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا۔ [2]

رسول اللہ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق، قرآن شریف نکلا تھا۔

اور یا سہواً اپنے خیالات و قیاسات، جن میں اثر شیطانی موجود ہوتا تھا، جن کو خدا تعالیٰ نے صریح مذکور فی القرآن کر کے آپ کی ان سے برأت کر دی۔ [3]

مولوی عبداللہ چکڑالوی کی ان تصریحات میں ان کا اعتقادی چہرہ بہت کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ کاش کہ وہ ترک تقلید کے زیر سایہ تفسیر نہ پڑھتے اور ترک تقلید انہیں اس گڑھے میں نہ گرا دیتی۔ مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی پہلے فقہ کی بندش سے آزاد ہوئے، پھر حدیث سے آزادی کی راہ ہموار کرنے لگے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے پیشگوئی کی کہ اس کے بعد وہ قرآن کریم کی جمع و تدوین کے پیچھے پڑیں گے۔ دین سے آزادی حاصل کرنے کی یہ آخری منزل ہے ——— مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں:

امام اہل قرآن نے نفسیات کے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کر لیا ہے اور وہ سمجھے ہیں کہ جماعت کے عقائد دیر میں اور بتدریج بدلتے ہیں۔ اس لئے جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے ہیں تو انہوں نے حدیث پر نکتہ چینی شروع کر دی اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا تو وہ جمع و تدوین قرآن میں رخنے نکالنے شروع کر دیں گے۔ [4]

مولانا ثناء اللہ صاحب ان اہل قرآن کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

---

[1] تفسیر ترجمۃ القرآن [illegible] مطبوعہ [illegible] [2] ایضاً [illegible] [3] ایضاً [illegible] [4] فتاویٰ ثنائیہ جلد [illegible]

ان کا ہر شخص خود امام ہے اور مجتہد ہے۔ اس کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں کیونکہ تقلید نام ہے پابندی کا اور اسی پابندی سے بھاگنے کے لیے تو یہ سارا کھیل کھیلا گیا ہے۔ اس لیئے یہ لوگ ایک دوسرے کی بالکل نہیں سنتے ہر شخص قرآن مجید کو جس طرح سمجھتا ہے۔ اسی طرح اس پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے[1]

اس میں شبہ نہیں کہ انکار حدیث کی تحریک غیر مقلدوں کے جوش ترک تقلید سے اٹھی۔ مشہور مؤرخ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:۔

اہلحدیث جماعت کے جوش و خروش کا دوسرا نتیجہ طبقہ اہل القرآن کا آغاز ہے۔ اہلحدیث اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ وہ فقہی ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہ کی تقلید سے آزاد ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کئی طبیعتوں کو جو زیادہ آزاد خیال تھیں فقط فقہاء کی تقلید سے آزادی کافی معلوم نہ ہوئی اور انہوں نے مختلف اسباب کی بناء پر احادیث سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہی۔ اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے۔ جہاں لوگ انہیں چکڑالوی کہتے ہیں اور یہ اپنے آپ کو اہل القرآن کا لقب دیتے ہیں۔ اس گروہ کا بانی مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے اہلحدیث تھا[2]

مولوی عبداللہ کے لئے سب سے بڑی مشکل نماز کا مسئلہ تھا۔ قرآن کریم بار بار نماز کا حکم دیتا ہے لیکن اس میں نماز کی کوئی پوری تفصیل مذکور نہیں۔ نماز کا سارا عملی نقشہ امت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے۔ اور بدوں حدیث تسلیم کئے کوئی شخص قرآن کریم کے حکم اقیموا الصلوٰۃ پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ مولوی صاحب کے لئے انکار نماز بھی آسان نہ تھا اور کوئی ارکان نماز کی عملی تشکیل میں قرآن سے سامنے لانا یہ ان کے لئے اس سے بڑھ کر مشکل تھا۔ مولوی صاحب نے قرآن سے نقشہ نماز کیلئے برہان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن۔ ایک کتاب لکھی جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ نماز سیکھنے کے لئے چار سو صفحات کی ورق گردانی کون کریگا اور مولوی صاحب نے اس میں کیا استدلال کیا ہے یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ ہمیں اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کا انکار حدیث کیا تھا جو کہ

---

[1] فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] موج کوثر صفحہ ۷۰

”خود حضرت زمانہ محمد رسول اللہ سلام علیہ کے لوگ بھی کتاب اللہ کے مقابلہ میں احادیث انبیاء پیش کرتے تھے، بلکہ یہ مضمون کا م اس سے بھی پرانا ہے ۔ ۔ ۔ فرعون بھی اہل حدیث ہی تھا اور موسیٰ سلام علیہ کے مقابلہ میں یوسف سلام علیہ کی احادیث پیش کرتا تھا۔“ ۱؎

حدیث لٹریچر مستند ذخیرہ حدیث ہے یا نہ ہو؟ اس کی بحث تدوین حدیث کے زیر عنوان پہلے ہو چکی ہے۔ آپ اس وقت صرف چکڑالوی صاحب کے موقف پر غور کریں۔ اس کا حاصل یہ ہے

حدیث کا کوئی وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا۔ حضور نے قرآن کے سوا کبھی کوئی بات نہ کہی تھی۔ صحابہ نے حضور کے کسی قول یا عمل کو کبھی کسی کے سامنے نقل کیا تھا نہ ان میں حضور کی وفات کے بعد حضور کی کسی بات کو آگے نقل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور نہ ہی اگلوں نے پچھلوں سے حضور یا صحابہ کے زمانے کی کوئی بات پوچھی۔ اپنی حالات پر اسلام کی دو تین صدیاں بسر ہوئیں اور اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے کہنے سے حدیث کی کتابیں یکایک لکھ دی گئیں اور مسلمان یکایک ان کی باتوں میں آکر ان جزئیات کو دین سمجھنے لگے۔ پہلی تین صدیوں میں جو قرآنی نماز قائم تھی، وہ یکایک ترک ہو گئی اور نماز کا موجودہ نقشہ جو سراسر قرآن کے خلاف تھا مسلمانوں میں قائم ہو گیا۔ اسلامی دنیا جہاں تک وسیع ہو گئی تھی، وہیں بھی نماز ہر جگہ پہنچی اور کسی عربی دان کو قرآن کے صفحات میں وہ نقشہ نماز نظر نہ آیا جو مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اب برہان القرآن علی صلوٰۃ القرآن میں درج فرمایا ہے۔ پھر مسلمانوں میں ان قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں جتنے بھی قانون دان اور مفسر گزرے، ان میں سے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ یہ معتبر راویوں کے نقل کئے ذخائر حدیث ہرگز ماخذ علم نہیں، بلکہ یہ سب جزئیات کا ایک ذخیرہ ہے جو دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے تیار کیا ہے۔

برین عقل و دانش بباید گریست

چکڑالوی صاحب کا یہ تبصرہ صرف اس امت پر نہیں۔ وہ پہلی امتوں کو بھی برابر کا مجرم قرار

۱؎ برہان القرآن صفحہ ۱۷

لیتے ہیں اور مولوی صاحب کا دعویٰ ہے کہ اتباع حدیث کی تحریک پہلے اور بعد میں بھی تھی بلکہ فرعون اہل حدیث میں سے تھا اور موسیٰ علیہ السلام تورات کے سوا اور کسی چیز کو بنو اسرائیل کے لئے حجت نہ سمجھتے تھے اور نہ آپ نے کبھی کسی اور بات کی دعوت دی تھی

مولوی صاحب کی یہ بات چہ نسبت کجا بہم کا مصداق ہے۔ ہم ان کی کس کس بات پر رو دیکھیں اور ان کے لگائے کس کس زخم کو مندمل کرنے کی کوشش کریں۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی اور وہ اسرائیل کے لئے بے شک تشریعی پیغمبر تھے ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام تو صاحب کتاب نہ تھے پھر قرآن کریم میں یہ بات کیوں ہے کہ انہوں نے بھی قوم کو اپنی پیروی کی دعوت دی؟ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ نبی اور رسول اسی لئے تو بھیجے جاتے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے اور ان سے رضائے الٰہی کے چشمے جاری ہوں۔ بنو اسرائیل جب سامری کے بچھڑے میں گھر گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے کیا ہدایت کی تھی۔ دیکھئے پ طٰہٰ آیت ۹۰۔

یٰقوم انما فتنتم به وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی واطیعوا امری۔

ترجمہ: اے میری قوم بات یہی ہے کہ تم بہک گئے ہو اس (بچھڑے) کے ساتھ اور بے شک تمہارا رب تو رحمٰن ہے۔ سو میری پیروی کرو اور مانو میری بات۔

قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کے لئے صرف تورات ماننے کی دعوت نہ تھی، اتباعِ رسالت بھی ان کے ذمہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام تو اپنی جگہ تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی اتباع اور پیروی بھی ان پر لازم تھی۔ حدیث ماننے کا سبق پہلی امتوں میں اس وقت سے نبیوں کے زیرِ تربیت رہا ہے۔ یہ کہنا کہ یہ ملعون کام پہلے سے آتا چلا آیا ہے بڑی جسارت ہے۔ ہندوستان کے منکرین حدیث میں مولوی عبداللہ چکڑالوی کے بعد جناب حافظ محمد اسلم کا نام آتا ہے

(۴) حافظ اسلم صاحب جیراجپوری

آپ جیراجپور کے مشہور اہلحدیث گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مشہور غیر مقلد عالم جناب مولانا سلامت اللہ صاحب کے بیٹے تھے۔ آپ کے عقائد ملاحظہ ہوں:

"نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے، نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔"

"نہ حدیث کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا

گیا ہے نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے قرآن پر ایمان
لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور
غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح حجت مانیں۔[1]

قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس
سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک محمد صلی اللہ علیہ
وسلم امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی، اور
آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی اور اطاعت
عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو۔[2]

مولوی صاحب کا یہ استدلال درست نہیں کہ اطاعت زندہ کی ہی ہو سکتی ہے فوت شدہ
کی نہیں۔ فوت شدہ کی پیروی کے لئے بھی لفظ اطاعت حدیث میں موجود ہے۔ ایک روایت حضرت
عمرؓ کے بارے میں کہتی ہے۔ ما كنت لاطيعه حيا واعصيه ميتا۔ (ترجمہ) یہ نہیں ہو سکتا کہ میں
ان کی زندگی میں تو ان کی اطاعت کرتی رہوں اور جب وہ چلے گئے تو ان کے خلاف چلوں۔[3]

اسلم صاحب کا یہ نظریہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔
یہی نظریہ شیعہ علماء کا ہے۔ مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:۔

جو مجتہد فوت ہو چکا ہے اس کی تقلید جائز نہیں اس میں شیعہ ہمارے ساتھ ہیں۔[4]

اطاعت فوت شدہ سلف کے تحت پہلے کی تفسیر بحث حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) نے یہی کی ہے[5]
حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ من کان مستنا فلیستن بمن قد مات۔ مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۔

حافظ اسلم۔ خاندانی طور پر غیر مقلد تھے۔ پھر انکار حدیث کرنے لگے۔ خود لکھتے ہیں:۔

ہمارا گھر مقامی اور بیرونی اہلحدیث علماء کا مرجع تھا۔[6]

شیخ محمد اکرام صاحب بھی رقمطراز ہیں:۔

مولانا محمد اسلم بھی اوائل عمر سے اہلحدیث سے منسلک تھے۔[7]

---

[1] مقام حدیث جلد اول صفحہ ۱۲۱ [2] ایضاً صفحہ ۱۵۵ [3] موطا امام مالک صفحہ ۱۹۵ [4] ہدیۃ المہدی صفحہ ۱۱۱
[5] دیکھئے اعلام الموقعین صفحہ ۱۵۵ مصر طبع اول ۱۳۲۵ھ [6] نوادرات صفحہ ۲۴۳ [7] موج کوثر صفحہ ۷۰

حافظ محمد اسلم جیراجپوری نے ایک مورخ کی حیثیت سے زیادہ شہرت پائی۔ تاریخ الامت
کئی جلدوں میں تحریر کی۔ آپ حدیث کے دفتر کے مخالف تھے۔ مگر اسوۂ رسول کو ضرور حجت مانتے تھے۔
آپ نے بھی حدیث کے خلاف بہت کام کیا ہے۔ اسوۂ رسول کے بارے میں ایسی ایسی قیود لگائیں
کہ انجام انکار حدیث کے ہی قریب رہا۔ حضرت مولانا سید بدر عالم مدنی ایک جگہ حافظ صاحب
کے مسلک پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مولانا اسلم صاحب اسوۂ رسول کو تو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس کو متواتر فرماتے
ہیں۔ ہم بھی حافظ صاحب مولانا سے یہ حقیقت شکوہ ہے کہ وہ حدیث کے لیے
پورے پورے ثبوت بھی ناکافی سمجھتے اور انہیں ناکافی نظر سے دیکھتے
ہیں۔ لیکن جب خود کوئی دعویٰ کرتے ہیں تو اس کے لیے کسی ثبوت کی
ضرورت نہیں سمجھتے۔ اگر اسوۂ رسول کے تواتر سے ان کی غرض یہ ہے کہ
آپ نے نماز پڑھی تھی اور بس۔ تو اس کے لیے صرف قرآن ہی کا تواتر کافی
ہے۔ لیکن اگر اس سے آگے کی تفصیل مراد ہے تو ان کو یہ صاف کرنا ضروری
تھا کہ ان ارکان میں کتنا حصہ متواتر ہے اور کتنا نہیں۔ اسی طرح قرآن
کی تمام عبادات کی ادائیگی کا نقشہ انہوں نے کیا تیار کیا ہے۔ آپ کے
اسوۂ حسنہ میں آپ کی ذات کا تعلق امت اور فصل قضایا بھی
شامل ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو صرف بحیثیت رسالت یا بحیثیت امارت اور
قضا۔ اگر ہے تو وہ تقسیم بھی تواتر سے ثابت ہے یا نہیں؟ بہرحال جتنی
بات قرآن سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول تمہارے لیے مطلقاً
بلا کسی تخصیص کے اسوہ اور نمونہ بنایا گیا ہے اور بلا کسی تقسیم کے واجب الاتباع رسول
ہے۔ پس جب رسول کی ذات بلا کسی تخصیص کے اسوہ ہے تو یہ ماننا پڑتا ہے
کہ جو کچھ بھی عملی نمونہ اس نے کر دکھایا ہے وہ سب مولانا کے نزدیک
بھی قرآنی امر کے ماتحت واجب التسلیم ہونا چاہئے۔ اب یہاں سوال پیدا
ہوتا ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کی پوری زندگی آپ کا تمام

کا سارا اسوۂ حسنہ حرف بحرف بطریق تواتر منقول ہے۔ اس کا ایک
حصہ متواتر ہے اور بڑا حصہ غیر متواتر۔ یہی صورت تو تواتر کے خلاف ہے۔
دنیا میں کوئی شخص بھی یہ دعوےٰ نہیں کر سکتا کہ آپ کے عبادات معاملات
کا ہر ہر پہلو تواتر سے ثابت ہے۔ لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ اس کا ایک
حصہ متواتر اور دوسرا غیر متواتر ہے۔ بلکہ بڑا حصہ غیر متواتر ہے۔ مثلاً یہ متواتر
ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی۔ یہ بھی متواتر ہے کہ چار رکعتیں پڑھیں۔ مگر کس طرح
سجدہ کیسے، رکوع کیسے کیا، پھر سجدہ، نماز کے آخر میں بیٹھے اور سلام بھی پھیرا۔
شروع نماز میں ہاتھ اٹھائے، اس کے بعد ایک آدمی بات کا اور اضافہ
کر بیٹھے۔ لیکن صرف متواتر امور سے بھی نماز کی پوری حیثیت مکمل نہیں ہوتی
پھر دین کے اس حصہ کے متعلق مولانا کا کیا فیصلہ ہوگا جو صحابہ کے سامنے اسوۂ رسول
میں نظر آنے کی وجہ سے قابل قبول تھا اور اب تواتر کے ساتھ منقول نہ ہونے
کی وجہ سے قابل تسلیم نہیں رہا۔ ان جزئیات کے لئے اب تجویز کیا ہے؟[1]
چونکہ اور جگہ ان کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اس ضمن میں قارئین کو مولانا اسلم صاحب
کی علمی سطح کا بھی کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

مولانا اسلم صاحب جیراجپوری کو یہاں عجیب شبہ گزرا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ
ماافاء اللہ کی آیت مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہے۔ حدیث سے اس کا
دور کا واسطہ نہیں ہے۔ یہاں ما آتاکم کے لفظ کو جو اس کے بالمقابل واقع
ہے لوگوں نے غلط فہمی سے امر یا قول کے معنی میں لے لیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ
قرآن میں سینکڑوں جگہ آیا ہے اور کہیں ان معنوں میں مستعمل نہیں ہوا۔ بلکہ ہر جگہ
اس کے معنی دینے ہی کے ہیں۔ لہٰذا یہ استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ حدیثیں اقوال
ہیں، ان کے نیچے لینے دینے کا لفظ نہیں کہا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے جو چیز دی ہے وہ قرآن ہے۔ انتہیٰ

---

[1] ترجمان السنۃ جلد اول صفحہ [illegible]

مولانا کو چونکہ قرآن کی جامعیت کا علم ہی نہیں۔ اس لئے یہاں بھی انہوں نے آیت بالا کو صرف مال غنیمت سے خاص کر دیا۔ تا علین حدیث کے نزدیک آیت بالا اپنی شان جامعیت کی وجہ سے صرف مال کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ان ساری ہدایات کو بھی شامل ہے جو آپ نے اپنی امت کو دی ہیں۔[1] حضرت مولانا لکھتے ہیں:۔

مولانا کی قرآن دانی کا یہ عجیب ہے کہ انہیں سیکڑوں جگہ میں ایسی کوئی آیۃ نظر نہیں آئی جہاں یہ لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہو جو حدیث پر بھی بولے جا سکیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ والذین اوتوا العلم درجت۔ اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے مومنین کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے۔ اگر علم کے لئے یہ لفظ مستعمل ہو سکتا ہے تو کیا حدیث ایک علم ہی نہیں؟ دوسری جگہ فرمایا۔ واتینہ الحکم۔ واتینہ من لدنا علما۔ آتانی الحکمۃ۔ آتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ واتاکم ما لم یؤت احدا من العالمین۔ اتینا الحکمۃ و فصل الخطاب۔ ان آیات میں "ایتاء" کا لفظ کتاب کے لئے، علم کے لئے، حکمت کے لئے، حکم اور نبوت کے لئے، فضائل و کمالات کے لئے اور آخری آیت میں فصل الخطاب یعنی قرآن کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے۔ اس لئے مولانا کا دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ یہ چند سطور ہی مولانا کے دعویٰ کی تردید کے لئے کافی ہیں۔[2]

(۴) نیاز صاحب فتحپوری

ماہنامہ نگار کے مدیر نیاز فتحپوری بھی انکار حدیث میں نمایاں شخصیت تھے۔ "من و یزداں" انہی کی تصنیف ہے۔ جب انکار حدیث میں یہاں تک آگے نکلے کہ سلف کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار حدیث کو ٹھہرایا۔ خود لکھتے ہیں:۔

۱؎ ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ ۲؎ ایضاً

اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں، اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا، اور تقلید بھی رسول و احکام رسول کی نہیں، بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔
قصہ مختصر یہ کہ یہ تین چیزیں اسلامی لٹریچر کی طرف سے مجھ میں احادیث نے پیدا کیں۔[1]

اس میں نیاز صاحب نے مقلدین، ائمہ اربعہ کو ہی نہیں کوسا، بخاری و مسلم کے مقلدین جو اہلحدیث کہلاتے ہیں، انہیں بھی مقلد ہی قرار دیا ہے۔ ائمہ اربعہ کے نہ سہی، بخاری و مسلم کے ہی سہی۔ نیاز صاحب لکھتے ہیں:-

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے متعلق قرآن کے بتائے ہوئے تصورات، دوزخ و جنت، حشر و نشر وغیرہ عقائد ان سب کا مفہوم میرے لئے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ گویا اب مجھے نہ صرف عقائد بلکہ خود مذاہب کا وجود بچوں کا کھیل نظر آنے لگا۔[2]

اب دیکھیے حدیث میں شک کے کانٹے نکالنے والا قرآن مجید کے ساتھ کہاں تک وفادار رہا؟ اسے اس کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:-

کلام مجید کو نہ میں کلام خدا سمجھتا ہوں اور نہ الہامی کتاب، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں۔[3]

قرآن کریم کے بارے میں یہ اعتقاد کہاں سے پیدا ہوا؟ انکار حدیث سے ____ اور حدیث سے انکار کی یہ جرأت کہاں سے پیدا ہوئی؟ ترک تقلید سے ____ معجزات کے بارے میں نیاز صاحب کا عقیدہ ملاحظہ کیجیے:-

معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوتے، بلکہ یہ سب وہ تماشے ہیں جو صدیوں بعد گھڑ لیے گئے ہیں۔[4]

---

[1] من و یزداں ص ۵۵ تا ص ۵۷ [2] ایضاً ص ۵۴۱ [3] ایضاً ص ۵۴ [4] ایضاً ص ۵۴

④ علامہ تمنا عمادی پھلواری

منکرین حدیث کے حلقے میں یہ نسبتاً صاحب علم سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کا نظریۂ حدیث حسب ذیل ہے:۔

> وہی ایک حدیث صحیح ہے جو قرآن سے قریب تر ہو اور باقی سب غلط ——
> چاہے ان باقی کے راوی کیسے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں اور وہ صحاح ستہ کی متفق
> علیہ حدیثیں ہی کیوں نہ ہوں اور وہ ایک حدیث جو قرآن سے قریب تر ہے
> اس کا راوی کیسا ہی مجروح کیوں نہ ہو اور وہ صحاح ستہ سے باہر ہی کی
> حدیث کیوں نہ ہو، بلکہ شیعوں کی اصول کافی وغیرہ ہی کی حدیث کیوں نہ ہو[1]

عہد رسالت میں حدیث لکھنے کا عمل اور اس کا نسخ

> بعض صحابہ نے عہد نبوی میں حدیثوں کا لکھنا شروع کر دیا تھا اور وہ جو کچھ
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھتے
> تھے اس کو لکھ کر جمع کرنے لگے تھے تو یہ آیتیں اتریں۔ یا ایہا الناس قد
> جاءتکم موعظۃ من ربکم ... ھو خیر مما یجمعون۔ (سورہ یونس ع ۶)
> اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حدیثیں
> لکھنے سے منع کر دیا[2]

جمہور مسلمانوں کے ہاں لکھنے سے ممانعت پہلے دور میں تھی اور بعض صحابہ کو اجازت بعد میں ملی۔ مگر تمنا صاحب نے کس بے دردی سے یہ ترتیب بدلی اور کس واسطے انکار حدیث کی راہ نکالی؟ تاہم یہ صحیح ہے کہ انہوں نے صحابہ کا حدیثیں لکھنا کسی نہ کسی درجہ میں ضرور مان لیا ہے۔

---

[1] یہ فیصلہ کون کرے گا کہ یہ حدیث قرآن کے مطابق ہے اور یہ نہیں؟ تمنا صاحب یا پرویز صاحب؟ اگر کسی فیصلے کا تقاضا کرتی۔ مقابلہ نہیں تو پھر یہ بھی فیصلہ کیجئے کہ ایک شخص کا فہم دوسرے سے اگر مختلف ہو تو فیصلے کی صورت کیا ہو گی؟ [2] اعجاز القرآن مجرا ص ۱۴ مؤلفہ مولانا تمنا عمادی [2] ایضاً ص ۱۸

اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث لکھنی شروع کی تھی۔ صالح بن کیسان (م ۱۴۰ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر تمنا صاحب کا شوقِ تحقیق دیکھئے کس وضاحت سے اسے بھی سازش کہہ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں :-

> انہیں منافقین عجم کی ایک جماعت نے ان کا رسوخ فی الدین اور بظاہر ان کی زہد و تقوےٰ دیکھ کر ابن شہاب زہری کو جمع احادیث پر آمادہ کیا۔ یہ اپنے تجارتی و زراعتی کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن مقام ایلہ میں رہا کرتے تھے مگر ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر اس مہم پر آمادہ ہو گئے ...... اور وہی منافقین خود بھی زہری کے پاس آ آکر حدیثیں لکھوانے لگے اور دوسرے وضاعین اور کذابین کو ان کے پاس بھیج کر ان سے بھی حدیثیں ان کے پاس جمع کرنے لگے۔[1]

⑤ ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ان کی کتابوں میں دو قرآن، دو اسلام، جہانِ نو اور حرفِ محرمانہ سلسلہ انکارِ حدیث دیکھنے کے لائق ہیں۔ ایک جگہ مرزا غلام احمد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

> مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریفِ معنوی و لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔[2]

علماءِ اسلام پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

> اپنے ہر خطبہ میں اپنے رسول کو خیر الانبیاء کہہ کر لا نفرق بین احد منھم کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔[3]

رسولوں کی اطاعت درکنار، برق صاحب کے ہاں خود ان پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں۔ خدا تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہو تو نیک اعمال شرفِ قبولیت پا لیتے ہیں۔ رسولوں پر ایمان ہونا ضروری نہیں ـــــ لکھتے ہیں :-

---

[1] طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۵۳ء [2] حرفِ محرمانہ ص ۳۶ [3] جہانِ نو ص ۱۴۵

اللہ تعالیٰ نے آمنوا باللہ والیوم الآخر کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے
اس میں ایمان بالرسل شامل نہیں ہے[1]

ایک جگہ علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا۔ اس لیے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان اعمال پر عمل کر رہا ہو۔ خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا۔ نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر[2]

خلاصہ یہ کہ تمام زور اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو ترک کر دیں کہ اس سے بے شمار ظواہر کو جزو اسلام بنا لیا جاتا ہے[3]

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق جو انکار حدیث میں اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری کی اور وہ انکار حدیث سے یکسر تائب ہو گئے ان کی آخری تصنیف تاریخ حدیث (برق) ہے جس میں انہوں نے علماء کی سطح پر حدیث کو قبول کرنے کو غیر مشروط اقرار کیا ہے۔

(۴) چودھری غلام احمد پرویز

چودھری صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی طے شدہ شریعت نہیں ہے جسے ابدیت حاصل ہو اور اس میں ہمیشگی ہو۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جزئیات مختلف حالات کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ ان کے ہاں ان بدلتی جزئیات کو ہی شریعت کہتے ہیں۔ جو وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی شریعت صرف اسی دور کے لیے تھی۔ اس دور کے لیے نہیں۔ ہمارے زمانے کی شریعت مرکز ملت روحانی اسمبلی بنایا کرے گی۔ انہیں حدیث سے طے کرنا درست نہیں۔ پرویز صاحب کی مندرجہ ذیل عبارات ملاحظہ ہوں :-

---

[1] ایک اسلام ص ۳۸ [2] دو اسلام ص ۲۹۷ [3] ایضاً ص ۱۱

جن جزئیات کو خدا نے خود متعین نہیں کیا، ان کے متعلق خدا کا منشا یہی تھا کہ وہ ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں اور جن جزئیات کو رسولؐ اللہ نے متعین کیا، ان کے متعلق حضورؐ کا بھی یہ منشا نہیں تھا کہ وہ قیامت تک کے لیے ناقابلِ تغیر و تبدل رہیں۔[1]

جو قرآنی اصولوں کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے قوانین خود متعین کریں۔ یہی قوانین شریعت اسلامی کہلائیں گے نہ کہ وہ قوانین جو اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کسی سابقہ اسلامی حکومت (حضورؐ کی حکومت) نے وضع کیے تھے۔[2]

اگر خدا کا منشا یہ ہوتا کہ زکوٰۃ کی شرح قیامت تک کے لیے ازلی فیصلہ ہونی چاہیے تو وہ اسے قرآن میں خود بیان نہ کر دیتا۔ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ منشائے خداوندی ہی نہیں کہ زکوٰۃ کی شرح ہر زمانے میں ایک ہی رہے۔[3]

جناب غلام احمد پرویز کے دور میں فتنۂ انکارِ حدیث پورے عروج کو پہنچتا ہے۔ آپ کا اندازِ تصنیف کچھ زیادہ سلیقہ دار اور الجھا ہوا ہے۔ جس میں ان کا اصل نقطۂ نظر کی نشاندہی کرنا واقعی ایک بڑا مشکل کام ہے۔ آپ نے تفسیر مفہوم القرآن کئی جلدوں میں تحریر کی ہے۔ جو اردو عبارت اور حسن طباعت میں نفیس کتاب ہے۔ لیکن اس میں کس طرح اسلام کے قطعی تعریفات سے کھیلا ہے۔ وہ مطالعہ سے ہی پتہ چلتا ہے کہ انکارِ حدیث کا نظریہ پرویز صاحب کو کہاں تک اسلام سے دور لے گیا ہے۔ اس کے لیے ان کی یہ تحریرات ملاحظہ ہوں۔

اب آئیے قرآن کریم کی طرف ——— اس میں یہ تصریح کہیں نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی۔[4]

مسلمانو! کیا یہ وہی عقیدہ نہیں جو قادیانیوں کا ہے؟ کیا قرآن حضرت عیسیٰؑ کو بار بار

---

[1] مقام حدیث جلد دوم ص۱۹۱ [2] ماہنامہ طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۶ء ص۲۲ پرویز صاحب کا مضمون زکوٰۃ پر [3] ایضاً ص۲۷ (مقام حدیث جلد ۲ ص۱۹۲) [4] معارف القرآن جلد ۴ ص[illegible]

ہندوستان میں انکار حدیث کی باقاعدہ تحریک مولوی عبداللہ چکڑالوی سے چلی تھی پاکستان بننے پر مسٹر پرویز اس کشتی کو کھیتے رہے۔ پرویز نے اپنے خیالات کی اشاعت میں اپنی سرکاری پوزیشن بھی استعمال کی اور افسروں کے ایک حلقے کو جو پہلے سے علمائے حق سے بغض رکھتا تھا متاثر کیا اور جدید تعلیم یافتہ لوگ کسی وجہ سے بھی اس کے گرویدہ ہو گئے۔ پرویز نے اپنے اس موقف پر اچھا خاصا لٹریچر پیدا کیا ہے۔

پہلے اس خیال کے لوگوں کو چکڑالوی کہا جاتا تھا اب انہیں پرویزی کہتے ہیں۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سب سے پہلے پرویزی لٹریچر یہاں کے خصوصی حلقے کو مرتب کر کے پیش کیا تھا حدیث کا یہ انکار تھا۔

پرویز کے بعد اب شیخ گوجرانوالہ ان لوگوں کی زد میں ہے اور یہ لوگ غیر مقلدوں کی محنت پر اپنی فصل کاشت کرنا چاہتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

(۷) کیا پرویز شیخ گوجرانوالہ کے ..... صاحب کچھ دوسرے ارباب قلم کے ساتھ مل کر تفسیر القرآن بالقرآن کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰ - ایف سمن آباد لاہور سے شائع کر رہا ہے۔ پہلی جلد سورہ بقرہ تک ۴۴۴ صفحات میں دوسری سورہ نساء تک ۴۸۴ صفحات میں اور تیسری سورہ اعراف تک ۵۰۰ صفحات میں شائع ہو چکی ہے —

تیسری جلد کے آخر میں لکھا ہے:

"ادارہ بلاغ القرآن کی شائع کردہ تفسیر القرآن بالقرآن چند اہل علم کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ ہے جو صرف خدمت قرآن کے جذبے سے معمور ہے..... حتی کہ ان حضرات نے اپنے اسمائے گرامی بھی شائع کرنے کی اجازت نہیں دی"

ادارہ بلاغ القرآن نے جلد دوم اور جلد سوم کے متن قرآنی کی تصحیح قاری اظہار احمد صاحب تھانوی اور مولانا محمد حسن صاحب فاضل دیوبند سے کرائی ہے اور ان جلدوں کے آخر میں ان کے نام لکھ دیئے ہیں۔ یہ عام لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے ہے کہ گویا یہ تفسیر ان حضرات کی مصدقہ ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ ادارہ جب اصل مؤلفین کے ناموں کو سامنے نہیں لا رہا تو متن قرآن کے مصححین کے نام ذکر کرنے میں کیا مصلحت ہو سکتی تھی۔

۸۔ انکارِ حدیث متشابہات کے سائے میں

یہاں متشابہات کا لفظ عام اصطلاحی معنوں میں نہیں۔ ایک وسیع تر مفہوم میں ہے۔ کئی ایسے مضامین ہوتے ہیں جو اپنے ظاہری مفہوم میں مغالطہ انگیز ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا چہرہ اس وقت کھلتا ہے جب انہیں کلیات کے ساتھ مطابق کیا جائے۔ منکرین حدیث نے اس قسم کے مروی مضامین سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور جو لوگ علم دین سے واقف نہیں ہوتے۔ انہیں وہ ایسی جذباتی تعبیروں سے جا ملتے ہیں کہ احادیث ظاہر عقل سے ٹکرانے لگتی ہیں۔ ان سرسری پڑھنے والوں کو وہ اس قسم کی احادیث کے ظاہر پڑھنے سے بہت مغالطے دیتے ہیں۔ مسٹر پرویز کے حوالے سے قتل کعب بن اشرف کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں۔

> خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ کبھی کبھی وہ اپنے دشمنوں کو خفیہ تدبیروں سے قتل کرا دیا کرتے تھے۔ اور اس کو اپنی سیاست کی ایک اچھی چال سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے حامیوں اور حاشیہ نشینوں نے ایسی روایتیں بنائیں کہ اس قسم کے قتل کو رسالت مآب کا فعل ثابت کریں۔ تاکہ ان سلاطین کو اپنی کارروائیوں کے جواز کی سند مل سکے۔[1]

کعب بن اشرف کے قتل کی اصل وجہ

اشرف طائی سے کہیں ایک قتل ہو گیا اور وہ بھاگ کر مدینے میں چلا آیا۔ یہاں یہود کے قبیلہ بنو نضیر سے مل گیا۔ یہیں اس کی شادی ہوئی۔ کعب بن اشرف اسی کا بیٹا تھا جو اپنے اثر و رسوخ اور وجاہت سے علمائے یہود کا دینی سرپرست بن گیا تھا۔ علمائے یہود کو آنحضرت کے خلاف کرنے میں اسی کا بڑا دخل ہے۔ جنگ بدر کے بعد یہ مکہ گیا اور وہاں مقتولین بدر کے وارثوں اور رشتہ داروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت ابھارتا رہا۔ کعب بڑا

---

[1] طلوع اسلام جلد ۲ شمارہ ۲ ذوالحجہ ۵۵ھ فروری ۴۹ء

ابو رافع سلام ابن ابی الحقیق کا قتل

کعب بن اشرف کے قتل کے بعد عام یہودی دب گئے اور ان کی ریشہ دوانیاں ترک ہو گئیں۔ مگر تین سال بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نے پھر سر اٹھایا۔ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے لگا۔ غزوۂ خندق کے موقعہ پر عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف لانے میں اس کا مرکزی کردار تھا۔ انصار مدینہ اس کی ان حرکتوں کو بھانپ چکے تھے۔ انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں اس کی سازشوں کی شکایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عتیک انصاری اور ان کے چند ساتھیوں کو اس کے قتل پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا —— صرف وہی سزا پائے جو فتنے کی جڑ ہے —— عبداللہ بن عتیک گئے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ ابو رافع سلام کون تھا؟ اس نے کس جرم کیا تھا؟ مسلمانوں کے خلاف جو لوگ اور طاقتیں کام کر رہی تھیں انہیں مالی امداد دیتا تھا۔ غزوۂ خندق کا اصل سبب یہی ہوا تھا —— عبداللہ بن عتیک کے ہاتھ سے یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور مسلمانوں کو چین نصیب ہوا۔

مسٹر پرویز کے نزدیک یہ دونوں واقعات خلاف واقعہ ہیں اور امام بخاری اور امام مسلم جیسے محدثین نے اپنی طرف سے گھڑ لیے ہیں۔ قدرت قرآن اس کی اجازت نہیں دیتا کہ نبی اپنے دشمن کو قتل سری سے ختم کرے —— کس قدر غلط یہ مفروضہ ہے اور بنائے فاسد علی الفاسد کی کتنی کھلی مثال ہے۔

ہم اس طرح کے قتل سری کو قیام امن کی عمومی مصلحت کے پیش نظر غلط نہیں سمجھتے مخفی تدبیروں سے بڑے بڑے فتنوں کا سد باب کرنا نہ عقل کے خلاف ہے نہ قرآن کریم کے خلاف —— منکرین حدیث دو ثقافت کی ظاہری سطح سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن اپنے موقف کو کسی علمی سطح پر حق بجانب ثابت نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امر فرمایا تھا کہ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا اور قرآن مجید میں حضرت خضر کا حضرت موسیٰ کی موجودگی میں ایک بچے کو قتل کرنا صریح طور پر مذکور ہے۔ کیا یہ قتل سری نہ

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث پر اعتراض

قرآن کریم میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العزت سے عرض کی مجھے دکھا دیجئے آپ مُردوں کو کیسے زندہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کیا تو اس پر ایمان نہیں لایا۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی ایمان تو ہے لیکن چاہتا ہوں کہ آنکھوں سے دیکھ لوں تاکہ دل قرار پکڑے۔ یہ واقعہ سورت البقرہ کی آیت ۲۶۰ میں مذکور ہے۔ اس میں یہ بات واضح ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا کی قدرت میں شک نہ تھا۔ وہ علم الیقین سے عین الیقین میں آنا چاہتے تھے۔ بلکہ کہہ کر وہ اپنے ایمان و یقین کی خبر دے چکے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ انبیاء کا ذکر بڑی تواضع اور انکساری سے کر رہے تھے۔ اس میں آپ نے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہم السلام کی عظمت و فضیلت کا ذکر فرمایا ——— یہ جتلانے کے لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت احیاء میں کوئی شک نہ تھا۔ آپ نے آپ کو تواضعاً ان سے نیچے درجہ میں رکھا اور فرمایا شک کے ہم ان سے زیادہ حق دار ہیں۔ جب ہمیں اللہ کی صفات کے بارے میں کوئی شک نہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کسی طرح کا کوئی شک کیسے ہو سکتا تھا ——— شک نہ یہاں ہے نہ وہاں تھا ——— بات بس اتنی تھی۔

طلوع اسلام کی اکتوبر ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں اسلم جیراجپوری کا ایک مضمون شائع ہوا اس میں صحیح بخاری کی اس حدیث کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام شک میں تھے۔ معاذ اللہ

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم نحن احق بالشك من ابراهيم اذ قال رب ارنی كيف تحی الموتى.[1]

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہم ابراہیم کی نسبت شک کے زیادہ سزاوار ہیں جب ابراہیم نے کہا تھا اے اللہ مجھے دکھا تو کس طرح مُردوں کو زندہ کریگا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۹۴۔

اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے شک کا اثبات ہرگز نہیں، یہاں ان سے شک کی نفی مقصود ہے۔ محدثین نے اس کے یہی معنی لکھے ہیں:۔

ان ذلك لم يكن منه ؛ بل هو لاجل الشك بل لزيادة العلم او نحن احق بالشك فاذا لم نشك لم يشك هو فهو تواضع منه صلى الله عليه وسلم[1]

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ بات شک کے طور پر نہ تھی یہ سوال زیادتی علم کے لیے تھا۔ ہم ان کی نسبت شک کے زیادہ اہل تھے جب ہمیں اس قدرت خداوندی میں شک نہیں تو حضرت ابراہیم اس میں کیسے شک کر سکتے تھے۔ یہ بات حضورؐ نے تواضعاً فرمائی۔

اس حدیث میں شک کا لفظ ایمان کے مقابلے میں نہیں۔ یہاں تو خود اسی آیت میں مذکور ہے جو یہاں اس حدیث میں پڑھی گئی معلوم ہوا یہاں اس کا مفہوم ظاہری معنی نہیں مراد نفی اور ہے —— یہاں اس کی اس کا نفی مقصود ہے کہ جب ہم یہاں شک نہیں کر سکتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قدرت الٰہی میں کیسے شک ہو سکتا تھا

ایک اور اعتراض

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ایک اور حدیث نقل کی جاتی ہے:

لم يكذب ابراهيم الا ثلاث كذبات ثنتين منهن في ذات الله قوله انی سقیم وقوله بل فعله كبيرهم هذا ...... الحديث[2]

اس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین باتیں خلاف واقعہ کہیں —— ان میں سے دو کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ ایک پ۲۳ سورہ الصافات آیت ۸۹ میں اور دوسری پ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۶۳ میں مذکور ہے۔ بظاہر آپ نے یہ دونوں باتیں خلاف واقعہ کہیں۔ اب قرآن کو ہر جملہ انہیں عمل کرنے کے لیے کوئی توجیہ یا تاویل ضرور اختیار کرتا ہے قرآن اور حدیث میں اگر فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ قرآن میں ان میں سے دو باتیں مذکور ہیں اور حدیث میں تین۔ اب دیانت

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۶ مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۰۔

اور شرعی حقیقت کیا اس کی مستحق نہیں کہ جس طرح ان میں سے دو باتوں کی توجیہ کی جاتی ہے اسی طرح تیسری
بات کی بھی کوئی توجیہ کر لی جائے۔ ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن میں بھی (معاذ اللہ) بہت غلط
باتیں موجود ہیں، اور اسی طرح انکار حدیث، انکار رسالت کی ایک سیڑھی قرار پائے گی۔ جواب
لفظ کذب کا اطلاق ہو۔ یاد رہے کہ یہ اردو کے لفظ جھوٹ سے بہت مختلف ہے، عرب معمولی خلاف
واقعہ بات پر بھی کذب کا لفظ بول دیتے ہیں۔ خواہ اس میں تعمد اور نیت نہ بھی ہو۔ علامہ خطابی
نے معالم میں اس کی تصریح کی ہے۔ جلد ا صفحہ ۱۲۳

حدیث غسل ام المومنین پر ایک اعتراض

علم حدیث میں کسی جگہ کے عرف، محاورے اور استعمال کو بھی سامنے رکھنا ہوتا ہے
مثلاً دو شخصوں میں دیانت داری سے اس موضوع پر تنازع ہو گیا کہ نہانے کے لیے کم از کم پانی
کتنا ہونا چاہیے۔ ایک نے کہا میں دو سیر پانی سے نہا سکتا ہوں۔ دوسرے نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا
تم نہا کر دکھاؤ۔ .... دو سیر پانی لے کر خلوت میں چلا گیا۔ نہا کر آیا اور کہا میں نے دو سیر پانی سے پورا
غسل کر لیا ہے۔ ایک دوسرے کی دیانت پر انہیں پورا اعتماد تھا —— اب پہلا شخص اگر یہ
کہتا ہے کہ آدمی دو سیر پانی سے نہا سکتا ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں شخص میرے سامنے دو سیر
پانی سے نہایا تو اپنے موقعوں پر گفتگو کا یہ انداز غلط نہیں ہو گا۔ نہ اس کے پیش نظر یہ بات
غلط ہو گی۔ سننے والے سے یہاں اس طرح نہا کر دکھانا مقصود ہے نہ یہ کہ وہ دوسرے کے سامنے
برہنہ ہو گیا تھا اور بالکل اس کے سامنے ہی نہایا تھا۔

حدیث میں ایسا کوئی واقعہ آ جائے تو منکرین حدیث اسے نہایت بھونڈی سوچ سے
سوچتے ہیں اور نہیں جانتے کہ دنیا میں تجربہ اور مافی الضمیر کے اظہار کے لیے عرف اور محاورے
کے کتنے پیمانے استعمال ہوتے ہیں؟ کیا اب بھی ذیل حدیث کو سامنے رکھ کے اس عرفی پیمانے میں
نہیں سمجھا جا سکتا؟

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی کے بھانجے ابو سلمہ اور آپ کے بھائی (رضاعی)
عبداللہ بن یزید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھائی نے حضرت ام المومنین سے پوچھا حضور

کتنے پانی سے غسل فرما لیتے تھے۔ آپ نے پانی منگایا جو ایک صاع (ایک پیمانہ) کے مطابق ہوگا اور غسل فرمایا اور اپنے اوپر سر سے پانی بہایا۔

صحیح بخاری میں یہاں صراحت سے منقول ہے کہ حضرت ام المومنینؓ اور ان کے بھائی اور بھانجے کے مابین پردہ تھا۔ اس طرح یہ بات واضح آتی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں۔ مگر منکرین حدیث ہیں کہ اس حدیث کو اس پردے کی بحث سے یکسر حذف کر کے، نہایت قبیح صورت میں پیش کرتے ہیں۔ بلکہ اس کے حوالے سے اپنے منکرین حدیث ہونے پر ناز کرتے ہیں۔

فسألها اخوها عن غسل رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعت بإناء نحو من الصاع فاغتسلت وافاضت على رأسها وبيننا وبينها حجاب[1]

ترجمہ: پس آپؓ کے بھائی نے حضورؐ کے غسل کے بارے میں پوچھا۔ آپؓ نے ایک برتن میں پانی منگایا جو صاع (ایک پیمانہ) کے برابر ہوگا، اور اس سے غسل کیا اور اپنے سر سے پانی بہایا۔ ہمارے اور آپؓ کے مابین پردہ تھا۔

منکرین حدیث نے حدیث کو اور مشکوک صورت سے رکھی ہے کہ کوئی انسان کسی سنجیدہ موضوع کو اس بے ہودگی سے پامال نہیں کرتا۔ جو ان لوگوں نے حدیث کے بارے میں روش اختیار کر رکھی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مباشرت ایک دوسرے سے لگے ہونے اور ملنے کا نام ہے بعض جاہل قومیں عورت سے اس کے ایام میں اتنی نفرت برتتی تھیں کہ اسے گھر کے اندر رہنے کی بھی اجازت نہ ہوتی تھی۔ وہ برتنے میں اپنے ان گنوارتی اور کوئی اس سے ہاتھ ملانے تک کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔ اسلام نے عورت کو جہاں اور بہت سی نعمتیں بخشیں وہاں اس قعر مذلت سے بھی نکالا۔ عورت بھلے ایام میں ہو تو اس کے ہاتھ کا پکا کھانا جائز کیا۔ اس کے دھلے کپڑے پاک بتائے۔ اور کہا کہ سوائے جماع کے اس سے ہر طرح مباشرت جائز ہے۔ ایام میں وہ کوئی ناپاک نہیں بن جاتی کہ اس سے اس قدر نفرت کی جائے۔

مباشرت کا لفظ کنایہ کے طور پر جماع کے لیے بھی آتا ہے مگر یہ اس کے حقیقی معنی نہیں ہیں

۱؎ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۹ کلاں

اگر کہیں حدیث میں آ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج کو ایام میں بھی خدمت کرنے کا موقع دیتے تھے ان سے مباشرت جائز سمجھتے۔ تو ان لوگوں نے طوفان سر پر اٹھا لیا کہ دیکھو حدیث میں ہے حضور ایام میں بھی عورتوں سے مباشرت کرتے تھے۔ فلاں حدیث میں ہے کہ روزے میں بھی آپ مباشرت کر لیتے تھے۔ عوام بے چارے مباشرت کے معنی سے بے خبر تھے۔ وہ اس کے ایک خاص معنی سے ہی آشنا تھے۔ ان کے حلقوں میں اسی قسم کی روایات سے ان لوگوں نے ایسا طوفان کھڑا کر دیا ہے کہ جب تک عوام کو اس لفظ اور ان احادیث کے پس منظر سے آشنا نہ کیا جائے۔ ان کا زنگ دُھلنے نہیں پایا۔

اس قسم کی روایات میں ازواج کی تصریح نفی مروی ہے۔ مگر یہ لوگ اسے ذکر تک نہیں کرتے اور لفظ مباشرت کا ترجمہ صحبت کرنا سمجھتے ہیں کہ ملاحظہ ہو ان کی ـــــــ کیا علمی دیانت اسی کا نام ہے مذہب کے نام پر دھوکہ بازی کیا ان کو میراث میں ملی ہے، یا دھوکہ منڈی کی بڑی آڑھت انہی کے نام ہے ـــــ حدیث کے یہ الفاظ دیکھئے اور ان لوگوں کے علم و دیانت کا ماتم کیجئے:-

كان يأمرني فأتزر فيباشرني وأنا حائض وكان يخرج رأسه إلي وهو معتكف فأغسله وأنا حائض[1]

ترجمہ: آپ مجھے حکم دیتے کہ اپنا ازار باندھے رکھوں، آپ پھر مجھ سے لپٹتے اور میں ایام میں ہوتی۔ آپ مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہوتے، اپنا سر مبارک آپ مسجد سے باہر میرے حجرے کی طرف کرتے میں اسے دھو دیتی۔ حالانکہ میں ایام حیض میں ہوتی تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عورت کے ہاتھ گو صاف ہوں اور وہ اپنے ایام میں کپڑے تک بھی دھو سکتی ہے۔ آٹا گوندھ سکتی ہے۔ نہلا سکتی ہے اور اس کے ساتھ رہنا سہنا کسی طرح ممنوع نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس خاص معنی میں اس سے مباشرت جائز نہیں۔

راقم الحروف نہایت دکھے دل سے یہ بات نقل کرتا ہے کہ پاکستان ضلع جہلم کا ایک مسلمان جو یہاں انگلینڈ میں اولڈہم میں مقیم ہے۔ عیسائی پادریوں کے ہاں ایک عرصے سے

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۴ کتاب

امام بخاری نے مرجیہ و شیعہ و قدریہ و جہمیہ و اہل بدعت و جہالہ فرقہ سے حدیثیں نقل کی ہیں جن کی باتوں پر اعتماد کرنا منع ہے انوار شریعت ۲ صـ ۳۲

بخاری شریف کی بہت سی حدیثیں کتاب اللہ کے خلاف ہیں۔ ایضاً ۲ صـ ۲۳۶

بیشک بخاری میں ایک دوسرے کے خلاف بھی بہت سی حدیثیں درج ہیں ایضاً ۲ صـ ۲۳۶

امام بخاری وغیرہ نے تمام مذاہب باطلہ کے لوگوں سے حدیثیں لی ہیں جن کا ذکر جلد اول کے ضمیمہ میں گذر چکا ہے ایضاً ۲ صـ ۲۳۳

پھر ان حضرات نے اپنے مولانا عبدالکریم سے نقل کیا ہے :-

امام بخاری نے تو صحابہ کرام رسول علیہ السلام کی سخت توہین کی ہے وہ سنو: ۱۔ باب قول الرجل للرجل اخسأ۔ بخاری مطبوعہ احمدی صـ ۹۱۱ یعنی یہ باب ہے قول رجل کا واسطے رجل کے اخسا۔ پس یہاں پہ رجل اول سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رجل دوم سے مراد ابن صیاد ہے باب قول الرجل مرحبا بخاری صـ ۹۱۲۔ اس جگہ بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سوم باب ما جاء فی قول الرجل ویلک یعنی یہ باب ہے قول میں رجل کے ویلک بخاری صـ ۹۱۰ یہاں بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باب قول الرجل لیس بشئ بخاری صـ ۹۱۰ اس مقام پر بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس اب دیکھئے کہ بخاری کی متعدد جگہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہا بلکہ بجائے اس کے لفظ رجل کا جو کہ عوام الناس کے حق میں بولا جاتا ہے کس گستاخی و بیباکی سے بے دھڑک استعمال کیا گیا ہے کہ جو ہر حال میں سخت افسوس کے قابل ہے بخاری پرست جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثل اپنے ایک آدمی جانتے ہیں اس کا ماخذ یہی کتاب بخاری ہو تو تعجب نہیں

انوار شریعت جلد ۲ صـ ۲۳۶ ، ۲۳۴ ، صـ ۲۳۵

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ نظام الدین نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی مندرجہ ذیل عبارت سے جلتی پہ اور تیل ڈالا ہے دیکھئے جلد ۲ صفحہ ۲۴۴

الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع (ای بالتفصیل الذی ذکرنا) وانہما متواتران الی مصنفیہما وانہ کل من یہون امرہما فہو مبتدع ضال متبع غیر سبیل المؤمنین

حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۶

(ترجمہ) اور ہم خدا کے فضل سے ان دو جلیل القدر کتابوں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں اور وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے اساتذہ کے اساتذہ اور محدثین کے سردار امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں کہی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ صحیحین کے بارے میں محدثین کا اجماع ہے کہ ان میں جو بھی مسند اور متصل اور حضور تک پہنچی ہوئی (مرفوع) حدیثیں ہیں سب یقینی طور پر صحیح ہیں اسی تفصیل سے جو ہم ذکر کر آئے ہیں اور دونوں اپنے مصنفین تک تواتر سے پہنچی ہیں اور جو کوئی ان دونوں کتابوں کی توہین کرے وہ بدعتی ہے گمراہ ہے اور اس راہ پر چلا ہے جو مومنین کی راہ نہیں۔

ہندوستان میں انکار حدیث کی صدا اٹھی تو حضرت شیخ الاسلام کے تلامذہ میدان میں نکلے اور ان شبہات کا دامن پوری مستعدی سے چاک کیا جو منکرین کی اساس تھے علماء دیوبند نے علماء عصر کو بھی یہ سمجھا دیا۔ چند کتابوں کے نام ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔

تدوین حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی، ضرورت حدیث مولانا کریم بخش مظفر گڑھی، کتابت حدیث مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، حجیت حدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، مقدمہ ترجمان السنہ حضرت مولانا بدر عالم مدنی، حدیث رسول کا قرآنی معیار از حکیم الاسلام قاری محمد طیب، فہم القرآن از مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ اس باب میں اہم اور مفید کتابیں ہیں جو انکار حدیث کی تردید میں لکھی گئیں ہیں۔ مولانا محمد ادریس میرٹھی (کراچی) نے مصری کتاب السنۃ ومکانتہا کا اردو ترجمہ کرکے اس باب میں ایک گرانقدر خدمت کی ہے۔

فتنۂ انکارِ حدیث کے خلاف علماء کی جدوجہد

علمائے اہلسنت و جماعت نے جس طرح تاریخ کے پچھلے ادوار میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کا پوری قوتِ علمی سے مقابلہ کیا ہے معروف ہیں۔ وہ اس دور میں بھی اس فتنے سے غافل نہیں رہے۔ عرب ممالک میں قرآن منکرینِ حدیث کی آواز نہیں پہنچی۔ وہاں یہ کام مستشرقین ادا کرتے رہے ہیں اور الحمدللہ علمائے مصر، سعودی عرب اور امارات نے وہاں بھی ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ سب سے زیادہ منکرینِ حدیث جن کے قائد اس وقت پرویز صاحب ہیں۔ تو الحمدللہ علمائے ہند و پاک نے اس فتنے اور اس کے اسباب عروج کا پوری تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور منکرینِ حدیث کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ چند اسماء گرامی ملاحظہ کیجئے اور ان علمائے حق کی عظیم علمی خدمات کی داد دیجئے۔ ان میں بیشتر حضرات حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے جس طرح شاہ صاحب فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کے خلاف بڑی مستعدی سے ڈٹے۔ آپ نے فتنۂ انکارِ حدیث کے خلاف بھی اپنے شاگردوں میں عظیم عزیمت کی روح پھونکی تھی۔

① حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ

آپ کی مشہورِ آفاق تصنیف تدوینِ حدیث مجلسِ علمی سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی پھر مکتبہ اسحاقیہ کراچی نے ۱۹۸۰ء میں اسے ۴۰۰ صفحات میں شائع کیا ہے۔

② محدثِ کبیر حضرت مولانا سید بدرِ عالم میرٹھی ثم المدنیؒ

حضرت مولانا بدرِ عالمؒ نے ترجمان السنۃ کے مقدمہ میں جو بڑی تقطیع کے صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ حجیتِ حدیث اور اس سے متعلقہ مضامین پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ کہیں کہیں مسٹر جیراج پوری کے نظریات بھی نقل کیے ہیں اور ان کے شافی جوابات دیئے ہیں۔

③ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

آپ نے جامع مسجد نیلا گنبد لاہور میں حجیت حدیث پر مسلسل دار تقاریر فرمائیں جو چھپ چکی ہیں۔ آپ کی تالیف حجیت حدیث اِن کے فن کی حیثیت رکھتی ہے۔

④ حکیم الاسلام حضرۃ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

آپ کا تحقیقی مقالہ حدیث رسول کا قرآنی معیار اس باب کی نہایت بلند پایہ تالیف ہے بعض تعلیمی اداروں میں یہ داخل نصاب بھی ہے۔ اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ حجیت حدیث کے بارے میں چھپنے والے تمام اعتراضات و شبہات کا اس میں ازالہ کیا گیا ہے

حضرت قاری صاحب نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر بخاری فضل الباری شرح صحیح بخاری کا بسیط مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ جو   صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے حجیت حدیث، قواعد حدیث اور اُن سے متعلقہ دوسرے مباحث پر نہایت قابل قدر بحث کی ہے۔ اس کا بھی انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جو فضل الباری جلد اول کے ترجمے کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ یونیورسٹی طلباء اور دورہ حدیث کے طلباء کے لیے بہت مفید اور جامع تالیف ہے۔

⑤ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی ثم کراچوی

آپ کے نامور فرزند حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی نے کتابت حدیث کے نام سے ایک نہایت گراں قدر تالیف مرتب فرما کر اپنے والد مرحوم کے علم کی یاد تازہ کر دی ہے۔

⑥ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

آپ نے حجیت حدیث کو اپنا بات میں شمار کیا ہے اور اسکے منکر گروہ سے سلامت باہر نکالا ہے جو آپ نے اس پر علماء کی تصدیقات حاصل کی ہیں وہ قابلِ مطالعہ کی حیثیت کا حامل ہے۔

⑦ حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی

آپ کی کتاب "فہم قرآن" اس سلسلہ کی قابل قدر چیز ہے جس میں حجیت حدیث اور
حجیت سنت جیسے موضوعات پر جدید تعلیم یافتہ ذہن کو سامنے رکھ کر اسلوب بیان کا لحاظ رکھ کر پُرزور استدلال
کیا گیا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ یہ کتاب دوسری کتب کی نسبت دلنشیں ہونے کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ
کے لیے زیادہ مناسب ثابت ہوا ہے

⑧ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی صدر وفاق المدارس پاکستان

حضرت مولانا مدرسہ جامعہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی کے شیخ التفسیر والحدیث ہیں۔ آپ نے
مصر کے مشہور محقق کی کتاب السنۃ ومکانتہا کا اردو ترجمہ کرکے طالبان حدیث پر احسان کیا ہے۔

⑨ حضرت مولانا پروفیسر کریم بخش صاحب لاہوریؒ

آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر تھے۔ حدیث میں حضرت علامہ انور شاہ
صاحب کشمیری کے شاگرد تھے۔ آپ نے ضرورت حدیث کے نام سے نہایت ہی عمدہ ایک مختصر رسالہ
تصنیف فرمایا۔ جسے اس موضوع کا متن متین کہنا چاہیے۔

⑩ شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں (گوجرانوالہ)

آپ حضرت مولانا حسین علی صاحب (واں بھچراں) اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ
کے ممتاز شاگرد ہیں اور اپنے اساتذہ کے طرز پر پنجاب میں شیخ تفسیر ہیں۔ آپ نے حجیت حدیث
اور حجیت حدیث پر نہایت قابل قدر تصنیفات پیش کی ہیں۔

۱۔ انکار حدیث کے نتائج ۲۔ شوق حدیث

آپ نے ان میں منکرین حدیث کے افکار و نظریات کا فاضلانہ تعاقب کیا ہے۔

منکرین حدیث نے عرب ممالک میں سے لیبیا کو اپنے ساتھ ملا لکھا ہے یہ درست نہیں کیونکہ لیبیا کے ارباب دین و افتاء حدیث کو شریعت کا جز نہیں مانتے کرنل معمر قذافی کی بعض آراء سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جہاں تک حجیت حدیث کی اصل حیثیت کا تعلق ہے کوئی عرب ریاست اور وہاں علماء کا کوئی طبقہ اس کا منکر نہیں ہے ۔

ڈاکٹر محمد بن عبدالکریم الجزائری محتاج تعارف نہیں آپ کی تالیف القذافی والمتقولون علیہ ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اس میں ان لفظوں میں سنت نبوی کی صحیح حیثیت کا اقرار کیا ہے ۔

ان وظیفة السنة النبویة فی الشریعة الاسلامیة ہی فی خدمة القرآن الکریم
من تفسیر غامضه وتوضیح مبہمه وتفصیل مجمله وتخصیص عامه وتقیید مطلقه وغیر ذلک[1]

پھر منکرین حدیث کی بحث میں لکھا ہے کہ :

وکان الرسول یمنع صحابه عن کتابة حدیثه خشیة اختلاطه بالقرآن الکریم

اس میں اس وہم کا شائبہ تک نہیں کہ آپ کا کتابت حدیث سے روکنا اس لیے تھا کہ حدیث قانون اسلامی میں حجت نہ سمجھی جائے معاذ اللہ کوئی مسلمان اصولاً حجیت حدیث کا انکار نہیں کر سکتا ۔

ڈاکٹر جزائری نے ص ۱۴۴ پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وہ حکم بھی نقل کیا ہے جو آپ نے جمع احادیث کے لیے صادر فرمایا تھا اور پھر موطا امام مالک، مسند امام احمد، صحیح البخاری، صحیح مسلم اور کتب سنن کا بھی ذکر کیا ہے

سو یہ بات صحیح نہیں کہ وہاں کے علماء سنت کی اصل حیثیت کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن حدیث کو حجت اور سند نہیں مانتے کتب حدیث میں سنت کی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے ــــ رہا یہ عنوان کہ ان القرآن شریعة المجتمع تو اسے اسی طرح انکار حدیث کا زینہ نہ سمجھا جائے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبے میں حجیت حدیث کا انکار مقصود نہیں جو قرآن کی طرف دعوت

فانی علیکم بالقرآن وانکم سترجعون الی قوم یشتہون الحدیث عنی
فمن عقل شیئا فلیحدث به ومن افتری علی فلیتبوأ بیتا ومقعدا فی جہنم[2]

---

[1] القذافی والمتقولون علیہ ص ۳۰۴ طبع دار الغفاری ذی مشکلیں کرتا ہم علم اصرار ۔

مدارس حدیث

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد فقد قال رسول اللهؐ حدثوا عني ولو آية او كما قال النبي صلى الله عليه وسلم۔

صحابہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا اور آپ کو جو کچھ کرتے ہوئے پایا، آگے پہنچایا اور اگلوں نے صحابہؓ کے نام سے اس حدیث کی سند جاری کر دی ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ایک معلم تھے اور آپ نے حدثوا عنی کہکر ہر ایک صحابی کو معلم ٹھہرا دیا۔ اس جہت سے ہر ایک صحابی کا حلقۂ تعلیم ایک مستقل مدرسہ تھا اور طالبانِ حدیث مدرسہ بمدرسہ جاکر اس فن کی تکمیل کرتے ــــ صحابہ رسولؐ پہلے اساتذۂ حدیث ہیں جن میں سے ایک ایک شمس منیر کی بدولت آسمان ہدایت پر پوری تابانی سے چمکا۔ ہر صحابی ہدایت کا روشن ستارہ ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ بعض ستارے تیز روشن ہوتے ہیں اور بعض مدھم ــــ لیکن ہر ستارے سے روشنی ہی ملے گی اندھیرا نہیں اور جہاں ستارہ چمکے گا اندھیرا چھٹے گا اور لوگوں کو رستے ملیں گے وعلامٰت وبالنجم هم يهتدون۔ (پ۱۴ النحل ۱۶)

مدارس کی حیثیت و صورت

پہلے دور میں مدارس حدیث کے لیے بڑی بڑی جگہیں نہ ہوتی تھیں جہاں کوئی ہدایت کا ستارہ چمکا یا کوئی نامور استاد آیا وہیں طالبین حدیث نے حلقہ بنالیا اور یہ حلقہ مستقل مدرسہ کہلایا۔ ان دنوں مدارس جگہوں اور مقامات سے نہیں اساتذہ کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ بعض جگہ ایک ایک مسجد میں کئی مدرسے لگتے اور ایک ایک میدان میں درس حدیث کے متعدد خیمے نصب ہوتے۔ محدث اونچی جگہ پر بیٹھتا اور

طالبانِ حدیث اس کے گرد حلقہ بنا لیتے ـــــ دور دور تک شیخ کی آواز پہنچتی اور اس کے آگے تلامذہ بلند آواز سے اگلوں کے لیے حدیث نقل کرتے چلے جاتے اور دور دور تک حدیث کی تحدیث ہوتی جاتی۔ کہیں قریب تلامذہ ہوتے تو محدث کے سامنے قریب ہی آ بیٹھتے اور حدیث پورے اہتمام سے آگے پڑھی جاتی اور پہنچائی جاتی تھی۔

قرنِ اول کی ممتاز درسگاہیں

پہلے دور میں بلادِ اسلامیہ میں پانچ دینی درسگاہیں زیادہ ممتاز ہوئیں۔ ۱۔ مدینہ منورہ ۲۔ مکہ معظمہ ۳۔ کوفہ ۴۔ بصرہ ۵۔ شام ۶۔ مصر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں علمی پہلو سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ و بصرہ آباد کیے تو ان نو آبادیات میں بہترین عربوں کو بسایا جو قرآن کا حامل تھے اور ان کی دینی تعلیم کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم بنایا۔

کوفہ کا مدرسہ حدیث

کوفہ میں آپ نے اپنی مسندِ علمی لگائی۔ آپ کے تلامذہ میں ایسے ایسے جبالِ علم ابھرے کہ ان سے استفادہ کرنے کے لیے بعض دفعہ صحابہ رسولؐ بھی حاضر ہوتے۔

پھر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں کوفہ کو اپنا مرکز بنایا اور اس علاقے کو اور بھی جلا بخشی ـــــ حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اسی علمی مسند کے وارث تھے۔ حضرت امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) بھی اسی سرزمین سے تھے۔ کوفہ اسلامی دنیا میں ایک عظیم مرکزِ علم بن گیا تھا۔ حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) کوفہ کو دارالفضل محل الفضلاء[1] لکھا کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کی بدولت وہاں سینکڑوں مدارس حدیث قائم ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کی علمی شان سے متاثر ہو کر فرمایا: الکوفۃ قبۃ الاسلام[2] مشہور تابعی [illegible] عامر (۱۰۵ھ) کہتے ہیں کوفہ میں پندرہ سو صحابہؓ کا قیام رہا ہے

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ صفحہ ۱۸ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۹۰

چوبیس ہندی تھے۔[1] امام محمد بن سیرین تابعی (۱۱۰ھ) کہتے ہیں جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھ رہے تھے۔[2]

امام مالکؒ کا مدرسہ حدیث

مدینہ منورہ میں سینکڑوں مدارس حدیث قائم تھے۔ مدینہ منورہ کی سب سے ممتاز بڑی درسگاہ حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) کی تھی۔ آپ عمل اہل مدینہ کی روشنی میں حدیث پڑھاتے تھے۔ موطا امام مالک اسی حلقے کی ممتاز علمی دستاویز ہے جس کی سند لینے کے لیے دور دراز سے علماء وہاں آتے تھے۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) جیسے جلیل القدر امام جو خود مجتہد تھے مدینہ کے اس مدرسہ حدیث میں گئے اور وہاں امام مالکؒ سے موطا کی سند لی جہاں حضرت امام محمد کی تحقیق حضرت امام مالک کے موافق نہ ہوئی امام محمد نے اسے کتاب الحجة علی اہل المدینہ کے نام سے مرتب کیا۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے تحقیقی نوٹوں کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ جہاں جن اصول پر سب مجتہد متفق ہوئے وہ حضرت امام مالکؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

ان اللہ انزل کتابه وترك فیه موضعاً لسنة نبیه وسن نبیه سنناً وترك فیه موضعاً للرای والقیاس۔[3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا اور اس میں اپنے نبی کی سنت کے لیے جگہ چھوڑی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں قائم کیں تو ان میں رائے اور قیاس کی گنجائش چھوڑی ہے۔

اس رائے اور قیاس سے صحابہ کرامؓ اور مجتہدین عظام نے آگے شریعت کی دیگر جزئیات مکمل کیں۔ انہوں نے یہ مسائل ایجاد نہیں کئے صرف دریافت کیے ہیں۔ مجتہد، حکم کا موجد نہیں ہوتا۔ صرف مظہر ہوتا ہے اور اسی نے اس اصول میں بھی ایک بات ظاہر کی۔

---

[1] کتاب المحدث الفاصل للرامہرمزی ص۵۶۰ جلد اول [2] تدریب الراوی ص۴۲

[3] نصب الرایہ للزیلعی جلد ۳ ص۱۲۴ مصر

شام کا مدرسہ حدیث

شام کے مدارس حدیث میں امام اوزاعی (۱۵۷ھ) کی درسگاہ زیادہ معروف ہوئی۔ صحابہ میں حضرت ابوالدرداءؓ (۳۲ھ) اور حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) جیسے جبال علم اس علاقہ میں قیام فرما رہے۔ اور ان کی وجہ سے یہ سرزمین علم کا گہوارہ بن گئی۔ مشہور تابعی امام مکحولؒ (۱۱۸ھ) کی قدر و منزلت سے کون واقف نہیں۔ آپ کا علمی میدان بھی سرزمین شام تھی۔ امام اوزاعی آپ کے ہی شاگرد رشید تھے۔ اہل کوفہ اور اہل مدینہ کے مقابل میں اہل شام حدیث اور اصول فقہ کے اپنے مستقل نظریات رکھتے تھے۔ اس علاقے میں چھٹی صدی ہجری تک امام اوزاعیؒ کی تقلید جاری رہی۔ پھر یہ لوگ امام شافعی کے پیرو ہو گئے۔

مصر کا مدرسہ حدیث

صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۵ھ) مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ اور آپ کی حدیثی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ نے کثرت سے حدیث روایت کی ہے کثرت روایت میں آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پایہ کے ہیں۔ آپ حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر کے بیٹے تھے۔ اور اسی تعلق سے یہ زمین آپ کے فیض کا گہوارہ بنی۔ مصر ابتداء میں ہی علم حدیث کا گہوارہ بن چکا تھا۔ تبع تابعین کے عہد میں امام لیث مصری (۱۷۵ھ) یہاں علم کا مرکز تھے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ جامع ازہر اسی ملک میں ہے جو آج بھی اپنی ہزار سالہ روشن تاریخ کے ساتھ قاہرہ میں قائم ہے۔

برسر مطلب آمدیم

اس وقت ہمیں عرب ممالک کی موجودہ اور سابقہ درسگاہوں سے بحث نہیں آپ برصغیر پاک و ہند میں رہتے ہیں اور ہم آپ کو اس علاقہ کے مدارس حدیث سے متعارف کرانا چاہتے ہیں۔ تاکہ آپ جان سکیں کہ آپ کے گرد و پیش علم کی خدمت کہاں کہاں ہوتی رہی ہے یا ہو رہی ہے۔ آپ پہلے یہ جانیں کہ برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کب آیا۔

علم حدیث ہندوستان میں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد:

برصغیر پاک و ہند کو یہ فخر حاصل ہے کہ محدث کبیر حضرت الربیع بن صبیح (۱۶۰ھ) یہاں تشریف لائے۔ سندھ شروع سے ہندوستان کے لیے اسلام کا دروازہ رہا ہے پہلی صدی ہجری کے آخری حصہ سے کر تیسری صدی کے نصف تک سندھ کا تعلق دمشق اور بغداد کی خلافتوں سے رہا ہے، پہلے مؤرخین سندھ سے آگے ہند کا آغاز کرتے تھے محمد بن قاسم کا قافلہ پہلے یہیں اترا تھا اور پھر یہیں سے اسلام کے قافلے وسط ہند کی طرف چلے تھے۔ فتوح السند والہند سے کون واقف نہیں۔

آپ نے مشہور محدث عبد بن حمید (۲۴۹ھ) کا نام سنا ہوگا۔ حدیث کی مشہور کتاب مسند عبد بن حمید انہی کی تالیف ہے۔ یہ کہاں کے رہنے والے تھے؟ سندھ کے علاقہ کچھ کے ـــــ اسے عربی میں کس لکھتے ہیں۔ آپ کچھ میں پیدا ہوئے۔ پھر حدیث پڑھنے کے لیے عرب پہنچے اور وہاں امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) کے شاگردوں عبد الرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ) یزید بن ہارون (۲۰۶ھ) اور علی بن عاصم (۲۰۱ھ) سے حدیث سنی اور ایک عالم ان سے حدیث میں فیضیاب ہوا۔

(نوٹ) بعض علماء نے کچھ کو سمرقند کا قصبہ کش لکھا ہے یہ صحیح نہیں۔ علامہ یاقوت حموی (۶۲۶ھ) لکھتے ہیں:-

کس (کچھ) سندھ کا ایک مشہور شہر ہے اس کا ذکر مغازی میں بھی آتا ہے اس شہر سے نسبت رکھنے والوں میں عبد بن حمید بن نصر الکسی صاحب مسند بن حمید بھی ہیں۔[1]

ہندوستان میں مسلمانوں کی عام آمد مسلم فاتحین کے ساتھ ہوئی پھر صوفیائے کرام

---

[1] معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۲۵

سے یہاں کے عوام کو متاثر کیا اور ان کے زیر اثر لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ علوم اسلامی میں علم تفسیر اور علم فقہ نے یہاں رواج پایا۔ علم حدیث اپنی باضابطہ شکل میں یہاں کچھ بعد میں آیا ہے۔

عرب، عراق اور شام میں بھی ترتیب تقریباً یہی رہی ہے۔ سعید بن جبیر (۹۵ھ)، طاؤس (۱۰۶ھ)، قاسم بن محمد (۱۰۶ھ)، حسن بصری (۱۱۰ھ)، عطا بن ابی رباح (۱۱۵ھ) اور قتادہ بن دعامہ (۱۱۷ھ) ائمہ تفسیر پہلے ہوئے۔ امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ)، امام اوزاعی (۱۵۷ھ)، امام مالک (۱۷۹ھ)، سفیان ثوری (۱۶۱ھ)، امام شافعی (۲۰۴ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) مجتہدین کرام ان کے بعد آئے اور ارباب فن حدیث امام بخاری (۲۵۶ھ)، امام مسلم (۲۶۱ھ) اور امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) کچھ اور بعد میں آئے۔

ہندوستان میں سندھ، گجرات، کشمیر، متحدہ صوبجات اور دہلی کے علماء علم حدیث کی طلب میں حجاز پہنچے اور بہت سے بزرگوں نے وطن واپس آکر اس ملک میں حدیث کو فروغ دیا۔ بعض بزرگ بعد میں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

برصغیر پاک و ہند کے پہلے محدثین

سندھ میں علماء دیبل فن حدیث میں بہت معروف رہے ہیں۔ ابو الحسن علی بن احمد بن محمد تیسری صدی کے نامور محدث یہیں کے تھے۔ علامہ تاج الدین السبکی (۷۷۱ھ) نے طبقات شافعیہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی (۳۲۲ھ) نے ابو عبد اللہ سعید بن عبد الرحمٰن کے واسطے سے سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کی کتاب التفسیر اور امام عبد اللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) کی کتاب کتاب البر والصلۃ کی احادیث روایت کی ہیں ـــــ ابراہیم بن محمد دیبلی مکہ مکرمہ کے مشہور محدث محمد بن ابراہیم کے بیٹے تھے۔ بغداد میں حدیث پڑھاتے رہے۔ پھر یہاں آکر اس علم کو فروغ بخشا ـــــ محمد بن حسین بن محمد (۳۴۳ھ) بھی دیبل کے رہنے والے تھے۔ آپ نے شام کو اپنا مسکن بنایا۔ امام ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

حسین بن محمد بن اسد ابو القاسم دیبلی نے بھی دمشق میں قیام کیا اور امام ابو یعلیٰ

روہیلوں نے ضیاء الدین شاہ اور احسان اللہ شاہ میں باپ کی جانشینی پر اختلاف چلا آیا۔ پیر ضیاء الدین کے
بیٹے تھے مگر مریدوں کے پاس آنا جانا احسان اللہ شاہ کا تھا۔ فریقین میں طے پایا کہ اس اختلاف میں دیوبند کا
فتویٰ حاصل کیا جائے۔ دیوبند کا فیصلہ ضیاء الدین شاہ کے حق میں ہوا جس پر حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب
اور حضرت مولانا انور شاہ کے دستخط تھے۔ احسان اللہ شاہ بگڑ کر دیوبند کے خلاف ہو گیا اور اس
کے دو لڑکے محب اللہ اور بدیع الدین غیر مقلد ہو گئے۔ گدی پر بیٹھے وحیب اللہ شاہ راشدی ہیں
یہ حضرت دیوبندی مسلک کے ہیں۔

پنجاب میں علم حدیث

شیخ محمد اسماعیل محدث لاہوری (۴۴۸ھ) ——— بخارا کے سادات عظام میں سے تھے۔ سلطان مسعود غزنوی کے ساتھ (۴۲۳ھ) میں لاہور آ گئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری (۴۶۵ھ) لاہور میں فروکش ہوئے۔ شیخ محمد بن حسن الصغانی (۶۵۰ھ) صاحب مشارق الانوار نے بھی لاہور کو وطن بنایا اور مصباح الدجیٰ فی احادیث المصطفیٰ، کشف الحجاب فی احادیث الشہاب اور الرسالہ فی الاحادیث الموضوعہ جیسی کتابیں لکھیں۔ اس علاقے میں حدیث کی خدمت قطب الدین محمد بن علاء الدین (۹۴۱ھ) نے بھی کی۔ مکہ مکرمہ اور مصر گئے اور نورالدین ابوالفتح سے حدیث کی سند لی۔ ابو یوسف محمد یعقوب بنانی لاہوری (۱۰۹۸ھ) نے صحیحین کی شرح الخیر الجاری بشرح صحیح البخاری اور المعلم شرح صحیح مسلم لکھیں۔ شیخ محمد صدیق لاہوری (۱۱۲۳ھ) کے والد کابل سے پنجاب آئے اور پھر یہیں رہ گئے۔ آپ جامع مسجد وزیر خاں لاہور میں امام تھے اور آپ کے صاحبزادہ شیخ محمد صدیق حدیث پڑھاتے تھے۔ ان دنوں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا دہلی میں درس جاری تھا۔

پنجاب میں علم حدیث کی یہ خدمت متفرق قسم کی تھی۔ ابھی اس نے یہاں باضابطہ تدریس کی شکل اختیار نہ کی تھی۔ ہندوستان میں جو علاقہ سب سے پہلے حدیث کا مرکز بنا۔ وہ گجرات ہے۔ یہاں کے علماء جس کثرت سے حجاز پہنچے اور پھر جس ولولے سے انہوں نے اپنے ہاں علم حدیث کا چرچا کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے بعد دہلی کا نام ہے۔ یہاں حدیث کی مرکزیت تو ختم ہو گئی۔ اور پھر دہلی سب سے ہندوستان کا مرکز بن گیا۔

گجرات میں علم حدیث

گجرات کے علاقہ احمد آباد کے ایک عالم راجح بن داؤد (م ۹۰۴ھ) حرمین پہنچے۔ اور حافظ شمس الدین سخاوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ ان کی تین روایات عشاریات (حدیث تک دس واسطوں سے پہنچنے کی سند) میں سے ہیں۔ جن میں سے ایک حضرت امام ابو حنیفہؒ کے واسطے سے مروی ہے۔ حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں راجح بن داؤد کو شیخ فاضل اور بارع کامل کے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ گجرات میں سب سے پہلے (۸۰۰ھ) کا لکھا ہوا صحیح بخاری کا ایک نسخہ ملا ہے جو کسی گجراتی عالم کے ہاتھ کا لکھا ہے۔ مکہ کے شیخ ابو القاسم بن احمد جب گجرات آئے تو اپنے ساتھ فتح الباری کا ایک قلمی نسخہ بھی لائے تھے۔ شیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) گجرات سے حجاز گئے اور حافظ سخاوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔

شیخ محمد بن طاہر (۹۸۶ھ) صاحب مجمع البحار گجرات کے نامور عالم ہیں۔ آپ حجاز سے ہی حدیث پڑھ کر آئے تھے۔ آپ کی لغات حدیث کی کتاب مجمع البحار بڑی ضخیم کتاب ہے اور اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے گجرات واپس آنے سے یہاں علم حدیث کو بہت فروغ ہوا۔ آپ کے عہد میں یہاں علم حدیث کا بہت چرچا تھا اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی تھیں۔ شیخ عبد القادر الحضرمی الگجراتی نے النور السافر میں ۹۹۰ھ کے وقائع میں لکھا ہے کہ امیر صالح الغ خاں کے ہاں ۲۷ رجب کو ختم بخاری بڑے اہتمام سے ہوتا ہے اور امیر کی طرف سے اس کے لیے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ صورت حال بتاتی ہے کہ علم حدیث ان علاقوں میں اس سے بہت پہلے متعارف ہو چکا تھا۔ علاقہ گجرات میں جو علماء باہر سے آئے اور یہاں درس حدیث دیتے رہے ان میں شیخ احمد بن محمد الشیروانی (۹۳۰ھ) اور شیخ احمد بن بدر الدین مصری (۹۲۲ھ) مشہور ہیں۔ شیخ احمد بن بدر الدین شیخ الاسلام زکریا انصاری کے شاگرد تھے اور انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) سے حدیث کی سند لی تھی۔

علم حدیث وسط ہند میں

نواب صدیق حسن خاں صاحب ہندوستان میں علم حدیث کا آغاز شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) شارح مشکوٰۃ سے کرتے ہیں۔ آپ نے حجاز میں شیخ ـــــــ علی المتقی صاحب کنز العمال سے حدیث پڑھی تھی۔ آپ کی علمی شہرت نے آپکو سارے ہندوستان کا مرکز بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ گجرات سے بھی علماء ان کے پاس پہنچے اور حدیث کی سند لیتے تھے شیخ محمد بن سلیمان گجراتی بھی دہلی گئے اور حضرت الشیخ سے اس کی سند لی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پوتے شیخ نورالحق (۱۰۷۳ھ) نے صحیح بخاری کی شرح فارسی میں لکھی جو علماء میں بہت مقبول اور متداول ہے۔

ان حضرات کے بعد دہلی کی یہ نسبت علمی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان میں منتقل ہوئی۔ آپ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم جو فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ دہلی کے مدرسہ رحیمیہ کے بانی تھے۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے حضرت شاہ ولی اللہ اس مسند کے وارث ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب نے حجاز کا سفر کیا اور شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم سے دوبارہ حدیث پڑھی حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد آپ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سریر آرائے مسند حدیث ہوئے۔ آپ کی علمی سلطنت مصر و شام اور بلخ و بخارا تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کے بعد آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحٰق یہاں درس و افتاء کا مرجع رہے۔ یہ مسند حدیث اس وقت تک سارے ہندوستان کا علمی مرکز تھی۔ گنگوہ سے شیخ عبدالغنی حدیث پڑھنے حجاز گئے اور واپس آکر یہاں علم حدیث کی خدمت کی۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی بھی اپنے وقت میں مرجع خلائق رہے۔ اور آخری دور میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی گنگوہ میں دورۂ حدیث پڑھاتے رہے۔ ان کے بعد دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور جیسے ادارے عالم وجود میں آئے اور ان سے ایک عالم سیراب ہوا۔

قائم کیا تھا۔ حضرت مولانا احمد علی کے شاگرد شیخ برکت اللہ اس کے پہلے صدر مدرس تھے اور پہلے مہتمم قاضی رحمت اللہ (۱۹۴۴ء) تھے۔ بعد میں شیخ محمد اشرف راندیری جو حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کے شاگرد تھے اس کے مہتمم رہے۔ آج کل مولانا محمد رضا اجمیری اس کے شیخ الحدیث ہیں۔

۳ — جامعہ اسلامیہ ڈابھیل: یہ عظیم اسلامی درسگاہ (۱۹۰۸ء) میں قائم ہوئی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد شیخ احمد بزرگ اس کے پہلے مہتمم ہوئے۔ آپ نے اہتمام چھوڑا تو مفتی بسم اللہ صاحب اس کے مہتمم بنے جو ۱۹۷۰ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۷۰ء سے اس کا اہتمام جناب احمد بزرگ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعید صاحب کے پاس ہے۔ اس درسگاہ کی تاریخی عظمت اور علمی سطوت کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ محدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت شیخ عبدالرحمن امروہی، محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شمس الحق افغانی، محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، محدث عصر مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی جیسے جہابذہ علم اس میں درس حدیث دیتے رہے ہیں۔

ان دنوں شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے شاگرد مولانا محمد ایوب ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمود بھی یہاں تشریف لائے تھے۔

۴ — جامعہ حسینیہ راندیر: ۱۹۲۲ء میں قائم ہوا۔ شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے سنگ بنیاد رکھا۔ ان دنوں مہتمم حافظ اسماعیل بن احمد راندیری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد خضر ہیں۔ آپ کئی دفعہ انگلستان کے تبلیغی دوروں پر بھی تشریف لے گئے ہیں۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد ہیں۔

۴ — فلاح دارین ترکیسر: ترکیسر سورت سے تقریباً چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ دینی فکر کے حامی جناب غلام محمد راوت، شیخ آدم پٹیل، حاجی یوسف راوت، حاجی محمد … راوت کی محنتوں سے یہ درسگاہ قائم ہوئی۔ مفتی احمد بن ابراہیم بیمات آج کل یہاں صدر مدرس ہیں۔

۵ — دارالعلوم کنتھاریہ: سنگ بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

دہلی کے مدارس حدیث

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) سے دہلی میں علم حدیث کا چرچا ہوا۔ ہندوستان کے طلبہ مختلف اطراف سے یہاں آتے اور حدیث کا درس لیتے تھے۔ شیخ سلیمان ابو احمد الکردی بیجاپور سے پڑھ کر گجرات گئے تھے۔ ان کے بعد دہلی میں درس حدیث کی باقاعدہ تشکیل مدرسہ رحیمیہ سے شروع ہوئی۔ اس کے مدیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اپنے والد سے تکمیل علوم کے بعد ۱۱۴۳ھ میں حجاز پہنچے اور شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم سے حدیث کی سند لی۔

مدرسہ رحیمیہ کی علمی سلطنت بلخ اور بخارا اور مصر و شام تک پہنچی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ) یکے بعد دیگرے اس کے مسند نشین رہے۔

ان مسند نشینوں کے پہلو بہ پہلو جنہوں نے حدیث و تفسیر کی خدمات سرانجام دیں ان میں حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (۱۲۳۳ھ) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) شاہ اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ) شاہ عبدالغنی مجددی اور مولانا مملوک علی سرفہرست ہیں۔

دہلی میں انگریزی تسلط کے باعث اس مدرسہ پر بھی آفت و تاراج ہوئی یہاں مولانا نذیر حسین دہلوی صاحب کو مسند نشین بنا دیا گیا۔ مولانا نذیر حسین صاحب کا مسلک حضرت شاہ محمد اسحق صاحب کے مسلک سے کچھ مختلف تھا۔ لیکن دور دراز کے طلبہ اس سے واقف نہ تھے۔ وہ پچھلی شہرت کی بنا پر بڑی تعداد میں اس مدرسہ کی طرف کھنچے آتے تھے۔ مولانا نذیر حسین کے کثرت تلامذہ کی وجہ ان کی شخصیت نہیں، مدرسہ رحیمیہ کی مرکزی شہرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ میں ہر مسلک کے لوگ نظر آتے ہیں۔ مولانا نذیر حسین صاحب نے خود بھی حضرت شاہ محمد اسحق صاحب سے حدیث پوری نہ پڑھی تھی۔ اطراف سنا کر سند لے لی تھی۔

حکومت اب اس مدرسہ سے کسی درجہ میں خائف نہ تھی۔ بلکہ اس مدرسہ میں جو

فکری نزاع اور فقہی اختلاف راہ پا رہے تھے۔ انگریز حکومت کے لیے حوصلہ افزا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان جس قدر فرقوں میں تقسیم ہوں گے اتنا ہی ان کا اقتدار طویل ہو گا۔

مولانا امیر علی بن معظم علی (۱۹۱۹ء) صاحب مواہب الرحمن و عین الہدایہ و مترجم فتاویٰ عالمگیری، مولانا فاروق احمد چڑیا کوٹی مولانا نذیر حسین صاحب کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ نے ان کتابوں کے ترجمے عربی دان ہونے کی وجہ سے کیے ہیں حنفی ہو کر نہیں۔

حضرت مولانا وحید الزماں (۱۹۲۰ء) کا ترجمہ شرح وقایہ کتنا مقبول ہے۔ گو مسلکاً آپ غیر مقلد تھے اور میلان شیعیت کی طرف تھا معلوم نہیں جماعت اہلحدیث انہیں اپنے بزرگوں میں سے کیوں گنتی ہے۔

دہلی کی اس مرکزی درسگاہ میں یہ انقلاب آیا تو حضرت شاہ عبد الغنی مجددی اور مولانا مملوک علی کے تلامذہ دوسرے شہروں کی طرف رخ کرنے لگے۔ ان کا یہ جذبہ مدارس قائم کرنے کی تلاش میں نکلے۔ یہاں تک کہ دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد، مفتاح العلوم مظفر نگر جیسی درسگاہیں قائم ہوئیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دہلی ان کی توجہ کا برابر مرکز رہا۔ دہلی کی مرکزی درسگاہ مدرسہ رحیمیہ تو حکومت کے قبضہ میں چلی گئی تھی۔ لیکن ان حضرات نے دہلی کے دوسرے علاقوں میں حدیث کی نئی درسگاہیں قائم کر لیں اور کچھ پچھلی درسگاہوں کو از سر نو آباد کیا اور اس طرح اس علاقہ کی ذمہ داری پوری طرح سنبھال لی۔ دہلی کے ان مدارس حدیث میں زیادہ مشہور یہ درسگاہیں ہوئیں:۔

۱۔ مدرسہ امینیہ۔ اس مدرسہ کی علمی عظمت کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی سالہا سال اس مدرسہ کے شیخ الحدیث رہے۔ دار العلوم دیوبند کے بعد یہ درسگاہ ہے جو سالہا سال مرجع طلبہ و علماء بنی رہی۔ مولانا نور بخش صاحب بھی یہاں پڑھاتے رہے ہیں۔

۲۔ مدرسہ جامع مسجد فتح پوری۔ دیوبند کے مشہور محدث مولانا شبیر احمد عثمانی اس مدرسہ کے شیخ الحدیث رہے۔ بعد میں آپ دیوبند اور ڈابھیل تشریف لے گئے۔ مدرسہ مسلک دیوبند کے مطابق تھا۔ مگر جامع مسجد فتح پوری کا نظم ان کے ہاتھ میں نہ تھا۔

۳۔ مدرسہ عبد الرب دہلی۔ ہندوستان کے نامور عالم مولانا عبد العلی یہیں پڑھاتے تھے۔

یوپی کے مشہور مدارس حدیث ہندوستان کی سب سے بڑی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند اسی صوبہ میں ہے گولڑہ کے مولانا فیض احمد حضرت پیر مہر علی صاحب کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

> ۱۲۹۰ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے ان دنوں وہاں لکھنؤ۔ دیوبند۔ رامپور کانپور۔ علی گڑھ۔ دہلی اور سہارنپور میں بڑے بڑے علمی مرکز قائم تھے لکھنؤ میں مولانا عبدالحی متوفی ۱۳۰۴ھ مرجع خلائق تھے جن کی ذات محتاج تعارف نہیں دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ میں ہو چکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی سرپرستی میں یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی خلف مولوی مملوک علی صاحب مدرس اول تھے جو اجمیر شریف میں بھی مدرس رہ چکے تھے . . . رامپور میں مولانا فضل حق خیرآبادی کے فرزند مولانا عبدالحق مدرسہ عالیہ نواب صاحب کے پرنسپل تھے۔ [1]

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی پہلے اجمیر شریف مدرس اول رہے پھر دیوبند۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اجمیر شریف اور دیوبند میں کوئی مسلکی فرق نہ تھا دونوں اہل سنت والجماعت کی دینی درسگاہیں سمجھی جاتی تھیں مولانا محمد یعقوب صاحب کے دیوبند آنے کے بعد اجمیر میں مولانا معین الدین صاحب صدر مدرس ہو گئے یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے خلاف تجلیات انوار المعین نامی کتاب لکھی اور ان کے شوق تکفیر کی سخت مخالفت کی ہے۔

بریلی کا مدرسہ مصباح العلوم ۱۲۸۹ھ میں قائم ہوا اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی نے دیوبند سے آکر اس کا افتتاح کیا مولانا احمد رضا خاں کا مدرسہ اس کے تقریباً نصف صدی بعد بنا اس کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۳۲۹ میں ہوا۔ مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ شاہی مرادآباد اپنے اپنے درس حدیث میں پورے ہندوستان کا مرکز تھے۔

لکھنؤ کے مشہور مدارس

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی کی ذات محتاج تعارف نہیں مدرسہ عالیہ فرنگی محل پورے ہندوستان کا علمی مرکز تھا ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی یہیں

---

[1] مہر منیر ص ۶۲

۱۴— جامعہ الاسلامیہ ضمیریہ قاسم العلوم، پٹیہ چاٹگام قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خلیفہ مولانا ضمیر الدین نے اسے قائم کیا اس کے صدر شیخ الحدیث مولانا محمد یونس ہیں۔

۱۵— جامعہ عربیہ اسلامیہ جیری چاٹگام۔ زبدۃ الفقہا مفتی فیض اللہ صاحب جو اس علاقے میں ختم نبوت کا کام بھی کر رہے ہیں اس کے صدر ہیں

۱۶— جامعہ قاسم العلوم جاریہ ہاٹہزاری چاٹگام۔ اسے محدث العصر مولانا سعید احمد نے قائم کیا تھا آپ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن تھے اس مدرسہ کے مہتمم اب آپ کے صاحبزادہ عزیز احمد ہیں۔

۱۷— جامعہ عزیز العلوم بابونگر فتکچھڑی چاٹگام۔ اس کے رئیس زبدۃ العارفین مولانا محمد حامد تھے

۱۸— جامعہ اسلامیہ عبیدیہ نانوپور چاٹگام ملک عظیم روحانی شخصیت شیخ سلطان احمد اس کے مہتمم ہیں یہ مدرسہ مرجع خواص و عوام رہا ہے۔ [illegible]

۱۹— جامعہ اسلامیہ مظاہر العلوم چکپائی چاٹگام، حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں سے مولانا اسمٰعیل اس کے روح رواں ہیں۔

۲۰— جامعہ اسلامیہ ناظر ہاٹ فتکچھڑی چاٹگام (مولانا شاہ نور احمد)

۲۱— جامعہ دار السنہ شیلا گکسا بازار چاٹگام بانی حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ زبدۃ العارفین قاری ابراہیم تھے اب مہتمم مولانا منظور احمد ہیں۔

۲۲— جامعہ اسلامیہ اوجیانی، چاند پور ۲۳— مدرسہ عزیزیہ امداد العلوم ساؤجانی چاٹگام

۲۴— جامعہ نور العلوم فینی نواکھالی ۲۵— مدرسہ فیضیہ عیسیٰ پور (مولانا عبد الرحمن)

۳۱— مدرسہ فریدیہ —— حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد اس کے بانی تھے۔

پاکستان کے مدارس حدیث

بلوچستان میں

۱ــــ جامعہ عربیہ مطلع العلوم (رجسٹرڈ) بروری روڈ کوئٹہ۔

مولانا عرض محمد تلمیذ حدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی وخلیفہ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اس کے بانی ہیں آپ کی وفات (۱۹۷۰ء) کے بعد مولانا عبدالواحد اس کے مہتمم ہوئے ۱۹۴۳ء سے یہاں دورہ حدیث ہو رہا ہے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے شاگرد مولانا محمد سعید شیخ الحدیث ہیں مدرسہ وفاق سے ملحق ہے

۲ــــ مدرسہ مظہر العلوم شالدرہ کوئٹہ

۱۹۴۳ء میں قائم ہوا مولانا عبدالغفور صاحب شاگرد حضرت مدنی اس کے بانی مہتمم اور پہلے شیخ الحدیث ہیں اب مولانا عبداللہ امیری شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں

۳ــــ مدرسہ مفتاح العلوم سیٹلائٹ ٹاؤن کوئٹہ شہر

وفاق سے ملحق ہے۔ مولانا عبدالباقی اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔

۴ــــ جامعہ رحیمیہ کوئٹہ

حاجی محمد رحیم رئیس اعظم کوئٹہ اس کے بانی ہیں۔ مطلع العلوم کے پرانے فاضل مولانا عبدالستار شاد اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

۵ــــ مدرسہ تجوید القرآن کوئٹہ

قاری غلام نبی اس کے بانی ہیں حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اب حضرت مدنی کے شاگرد قاری مہر اللہ اس کے مہتمم ہیں اب یہاں حدیث کا درس بھی شروع کر دیا گیا ہے قاضی عبدالقادر صاحب شیخ الحدیث ہیں۔

۶ــــ مدرسہ بحر العلوم منہ (زیارت)

اس کے بانی مولانا حاجی محمد ہیں۔ اور شیخ الحدیث ــــــــــــــــ ہیں

۷ــــ جامعہ انوار العلوم کواس (زیارت)

اس کے بانی مولانا نیاز محمد فاضل قاسم العلوم ملتان ہیں۔ ۱۹۷۰ء سے دورہ حدیث

شروع ہوا ہے آپ ہی اس کے مہتمم و شیخ الحدیث ہیں۔ وفاق سے ملحق ہے جامعہ کے بورڈ پر لکھا ہے یادگار حضرت شیخ لاہوری ؒ

۸ ـــ دارالعلوم الاسلامیہ (مردان) اس علاقے کی یہ مرکزی درسگاہ ہے۔

۹ ـــ مدرسہ مفتاح العلوم پنجگور (مکران)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے تلمیذ خاص مولانا رحمت اللہ اس کے بانی مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مدارس بلوچستان میں دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

سندھ میں

۱ ـــ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری شارح ترمذی شریف نے اسے قائم کیا آپ اس کے پہلے شیخ الحدیث ہیں آپ کے بعد حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب اس کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب (جو حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمبلپوری سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے صاحبزادے ہیں) اس کے مہتمم مقرر ہوئے نائب مہتمم ڈاکٹر حبیب اللہ مختار ہیں جو امام ترمذی کے موضوع خاص "وفی الباب" پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ محدث شہیر حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی شاگرد خاص حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری بھی یہاں کے مشہور استاد حدیث ہیں جو تیس سال سے یہاں کام کر رہے ہیں۔

۲ ـــ دارالعلوم کراچی

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مؤلف تفسیر معارف القرآن اس کے بانی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی سالہا سال یہاں شیخ الحدیث رہے حضرت مرحوم کے صاحبزادگان مفتی محمد رفیع عثمانی اور جسٹس مولانا تقی عثمانی کی علمی شخصیات اور مساعی جمیلہ سے دارالعلوم بہت ترقی پر ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود حدیث میں ممتاز علمی شہرت رکھتے ہیں۔ دارالعلوم کی وسیع لائبریری ہے مستقل دارالتصنیف ہے ماہنامہ البلاغ اس کا علمی ترجمان ہے

۶ـــ دارالعلوم نجم المدارس کلاچی (ڈیرہ) پاکستان کی مشہور علمی شخصیت مولانا قاضی عبدالکریم اس کے مہتمم ہیں۔ قاضی عبداللطیف ممبر پاکستان سینیٹ آپکے بھائی ہیں۔

۷ـــ معراج العلوم بنوں حضرت مولانا صدر الشہید سابق ممبر قومی اسمبلی پاکستان اس کے شیخ الحدیث اور مہتمم ہیں۔

۸ـــ دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت مولانا فضل اللہ امیر تنظیم اہل سنت صوبہ سرحد اس کے مہتمم ہیں

۹ـــ دارالعلوم شیخ گڑھ ضلع مردان ۱۰ـــ دارالعلوم رستم تحصیل مردان ۱۱ـــ مدرسہ تحفیظ القرآن مردان

۱۲ـــ دارالعلوم الاسلامیہ اضاخیل تحصیل نوشہرہ (مہتمم مولانا شاہ منصور) مشکوٰۃ تک حدیث کی تعلیم ہے

۱۳ جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک مولانا بادشاہ گل اس کے بانی ہیں ان کے صاحبزادے مولانا گوہر علی شاہ آج کل اس کے مہتمم ہیں۔

۱۴ـــ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک یہ صوبہ سرحد کا بڑا دینی مدرسہ ہے۔ اس کے شیخ الحدیث شارح ترمذی شریف حضرت مولانا عبدالحق سابق استاد حدیث دارالعلوم دیوبند ہیں آپ پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر بھی ہیں۔ آپ کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق مدرسہ کے ماہنامہ الحق کے مدیر اعلیٰ ہیں۔

۱۵ـــ جامعہ اشاعۃ القرآن حضرو مولانا محمد صاحب، مولانا عبدالسلام اور مولانا محمد میاں اس کے ممتاز اساتذہ حدیث ہیں مہتمم مولانا سکندر صاحب ہیں۔ یہاں کا دورہ حدیث پورے علاقہ میں مشہور ہے۔

۱۶ـــ مدرسہ تعلیم القرآن کوہاٹ حضرت مولانا نعمت اللہ شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اس کے شیخ الحدیث ہیں

۱۷ـــ جامعہ مدنیہ اٹک قاضی محمد زاہد الحسینی خلیفہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اس کے مہتمم ہیں

۱۸ـــ مدرسہ مظہر العلوم سوات مہتمم مولانا فضل احمد کے اہتمام میں یہ اس علاقے کا علمی مرکز ہے

۱۹ـــ مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ ہری پور حضرت مولانا عبدالرحمن کیمبلپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور کی یاد میں یہ مدرسہ قائم ہے۔

۲۰ـــ دارالعلوم نصیریہ (غور غشتی) یہ مدرسہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب خلیفہ حضرت مولانا حسین علی کی یادگار ہے سالہا سال سے حدیث کی خدمت سرانجام دے رہا ہے

بنیاد رکھی خیر المدارس کو حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ کی تائیدات
سرپرستی حاصل رہی۔ تقسیم ملک کے بعد حضرت مولانا جالندھری نے [illegible] کو ملتان میں
اس کی نشاۃ ثانیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور جامعہ اپنی تعلیمی خصوصیات کے باعث بہت جلد پاکستان
کا دارالعلوم دیوبند بن گیا ملک کی مشہور تنظیم وفاق المدارس العربیہ کی بنیاد یہیں ڈالی گئی اور حضرت
مولانا خیر محمد صاحب تاحیات اس کے صدر رہے اب تک وفاق کا دفتر بھی یہیں چلا آتا ہے۔

اکابر اساتذہ و محدثین میں حضرت مولانا عبدالرحمن کیملپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور
محدث العصر علامہ محمد شریف کشمیری شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ رائپوری شیخ الحدیث حضرت
مولانا فیض احمد صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا جلال الدین صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا
نذیر احمد حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب ملتانی حضرت
مولانا محمد صدیق صاحب حضرت مولانا منظور احمد صاحب کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔
حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد شریف
جالندھری اس کے مہتمم ہوئے۔ جامعہ کی خدمات سرانجام دینے کے بعد آپ نے   کو
مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے ان کے بعد مجلس شوریٰ نے جامعہ خیر المدارس
ملتان کا اہتمام ان کے بیٹے مولانا محمد حنیف جالندھری کے سپرد کیا آپ نے باوجود کمسنی کے جامعہ
کی ذمہ داریاں اس طرح ادا کیں کہ چند سالوں میں اسے خدمت و شہرت کے آسمان پر پہنچا دیا مدرسہ
کا ماہانہ الخیر اس دور ترقی کی ایک منہ بولتی تصویر ہے رسالہ کا وقیع مواد مولانا محمد ازہر کے عزم
اور قلم سے تیار ہوتا ہے۔ مدرسہ کے کئی ذیلی مدارس بھی ہیں جن میں مدرسۃ البنات سرفہرست ہے۔

۵۔ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

پاکستان کی مرکزی دینی درسگاہ ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی
اس کے مہتمم ہیں اس شہر کی دینی خصوصیات میں سے ہے کہ شیخ الہند کے مشہور شاگرد محدث پنجاب
حضرت مولانا عبدالعزیز کا مسکن رہا ہے مولانا قاضی شمس الدین صاحب بھی یہاں حدیث پڑھاتے
رہے ہیں ان دنوں شیخ الحدیث محدث جلیل حضرت مولانا سرفراز صاحب ہیں جن کی خدمات
تالیف تدریس اور تبلیغ حق عالمی سطح تک ہیں شعبان اور رمضان میں یہاں دورہ تفسیر بھی ہوتا ہے

۹ - مخزن العلوم خانپور

اس مدرسہ کے تعارف کے لیے حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی کا نام نامی اور اسم گرامی کافی ہے آپ نصف صدی سے یہاں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند کر رہے ہیں یہاں کا دورہ تفسیر ملکی شہرت کا حامل رہا ہے پورے ملک سے طلبہ و علماء یہاں کھنچے چلے آتے تھے حضرت نے جب دورہ پڑھانا چھوڑ دیا تو حضرت مولانا شفیق الرحمن درخواستی اور مفتی حبیب الرحمن صاحب درخواستی اور حضرت مولانا محمد منظور تونسوی جیسے ممتاز اساتذہ یہاں دورہ پڑھاتے ہیں

۱۰ - دار العلوم کبیر والا ضلع خانیوال۔

عمدۃ المحدثین حضرت مولانا عبد الخالق اس کے بانی مہتمم اور شیخ الحدیث تھے ملتان سے آکر آپ نے اس عظیم درسگاہ کی بنیاد رکھی آج کل شیخ الحدیث حضرت مولانا علی محمد صاحب ہیں دوسرے ممتاز اساتذہ حدیث جامع معقول و منقول حضرت مولانا منظور الحق صاحب شیخ تفسیر مولانا ظہور احمد برادر زادہ حضرت شیخ الحدیث اور مولانا عبد المجید صاحب حال شیخ الحدیث کروڑ پکا معروف شخصیت ہیں

۱۱ - جامعہ حنفیہ جہلم

مولانا عبد اللطیف صاحب تلمیذ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ و خلیفہ مجاز حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ نے نصف صدی پہلے یہ مدرسہ جامع مسجد گنبد والی شہر جہلم میں قائم کیا تھا اب یہ مدرسہ اپنی مستقل شاندار عمارات کے ساتھ مدنی محلہ میں قائم ہے

۱۲ - جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی

۱۹۶۰ء میں قائم ہوا مہتمم مولانا قاری سعید الرحمن محدث العصر حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کیمبلپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور کے صاحبزادے ہیں مولانا سراج الحق اس کے شیخ الحدیث ہیں۔

۱۳ - انوار العلوم محلہ امام باڑہ راولپنڈی

مولانا محمد اسحاق مانسہروی کا قائم کردہ ہے مولانا سید چراغ الدین شاہ اس کے مہتمم ہیں۔ شاہ صاحب نے مستقل نئی عمارات میں جامعہ سراجیہ کے نام سے دورہ حدیث شروع کرا رکھا ہے

۱۴ - دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی مولانا غلام اللہ خان اس کے مہتمم ہیں محدث العصر حضرت مولانا عبد القدیر تلمیذ خاص رئیس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث ہیں

یہ بطور نمونہ چند مدارس کے نام ہیں۔ پاکستان ہندوستان بنگلہ دیش اور برما میں سب سے زیادہ عربی
مدارس مسلک اہل سنت دیوبند کے ہیں علماء و طلبہ کی زیادہ تعداد انہی میں ہے سواد اعظم کے معنی یہی ہوں تو
سچا علم یہی لوگ ہیں گو کم سواد اسے نہیں سمجھتے خانقاہی مدارس اس کے علاوہ ہیں جیسے تونسہ اور گولڑہ کے
مدارس۔ یہ اپنے مسلک اور مزاج میں دیوبندی بریلوی نزاع سے بالا ہیں پھر ہر مسلک کے دوسرے کئی
مدارس ہیں۔ جن کے نام ہم یہاں نہیں دے سکے اہل مدارس وزارۃ المعارف کو اپنے کوائف سے مطلع
فرمائیں تو اگلے ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ یہ چند نام صرف برائے تعارف تھے جہاں حدیث
کی کسی سبق میں خدمت ہورہی ہے —— وللہ الحمد اولاً و آخراً وظاہراً و باطناً

تم المجلد الثانی و یتلوہ المجلد الثالث ان شاء اللہ و اول بابہ اختلاف الحدیث

الاعتذار والاعتراف

آثار الحدیث کے یہ تمام مضامین حضرت علامہ خالد محمود صاحب کے مسودات
میں پراگندہ پڑے تھے کہ راقم الحروف نے انہیں یکجا کرنے اور مرتب کرنے کا بیڑہ
اٹھایا جو حقیقتاً مشکل تھا انہیں آپ سے مزید لکھوایا اور انہیں کتابی شکل میں لانے کی
سعی کی۔ الحمد للہ کہ یہ دوسری جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی مقام پر کچھ حوالے درج کرنے سے رہ گئے ہوں یا کچھ مرتبین کے
سہو سے ساقط نہ دیے جاسکے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں کہ جلدی طباعت کے
باعث مجھ سے تالیف و ترتیب کا حق ادا نہیں ہوسکا اگر کسی جگہ کوئی کوتاہی پائیں تو
اسے مرتب کی جلدی یا قصور معافہ پر محمول کریں علامہ صاحب اپنی جگہ ہر مضمون کی
صحیح نشاندہی کرتے ہیں۔ محمد اقبال عفا اللہ عنہ